ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

آسان تفسیر القرآن

تفسیرِ ربّانی

تالیف و ترتیب

حضرت مولانا مفتی اصغر علی ربانی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
استاذ و مفتی دار الافتاء جامعہ دار العلوم کراچی

جلد ششم

سورۃ بنی اسرائیل تا سورۃ النور

مکتبہ ربانیہ کراچی
Islamic Studies Publishers
Karachi-Pakistan

مکتبہ ربانیہ کراچی

ISLAMIC STUDIES PUBLISHERS

٦

آسان تفسیر القرآن

Islamic Studies Publishers
Karachi-Pakistan

جملہ حقوق بحق مکتبۃ ربانیۃ محفوظ ہیں۔

باہتمام : عبیدالرحمٰن ربانی
جلد ششم : سورۃ بنی اسرائیل تا سورۃ السجدۃ
طبع اوّل : ذی الحج ۱۴۳۹ھ بمطابق اگست 2018ء
ناشر : مکتبۃ ربانیۃ کراچی
فون : 0314-6107967
0302-2426288
(92-21) 35031011
ای میل
rabbaniglobal@yahoo.com
ibnerabbani@gmail.com

عرض ناشر

الحمدللہ!! اگرچہ مکتبۃ ربانیۃ نے

آسان تفسیر القرآن

کی تصحیح وطباعت میں ہر ممکن احتیاط سے کام لیا ہے، لیکن کبھی کبھی کتابت، طباعت اور جلدسازی میں غلطی ہوجاتی ہے، اگر کسی صاحب کو ایسی غلطی کا علم ہو تو براہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

(ادارہ)

ضروری انتباہ!!

اس کتاب کے جملہ حقوق کاپی رائٹ آفس میں رجسٹرڈ ہیں۔اس کتاب کی کتابت، تدوین وترتیب اور کسی بھی طریقے سے کاپی کرنا ”کاپی رائٹ ایکٹ 1962ء“ کے تحت قابل تعزیر جرم ہے اور اس کی خلاف ورزی پر بطور رجسٹرڈ کاپی رائٹ مالک (Owner) قانونی کارروائی کی جائے گی۔

(ادارہ)

ملنے کا پتہ

مکتبۃ ربانیۃ کراچی
131/30 سیکٹر 36/A ذیلی دم کے ایریا کورنگی کراچی
نزد جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

- ادارۃ المعارف، جامعہ دارالعلوم کراچی
- بیت القرآن، اردو بازار کراچی
- دارالاشاعت، اردو بازار کراچی
- مکتبہ معارف القرآن، جامعہ دارالعلوم کراچی
- ادارہ اسلامیات، اردو بازار کراچی
- مکتبہ فہیم دین (جامع مسجد بیت السلام ڈیفنس)

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَارَيْبَ فِيْهِ

آسان تفسیر القرآن

تفسیرِ ربّانی

تالیف وترتیب

حضرت مولانا مفتی اصغر علی ربانی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اُستاذ و مُفتی دارُالافتاء جامعہ دارُالعلوم کراچی ۱۴

جلد ششم

سورۃ بنی اسرآئیل تا سورۃ النور

مکتبۃ ربانیہ کراچی

131/30 سیکٹر 36/A ڈبل روم کے ایریا کورنگی کراچی

نزد جامعہ دارُالعلوم کراچی ۱۴

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست آسان تفسیر القرآن جلد ششم

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	سورۃ بنی اسرآءیل	
۱	اللہ تعالیٰ کی تسبیح	۳۱
۲	معراج کے جسمانی ہونے پر قرآن وسنت کی دلیلیں اور اجماع	۳۶
۳	"مسجد اقصیٰ" اور "شام" کی برکتیں	۳۸
۴	قدرت کی نشانیاں	۳۸
۵	بنی اسرائیل کا طریقہ	۴۱
٦	سورۃ بنی اسرائیل کے مضمونوں کا مختصر تعارف	۴۲
۷	درمیانی رحمت اور دوبارہ شرارت	۴۴
۸	قرآن کا کام	۴۸
۹	تفسیر "......سیدھا راستہ......"	۴۹
۱۰	اللہ تعالیٰ کی پہچان	۵۳
۱۱	اعمال نامہ	۵۵
۱۲	پیغمبر بھیجے بغیر عذاب نہ ہونے کی تشریح	۵۷
۱۳	تباہی کا سبب	۵۸
۱۴	دنیا کا طالب	٦۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۵	ماں باپ کے ساتھ برتاؤ	۶۵
۱۶	احکام و مسائل ماں باپ کے ادب واحترام اور اطاعت کی اہمیت	۶۹
۱۷	ماں باپ کی فرمانبرداری اور خدمت گزاری حدیثوں کی روشنی میں	۶۹
۱۸	ماں باپ کے ادب کی رعایت خصوصاً بڑھاپے میں	۷۱
۱۹	پیسے کا مصرف (الف)	۷۳
۲۰	پیسے کا مصرف (ب)	۷۶
۲۱	اولاد کا قتل	۸۲
۲۲	یتیم اور ناپ تول	۸۷
۲۳	قوتوں کا استعمال	۹۱
۲۴	"وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ" پر ایک تحقیقی بات علم والوں کیلئے	۹۳
۲۵	قرآن مجید کا مقصد	۹۵
۲۶	کفر کی علامت	۹۸
۲۷	قیامت برحق ہے	۹۹
۲۸	محشر میں کافر بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے اُٹھیں گے	۱۰۱
۲۹	تبلیغ کا طریقہ	۱۰۱
۳۰	بڑے لوگوں کا حال	۱۰۴

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۳۱	انوکھے معجزے	۱۰۸
۳۲	انسان کا امتحان (الف)	۱۱۰
۳۳	انسان کا امتحان (ب)	۱۱۳
۳۴	اللہ تعالیٰ کی قدرت	۱۱۵
۳۵	انسان کا مرتبہ	۱۱۸
۳۶	عملوں کا حساب	۱۲۱
۳۷	ورغلانے کی کوشش	۱۲۴
۳۸	پیغمبر کی معصومیت	۱۲۶
۳۹	عبادت کا طریقہ	۱۲۸
۴۰	اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح کا وعدہ	۱۳۲
۴۱	احکام ومسائل	۱۳۵
۴۲	قرآن مجید کا رتبہ	۱۳۶
۴۳	روح کیا ہے؟	۱۳۹
۴۴	اللہ تعالیٰ کی قدرت	۱۴۰
۴۵	کافروں کے مطالبے (الف)	۱۴۲
۴۶	کافروں کے مطالبے (ب)	۱۴۴

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۴۷	گمراہوں کا حشر	۱۴۷
۴۸	چہروں کے بل چلنے سے متعلق "ترمذی شریف" میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے:	۱۴۹
۴۹	کافروں کی عادت	۱۵۰
۵۰	اللہ تعالیٰ کے احسانات	۱۵۱
۵۱	قرآن برحق ہے	۱۵۵
۵۲	مغفرت اور عبادت	۱۵۷
۵۳	احکام و مسائل	۱۵۹
	سورة الكهف	
۱	قرآن کی شان	۱۶۰
۲	شان نزول	۱۶۱
۳	سورۃ الکہف کی فضیلتیں	۱۶۳
۴	اعتقاد کی درستی	۱۶۴
۵	اللہ تعالیٰ کی نشانیاں	۱۶۶
۶	اصحابِ کہف	۱۷۰
۷	اللہ تعالیٰ کی مدد	۱۷۱
۸	اللہ تعالیٰ نے جگا دیا	۱۷۵
۹	احکام و مسائل	۱۷۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۰	اطلاع کی حکمت	۱۷۸
۱۱	احکام و مسائل	۱۸۱
۱۲	ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد	۱۸۱
۱۳	"ان شاء اللہ" کہنے کے چند احکام	۱۸۳
۱۴	اللہ تعالیٰ کی کتاب	۱۸۴
۱۵	پیغمبر کا رویّہ	۱۸٦
۱٦	ایمان والوں کا انعام	۱۸۸
۱۷	احکام و مسائل	۱۹۱
۱۸	عبرت انگیز واقعہ	۱۹۱
۱۹	مؤمن کا رویّہ	۱۹۴
۲۰	باغ اُجڑ گیا	۱۹۷
۲۱	دنیا کی مثال	۱۹۸
۲۲	قیامت کا منظر	۲۰۰
۲۳	آدمی کا دشمن	۲۰۲
۲۴	شرک کا انجام	۲۰۵
۲۵	قرآن کا کام	۲۰٦
۲٦	احکام و مسائل	۲۰۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
٢٧	منکر بڑے ظالم ہیں	٢٠٩
٢٨	موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ	٢١٢
٢٩	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ	٢١٤
٣٠	"مجمع البحرین" سے متعلق مفسرین کے اقوال	٢١٥
٣١	منزل کا پتہ	٢١٦
٣٢	ساتھ چلنے کی شرط	٢١٨
٣٣	پہلا واقعہ	٢٢١
٣٤	دوسرا مرحلہ	٢٢٢
٣٥	دوبارہ یاددہانی	٢٢٣
٣٦	تیسرا مرحلہ	٢٢٤
٣٧	خضر اور موسیٰ علیہما السلام کی جدائی	٢٢٥
٣٨	کشتی کا واقعہ	٢٢٦
٣٩	لڑکے کا قتل	٢٢٧
٤٠	گرتی ہوئی دیوار	٢٢٨
٤١	ذوالقرنین کا حال	٢٢٩
٤٢	"ذوالقرنین" کا جواب	٢٣٠
٤٣	"ذوالقرنین" کا پہلا سفر	٢٣١
٤٤	"ذوالقرنین" کون تھے؟ کس زمانے اور کس ملک میں تھے؟ اور ان کو ذوالقرنین کہنے کی وجہ؟	٢٣٢

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۴۵	مشرق کا سفر	۲۳۳
۴۶	وسطِ زمین کا سفر	۲۳۴
۴۷	دو پہاڑوں کے پاس رہنے والوں کی درخواست	۲۳۵
۴۸	"یا جوج و ماجوج"	۲۳۶
۴۹	سدذوالقرنین	۲۳۶
۵۰	کام کے بعد	۲۳۸
۵۱	قیامت کی ہولناکی	۲۳۹
۵۲	اظہارِ حقیقت	۲۴۱
۵۳	کافروں کی سزا	۲۴۲
۵۴	ایمان والوں کے لئے انعامات	۲۴۴
۵۵	اللہ تعالیٰ کا علم	۲۴۵
۵۶	اسلام کا خلاصہ	۲۴۶
۵۷	"سورۃ الکہف" کیا سکھاتی ہے؟	۲۴۷
۵۸	سورہ کہف کی فضیلت	۲۴۸
	سورۃ مریم	
۱	سورہ مریم کا تعارف	۲۴۸
۲	حضرت زکریا علیہ السلام کی دُعا	۲۵۰
۳	خوش خبری اور تعجب	۲۵۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۴	حمل کی نشانی	۲۵۴
۵	یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش	۲۵۵
٦	حضرت یحییٰ علیہ السلام کے اوصاف	۲۵٦
۷	مریم علیہا السلام کا قصّہ	۲۵۷
۸	فرشتے سے کلام	۲۵۸
۹	اللہ تعالیٰ کی قدرت	۲۵۹
۱۰	عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش	۲٦۲
۱۱	احکام ومسائل	۲٦۳
۱۲	ضروری سامان	۲٦۴
۱۳	لوگوں کا تعجب	۲٦۵
۱۴	حضرت مریم علیہا السلام کی پاک دامنی	۲٦٦
۱۵	سچی بات	۲٦۸
۱٦	اختلاف مت کرو	۲۷۰
۱۷	انسان کی غفلت	۲۷۱
۱۸	اور پیغمبروں کا ذکر	۲۷۲
۱۹	صدیق کی تعریف	۲۷۴
۲۰	باپ کو نصیحت	۲۷۴
۲۱	باپ کا جواب	۲۷٦

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۲۲	ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت	۲۷۷
۲۳	موسیٰ علیہ السلام	۲۷۸
۲۴	اسمٰعیل اور ادریس علیہما السلام	۲۷۹
۲۵	پیغمبروں کا اخلاق	۲۸۱
۲۶	بعد کے آنے والے	۲۸۳
۲۷	جنت کا بیان	۲۸۴
۲۸	جنت ملنے کی شرط	۲۸۵
۲۹	مر کر اٹھنا	۲۸۷
۳۰	قیامت کے واقعات	۲۸۸
۳۱	دنیا کا رویّہ	۲۸۹
۳۲	اللہ تعالیٰ کی مہلت	۲۹۱
۳۳	منکروں کی اُمیدیں	۲۹۲
۳۴	اصل حقیقت	۲۹۳
۳۵	منکروں کا حال	۲۹۴
۳۶	نادانوں کی گستاخی	۲۹۶
۳۷	اللہ تعالیٰ کا کوئی ہمسر نہیں	۲۹۷
۳۸	باقی رہنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے	۲۹۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	سورۃ طٰہٰ	
١	سورۃ طٰہٰ کا تعارف	٣٠٠
٢	نزولِ قرآن	٣٠١
٣	اللہ کی صفتیں	٣٠٤
٤	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدین سے سفر	٣٠٥
٥	طور پر اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی	٣٠٦
٦	ہدایات	٣٠٧
٧	موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی	٣٠٨
٨	احکام و مسائل	٣١٠
٩	ید بیضاء	٣١١
١٠	موسیٰ علیہ السلام کی درخواست (ا)	٣١١
١١	موسیٰ علیہ السلام کی درخواست (ب)	٣١٤
١٢	پہلے احسانات	٣١٥
١٣	تبلیغ کے لئے فرعون کے پاس جانے کا حکم	٣١٧
١٤	اندیشہ کا اظہار	٣١٨
١٥	بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ	٣١٩
١٦	سوال وجواب	٣٢٠
١٧	اللہ کی نشانیاں	٣٢٢
١٨	فرعون کی ہٹ دھرمی	٣٢٣

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۹	مقابلہ	۳۲۶
۲۰	موسیٰ علیہ السلام کا اندیشہ	۳۲۷
۲۱	جادوگر مان گئے	۳۲۸
۲۲	سزا کی دھمکی	۳۲۹
۲۳	صاف جواب	۳۳۰
۲۴	دل کی آواز	۳۳۱
۲۵	بنی اسرائیل کی فرعون سے نجات	۳۳۳
۲۶	بنی اسرائیل پر بڑے بڑے احسانات	۳۳۵
۲۷	وعدہ کی تشریح	۳۳۷
۲۸	قوم کی گمراہی	۳۳۸
۲۹	غصہ کا اظہار	۳۳۹
۳۰	گناہ کا عذر	۳۴۰
۳۱	سیدھی بات	۳۴۱
۳۲	بے تکا سا جواب	۳۴۲
۳۳	ہارون علیہ السلام سے باز پرس	۳۴۳
۳۴	سامری سے جواب طلبی	۳۴۵
۳۵	قیامت کی دہشت	۳۴۷
۳۶	پہاڑوں کا حال	۳۴۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
٣٧	قیامت کے حالات	٣٥٠
٣٨	اللہ تعالیٰ کا فیصلہ	٣٥١
٣٩	قرآن کا طرز	٣٥٣
٤٠	آدم علیہ السلام کی بھول	٣٥٤
٤١	آدم علیہ السلام کا قصہ	٣٥٥
٤٢	شیطانی وسوسہ	٣٥٦
٤٣	آدم کی فرشتوں پر برتری	٣٥٧
٤٤	سجدہ کی قسمیں	٣٥٨
٤٥	بھول کا نتیجہ	٣٥٨
٤٦	جنت چھوڑنی پڑی	٣٥٩
٤٧	نافرمانوں کا حشر	٣٦٠
٤٨	اندھے پن کی وجہ	٣٦٠
٤٩	عبرت کا سامان	٣٦١
٥٠	تاریخ سے سبق	٣٦٢
٥١	پانچوں نمازوں کے اوقات	٣٦٣
٥٢	مال و دولت کچھ نہیں	٣٦٤
٥٣	نماز کی اہمیت	٣٦٥
٥٤	سچائی کی دلیل	٣٦٦

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
٥٥	بہانہ بازی	٣٦٨
٥٦	انتظار کرو	٣٦٩
	سورة الأنبياء	
١	سورۃ الانبیاء کا تعارف	٣٧٠
٢	لوگوں کی غفلت	٣٧١
٣	خفیہ مشورے	٣٧٣
٤	جادوگری کا الزام	٣٧٤
٥	مشرکوں کی بوکھلاہٹ	٣٧٤
٦	ایمان والوں سے وعدہ	٣٧٧
٧	کافروں کی پریشانی	٣٧٩
٨	جنگ کا میدان	٣٨٢
٩	زمین وآسمان کے مالک صرف اللہ تعالیٰ ہیں	٣٨٤
١٠	نقلی دلیل	٣٨٦
١١	خدائی کا دعویٰ	٣٨٩
١٢	احکام ومسائل	٣٩٠
١٣	جہان کی پیدائش	٣٩٠
١٤	”رَتْقٌ“ اور ”فَتْقٌ“ کا دوسرا معنیٰ	٣٩٢
١٥	کشادہ راستے	٣٩٢

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱٦	بشر کا حال	۳۹۳
۱۷	انسان کی جلد بازی	۳۹۵
۱۸	احکام و مسائل	۳۹۵
۱۹	عذاب کا وعدہ	۳۹٦
۲۰	اللہ تعالیٰ سے کوئی نہیں بچا سکتا	۳۹۹
۲۱	غفلت کی وجہ	۴۰۰
۲۲	خطرہ سے خبرداری	۴۰۲
۲۳	عملوں کا وزن	۴۰۴
۲۴	قرآن مجید کا مرتبہ	۴۰۴
۲۵	لوگوں کی حیرت	۴۰٦
۲٦	بتوں کے توڑنے کا موقع	۴۰۸
۲۷	جرأت	۴۰۸
۲۸	لوگوں میں کھلبلی	۴۰۹
۲۹	ہٹ دھرمی	۴۱۱
۳۰	سزا اور نجات	۴۱۲
۳۱	اللہ تعالیٰ کا فضل	۴۱۳
۳۲	حضرت نوح علیہ السلام	۴۱۵
۳۳	پیغمبروں کا کام (لوط علیہ السلام کا ذکر)	۴۱۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۳۴	داؤد اور سلیمان علیہما السلام	۴۱۸
۳۵	حضرت سلیمان علیہ السلام پر انعامات	۴۲۰
۳۶	سلیمان علیہ السلام کے لئے جن اور شیطان تابع کر دیئے گئے تھے	۴۲۳
۳۷	جنوں میں سے صرف شیطانوں کو تابع کرنے کا ذکر کیوں فرمایا؟	۴۲۳
۳۸	اللہ تعالیٰ کے اور نیک بندے	۴۲۴
۳۹	زکریا علیہ السلام کی دعاء	۴۲۶
۴۰	پیغمبروں کے واقعات سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟	۴۲۸
۴۱	حضرت یونس علیہ السلام کا اپنی قوم کو وحی کا انتظار کئے بغیر چھوڑ کر چلے جانا	۴۲۹
۴۲	"اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ" کے معنی کے بارے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی گفتگو	۴۲۹
۴۳	حضرت یونس علیہ السلام کی دعا کے فائدے	۴۳۰
۴۴	عملوں کا بدلہ	۴۳۱
۴۵	"یاجوج ماجوج" کون ہیں؟	۴۳۲
۴۶	بُت اور ان کے پجاری	۴۳۳
۴۷	گُر کی بات	۴۳۵
۴۸	دعوت نامہ	۴۳۷
۴۹	اختیار رب اللہ تعالیٰ کا ہے	۴۳۹
	سورۃ الحج	
۱	سورۃ الحج کا تعارف	۴۴۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۲	اللہ تعالیٰ سے ڈرو	۴۴۱
۳	شک وشبہ کا علاج	۴۴۴
۴	زمین کی پیداوار	۴۴۶
۵	شبہ فضول ہے	۴۴۷
٦	خوف ودہشت	۴۴۸
۷	بدکاروں کا انجام	۴۴۸
۸	کمزور یقین	۴۴۹
۹	پکا وعدہ	۴۵۱
۱۰	فیصلہ کا دن	۴۵۳
۱۱	دو (۲) دعویٰ کرنے والے	۴۵۷
۱۲	ایمان والوں کا انعام	۴۵۹
۱۳	خانہ کعبہ کی تعمیر	۴٦۱
۱۴	حج کے اجتماعی فائدے	۴٦۳
۱۵	اللہ تعالیٰ کی بات کی اہمیت	۴٦۴
۱٦	احکام ومسائل	۴٦٦
۱۷	قربانی	۴٦۸
۱۸	اونٹ کی قربانی	۴۷۰
۱۹	جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینے کی حکمت	۴۷۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
٢٠	لڑائی کی اجازت	٤٧٣
٢١	مسلمانوں کا کام	٤٧٥
٢٢	اندھا پن	٤٧٧
٢٣	مطلب کا خلاصہ	٤٨٠
٢٤	شیطان کی دخل اندازی	٤٨١
٢٥	شیطان کو وسوسہ ڈالنے کا موقع دینے کی حکمت	٤٨٣
٢٦	نبی اور رسول میں فرق	٤٨٥
٢٧	اللہ تعالیٰ کی حکومت	٤٨٦
٢٨	مدد کا وعدہ	٤٨٨
٢٩	قدرت کی کچھ اور نشانیاں	٤٩٠
٣٠	سمندر میں کشتیاں چلنے کے فائدے	٤٩٢
٣١	اللہ تعالیٰ نے آسمان کو تھام رکھا ہے	٤٩٢
٣٢	لفظ "مَنْسَك" اور "نَسك" کے معنیٰ	٤٩٢
٣٣	توحید کی طرف بلاوا	٤٩٣
٣٤	تسخیر کا مطلب	٤٩٣
٣٥	فیصلہ کا دن	٤٩٤
٣٦	غصہ کا جوش	٤٩٦
٣٧	ایک مثال	٤٩٨

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۳۸	اللہ تعالیٰ کو پہچانا ہی نہیں	۴۹۹
۳۹	مسلمانوں کو جہاد کا حکم	۵۰۰
۴۰	سورۃ الحج کا پیغام	۵۰۴
	سورۃ المؤمنون	
۱	ایمان والوں کو خوش خبری	۵۰۵
۲	سورۃ المؤمنون کا تعارف	۵۰۷
۳	مؤمن کی شان	۵۰۸
۴	جنت الفردوس کے وارث	۵۰۹
۵	جنت کے وارث	۵۱۰
۶	اللہ پر ایمان	۵۱۱
۷	پیدائش کے مرحلے	۵۱۳
۸	زندگی کے بعد کے مرحلے	۵۱۴
۹	بارش کا برسانا اور باغات کا اُگانا	۵۱۵
۱۰	میوے	۵۱۸
۱۱	حیوانات	۵۲۰
۱۲	نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا	۵۲۲
۱۳	غلط خیال	۵۲۴
۱۴	قوم کا جواب	۵۲۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۵	کشتی بنانے کا حکم	۵۲۶
۱۶	ڈوبنے سے نجات	۵۲۷
۱۷	اللہ تعالیٰ سے دُعا	۵۲۹
۱۸	ایک اور قوم	۵۳۰
۱۹	کافروں کے بہانے	۵۳۱
۲۰	اپنے جیسے آدمی کی اطاعت	۵۳۲
۲۱	کافروں کے کلام کا خلاصہ	۵۳۳
۲۲	حق کی جیت	۵۳۴
۲۳	پیغمبروں کا سلسلہ	۵۳۵
۲۴	موسیٰ اور ہارون علیہما السلام	۵۳۷
۲۵	غرور کا سر نیچا	۵۳۹
۲۶	پیغمبروں کا انسان ہونا ہمیشہ کافروں کے لئے سوال بنا رہا ہے۔	۵۴۰
۲۷	دین ایک ہے	۵۴۲
۲۸	انسانی دین	۵۴۲
۲۹	فرقہ بندی	۵۴۳
۳۰	لفظ ''طیّب'' کی تشریح	۵۴۴
۳۱	بھلائی کمانے والے	۵۴۶
۳۲	اصل دین آسان ہے	۵۴۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
٣٣	عذاب کے وقت چیخ و پکار	٥٥٠
٣٤	نہ ماننے کی وجہ کیا؟	٥٥٢
٣٥	حقیقتِ حال	٥٥٤
٣٦	گمراہی کی وجہ	٥٥٥
٣٧	بے پڑے نہ مانیں گے	٥٥٧
٣٨	اللہ تعالیٰ کی قدرت	٥٥٨
٣٩	بھیڑ چال	٥٦٢
٤٠	سیدھی بات	٥٦٣
٤١	صاف واقعہ	٥٦٥
٤٢	غلط باتیں	٥٦٦
٤٣	عذاب سے پناہ	٥٦٧
٤٤	خفیہ دشمن سے پناہ	٥٧٠
٤٥	فضول تمنا	٥٧٢
٤٦	کامیابی اور ناکامی	٥٧٤
٤٧	دوسری دفعہ پچھتاوا	٥٧٥
٤٨	صاف جواب	٥٧٦
٤٩	زندگی کے بارے میں سوال	٥٧٨
٥٠	زندگی کھیل نہیں	٥٨٠

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
٥١	بیماری سے شفاء	٥٨٢
٥٢	خلاصۂ کلام	٥٨٢
٥٣	سورۃ المؤمنون پر ایک نظر	٥٨٣
	سورۃ النور	
١	سورۃ النور کا خلاصہ	٥٨٤
٢	شانِ نزول	٥٨٥
٣	سورۃ کی اہمیت	٥٨٦
٤	سورۃ النور کے مضمون	٥٨٦
٥	سورۃ کی اہمیت	٥٨٧
٦	زنا کی شرعی سزا	٥٨٩
٧	زنا ایک بہت بڑا جرم ہے؛اس لئے اسلام میں اس کی سزا بھی سب سے بڑی رکھی گئی ہے	٥٨٩
٨	مجرم کے ساتھ نرمی نہ کرو	٥٩١
٩	اسلام میں ابتداً تو جرم کی پردہ پوشی کا حکم ہے،لیکن جب معاملہ شہادت سے ثابت ہوجائے تو مجرموں کی پوری رسوائی بھی عین حکمت قرار دی گئی ہے۔	٥٩٣
١٠	بے حیائی کی روک تھام	٥٩٣
١١	بدکاری کی تہمت لگانے کی سزا	٥٩٤
١٢	شہادت کی عدم قبولیت	٥٩٦
١٣	احکام ومسائل	٥٩٦

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
١٤	بیوی پر تہمت	٥٩٧
١٥	لعان (الف)	٥٩٨
١٦	لعنت اور غضب میں فرق	٦٠١
١٧	شانِ نزول	٦٠١
١٨	احکام ومسائل	٦٠٦
١٩	جھوٹ کا طوفان (الف)	٦٠٦
٢٠	ٹھیک طرزِ عمل	٦١٠
٢١	سراسر جھوٹے	٦١١
٢٢	بہتان بازی پر تنبیہ!	٦١٢
٢٣	عذاب کی وجہ	٦١٢
٢٤	ایک اور شبہ اور جواب	٦١٣
٢٥	پھر نہ کرنا	٦١٤
٢٦	بری بات مت پھیلاؤ	٦١٥
٢٧	شیطان کی چال	٦١٦
٢٨	پاکیزگی	٦١٧
٢٩	معاف کر دینا	٦١٩

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
٣٠	تہمت کا وبال	٦٢١
٣١	عملوں کی تقسیم	٦٢٢
٣٢	کسی کے گھر ملنے جانا	٦٢٤
٣٣	اگر کہا جائے کہ واپس جاؤ تو واپس آ جاؤ	٦٢٥
٣٤	احکام ومسائل	٦٢٦
٣٥	ضروری تنبیہ!	٦٢٧
٣٦	مقصود پاکیزگی ہے	٦٢٨
٣٧	احکام ومسائل	٦٣٢
٣٨	ایسے لڑکوں کو جن کی ابھی ڈاڑھی نہ آئی ہو ان کی طرف قصداً نظر کرنا بھی اسی حکم میں ہے۔	٦٣٢
٣٩	پاکیزگی کی دوسری بات	٦٣٣
٤٠	عورتوں کے لئے پردے کا حکم	٦٣٧
٤١	ستر کا مسئلہ	٦٣٧
٤٢	استغفار کی تعلیم	٦٣٨
٤٣	برائی کی روک تھام	٦٣٨
٤٤	نکاح کو عام کرو	٦٤٠
٤٥	احکام ومسائل نکاح واجب ہے یا سنت یا مختلف حالات میں حکم مختلف ہے	٦٤٠
٤٦	گناہ سے ہر حال میں بچو	٦٤١

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۴۷	ایک اور برائی کی روک تھام	۶۴۳
۴۸	قرآن کی نصیحت	۶۴۴
۴۹	اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کا روشن کرنے والا	۶۴۵
۵۰	اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کرام کے مختلف اقوال ہیں۔	۶۴۶
۵۱	زیتون کی برکتیں	۶۴۷
۵۲	شفاف روغن	۶۴۷
۵۳	مسجدوں کا حکم	۶۴۸
۵۴	مسجدیں بنانا	۶۵۰
۵۵	مسجدوں کی پاکیزگی	۶۵۱
۵۶	مسجد کی فضیلتیں	۶۵۱
۵۷	مسجدوں کے پندرہ آداب	۶۵۳
۵۸	جو مکانات ذکر اللہ، تعلیم قرآن و تعلیم دین کیلئے مخصوص ہوں وہ بھی مسجدوں کے حکم میں ہے۔	۶۵۳
۵۹	ایک اور وصیت	۶۵۴
۶۰	کافروں کا حال	۶۵۵
۶۱	بدکار کافر	۶۵۸
۶۲	اللہ تعالیٰ کی پہچان کا طریقہ	۶۵۹
۶۳	اللہ تعالیٰ کی قدرت	۶۶۰
۶۴	کھلی نشانیاں	۶۶۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۶۵	اللہ تعالیٰ کی قدرت	۶۶۳
۶۶	منافقوں کا روّیہ	۶۶۴
۶۷	دوغلہ رویہّ	۶۶۵
۶۸	منافقوں کے دل کا مرض	۶۶۷
۶۹	منافقت دل کا مرض ہے	۶۶۸
۷۰	ایمان والوں کا رویّہ	۶۶۸
۷۱	جھوٹی قسمیں	۶۷۰
۷۲	بے غرض نصیحت	۶۷۱
۷۳	اللہ تعالیٰ کا وعدہ	۶۷۲
۷۴	خلافتِ ارضی کا وعدہ	۶۷۴
۷۵	احکام ومسائل (شانِ نزول)	۶۷۵
۷۶	اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری	۶۷۵
۷۷	ایمان والوں کے لئے تسلی	۶۷۶
۷۸	تین وقتوں میں اجازت (الف)	۶۷۶
۷۹	احکام ومسائل (گھر کے لوگوں کیلئے اجازت کا حکم)	۶۷۹
۸۰	بچہ بالغ ہو جائے تو وہ بھی اجازت لے	۶۷۹
۸۱	پردہ کی احتیاط	۶۸۰
۸۲	کوئی حرج نہیں	۶۸۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۸۳	ایمان کی نشانی	٦٨٦
۸۴	مرتبہ کا فرق	٦٨٨
۸۵	منافقوں کو تنبیہ!	٦٩٠
۸٦	سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہے	٦٩١

آیاتھا - ١١١ سُوْرَةُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْل مَکِّیَّةٌ رکوعاتھا - ١٢

سورۃ بنی اسرائیل مکی ہے، اس میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی تسبیح

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى

پاک ہے ذات وہ جو لے گیا بندے اپنے کو راتوں رات سے مسجد حرام تک

الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ؕ

مسجد اقصیٰ وہ کہ برکت دی ہم نے گرد اس کے تاکہ دکھلائیں ہم اس کو کچھ نشانیاں اپنی

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ①

تحقیق وہ ہی سننے والا دیکھنے والا (١)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پاک ذات ہے وہ اللہ جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے اردگرد کو ہم نے برکت دی، تاکہ اس کو کچھ اپنی قدرت کے نمونے دکھائیں، وہی سننے والا دیکھنے والا ہے۔(١)

تفسیر

اس آیت کے شروع میں لفظ "سُبْحٰنَ" ہے، اور "سُبْحٰنَ" کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کام

کرنے کے طریقے میں سب سے اعلیٰ ہے، اور وہ نقص اور خامی سے پاک ہے، اس آیت میں ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ اپنے بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے ایک خاص حصے میں مسجد حرام (کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے گیا جو مکہ سے بہت دور دراز کے فاصلہ پر ہے، لیکن اس کے لیجانے کا طریقہ سب سے اعلیٰ تھا، کیونکہ اپنے طریقے آپ ہی مقرر کرتا ہے، اور کسی کی نقل نہیں کرتا، اور اس طریقے میں کوئی عیب یا نقص نہیں ہوتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نقص و خامی سے پاک ہے۔

آگے ارشاد ہے کہ: بیت المقدس وہ مقام ہے کہ جس کے چاروں طرف ہم نے قسما قسم کی برکتیں پھیلا رکھی ہے، پھر لے جانے کی یہ غرض بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی نشانیوں میں سے کچھ نشانیاں انہیں دکھا کر ان کا ایمان پختہ کرنا اور اپنے اوپر اعتماد کرنا سکھانا چاہتا ہے، یہ سب کچھ جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے مطابق ہوا، کوئی اتفاقی واقعہ نہیں۔

اس سورۃ کا نام "بنی اسرائیل" ہے، اس میں "بنی اسرائیل" کا ایک خاص حال بیان ہوا ہے، اور اسی مناسبت سے سورۃ کا یہ نام رکھا گیا ہے، اسے "سورۃ الاسراء" بھی کہتے ہیں، یہ سورۃ مکی زندگی میں اتری، اس سورۃ کی بڑی فضیلت آئی ہے، حدیث میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً ہر رات "سورۃ زمر" اور "سورۃ بنی اسرائیل" کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، بعض اور سورتوں کی تلاوت کا ذکر بھی ملتا ہے، تاہم ان دو سورتوں کو خصوصیت حاصل ہے۔

دوسری مکی سورتوں کی طرح اس مبارک سورت میں بھی زیادہ تر عقیدوں کا ہی ذکر ہے، اللہ تعالیٰ کی توحید، کفر اور شرک کی مذمت، قرآن پاک کی سچائی اور آخرت، یعنی: قیامت کا ذکر اس سورۃ کے مضامین ہیں۔

اس سورۃ میں اخلاقی تعلیم کا ذکر بھی ہے اس سورۃ کا ایک خاص مضمون "معراج کا واقعہ" ہے، جس کا ذکر اس کی پہلی آیت میں کیا گیا ہے۔

"معراج" کا واقعہ یقیناً مکی زندگی میں پیش آیا، مگر سن کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے، بعض مفسرین سنہ ۴ نبوی کا ذکر کرتے ہیں، اور بعض کہتے ہیں کہ یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے پیش آیا، تاہم صحیح بات یہ ہے کہ "معراج" کا واقعہ نبوت کے دسویں سال یا گیارہویں سال میں پیش آیا، اس لحاظ سے یہ واقعہ

ہجرت سے تین سال پہلے کا ہے۔

اہل سنت والجماعت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ "معراج" کا واقعہ محض خواب کا واقعہ نہیں ہے، جسے روحانی "معراج" مان لیا جائے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ "معراج" روح اور جسم دونوں کے ساتھ ہوئی۔

جس رات "معراج" کا واقعہ پیش آیا، اس رات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی چچازاد بہن امّ ہانی کے ہاں تھے، ان کا مکان خانہ کعبہ کے بالکل قریب تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر وہاں تشریف لایا کرتے تھے، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گھر وہاں سے ذرا دور تھا؛ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض اوقات اپنی بہن کے ہاں ٹھہر جاتے تا کہ رات کو خانہ کعبہ میں عبادت کر سکیں، بعض روایتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے گھر کا ذکر بھی آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر میں تھے، مگر محدثین کرامؒ فرماتے ہیں کہ امّ ہانی کے گھر والی روایت صحیح ہے، اور آپ نے چچا کے گھر کو اپنا ہی گھر سمجھا ہے۔

بعض روایتوں میں "حطیم" کا ذکر بھی آتا ہے، یہ بھی درست ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان کے مطابق فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امّ ہانی کے گھر سے بیدار کر کے "حطیم" میں لے آئے تھے، فرشتوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ مبارک چیر کر آبِ زمزم سے صاف کر دیا اور پھر وہیں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "معراج" کے سفر پر روانہ ہوئے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیان ہے کہ فرشتوں نے امّ ہانی کے مکان کی چھت پھاڑ کر مجھے وہاں سے نکالا اور پھر خانہ کعبہ کے "حطیم" والے حصے میں لے آئے، پھر میرے سینہ کو چیرا، دل کو نکالا، اس کو سونے کے تھال میں رکھ کر آبِ زمزم سے دھویا، اسے علم وحکمت سے بھر دیا اور پھر اپنی جگہ پر واپس رکھ دیا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا کہ: میرے پاس "حطیم" کے مقام پر ایک جانور لایا گیا، جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا، یہ سفید رنگ کا جانور اتنا تیز رفتار تھا کہ اس کی جہاں نگاہ پڑتی وہیں اس کا قدم پڑتا تھا، مجھے اس جانور پر سوار کرایا گیا، جبرئیل علیہ السلام ساتھ تھے، ہمارا سفر "مسجد اقصیٰ" کی طرف شروع ہوا، جب مدینہ طیبہ کے مقام پر پہنچے، تو مجھے سواری سے نیچے اترنے کا حکم ہوا، چنانچہ جس جگہ اس وقت مسجد نبوی ہے، وہاں میں نے دو رکعت نماز پڑھی، پھر میرا گذر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر پر ہوا، آپ کی قبر سرخ ٹیلے کے پاس ہے، مجھے دکھایا گیا کہ

موسیٰ علیہ السلام قبر میں کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہے ہیں، حدیث میں یہ الفاظ آتے ہیں: رَأَى مُوسَى قَائِمًا يُصَلِّي فِي قَبْرِهِ الخ. (فتح الباری شرح صحیح البخاری: ۶/ ۴۸۷: دار المعرفة، بیروت) فرماتے ہیں کہ: پھر میرا گذر طور کے پہاڑ پر ہوا، جہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو فرمائی تھی، میں نے وہاں بھی دو رکعت نماز پڑھی، پھر مدین کی وہ جگہ آئی، جہاں پر موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے ڈر سے مصر سے نکل کر قیام کیا تھا، وہاں بھی دو رکعت نماز ادا کی، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی جگہ "بیت اللحم" پہنچے، اور دو رکعت نماز ادا کی، پھر بیت المقدس پہنچے، اور میں نے جانور کو پتھر کے اس کڑے کے ساتھ باندھ دیا، جہاں دوسرے پیغمبر اپنی سواری کے جانور باندھا کرتے تھے، اس مقام پر بھی میں نے دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کی۔

مسجد اقصیٰ میں کچھ دیر قیام کے بعد آسمانوں کا سفر شروع ہوا، پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، جبرئیل علیہ السلام نے تعارف کرایا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا ہیں، میں نے سلام کیا، انہوں نے مرحبا کہہ کر جواب دیا، پھر دوسرے آسمان پر پہنچے، اور حضرت عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام سے ملاقات ہوئی، تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام اور چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، اور آخر میں ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ ملے، تمام پیغمبروں کے ساتھ سلام وکلام ہوا، اور پھر وہیں مجھے "بیت المعمور" بھی دکھایا گیا، جس طرح زمین پر انسانوں کے لئے خانہ کعبہ ہے، اسی طرح آسمانوں پر فرشتوں کا قبلہ "بیت المعمور" ہے، وہاں ہر روز ستر ہزار فرشتے طواف کرتے ہیں، مگر کسی فرشتے کو ایک سے زیادہ مرتبہ طواف کا موقع نہیں ملتا، اس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو "سدرۃ المنتہیٰ" کے مقام تک لے جایا گیا، جس کے پاس ہی "جنۃ الماوی" ہے، پھر اسی مقام پر اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا ظہور ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت اور دوزخ کی سیر کی، جبرائیل علیہ السلام کو اپنی اصلی شکل میں دیکھا، اس کے علاوہ بھی ہزاروں عجیب وغریب نظارے دیکھے۔

اسی مقام پر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین خاص چیزیں عطا فرمائیں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر پچاس نمازیں فرض کیں، مگر موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں کمی کی درخواست کرتے رہے، اور پھر آخر میں پانچ نمازیں رہ گئیں۔

بہر حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلا تحفہ "پانچ نمازوں" کا ملا، دوسرا تحفہ "سورہ بقرہ" کی آخری دو آیات "اٰمَنَ الرَّسُوْلُ" سے لے کر "عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ" تک اور تیسری خاص چیز اللہ کا یہ فرمان کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا جو شخص شرک میں نہیں پڑے گا میں اس کی غلطیاں معاف فرما دوں گا۔

اس حیرت انگیز واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے وقت لے گئی، ظاہر ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خود بخود تو معراج کے سفر پر نہیں گئے، بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور قدرت سے اس کا انتظام فرما دیا، وہ تمام قوتوں کا مالک اور قادر مطلق ہے، تمام کمیوں کوتاہیوں سے پاک ہے، لہذا وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ اپنے بندے کو روح اور جسم دونوں کے ساتھ بلند سے بلند تر مقام تک لے جائے، اب منکرین اور ملحدین جو بھی تاویلیں کریں، اللہ تعالیٰ نے لفظ "سُبْحٰنَ" کے ذریعے سب کا خاتمہ کر دیا ہے، اتنا تیز رفتار جانور بھی اللہ تعالیٰ ہی مہیا کر سکتے ہیں، اور پھر خاص بات یہ ہے کہ اتنے طویل سفر کے لیے لمبے چوڑے وقت کی ضرورت نہیں پڑی، بلکہ "لَيْلًا" یہ سب کچھ رات بھر میں ہوا، "لَيْلًا" کو نکرہ لانے کا مطلب یہ ہے کہ پوری رات میں بھی نہیں، بلکہ رات کے تھوڑے سے حصے میں یہ سارے واقعات پیش آئے۔

فرمایا: "مسجد اقصیٰ" وہ مسجد ہے جس کے ارد گرد ہم نے بڑی برکتیں رکھی ہیں، اس میں ظاہری اور باطنی دونوں قسم کی برکات شامل ہیں، ظاہری طور پر یہ خطہ سرسبز و شاداب ہے، یہاں پر نہریں، چشمے اور باغات ہیں، نیز: یہ مقام ہزاروں پیغمبروں کا قبلہ رہا ہے، اور ان کی وہاں قبریں بھی موجود ہیں، یہاں پر خدا تعالیٰ کی خصوصی رحمتیں نازل ہوتی ہیں، لہذا یہ ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے بابرکت مقام ہے؛ اس لیے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سب جگہیں دکھلا دی گئیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو بھی ان چیزوں سے آگاہ کیا گیا۔

اس واقعہ کو بیان کرنے کا ایک مقصد اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا: تاکہ ہم اپنے پیغمبر کو اپنی قدرت کی نشانیاں اور کمالات دکھائیں۔ ظاہر ہے کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اوپر کے جہان کی بہت سی جگہوں کی سیر کرائی،

اور اپنی قدرت کی عجیب وغریب نشانیاں دکھائیں، اس نے اس واقعہ کے ذریعے اپنے پیغمبر کا مرتبہ بلند فرمایا، اور اس ایک آیت میں آپ ﷺ کے فضائل ذکر کیے، اگلی دو آیتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کا ذکر ہے، اور پھر بات کا رُخ بنی اسرائیل کی طرف ہو جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا "عبد کامل" یعنی: کامل بندہ بن جائے؛ اس لئے کہ اس خاص جگہ پر آپ ﷺ کی خصوصی صفات میں سے صفت "عبدیت" کو اختیار کیا گیا ہے، اور اس لفظ سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی مقصود ہے کہ اس حیرت انگیز سفر سے جس میں اول سے آخر تک سب ہی عجیب وغریب واقعات ہیں، کسی کو خدائی کا وہم نہ ہو جائے، جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے سے عیسائیوں کو دھوکہ لگا ہے؛ اس لئے لفظ "عبد" کہہ کر یہ بتلا دیا کہ ان تمام صفات وکمالات اور معجزات کے باوجود آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے ہی ہیں، خدا نہیں۔

معراج کے جسمانی ہونے پر قرآن وسنت کی دلیلیں اور اجماع

قرآن مجید اور صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ معراج کا تمام سفر صرف روحانی نہیں تھا، بلکہ جسمانی تھا، جیسے عام انسان سفر کرتے ہیں، قرآن کریم کے پہلے ہی لفظ "سُبْحٰنَ" میں اس طرف اشارہ موجود ہے، کیونکہ یہ لفظ تعجب اور کسی عظیم الشان کام کے لئے استعمال ہوتا ہے، اگر معراج صرف روحانی بطور خواب کے ہوتی، تو اس میں کون سی عجیب بات ہے؟ خواب تو ہر مسلمان بلکہ ہر انسان دیکھ سکتا ہے کہ میں آسمان پر گیا، فلاں فلاں کام کیے۔

دوسرا اشارہ لفظ "عبد" سے اسی طرف ہے، کیونکہ "عبد" صرف روح نہیں، بلکہ جسم وروح کے مجموعہ کا نام ہے۔

معراج کا واقعہ آپ ﷺ نے حضرت امّ ہانی رضی اللہ عنہا کو بتلایا، تو انہوں نے پیغمبر ﷺ کو یہ مشورہ دیا کہ آپ ﷺ اس کا کسی سے ذکر نہ کریں، ورنہ لوگ اور زیادہ جھٹلائیں گے، اگر معاملہ خواب کا ہوتا تو اس میں جھٹلانے کی کیا بات تھی؟

پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کا لوگوں سے ذکر کیا تو مکہ کے کافروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا، اور مذاق اڑایا، یہاں تک کہ بعض نو مسلم اس خبر کو سن کر مرتد ہو گئے، اگر معاملہ خواب کا ہوتا تو ان باتوں کا کیا امکان تھا؟

مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک کے سفر کو "اسراء" کہا جاتا ہے، اور بیت المقدس سے آسمانوں کی طرف کے سفر کو "معراج" کہا جاتا ہے۔ "تفسیر قرطبی" میں ہے کہ "اسراء" کے بارے میں حدیثیں آئی ہیں، اور نقاش نے بیس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روایات اس باب میں نقل کی ہیں، اور قاضی عیاضؒ نے شفاء میں اور زیادہ تفصیل دی ہے۔

اور امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ان تمام روایتوں کو ذکر کیا ہے، پھر پچیس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نام ذکر کئے ہیں، جن سے یہ روایتیں بیان کی گئی ہیں، ان کے نام یہ ہیں: حضرت عمر ابن الخطاب، حضرت علی، ابن مسعود، ابوذر غفاری، مالک بن صعصعہ ابو ہریرۃ، ابوسعید، ابن عباس، شداد بن اوس، ابی بن کعب، عبدالرحمن بن قرظ، ابوحیہ، ابولیلی، عبداللہ بن عمر، جابر بن عبداللہ، حذیفہ بن یمان، بریدہ، ابوایوب انصاری، ابوامامہ، سمرہ بن جندب، ابوالحمراء، صہیب الرومی، ام ہانی، ام المومنین حضرت عائشہ، اسماء بنت ابی بکر رضوان اللہ علیہم اجمعین، اس کے بعد ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: واقعہ اسراء کی حدیث پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے، صرف بے دین لوگوں نے اس کو نہیں مانا۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس بیت المقدس میں اترے، اور جن پیغمبروں کے ساتھ مختلف آسمانوں میں ملاقات ہوئی تھی، وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اترے، (گویا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رخصت کرنے کے لئے بیت المقدس تک ساتھ آئے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا وقت ہو جانے پر سب پیغمبروں کے ساتھ نماز ادا فرمائی، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ نماز اسی دن صبح کی نماز ہو، ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہ پیغمبروں کی امامت کا واقعہ بعض حضرات کے نزدیک آسمان پر جانے سے پہلے پیش آیا ہے، لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ واپسی کے بعد ہوا، کیونکہ آسمانوں پر پیغمبروں سے ملاقات کے واقعہ میں یہ نقل ہے کہ سب پیغمبروں سے جبرئیل امین نے آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کرایا، اگر پیغمبروں کی امامت کا واقعہ پہلے ہو چکا ہوتا، تو یہاں تعارف کی ضرورت نہ ہوتی۔

"مسجد اقصیٰ" اور "شام" کی برکتیں

آیت میں " بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ " میں حول سے مراد پوری زمین شام ہے، ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش سے "دریائے فرات" تک مبارک زمین بنائی ہے، اور اس میں سے فلسطین کی زمین کو خاص مرتبہ عطا فرمایا ہے۔

اس کی برکتیں دینی بھی ہیں اور دنیاوی بھی، دینی برکتیں تو یہ ہیں کہ وہ تمام پہلے پیغمبروں کا قبلہ اور تمام پیغمبروں کے رہنے اور دفن ہونے کی جگہ ہے، اور دنیاوی برکتیں اس کی زمین کا سرسبز ہونا اور اس میں عمدہ چشمے، نہریں، باغات وغیرہ کا ہونا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: اے ملک شام! تو تمام شہروں میں سے میرا منتخب خطہ ہے، اور میں تیری طرف اپنے منتخب بندوں کو پہنچاؤں گا۔

اور "مسند احمد" میں حدیث ہے کہ دجال ساری زمین میں پھرے گا، مگر چار مسجدوں تک اس کی رسائی نہ ہوگی: (۱)....مسجدِ نبوی، (۲)....مسجدِ حرام (بیت اللہ شریف)، (۳)....مسجدِ اقصیٰ، (۴)....مسجدِ طور۔

قدرت کی نشانیاں

وَ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ جَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا

اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور کیا اس کو رہنما واسطے بنی اسرائیل کے کہ نہ

تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ﴿۲﴾ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ

ٹھہراؤ کسی کو سوا میرے کام بنانے والا (۲) اے اولاد ان کی! جنہیں کیا ہم نے سوار ساتھ نوح کے تحقیق وہ

كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ③

تھا   بندہ   شکرگزار (۳)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، اور اس کو بنی اسرائیل کے واسطے ہدایت بنایا کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ بناؤ۔(۲) اولاد ان لوگوں کی جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ کشتی پر چڑھایا، بے شک وہ حق ماننے والا بندہ تھا۔(۳)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ دیکھو! اسی سلسلہ میں ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنا پیغمبر بنا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھیجا اور ان کو کتاب "تورات" عطا کی، تا کہ بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی پہچان کا راستہ بتائیں، اور اس کتاب سے ہدایت حاصل کرنے کی تاکید کریں، جب وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو اچھی طرح سمجھ جائیں گے، تو انہیں صاف نظر آنے لگے گا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اس قابل نہیں کہ اس پر بھروسہ کیا جائے، یہ کتاب ان کو بتائے گی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرے سوا کسی کو اپنا کام بنانے والا مت مانو، اے اولاد! ان لوگوں کی جنہیں ہم نے طوفان سے بچنے کے لئے نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار ہو جانے کی ہدایت کی تھی، اور اس میں بیٹھ کر وہ ڈوبنے سے بچ گئے تھے۔

غور کرو! اس وقت بھی ڈوبنے والے وہی لوگ تھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اوروں کو اپنا مالک اور کام بنانے والا سمجھا تھا، اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کی پروانہ کی تھی، اس کی قدرت کو نہ سمجھتے تھے، نوح علیہ السلام کو کشتی بناتے دیکھ کر ہنستے تھے کہ خشکی پر کشتی چلائیں گے، یہ خبر نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہی خشکی پل بھر میں ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بن جائے گی، اور پھر کسی میں ہمت نہ ہوگی کہ اس کشتی میں بیٹھے بغیر ڈوبنے سے بچ جائے، یہ طوفان ہم نے نوح علیہ السلام کی مدد کے لئے بھیجا تھا، جو ہمارا مخلص بندہ اور ہماری نعمتوں کا شکرگزار تھا، اور ہمارے احسانوں کو مانتا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کام بنانے والا نہ سمجھو، قرآن پاک کی تعلیم بھی یہی ہے، ابتدائی زمانے کی "سورۃ مزمل" میں فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، لہذا کام بنانے والا بھی اسی کو سمجھو، گویا اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا ہی تمام آسمانی کتابوں کا نچوڑ ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کام بنانے والا نہ سمجھا جائے، اس کے علاوہ کسی کو بگڑی بنانے والا نہ سمجھا جائے، اس کے علاوہ اپنے ارادے سے کوئی نفع دینے والا ہے نہ نقصان دینے والا، اللہ تعالیٰ کے سوا قادر اور غیب کا جاننے والا بھی کوئی نہیں، کوئی اس لائق نہیں کہ اُسے اپنی حاجات میں غائبانہ طور پر پکارا جائے، تو "تورات" میں بنی اسرائیل کو یہی بات سمجھائی گئی ہے، تحریف شدہ "تورات" میں اب بھی اس قسم کی آیتیں موجود ہیں، کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہارا غیرت والا رب ہوں، میرے ساتھ کسی کو عبادت میں شریک نہ بنانا، اسی مسئلہ میں آکر اکثر لوگ پھسل جاتے ہیں، اس وقت دنیا کی چار ارب آبادی کفر وشرک میں مبتلا ہے، یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا سب سے بڑا گناہ ہے، دنیا میں بمشکل پانچواں حصہ ہوگا جو توحید کو مانتا ہے، مگر اس کے ماننے والوں کی اکثریت بھی کسی نہ کسی طرح شرک میں لتھڑی ہے، اور خالص توحید کو ماننے والے بہت ہی کم ہیں؛ اسی لیے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کام بنانے والا مت سمجھو۔

آگے اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی توجہ اس حقیقت کی طرف دلائی ہے کہ تم ان لوگوں کی اولاد ہو جن کو ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کرایا تھا، بنی اسرائیل کو خطاب ہے کہ تمہارے باپ دادا نوح علیہ السلام پر ایمان لانے اور طوفانِ نوح سے بچ جانے والے لوگ ہیں، اور نوح علیہ السلام اللہ کے شکرگزار بندے تھے، وہ اور ان کے ماننے والے اسی شکرگزاری کی وجہ سے بچ گئے، اور پھر ان سے آگے انسانی نسل چلی، اور جو لوگ مشرک اور ناشکرگزار تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے پانی میں غرق کر دیا، لہذا اے بنی اسرائیل! خبردار رہو! کہ اگر تم نے بھی اللہ کی ناشکری کی تو تمہارا انجام بھی نوح کی قوم جیسا ہو سکتا ہے، لہذا شکرگزاری کو اپنی عادت بنالو، اس شکرگزاری کا پہلا فرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو مانا جائے، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے، نہ عبادت میں، نہ پکارنے میں، اور نہ نذر ونیاز میں۔

نوح علیہ السلام کی شکر گزاری کا حال یہ تھا کہ آپ کوئی چھوٹا بڑا کام اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تسبیح کے بغیر نہیں کرتے تھے، آپ نے لمبی عمر پائی، تکلیفیں اٹھائیں، مگر ہمیشہ صبر کا دامن تھامے رکھا، اور اللہ تعالیٰ کا ہر حالت میں شکر ادا کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو شکر گزار بندہ کہا ہے، اور بنی اسرائیل کو یاد دلایا ہے کہ تم اس عظیم الشان پیغمبر کی اولاد میں سے ہو، لہذا تمہیں عبرت حاصل ہونی چاہئے کہ طوفانِ نوح میں صرف وہی لوگ بچ سکے، جو اپنے پیغمبر کے ماننے والے اور اللہ تعالیٰ کے شکر گزار تھے۔

بنی اسرائیل کا طریقہ

وَ قَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ

اور صاف کہہ دیا ہم نے سے بنی اسرائیل میں کتاب البتہ فساد کروگے تم میں زمین

مَرَّتَيْنِ وَ لَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝۴ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا

دو مرتبہ اور سرکشی کروگے سرکشی بڑی (۴) پھر جب آیا مقرر وقت پہلے کا ان دو میں سے بھیجے ہم نے

عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ

پر تم کچھ بندے اپنے والے لڑنے سخت پس وہ گھس پڑے درمیان آبادیوں کے

وَ كَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝۵

اور تھا وہ مقرر کام کیا جانے والا (۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں صاف کہہ دیا کہ تم ملک میں دو مرتبہ فساد پھیلاؤ گے، اور بڑی سرکشی کرو گے۔ (۴) پھر جب پہلا دوعدہ آیا ہم نے تم پر اپنے بندے بھیجے سخت لڑائی والے، پھر وہ شہروں کے بیچ گھس گئے اور وہ وعدہ پورا ہی ہونا تھا۔ (۵)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ہم نے انہیں کتاب میں سمجھا دیا تھا اور فیصلہ سنا دیا تھا کہ اگر تم نے اپنے عمل درست نہ کئے

اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کو پہچان کر اس کے سچے فرمانبردار نہ بنے، تو تم خود پسندی اور تکبر کی بری عادت میں مبتلا ہو جاؤ گے اور دوسروں پر بڑے ظلم وستم کرنے لگو گے، اور تم پر اس کی سزا میں آفتیں ٹوٹیں گی، بری عادتیں ایک دفعہ پڑ جائیں تو مشکل سے جاتی ہیں، ایک دفعہ حد درجے کی شرارتیں تمہیں آفت میں پھنسائیں گی۔

عرب کے مسلمانوں کو اور تمام انسانوں کو سمجھایا جارہا ہے کہ اگر تم نے بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر حضرت محمد ﷺ اور اس کی کتاب کو نہ پہچانا تو تمہاری بری عادتیں کبھی تم سے نہ چھوٹیں گی، اور تم بھی طرح طرح کی مصیبتوں کے اندر دنیا میں پھنسو گے اور آخرت کے عذاب میں بھی پڑ جاؤ گے۔" اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے"۔

بنی اسرائیل پر دنیا کی لالچ اس قدر زیادہ تھی، اور اپنی مرضی سے رنگ رلیاں منانے کا اس قدر شوق تھا کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کی پروا نہیں کرتے تھے، ان کے پیغمبر ان کو اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈراتے تو انہیں دھتکار دیتے تھے، اور کبھی کبھی تو قتل ہی کر ڈالتے تھے۔

پہلی آیت میں ان کو بتادیا گیا کہ تم سرکشی میں دو مرتبہ اتنے بڑھ جاؤ گے کہ تمہیں اس کی سزا ملنی دنیا ہی میں ضروری ہو جائے گی، اس آیت میں ذکر ہے کہ آخر بنی اسرائیل اپنی حرکتیں کرتے ہی رہے، اور پہلی مرتبہ فساد کا وقت آپہنچا، "تورات" کے حکموں کو سمجھانے "اشعیا" (الیسیع) پیغمبر کھڑے ہوئے تو بنی اسرائیل نے "تورات" کی کھلم کھلا مخالفت شروع کردی، "اشعیا" پیغمبر کو قتل کر ڈالا۔

ارشاد ہے کہ: اس پر تمہیں سزا دینے کے لیے ہم نے "بابل" کے بادشاہوں کو تم پر مسلط کیا، اور بخت نصر کے سپاہیوں نے تمہارے گھروں تک میں گھس گھس کر خوب مار دھاڑ کی، اور لوٹ کھسوٹ کی اور تمہارا ستیاناس کر دیا، اور ہمارا وعدہ پورا ہو کر رہا، یعنی: تمہاری سرکشی کی سزا تمہیں مل کر رہی۔

سورۃ بنی اسرائیل کے مضمونوں کا مختصر تعارف

اس مبارک سورت کی پہلی آیت میں "معراج" کے واقعہ کا ذکر ہوا، پھر دوسری آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا کرنے کا ذکر ہوا، جسے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنایا، پھر اللہ تعالیٰ نے

تمام آسمانی کتابیں اتارنے کا مقصد یہ بیان فرمایا کہ میرے سوا کسی کو کام بنانے والا نہ سمجھو، اور میرے ساتھ کسی کو بھی شریک مت کرنا، پھر بنی اسرائیل کو اپنی نعمتیں یاد دلائیں کہ تم ان کی اولاد ہو جن لوگوں کو ہم نے نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار کرایا تھا، اس طرح گویا بنی اسرائیل کو آگاہ کیا اور دوسرے لوگوں کو متنبہ کیا کہ ناشکر گزاری کا نتیجہ بہت برا ہوتا ہے، لہذا اس سے بچنا چاہئے۔

بنی اسرائیل کو آگاہ کیا گیا کہ تم زمین میں دو مرتبہ سرکشی اختیار کرو گے اور دونوں مرتبہ تمہیں سزا دی جائے گی، چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی اسرائیل کا یہ حال اپنی امت کے سامنے بیان کر کے اپنی امت کو بھی خبردار کیا کہ اگر تم بنی اسرائیل کی راہ پر چلو گے، انہی کے غلط عقیدے اور غلط رسمیں اپناؤ گے، غلط عمل کرو گے، تو پھر تمہارا حشر بھی ان سے مختلف نہیں ہوگا۔

جب ان میں سے پہلا وعدہ آ گیا، تو بنی اسرائیل نے فساد اور سرکشی شروع کر دی، اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکموں ٹھکرانے لگے، اپنے پیغمبروں کی نافرمانی کر کے انہیں تکلیفیں پہنچانے لگے، یہاں تک کہ بعض پیغمبروں کو ناحق قتل بھی کر دیا، اور پھر جو لوگ انہیں حق کی بات بتانے کی کوشش کرتے، انہیں اچھی باتوں کا حکم کرتے، اور بری باتوں سے منع کرتے، یہ ان کو بھی برداشت نہ کرتے تھے تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کی زمین پر نیکی مغلوب اور برائی غالب آ گئی تو پہلے وعدے کا وقت آ گیا، اور پھر اس کے نتیجے میں ہم نے تمہارے اوپر اپنے بندے بھیجے جو سخت لڑائی والے تھے، یعنی: ہم نے تم پر تم سے بھی زیادہ سخت لڑائی والے آدمی مسلط کر دیے، جن کے ذریعے تمہیں سخت ترین سزا دی، ان بندوں سے مراد کلدانی اور آشوری نسل کے لوگ ہیں جو بابل پر حکمران تھے، اور جن کا بادشاہ "بخت نصر" تھا۔ یہاں پر "سخت لڑائی والے بندے" سے مراد اللہ تعالیٰ کے نافرمان بندے ہیں، کیونکہ جن لوگوں کو بنی اسرائیل پر مسلط کیا گیا وہ اللہ تعالیٰ کے بھی نافرمان تھے، کیونکہ عام قانون اللہ تعالیٰ کا یہ ہے، جیسا کہ "سورہ انعام" میں فرمایا: اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر دیتے ہیں، جو حاکم اپنی عوام پر ظلم کرتے ہیں، ان کی سزا کے لیے ان پر ان سے زیادہ جابر لوگ مسلط کر دیے جاتے ہیں۔

اسی اصول کے تحت اللہ تعالیٰ نے "بخت نصر" جیسے ظالم بادشاہ کو بابل سے اٹھا کر شام و فلسطین میں بنی

اسرائیل پر مسلط کر دیا، جس نے ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ تاریخ میں چالیس ہزار یا ستر ہزار بنی اسرائیلیوں کے قتل کی روایتیں ملتی ہیں، انہوں نے نہ صرف بنی اسرائیلیوں کو قتل کیا، بلکہ "بیت المقدس" کو بھی تباہ و برباد کر دیا، اور وہاں کی کتابیں جلا دیں، حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں "بیت المقدس" کی تعمیر جنوں نے کی تھی، اور اس میں قیمتی ہیرے اور جواہرات لگائے گئے تھے، "بخت نصر" اور اس کے ساتھی یہ چیزیں اپنے ساتھ لے گئے، کہتے ہیں کہ یہ قیمتی سامان ایک لاکھ ستر ہزار بیل گاڑیوں پر لاد کر لے جایا گیا، اس کے علاوہ بے شمار مردوں اور عورتوں کو غلام اور لونڈی بنا کر لے گئے، بہرحال! بنی اسرائیل کی سرکشی اور پھر اس کی سزا ملنے کا یہ پہلا وعدہ پورا ہوا، ان پر ذلت اور غلامی کا دور تقریباً ستر سال تک قائم رہا، کہتے ہیں کہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے تقریباً چار سو سال بعد یہ واقعہ پیش آیا، اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا۔

بنی اسرائیل کے واقعات قرآن کریم میں بیان کرنے اور مسلمانوں کو سنانے سے بظاہر مقصد یہی ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے اس قانون سے مستثنیٰ نہیں ہیں، دین و دنیا میں ان کی عزت اور شوکت اور مال و دولت اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں ہیں، جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ پھیریں گے، تو ان کے دشمنوں اور کافروں کو ان پر غالب اور مسلط کر دیا جائے گا، جن کے ہاتھوں ان کی عبادت گاہوں اور مسجدوں کی بے حرمتی ہوگی۔

درمیانی رحمت اور دوبارہ شرارت

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ

پھر لوٹائی ہم نے تمہاری باری اوپر ان کے اور مدد کی ہم نے تمہاری ساتھ مالوں اور بیٹوں کے

وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ﴿٦﴾ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۟

اور کیا ہم نے تم کو ان سے زیادہ تعداد میں (٦) اگر اچھا کیا تم نے تو اچھا کیا واسطے جانوں اپنی کے

وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ؕ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ

اور اگر برا کیا تم نے تو واسطے انہی کے (برا کیا) پس جب آیا وقت دوسرے وعدے کا تا کہ بگاڑ دیں وہ چہرے تمہارے

وَ لِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ لِيُتَبِّرُوْا مَا
اور تا کہ داخل ہوں مسجد اقصیٰ میں جیسے کہ داخل ہوئے وہ اس میں پہلی بار اور تباہ کردیں جہاں تک

عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَ اِنْ عُدْتُّمْ
زور چلے پورا تباہ کرنا (۷) بعید نہیں رب تمہارا کہ رحم فرمائے تم پر اور اگر لوٹے تم

عُدْنَا ۘ وَ جَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝
تو ہم بھی لوٹیں گے اور کیا ہم نے دوزخ کو کے لئے کافروں جیل خانہ (۸)

وقف لازم

بامحاورہ ترجمہ: پھر ہم نے تم کو ان پر دوبارہ غلبہ دے دیا، اور قوت دی تم کو مالوں سے اور بیٹوں سے اور ان سے زیادہ کردیا تمہارا لشکر۔ (۶) اگر تم نے بھلائی کی تو اپنا بھلا کیا اور اگر برائی کی تو اپنے لئے، پھر جب دوسرا وعدہ آ پہنچا اور بندے بھیجے تا کہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور مسجد میں گھس جائیں جیسے پہلی بار گھس گئے تھے اور جس جگہ غالب ہوں تو پوری طرح خراب کردیں۔ (۷) تمہارے رب سے دور نہیں کہ تم پر رحم کرے اور اگر وہی کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کریں گے اور ہم نے دوزخ کو کافروں کے لیے قید خانہ بنایا ہے۔ (۸)

لفظی تحقیق: كَرَّةَ: کا معنی ہے لوٹ کر پھر حملہ کرنا، یہاں مراد یہ ہے کہ ہم نے تمہارے دن پھیرے۔

تفسیر

بابل کے بادشاہوں کا بیت المقدس پر حملہ بھی عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے ۵۸۷ سال پہلے ہوا، آخر آفت میں پھنس کر یہودیوں کا خیال بھی نرم ہوا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو پھر ان کے ملک میں لا بسایا، اور دولت وقوت عطا کی، مال بھی خوب دیا اور اللہ تعالیٰ کی برکت سے اولاد بھی خوب ہوئی، لاؤ لشکر خوب بڑھ گیا، دشمنوں کو مار بھگایا، اور پھر اسی طرح حکومت کرنے لگے جیسے پہلے کرتے تھے، ہر طرف چہل پہل ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: یہ آفت تمہاری بدعملیوں کا بدلہ تھا، اور اب جو اچھی حالت ہوئی تو یہ تمہاری نیکی کا ہی بدلہ ہے، خوب سمجھ لو کہ! اگر بھلائی کرو گے تو اپنے بھلے کے لئے اور اگر برائی کرو گے تو اپنے برے کے لئے،

اس کے بعد کچھ دن اچھے گزرے، اور پھر شیطان نے ان کو ورغلایا اور لگے اندھا دھند برے کام کرنے۔

دوسری بار اللہ تعالیٰ نے "طیطوس رومی" کو ان پر مسلط کر دیا، اور اس نے مار مار کر ان کے حلیے بگاڑ دیے، اس کے سپاہی بیت المقدس میں پھر گھس گئے، اور اسے تباہ و برباد کر دیا، اور بنی اسرائیل کو ملیامیٹ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، آخری آیت میں فرمایا کہ: اسلام کے تابع ہو کر تمہارے ابھرنے کا موقع آیا ہے، اگر اب بھی سرکشی اور شرارت پر کمر باندھی تو ہم تمہیں دنیا میں بھی رسوا کریں گے اور آخرت میں ہم نے اپنے نافرمانوں کے لیے دوزخ کا قید خانہ تیار کر رکھا ہے، اسی میں تمہیں بھی قید کر دیا جائے گا، پہلا واقعہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے کا تھا، اس کے بعد انہوں نے زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کو قتل کیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی اور ان کے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا، مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں بچالیا، اس کے بعد انہیں وہ سزا ملی جس کا اس آیت میں ذکر ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر ایک دفعہ پھر مہربانی کی، اور اس کا ذریعہ ایرانیوں کو بنایا، بعض ایرانی بادشاہ اٹھے اور انہوں نے بابلیوں کو شکست دے دی، شام و فلسطین پر قبضہ جمایا اپنی کچھ انصاف پسندی کا ثبوت دیا، اور نہ صرف بنی اسرائیل کو آزاد کر دیا، بلکہ ان کا بچا کچا سامان بھی واپس کر دیا، اللہ تعالیٰ نے اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ، اے بنی اسرائیل! پھر ہم نے پلٹا دی تمہارے لئے باری ان پر، یعنی: تم پھر اپنی حالت میں آگئے، تمہیں دوبارہ برتری حاصل ہوگئی، مال اور بیٹوں کی فراوانی ہوگئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمہاری قومی زندگی پوری طرح بحال ہوگئی، اللہ تعالیٰ نے انہیں نیکی کا ایک موقع اور دیا کہ اگر تم نیکی کا کام کرو گے تو فائدہ خود تمہیں ہی پہنچے گا، اور اگر برائی کا کام کرو گے تو اس کا وبال تم پر ہی پڑے گا، مطلب یہ کہ اچھائی یا برائی کا نتیجہ تمہارے ہی حق میں اچھا یا برا نکلے گا، اللہ تعالیٰ کو نہ تمہاری نیکی کا کوئی فائدہ ہے اور نہ تمہاری برائی سے کوئی نقصان ہے۔

بنی اسرائیل ایک دفعہ پھر خوشحالی کی زندگی بسر کرنے لگے، مگر دنیا کے عیش و آرام میں پڑ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کو دوبارہ بھول گئے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے کفر و شرک اور گناہوں میں مبتلا ہو گئے، اور ایک دفعہ پھر ان کی وہی حالت ہوگئی جو پہلی سزا کے وقت تھی، بنی اسرائیل پر پہلا وعدہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد آیا تھا، جب اللہ تعالیٰ نے "بخت نصر" کے ذریعے انہیں سزا دی، پھر دوسرا وعدہ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے چالیس، ستر یا

ایک سو ستر سال کے بعد ظاہر ہوا، اس وقت تک بنی اسرائیل میں عیسائی بھی داخل ہو چکے تھے، یہودی تو پہلے ہی موجود تھے، انہوں نے حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو نہایت بے دردی سے قتل کیا، یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام کو بھی برداشت نہ کیا اور انہیں بھی سولی پر لٹکانے کی کوشش کی، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچالیا اور اپنی طرف زندہ آسمان پر اٹھالیا۔

بہر حال! اس دور میں بنی اسرائیل کی سرکشی ایک دفعہ پھر حد سے بڑھ چکی تھی، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غضب دوبارہ بھڑکا۔

مفسرین کے مطابق بنی اسرائیل پر یہ دوسری تباہی "ٹیٹس رومی" کے ذریعے آئی، روم کا یہ بادشاہ نہ یہودی تھا اور نہ عیسائی، جب اس نے دیکھا کہ بنی اسرائیل عیش و آرام میں پڑے ہوئے ہیں تو اسے موقع مل گیا، اس نے "بیت المقدس" پر حملہ کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی، بے شمار یہودی اور نصرانی قتل ہوئے، اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا دوسرا وعدہ پورا ہو گیا، "ٹیٹس رومی" کے لشکری دوبارہ اسی طرح "بیت المقدس" میں داخل ہوئے، جس طرح پہلی مرتبہ "بخت نصر" کے سپاہی داخل ہوئے تھے اور اس پر قابض ہو گئے۔

"ٹیٹس رومی" کے حملے کے سوا یا ڈیڑھ سو سال بعد عیسائیوں کے دن پھرے، قسطنطین نے عیسائیت اختیار کر لی، جس کی وجہ سے عیسائیت کو حوصلہ ملا، مگر یہودی اسی طرح ذلیل و خوار ہی رہے، اور ہیکل مقدس بھی ویران ہی پڑا رہا، اس کے بعد خلیفہ ثانی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں شام و فلسطین پر مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا، اس وقت تک "بیت المقدس" کی عمارت کھنڈر میں تبدیل ہو چکی تھی، تاہم اس مقام کو ہیکل مقدس ہی کہا جاتا تھا، پھر جب مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو "بیت المقدس" کی دوبارہ تعمیر ہوئی، اور تقریباً اسّی (۸۰) سال تک یہ مقدس مقام مسلمانوں کے قبضہ میں رہا، اور اس کے بعد پھر عیسائیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔

"بخت نصر" اور "ٹیٹس رومی" کے بعد ان کی تیسری شامت اس وقت آئی جب اللہ تعالیٰ نے اپنا آخری پیغمبر بھیجا، اس وقت یہودیوں کی بہت بڑی تعداد عرب کے علاقے خصوصاً مدینہ طیبہ کے اطراف میں آباد تھی، انہوں نے نہ صرف پیغمبر آخر الزماں کا انکار کیا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازشیں کیں، عرب کے مشرکوں کا

ساتھ دیا، مگر اللہ تعالیٰ نے اس مرتبہ بھی انہیں ذلیل کیا، کچھ یہودی مارے گئے اور کچھ مدینے سے جلاوطن ہوئے۔

آگے فرمایا کہ: ہم نے کافروں کے لئے گھیرنے والی دوزخ بنا رکھی ہے، جس کا خاتمہ کفر پر ہوگا، خواہ یہودی ہو یا عیسائی ہو یا کوئی دوسرا کافر ہو، وہ بہرحال! دوزخ میں جائے گا، یہ آخرت کی سزا کی طرف اشارہ ہے کہ صرف دنیا کی سزا کافی نہیں، بلکہ آخرت کی ہمیشہ والی سزا بھی کافروں کے لیے تیار ہے، بنی اسرائیل کا یہ واقعہ بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بھی خبردار کیا کہ جو کوئی یہودیوں والی خصلتیں اختیار کرے گا، اس کا انجام بھی ویسا ہی ہوگا۔

قرآن کا کام

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ وَ یُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ

تحقیق یہ قرآن ہدایت کرتا ہے کیلئے اس طریقے کہ وہ سب سے سیدھا ہے اور خوشخبری دیتا ہے ایمان والوں کو

الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِیْرًاۙ۝۹ وَّ اَنَّ الَّذِیْنَ

جو کام کرتے ہیں اچھے یہ کہ واسطے ان کے ہے ثواب بڑا (۹) اور یہ کہ جو

ع ۱۰

لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا۠۝۱۰ وَ یَدْعُ

نہیں ایمان لاتے پر آخرت تیار کر رکھا ہے ہم نے کیلئے ان عذاب دکھ کا (۱۰) اور مانگتا ہے

الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَیْرِ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا۝۱۱

انسان برائی کو جیسے مانگتا ہے بھلائی کو اور ہے انسان جلد باز (۱۱)

با محاورہ ترجمہ:۔ یہ قرآن وہ راہ بتاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے اور ایمان والوں کو جو اچھے عمل کرتے ہیں خوشخبری سناتا ہے کہ ان کے لئے بڑا ثواب ہے۔(۹) اور یہ کہ جو آخرت کو نہیں مانتے ان کے لئے

ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔(۱۰) اور آدمی برائی مانگتا ہے جیسے بھلائی مانگتا ہے اور انسان جلد باز ہے۔(۱۱)

تفسیر

"سیدھا راستہ......"

قرآن جس طریقے کی ہدایت کرتا ہے، اس کو" اَقْوَمُ " کہا گیا ہے،"اَقْوَمُ " کی تفسیر یہ ہے کہ وہ راستہ جو منزل مقصود تک پہنچانے میں قریب بھی ہو، آسان بھی ہو، خطرات سے خالی بھی ہو۔

ارشاد ہے کہ: اب ہمارے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے پاس ہمارا قرآن مجید لے کر آئے ہیں، ان کی بات سنو، اور نافرمانی مت کرو، کامیابی پاؤ گے، دیکھو! اس قرآن میں تمام پچھلی کتابوں کا نچوڑ ہے، اور یہ ایسی راہ بتاتا ہے جو سب سے زیادہ مضبوط اور سیدھی ہے اور صاف صاف کہتا ہے کہ جو اس کی باتوں پر پوری طرح یقین کریں گے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی کتاب پر ایمان لا کر نیک کام کریں گے، ان کے لئے خوشخبری ہے کہ وہ لوگ دنیا اور آخرت دونوں میں چین اور امن وامان کی زندگی بسر کریں گے، مگر جو لوگ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھیں گے، اور آخرت پر یقین نہ کریں گے، ان کے لئے دکھ، درد، رنج وغم کے سوا کچھ نہیں، وہ یہاں بھی برے حال میں زندگی بسر کریں گے، اور مر کر بھی بڑے دکھ بھرے عذاب میں مبتلا ہوں گے، قرآن مجید کا یہ پیغام جو اس آیت کے ذریعہ پہنچایا گیا ہے، تمام انسانوں کے لئے ہے، لیکن یہودیوں کو اس سے خاص طور پر سبق لینا چاہئے اور سزاؤں کے چکر سے نکلنا ہے، تو قرآن کی یہ بات گرہ میں باندھنی چاہئے۔

اللہ، پیغمبر، قرآن اور آخرت ان چار چیزوں پر ایمان لانے کے بعد انسان جب ایک کام اختیار کرے گا، تب کہیں جا کر مسلمان ایمان والا کہلانے کا حقدار ہوگا۔

ارشاد ہے کہ: انسان ضدی اور جلد باز ہے، اپنے نفع ونقصان کو بھی ان بری باتوں کی وجہ سے نظر انداز کر دیتا ہے، گھبراہٹ میں اپنے آپ کو اور دوسروں کو کوسنے، کاٹنے لگتا ہے، ذرا ذرا سی باتوں میں غضبناک

ہو جاتا ہے، ضد اور جلد بازی کی یہ حالت ہے کہ اپنے منہ سے اللہ تعالیٰ سے عذاب کی درخواست کر بیٹھتا ہے، جیسے مکہ کے کافر بدحواس ہو کر کہتے تھے کہ یہ شخص ہماری جان کھائے جاتا ہے۔

غرض! انسان پر اس جلد بازی کی وجہ سے یہ دشوار ہو جاتا ہے کہ اللہ کے انعام کے وعدوں کا صبر کے ساتھ انتظار کرے، اور اس کی عبادت میں لگا رہے، اس کی بے صبری اسے مصیبتوں میں پھنساتی ہے اور یہ ٹھنڈے دل سے قرآن مجید کی باتوں پر غور نہیں کر سکتا تاکہ ہدایت حاصل کرے۔

قرآن پاک کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ: بیشک یہ قرآن رہنمائی کرتا ہے اس راستے کی طرف جو سب سے زیادہ سیدھا اور درست ہے، گویا قرآن حکیم، "تورات" سے بھی زیادہ فضیلت والی کتاب ہے، "تورات" صرف بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے اتاری گئی تھی، جبکہ یہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ نے دنیا کے تمام انسانوں کے لئے اتارا ہے۔

اَقْوَمُ: کا معنیٰ "درست اور سیدھی راہ" ہے، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ قرآن ہدایت کا راستہ ہے، جو انسان کے ظاہر اور باطن کی درستگی کا سامان مہیا کرتا ہے، یا یہ اس ملت کی طرف رہنمائی کرتا ہے، جو سب سے زیادہ درست ہے، اور وہ ملتِ ابراہیمی یا ملتِ اسلام ہے، ملتِ ابراہیمی ایسی ملت ہے، جس کے مقابلے میں کوئی ملت، مذہب اور طریقہ نہیں ہے، اب یہودیوں اور عیسائیوں کا فرض بھی یہ ہے کہ وہ اسی راستے کو اختیار کریں جس کے بغیر کامیابی کی کوئی صورت نہیں، اس راستے پر چلنے والے مومنین کے متعلق فرمایا: "**ویبشر المؤمنین**" قرآن حکیم ایمان والوں کو خوشخبری سناتا ہے، جہاں قرآن پاک برائیوں کے انجام سے ڈراتا ہے، وہیں نیکیوں کے انجام کی خوشخبری بھی سناتا ہے، تو یہ خوشی کی بات ہے کہ قرآن ایمان لانے والوں کو خوشخبری سناتا ہے، اور ایمان لانے والے کون ہیں؟ فرمایا: (ایمان لانے کے بعد) نیک اعمال انجام دیتے رہے، اللہ تعالیٰ کو ایک مانتے رہے، اللہ تعالیٰ کی صفات، پیغمبروں کی رسالت، فرشتوں اور آسمانی کتابوں پر ایمان لائے، اور صالحات میں ہر قسم کی نیکیاں شامل ہیں، بنیادی طور پر نماز، روزہ، حج اور جہاد نیک عمل ہیں، ان کے علاوہ ہر وہ عمل ہے، جسے شریعت نے اچھا قرار دیا ہے، وہ بھی نیک عمل ہوگا، پھر یہ ہے کہ نیک عمل دل سے بھی ہوتے ہیں، جیسے کسی دوسرے

کے بارے میں اچھی نیت رکھنا اور اس کے متعلق اچھا گمان کرنا نیکی میں داخل ہے، اس کے علاوہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا بھی نیکی میں داخل ہے، فرمایا: ایمان لانے کے بعد جو نیک کام کرتے ہیں، اللہ کے ہاں ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے، اس کے نتیجے میں وہ لوگ خوش اور کامیاب ہوں گے، قرآن ان کو خوشخبری دیتا ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے کامیاب ہوجائیں گے۔

شوق دلانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں ڈرانے کی آیتیں بھی ذکر فرمائی ہیں، ایمان والوں کی کامیابی کا ذکر کر کے نافرمانوں کی سزا کا ذکر بھی کیا ہے، ارشاد ہوتا ہے: اور جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، قرآن ان کو خبردار کرتا ہے، ظاہر ہے کہ جو شخص آخرت کے حساب کو ہی نہیں مانتا وہ کسی چیز سے نہیں ڈرتا؟ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا: ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے، یہ نہایت ہی خطرناک اور دکھ دینے والا عذاب ہے، غرض یہ کہ! ڈرانے اور شوق دلانے کا کام صرف قرآن پاک نہیں کرتا، بلکہ خود پیغمبر بھی یہ فریضہ ادا کرتے ہیں، خود قرآن پاک کا بیان ہے: ہم نے پیغمبروں کو خوشخبری سنانے والے اور ڈر سنانے والے بنا کر بھیجا ہے، تا کہ لوگوں کے لئے اللہ پر کوئی حجت باقی نہ رہے۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کی ایک بات کو ذکر کیا کہ: اور مانگتا ہے انسان برائی کو، جیسا کہ وہ مانگتا ہے بھلائی کو، بھلائی تو ہر آدمی چاہتا ہے اور ہر وقت اسے طلب بھی کرتا رہتا ہے، مگر بعض اوقات اپنے منہ سے برائی بھی مانگ لیتا ہے، اس کی مثال خود قرآن پاک نے بھی پیش کی ہے، مکہ کے مشرکوں میں سے بعض ایسے بھی تھے، جو کہتے تھے: اے اللہ! "محمد" کا لایا ہوا دین تیری طرف سے برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا، یا ہم پر کوئی دردناک عذاب بھیج دے، انسان کی بیوقوفی کا اندازہ لگائیں کہ ضد اور ہٹ دھرمی میں اس قدر دور نکل جاتے ہیں کہ خود اپنی زبان سے عذاب کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں، کہتے تھے کہ اللہ کو ایک ماننا، پیغمبروں کو ماننا، اور آخرت کے متعلق پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عقیدہ درست ہے تو ہم اسے ماننے کے لئے تیار نہیں، بے شک تو ہمیں تباہ و برباد کیوں نہ کردے، انسان کا بھلائی کی بجائے برائی کا طلب کرنا نہایت ہی بات ہے؛ اسی لیے حدیث شریف میں

آتا ہے کہ غصے کی حالت میں جلد بازی میں اپنے یا اپنے گھر والوں یا اپنے مال کے لئے بد دعا نہ کر بیٹھو، بعض اوقات ایسے ہوتے ہیں جن میں دعا قبول ہوتی ہے، اگر ایسے ہی وقت میں تمہاری زبان سے کوئی بد دعا نکل گئی تو تمہیں نقصان پہنچ جائے گا اور پھر تم افسوس کرو گے، لہذا اپنے دوست احباب یا اولاد یا اپنے مال کے خلاف بد دعا کرنے سے منع فرمایا گیا ہے کہ یہ چیز جلد بازی میں داخل ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا جلد باز ہے، وہ جلد بازی میں بہت کچھ کر بیٹھتا ہے، کافر لوگ اس جلد بازی کے نتیجے میں ہی اپنے لئے بد دعا کر بیٹھتے ہیں، قرآن پاک کا انکار جلد بازی کی وجہ سے ہی کرتے ہیں، معراج کے واقعہ کو جھٹلانا بھی جلد بازی کا نتیجہ تھا، لہذا انسان کی جلد بازی اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔

انسان بعض اوقات جلد بازی میں اپنے لئے ایسی دعا مانگ لیتا ہے جو اس کے لئے تباہی و بربادی کا سبب ہے، اگر اللہ تعالیٰ اس کی ایسی دعا کو قبول فرمالیں تو یہ برباد ہو جائے، مگر اللہ تعالیٰ اکثر ایسی دعاؤں کو فوراً قبول نہیں فرماتا، یہاں تک کہ خود انسان سمجھ لیتا ہے کہ میری یہ درخواست غلط اور میرے لئے سخت نقصان دینے والی تھی، اور آیت کے آخری جملہ میں انسان کی ایک طبعی کمزوری کو بھی ذکر فرمایا کہ انسان اپنی طبیعت سے ہی جلد باز واقع ہوا ہے، سرسری نفع نقصان پر نظر رکھتا ہے، فوری راحت چاہے تھوڑی ہو، اس کو بڑی اور دائمی راحت پر ترجیح دینے لگتا ہے۔

اور بعض مفسرین کرام نے اس آیت کو ایک خاص واقعہ کے متعلق قرار دیا ہے، وہ یہ کہ نضر بن حارث نے اسلام کی مخالفت میں ایک مرتبہ یہ دعا کر ڈالی، یا اللہ! اگر آپ کے نزدیک یہ اسلام ہی حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسادے یا کوئی اور دردناک عذاب بھیج دے، اس صورت میں "انسان" کے لفظ سے یہ خاص انسان یا جو اس کی طبیعت جیسے ہوں مراد ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کی پہچان

وَ جَعَلْنَا الَّیْلَ وَ النَّهَارَ اٰیَتَیْنِ فَمَحَوْنَآ اٰیَةَ الَّیْلِ وَ جَعَلْنَآ

اور کردیا ہم نے رات کو اور دن کو دونشانیاں سو! مٹادیا ہم نے نشانی رات کی کو اور کردیا ہم نے

اٰیَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لِتَعْلَمُوْا

نشانی دن کی کو روشن تاکہ تلاش کروتم فضل سے رب اپنے کا اور تاکہ جانوتم

عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ وَ كُلَّ شَیْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِیْلًا ﴿۱۲﴾

گنتی برسوں کی اور حساب اور ہر چیز کو تفصیل سے بیان کیا ہم نے کھول کر (۱۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور ہم نے رات اور دن دونشانیاں بنائی، پھر رات کی نشانی کو مٹادیا اور دن کی نشانی کو چیزیں دیکھنے کے لئے بنادیا تاکہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو، اور برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرو اور سب چیز ہم نے کھول کر سنادی۔ (۱۲)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: دن رات کو ہم نے اپنی قدرت کی دونشانیاں قرار دیا ہے، ایک ان میں سے تاریک ہے، جس میں چیزیں آپ ہی آپ نظر نہیں آتیں جب تک تھوڑی بہت روشنی کا انتظام نہ کیا جائے، یہ روشنی بھی مدھم ہوتی ہے اور دن کی روشنی کو نہیں پہنچتی جس میں ہر چیز صاف صاف دکھائی دیتی ہے، یہ دن کی تیز روشنی سورج سے حاصل ہوتی ہے، جو روزانہ اپنے وقت مقررہ پر نکلتا ہے، رات کی روشنی کے لئے ہم نے چاند بنایا، جس کی روشنی بہت ہلکی ہوتی ہے، پھر سورج اور چاند کو اس قدر قاعدے کے ساتھ نکلنا اور چھپنا سکھایا ہے کہ ان کے ذریعے دنوں، مہینوں اور سالوں کی گنتی آسانی کے ساتھ ہوسکتی ہے اور دن رات کا باقاعدہ نظام کام کاج کرنے اور روزی تلاش کرنے میں مدد دیتا ہے، دوسرے اس کی باقاعدگی اور آہستہ آہستہ چلنا انسان کو یہ بھی سکھاتا ہے کہ کاموں میں

جلد بازی کی ضرورت نہیں، ہر چیز اپنے وقت پر ہو کر ہی رہے گی۔

ارشاد ہے کہ: ہم نے ان سب باتوں کو جو انسان کے کام آنے والی ہیں انہیں خوب کھول کر سمجھا دیا ہے۔

اپنی قدرت کی نشانیوں کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کی دو نشانیوں کی دو خصوصیات بیان فرمائیں کہ رات کی نشانی کو مٹا دیا، یعنی: دھیما کر دیا کہ اس میں وہ آب و تاب نہیں ہوتی جو دن میں ہوتی ہے اور دن کی نشانی کو خوب روشن کر دیا، دن کو سورج کی روشنی ہر طرف روشن اور منور کر دیتی ہے۔

رات اور دن کی مصروفیات بھی الگ الگ ہیں، اور ان میں فرق ہی کاروبار کی تقسیم کے ذریعے ہے، اللہ تعالیٰ نے رات کو اس لئے دھیما بنایا تاکہ آرام اور سکون میں خلل نہ آئے، تیز روشنی آرام اور سکون کے مناسب نہیں ہے، پھر رات کو آرام کرنے کے بعد لوگ دن میں کام میں مصروف ہو جاتے ہیں اور کام روشنی ہی میں انجام دیے جا سکتے ہیں؛ اس لئے دن کو سورج کی روشنی سے روشن کر دیا، لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں، دوکانداری کرتے ہیں، کوئی مزدوری کرتا ہے، ملازمت اختیار کرتا ہے، یہ سب دن کے وقت ہوتا ہے، جانور اور پرندے بھی اپنے اپنے ٹھکانوں سے روزی کی تلاش میں نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں، غرض یہ کہ! اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے یہ دن اور رات کا نظام انسانوں، جانوروں، پرندوں وغیرہ کے فائدے اور ضرورتوں کے مطابق رکھا ہے۔

فرمایا کہ: ہم نے دن کو اس لئے روشن بنایا تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو، لفظ "فضل" اپنے اندر وسیع مفہوم رکھتا ہے، اس میں رزق حلال بھی داخل ہے اور انسان کا ہر کمال فضل ہی کا حصہ ہے، اس کے علاوہ عبادت، ریاضت، علم، اچھے اخلاق وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہیں۔

فرمایا کہ: رات دن کے ادل بدل کا ایک مقصد یہ بھی ہے، تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کر سکو، مہینوں اور سالوں کی گنتی رات اور دن کے بدلنے سے ہی ہوتی ہے، پہلے ایک دن بنتا ہے، پھر دنوں سے ہفتہ، پھر ہفتوں سے مہینہ اور پھر مہینوں سے سال بنتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے وقت کا نظام سورج اور چاند کے اعتبار سے بنایا ہے۔

اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمادیا کہ ہم نے ہر چیز کو کھول کر بیان کر دیا ہے تاکہ انسان اللہ کی

قدرت کی نشانیوں کو دیکھ کر اور سمجھ کر حقیقت کو معلوم کر سکیں اور ایمان کی دولت حاصل کر سکیں۔

اعمال نامہ

وَ كُلَّ اِنۡسَانٍ اَلۡزَمۡنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِىۡ عُنُقِهٖ ؕ وَ نُخۡرِجُ لَهٗ يَوۡمَ

اور ہر ایک　انسان　چمٹادیے ہیں ہم نے اس کو　کرتوت اس کے　میں　گردن اس کی　اور نکال لیں گے ہم　واسطے اس کے　دن

الۡقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلۡقٰٮهُ مَنۡشُوۡرًا ﴿۱۳﴾ اِقۡرَاۡ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفۡسِكَ

قیامت کے　اعمال نامہ　کہ ملے گا وہ اس سے　کھلا ہوا　(۱۳)　پڑھ لے　اعمال نامہ اپنا　کافی ہے　تو آپ

الۡيَوۡمَ عَلَيۡكَ حَسِيۡبًا ؕ﴿۱۴﴾ مَنِ اهۡتَدٰى فَاِنَّمَا يَهۡتَدِىۡ لِنَفۡسِهٖ ۚ

آج　اوپر اپنے　حساب کرنے والا (۱۴)　جو　راہ پر رہا　تو بس　وہ راہ پر رہا　اپنی ہی جان کے لئے

وَ مَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيۡهَا ؕ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰى ؕ

اور　جو　بہکا　تو بس　وہ بہکا اپنے ہی نقصان کیلئے　اور نہیں　اٹھاتا　کوئی اٹھانے والا　بوجھ　دوسرے کا

وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيۡنَ حَتّٰى نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا ﴿۱۵﴾

اور نہیں　ہم　عذاب دینے والے　یہاں تک کہ　بھیجیں ہم　کوئی پیغمبر (۱۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہر انسان کا اعمال نامہ اس کی گردن سے لگا دیا ہے، اور قیامت کے دن نکال دکھائیں گے ایک کتاب کہ اس کو کھلی ہوئی دیکھے گا۔ (۱۳) (کہا جائے گا) پڑھ لے اپنی کتاب آج کے دن تو خود ہی اپنا حساب لینے کے لئے کافی ہے۔ (۱۴) جو کوئی راہ پر آیا تو اپنے ہی بھلے کو آیا اور جو بہکا رہا اپنے ہی برے کو اور کسی پر نہیں بوجھ پڑتا دوسرے کا اور ہم عذاب نہیں ڈالتے جب تک کوئی پیغمبر نہ بھیجیں۔ (۱۵)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جو کام تم سمجھ بوجھ کر ارادے سے کرو گے اس کا جواب تمہیں ضرور دینا پڑے گا، قیامت

کے دن ہر شخص کا اعمال نامہ اس کے گلے میں لٹکا دیا جائے گا، اور وہ اس کے اندر اپنے ہر کام کو صاف صاف لکھا ہوا دیکھے گا، پھر اس سے کہا جائے گا کہ لے! اپنے اس اعمال نامہ کو خود پڑھ لے اور اپنے بھلے برے کاموں کا جائزہ لے، آج اس کی ضرورت نہیں کہ تجھ پر کوئی دعویٰ کرے اور عدالت کے فیصلے سے تجھے مجرم ٹھہرائے اور سزا دلوائے، آج تو خود اپنا حساب لینے کے لئے کافی ہے، دنیا کی بہانہ بازیاں اور چالاکیاں یہاں کسی کے کام نہ آئیں گی، خود تیرے اندر کی آنکھیں اس قدر روشن ہو جائیں گی کہ اپنے عملوں کی بھلائی، برائی صاف صاف نظر آنے لگے گی، اور تو خود کہے گا کہ میں نے قرآن مجید کو ٹھکرا کر اپنے اوپر بڑا ظلم کیا۔

انسان کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ جس راستے کی طرف اللہ تعالیٰ بلاتا ہے اور جس طرف پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دعوت دیتے ہیں وہ انسان کی کامیابی کی سیدھی راہ ہے اس کے اختیار کرنے میں اسی کا بھلا ہے اس کے فائدے اسی کو حاصل ہوں گے، اس راستہ کو چھوڑ کر اگر کوئی اور راستہ اختیار کرے گا تو اس میں خطرہ ہی خطرہ ہے، اس کا وبال اختیار کرنے والے ہی پر پڑے گا۔

یاد رکھنا چاہئے کہ ہر شخص اپنے عملوں کا خود ذمہ دار ہوگا، یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک کے گناہوں کا بوجھ دوسرا اٹھالے، انسان کے لئے اٹل قانون ہے کہ جو کرے گا وہ بھرے گا، یہ نہیں ہوسکتا کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی، اور اس لئے ہر شخص کو خود اپنی اصلاح میں مشغول رہنا چاہئے، اسی قاعدے کو سمجھانے کے لئے ہم نے پیغمبروں کے بھیجنے کا سلسلہ مقرر کیا ہے۔

ارشاد ہے کہ: ہم لوگوں کے برے عملوں کا بدلہ اسی وقت دیتے ہیں جب پہلے اپنا پیغمبر ان کے پاس بھیج دیں، تاکہ وہ ان کو ان کے برے عملوں کے نتیجوں سے ڈرا دے، ہمارا قانون یہ نہیں کہ بغیر اطلاع دیے ان پر عذاب بھیج دیں۔

دن اور رات کی نشانیوں کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کی توجہ اس کی آخرت کی طرف دلائی ہے اور بتا دیا ہے کہ دنیا کی کارگزاری یہیں پر ختم نہیں ہو جائے گی، بلکہ اس کا یقینی اور آخری نتیجہ بھی نکلنے والا ہے، اس

دنیا میں کیا جانے والا ہر اچھا یا برا عمل محفوظ کیا جا رہا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ہم نے ہر انسان کا اعمال نامہ اس کی گردن میں لٹکا دیا ہے، جسے ہم قیامت کے دن ایک تحریر کی صورت میں نکالیں گے جسے وہ کھلا ہوا پائے گا، اس کتاب میں ہر انسان اپنی اچھائی برائی کی ہر چیز کو پائے گا، اس کو ہر پڑھا لکھا اور ان پڑھ آدمی پڑھ سکے گا، حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت فرمائے گا کہ: اے آدم کے بیٹوں! یہ تمہارے ہی عمل ہیں، جنہیں میں نے تمہارے لیے شمار اور محفوظ کر کے رکھا ہوا ہے، اگر اس نامۂ اعمال کو اچھا پاؤ تو اللہ تعالیٰ کا شکر کرو، اور اگر اسے اپنے خلاف پاؤ تو اپنے آپ کو ملامت کرو کہ یہ تمہاری اپنی ہی کمائی ہے۔

فرمایا: جو ہدایت حاصل کرتا ہے وہ اپنے لئے کرتا ہے اس سے اسی کا فائدہ ہوگا، اور جو گمراہ ہوا تو اس کی گمراہی اسی پر پڑتی ہے اس کا نقصان خود اسی کو ہوتا ہے، اور قیامت میں کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے (کے گناہوں) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، اس وقت نہ کوئی رشتہ دار مدد کر سکے گا نہ کوئی دوست احباب کام آئیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے آخر میں ایک اہم بات یہ بھی ارشاد فرمائی کہ: ہم کسی قوم کو سزا نہیں دیتے جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج دیں، کسی مجرم کو سزا دینے سے پہلے اس کو آگاہ کرنا برائی کے انجام سے ضروری ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کی طرف اپنے پیغمبر بھیجے، کتابیں اتاریں اور پھر پیغمبروں کے ماننے والوں کے ذریعے اپنا پیغام تمام لوگوں تک پہنچایا، اگر اب بھی کوئی شخص ایمان کے بجائے کفر اور نیکی کے بجائے برائی اختیار کرنے والا ہو جاتا ہے تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہوتا ہے، پیغمبر کے آنے کے بعد عذر کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ کل کو کوئی یہ نہ کہے کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہارے پاس پیغمبر آ چکے ہیں، اگر اب بھی کفر، شرک اور گناہوں سے باز نہیں آؤ گے تو پھر کوئی عذر قابلِ قبول نہیں ہوگا۔

پیغمبر بھیجے بغیر عذاب نہ ہونے کی تشریح

اس آیت کی بنیاد پر بعض فقہاء کے نزدیک ان لوگوں کو کفر کے باوجود کوئی عذاب نہیں ہوگا جن کے پاس کسی پیغمبر کی دعوت نہیں پہنچی، اور بعض کے نزدیک جو اسلامی عقائد عقل سے سمجھے جا سکتے ہیں، مثلاً: خدا کا وجود،

اس کی توحید وغیرہ، پس جو لوگ اس کے منکر ہوں گے ان کو عذاب ہوگا، اگر چہ ان کو کسی پیغمبر کی دعوت نہ پہنچی ہو، البتہ عام گناہوں پر سزا پیغمبروں کی دعوت و تبلیغ کے بغیر نہیں ہوگی۔

تباہی کا سبب

وَ اِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا

اور جب ارادہ کیا ہم نے یہ کہ ہلاک کریں ہم کسی بستی کو حکم کیا ہم نے خوشحال لوگوں کو اسکے پس نافرمانی کی انہوں نے میں اس

فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ⑯ وَ كَمْ اَهْلَكْنَا

پس ثابت ہوگیا پر ان الزام پس اُکھاڑ پھینکا ہم نے اس کو پوری طرح (١٦) اور کتنی ہلاک کردیں ہم نے

مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ

بستیاں بعد نوح کے اور کافی ہے رب آپ کا گناہ بندوں اپنے کے

خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ⑰

جاننے والا دیکھنے والا (١٧)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب چاہا ہم نے کہ کسی بستی کو غارت کردیں حکم بھیج دیا اس کے عیش کرنے والوں کو، پھر انہوں نے اس میں نافرمانی کی پس ان پر بات ثابت ہوگئی، پھر اُکھاڑ مارا ہم ان کو اُٹھا کر۔ (١٦) اور ہم نے بہت سی بستیاں ہلاک کیں نوح کے بعد اور آپ کا رب کافی ہے اپنے بندوں کے گناہ جاننے اور دیکھنے کے لئے۔ (١٧)

تفسیر

اس آیت میں پہلے مضمون کو واضح کیا گیا ہے کہ ہم اپنے پیغمبروں کو دنیا میں بھیج دیتے ہیں، جب کھاتے پیتے لوگ ان کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو ان کی نافرمانی کے سبب سب کو پورے طور پر تباہ کردیا جاتا ہے، اس طرح بہت سی بستیاں نوح علیہ السلام کے بعد تباہ ہوئیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گناہوں کو جاننے اور دیکھنے

کے لئے کافی ہے، آیت میں تنبیہ ہے کہ انسانوں میں مالدار، بااثر لوگ پہلے گمراہ ہوتے ہیں، پھر ان کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگ بگڑتے ہیں، پھر ان کی بدعملی سے سب پر تباہی آتی ہے۔

اس آیت میں بعض واقعات کی طرف اشارہ بھی ہے اور عرب کے مشرکوں اور بعد میں آنے والوں کے لیے وعید بھی ہے کہ اگر وہ بھی کفر وشرک اور برائی سے باز نہ آئے تو ان کا حشر بھی پہلی نافرمان قوموں جیسا ہوگا۔

اس آیت کے ظاہر سے ایسا لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود نافرمانی کا حکم دیتا ہے حالانکہ ایسا نہیں، مفسرین فرماتے ہیں کہ ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے دولت مند لوگوں کو فرمانبرداری کا حکم دیتے ہیں، ہم ان کی طرف اپنے پیغمبر بھیجتے ہیں، ان کے نائب اور قاصد ان کے پاس پہنچ کر انہیں فرمانبرداری اور نیکی کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، اس کے باوجود جب وہ قوم یا بستی کے لوگ نافرمانی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف نہیں آتے تو پھر ہم اس بستی کو ملیامیٹ کر دیتے ہیں، اسے جڑ، بنیاد سے اُکھاڑ دیتے ہیں، اور اس طرح انہیں نافرمانی کی سزا مل جاتی ہے۔

اس آیت میں مالدار لوگوں کا ذکر فرمایا گیا ہے، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: یہاں پر خوشحال لوگوں کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ دین کی مخالفت میں عام طور پر یہی لوگ آگے آگے ہوتے ہیں اور پھر دوسرے لوگ بھی ان کے پیچھے لگ کر اس راستے پر چل نکلتے ہیں، عربی محاورہ ہے کہ اگر حاکم کی اصلاح ہو جائے تو رعایا خود بخود سُدھر جائے گی اور اگر کسی قوم یا ملک کا بادشاہ ہی بگڑ جائے تو سارے لوگ ہی ایسے ہو جائیں گے، بات تو بڑے لوگوں کی چلتی ہے اور باقی ان کی ہاں میں ہاں ملانے والے ہوتے ہیں، زمین میں بگاڑ کی ابتداء ہمیشہ مالداروں کی طرف سے ہوتی ہے، پیغمبروں کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں کہ کمزور لوگ تو اکثر ایمان لاتے رہے ہیں مگر مخالفت مالداروں اور خوشحال لوگوں نے ہی کی، یہ لوگ خدا اور پیغمبر کی اطاعت کو اپنی چودھراہٹ کے خلاف سمجھتے ہیں، ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے دین کی اطاعت شروع ہو جائے گی تو پھر چودھریوں، وڈیروں اور سرداروں، نوابوں کی بات کون سنے گا؟ تو جب بھی ان مالدار لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کا حکم دیا جاتا ہے تو

یہ مخالفت پر اُتر آتے ہیں، اگر ان کو کوئی عذاب کی بات سنائی جائے تو کہتے ہیں کہ ہمارے پاس مال و دولت کی کثرت ہے ہمیں کس بات کا ڈر ہے؟ ہم کسی قیامت اور حساب کتاب کو نہیں جانتے ہمیں کون سزا دے گا؟ فرمایا: ایسے ہی لوگوں کو ہم اطاعت اور فرمانبرداری کا حکم دیتے ہیں تو وہ نافرمانی کا راستہ اختیار کرتے ہیں، پھر جب نافرمانی کی بات ثابت ہو جاتی ہے تو ایسے لوگوں کو ملیامیٹ کر دیا جاتا ہے۔

فرمایا: اَمَرْنَا مُتْرَفِیْهَا... الخ، بعض مفسرین کرام ''اَمَرْنَا'' کی بجائے ''اَمَّرَ'' پڑھتے ہیں، جس کا معنی حاکم بنانے کے ہیں، اگر اس قرأت کو پیش نظر رکھا جائے تو آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جب ہم کسی بستی کے مالدار لوگوں کو وہاں کا امیر یا حاکم بنا دیتے ہیں تو وہ اطاعت کا راستہ پکڑنے کی بجائے عیاشی، فحاشی اور بدکاری کے راستے پر چل پڑتے ہیں، جس کے نتیجے میں ان پر خدا کی طرف سے عذاب آتا ہے، یہ لوگ عام طور پر گناہوں کی اسکیمیں بناتے ہیں اور نیکی کے کام نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے پہلی قوموں کا حال بیان کر کے مکے والوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ اپنی اچھی حالت کا غلط فائدہ نہ اٹھائیں، پہلی قوموں کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے خلاصہ یہ بیان فرمایا کہ ہم نے نوح علیہ السلام کے بعد کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر دیا، عاد، ثمود جیسی کتنی ہی قوموں کو ہلاک کیا، ہمیں ان کے حالات سے عبرت پکڑنی چاہئے، جب وہ اپنے پیغمبروں کو جھٹلا کر سزا سے نہیں بچ سکے تو تم اللہ تعالیٰ کی سزا سے کیسے بچ سکتے ہو؟ تیرا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے والا اور دیکھنے والا ہے، اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، ہر شخص کا عقیدہ، عمل اور اخلاص اس کے سامنے ہے، اور وہ ہر ایک کا حساب کرے گا، لوگوں کو تباہ حال قوموں کے حالات سے عبرت حاصل کرنا چاہئے۔

دنیا کا طالب

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ

جو | ہو | ارادہ کرتا | دنیا کا | جلد دے دیتے ہیں اس کو | میں اس | جتنا | چاہیں ہم | کے لئے جس

نُرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾

چاہیں ہم پھر کردیتے ہیں ہم کے لئے دوزخ داخل ہوگا اس میں برے حال دھکیلا ہوا (۱۸)

وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ

اور جو ارادہ کرے آخرت کا اور کوشش کرے واسطے اسکے کوشش اسکی اور وہ ایمان والا ہے پس وہ لوگ

كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ هٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ

ہے کوشش ان کی کامیاب (۱۹) ہر ایک کو ہم دیتے ہیں ان کو بھی اور ان کو بھی سے بخشش

رَبِّكَ ؕ وَ مَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا

رب آپکے کی اور نہیں ہے بخشش رب آپکے کی روکی جانے والی (۲۰) دیکھئے کس طرح فضیلت دی ہم نے

بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَ لَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾

بعض ان کے کو پر بعض اور البتہ آخرت بڑھی ہوئی ہے درجوں میں اور بڑھی ہوئی ہے فضیلت میں (۲۱)

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ ع ۱۲ ۲ ۲

مت ٹھہرا ساتھ اللہ کے کوئی معبود دوسرا ورنہ بیٹھ رہے گا تو برے حال ذلیل ہوکر (۲۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جوکوئی دنیا کو طلب کریگا ہم جس کو جتنا چاہیں گے دے دینگے، پھر ہم نے اس کے واسطے دوزخ مقرر کی ہے اوراس میں داخل ہوگا، برے حال کے ساتھ دھکے دے کر۔ (۱۸) اور جس نے آخرت طلب کی اوراس کے واسطے کوشش کی جیسے اس کی کوشش کا حق ہے اوروہ یقین پر ہے، سو! ایسوں کی کوشش ٹھکانے لگی ہے۔ (۱۹) ہم ہر ایک کو اِن کو بھی اوراُن کو بھی آپ کے رب کی رحمت سے دیتے رہتے ہیں اور آپ کی رب کی رحمت کسی نے نہیں روک رکھی۔ (۲۰) دیکھئے! ہم نے ایک کو ایک سے کیسے بڑھادیا اور آخرت میں تو اور بڑے درجے ہیں اور بڑی فضیلت۔ (۲۱) اللہ کے ساتھ دوسرا حاکم مت ٹھہرا نہیں تو بیٹھ رہے گا تو ذلیل اور بے سہارا ہوکر۔ (۲۲)

تفسیر

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ جو دنیا ہی کی زندگی پر خوش ہو گیا اور ارادہ کر لیا وہ ہم جس کو جتنا چاہیں جلد ہی دنیا میں دے دینگے اور آخرت کے انتظار میں پرہیز گاری کی زندگی بسر نہیں کرے گا تو وہ سن لے! کہ ہم اسے مہلت دیں گے اور جو کچھ اور جتنا چاہیں گے وہ جلد عطا کر دیں گے، یہ ضروری نہیں کہ ہر ایک کو جو وہ چاہے مل جائے، لیکن وہ دنیا میں سب کچھ لینے کا ارادہ کر چکا ہے اور آخرت کو چھوڑ چکا ہے؛ اس لئے مرنے کے بعد والی زندگی میں اسے کچھ نہیں ملے گا اور دنیا کی محبت جو اس کے دل میں تھی وہ وہاں بہت بری اور قابلِ نفرت شکل اختیار کرلے گی اور اسے دھکے دے دے کر برے حال کے ساتھ دوزخ کی طرف نکال دیں گے اور وہ آخر کار اس میں ذلیل و خوار ہوگا۔

اس آیت سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی محبت ایک نحوست ہے جو مرنے کے بعد اپنا رنگ لائے گی، جو دنیا ہی سے دل لگا چکے ہیں اور یہیں کے عیش کا سامان اکٹھے کرنے میں لگے ہوئے ہیں، ضروری نہیں کہ ان کی کوششیں پوری کی پوری کامیاب ہوں، جتنا نصیب میں ہے اتنا ہی ملے گا لیکن دنیا کی محبت جو اس کے دل میں بیٹھ چکی ہے وہ مرنے کے بعد اسے دوزخ میں لے جائے گی اور وہ خود اپنے حال پر نفرت کرتا ہوا سب کی نگاہ میں ذلیل و خوار ہو کر دوزخ کی طرف دھکیلا جائے گا۔

آیت نمبر: (١٩)۔ میں ذکر ہے کہ جس نے دنیا کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح دی اور اس کے حاصل کرنے کے لئے کوشش کا جو طریقہ مقرر کیا گیا ہے، اسی طریقہ سے اس کے لئے کوشش کی اور اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور یقین کر لیا کہ جو اس نے وعدے کیے ہیں سچے کیے ہیں، اور سب پورے ہو کر رہیں گے، ایسے شخص کی کوششیں کامیاب ہوں گی اور یقیناً اسے آخرت میں آرام اور اطمینان اور سکون و راحت کی زندگی نصیب ہوگی۔

اے پیغمبر! آپ کے رب کی عطا کو روکنے والی کوئی چیز نہیں ہے، فرق اتنا ہے کہ جو دنیا ہی کا طالب ہوگا

اسے آخرت میں کچھ نہیں ملے گا، ہاں! اللہ تعالیٰ چاہے گا تو دنیا میں اسے جتنا حالات کے مناسب ہوگا دے دے گا، اور آخرت کے طالب کو آخرت تو ضرور ہی ملے گی، لیکن دنیا میں بھی اگر حالات مناسب ہوئے تو اسے اللہ بہت کچھ دے سکتا ہے۔

اُنۡظُرۡ كَيۡفَ فَضَّلۡنَا بَعۡضَهُمۡ... الخ: اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ دنیا میں ہم نے ایک کو دوسرے پر رزق کے اعتبار سے فضیلت دی ہے، کسی کے لئے سارے حالات مناسب ہوتے ہیں تو وہ زیادہ مرتبہ اور دولت حاصل کر لیتا ہے، اور کسی کے حالات موافق نہیں ہوتے تو وہ کم درجہ میں رہ جاتا ہے؛ اسی لیے کہا گیا کہ دنیا کے طالب کو ضروری نہیں کہ دنیا مل ہی جائے؛ اس لئے صرف اسی کی طلب فضول ہے، اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، جتنا چاہے دے، لیکن آخرت کے طلب گار کو آخرت کا آرام ضرور ملے گا، اگرچہ وہاں بھی اونچے نیچے درجے کے لوگ ہوں گے، لیکن ہر درجے والا اپنی جگہ مطمئن اور خوش ہوگا، برخلاف دنیا والوں کے کہ یہاں کسی درجے میں بھی اطمینان اور دلی خوشی کسی کو حاصل نہیں ہے، ارشاد ہے کہ: آخرت کے درجے کے جیسے بھی ہوں خوشی اور اطمینان کا باعث ہوں گے؛ اس لیے وہاں کے درجے یہاں کے درجوں سے ہر طرح فضیلت رکھتے ہیں، ان کے حاصل کرنے کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ کرو، ورنہ آخرت سے بالکل محروم رہ جاؤ گے، اور برے حال اور ذلیل ہی رہ جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ کا عام قانون یہ ہے کہ وہ کسی مجرم قوم کو فوراً ہلاک نہیں کرتا، بلکہ اس کی اصلاح کے لئے ایسے حالات اور اسباب پیدا کرتا ہے جن میں غور وفکر کر کے لوگ برائی کا راستہ چھوڑ کر نیکی کا راستہ اختیار کر سکتے ہیں، گویا اللہ تعالیٰ جلد بازی سے کام نہیں لیتا، اس کے برخلاف انسان عام طور پر جلد باز واقع ہوا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس کی فرمائش فوراً ہی پوری کر دی جائے، اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قانون بیان فرمایا ہے کہ جو شخص دنیا کی زندگی کا فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے اس کو جلد ہی دنیا میں دے دیتے ہیں، جو ہم چاہتے ہیں، ہر شخص کی ہر فرمائش پوری کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے ضروری نہیں۔

آگے فرمایا کہ: جو شخص صرف دنیا کا طالب ہے، اُسے یہاں تو کچھ نہ کچھ مل جاتا ہے، پھر ہم اس کے لئے دوزخ تیار کرتے ہیں، جس میں وہ ذلیل وخوار ہو کر داخل ہوگا، اسے نہایت ذلت ورسوائی کے ساتھ گھسیٹ کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔

اور جو کوئی آخرت کا ارادہ رکھتا ہے، یعنی: آخرت میں بہتری چاہتا ہے اور وہ محض خواہش کا اظہار کر کے ہی نہیں بیٹھ جاتا، بلکہ آخرت کے حاصل کرنے کے لئے محنت اور کوشش بھی کرتا ہے، جیسا کہ اس کے حاصل کرنے کے لئے کوشش کرنے کا حق ہے، اور تیسری بات یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ایک مانتا ہے، وہ پیغمبروں، فرشتوں، کتابوں، روزِ قیامت اور اچھی بری تقدیر پر یقین رکھتا ہے تو ان کی کوشش ضرور کام میں آئے گی، اللہ تعالیٰ ان کی محنت اور کوشش کو ضائع نہیں ہونے دیں گے۔

ارشاد ہوتا ہے: اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا... الخ: دیکھو! ہم نے کس طرح ایک کو دوسرے پر فضیلت بخشی ہے، دنیا کی نعمتوں کے معاملے میں تو ایک دوسرے پر برتری حاصل ہے، مال ودولت، زمین ومکان، کارخانے وغیرہ ہر ایک کے پاس یکساں ہیں، البتہ بعض چیزیں سب کو برابر مل رہی ہیں، سورج، چاند، ہوا، پانی، گرمی، سردی، نباتات، ہر نیک وبد کو برابر حاصل ہو رہے ہیں، مگر ہمیشہ کی نعمتیں صرف ایمان والوں کو حاصل ہوں گی۔

دنیا کے معاملہ میں حالات بالکل مختلف ہیں، اللہ تعالیٰ نے کسی کو دوسرے پر برتری عطا فرمائی ہے، ایک کو حاکم بنایا ہے دوسرے کو محکوم، کوئی بڑے عزت ومرتبہ والا ہے تو کوئی کم مرتبے والا ہے، کوئی مالدار ہے اور کوئی غریب ہے، کوئی صحت مند ہے اور کوئی بیمار ہے، اللہ تعالیٰ مختلف طریقوں سے اپنے بندے کو آزماتا ہے، بہر حال! دنیا کی یہ اونچ نیچ تو عارضی ہے اور آخرت کے درجے تو بہت بڑے ہیں، دنیا میں تو زیادہ فرق نہیں ہے، البتہ آخرت میں درجات ومراتب کے لحاظ سے بہت فرق ہوگا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: ”درجات العلی“ یعنی: بلند درجوں والے ”علیین“ والوں کو اس طرح دیکھیں گے، جیسے زمین پر کھڑا ہوا شخص اُفق سے گزرتے ہوئے بلند ترین سیارے کو دیکھتا ہے، حالانکہ یہ بھی بڑے اُونچے درجوں میں ہوں گے، لیکن جو لوگ جنت میں پہنچ جائیں

گے، اللہ تعالیٰ ان سب کو ایسا مطمئن کردیں گے کہ ہر شخص یہی سمجھے گا کہ اس سے بہتر اور کوئی نہیں۔

فرمایا: آخرت کے اعلیٰ درجے حاصل کرنے کی بنیاد خالص توحید ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایک مانو اور اس کے ساتھ کسی کو معبود مت ٹھہراؤ، "الٰہ" وہ ہوتا ہے، جو نفع نقصان کا مالک ہو تمام چیزوں پر اختیار رکھتا ہو، چونکہ یہ سب صفات اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور میں نہیں پائی جاتیں؛ اس لیے اس کے سوا کوئی معبود بھی نہیں ہے، اگر تم کسی دوسرے کو معبود مانو گے تو ذلیل وخوار ہو کر بیٹھ رہو گے، اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو بھی حاجت روا، مشکل کشا سمجھو گے اور اس کے نام کی نذر و نیاز دو گے، اور اس کی بھی ایسی ہی تعظیم کرو گے جیسی اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے، تو پھر تمہارا حشر بھی کافر و مشرک قوموں سے مختلف نہیں ہوگا، یہ آیت اگلے مضمون کی تمہید ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے خاص اپنی عبادت کا حکم دے کر اپنے ایک ہونے کو واضح فرمایا ہے۔

ماں باپ کے ساتھ برتاؤ

وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ

اور حکم دیا رب آپ کے نے کہ مت پوجو تم مگر اسی کو اور ساتھ ماں باپ اپنے کے بھلائی کر

اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ

اگر پہنچ جائیں سامنے تیرے بڑھاپے کو ایک ان میں سے یا دونوں پس مت کہہ ان کو

اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا ﴿۲۳﴾ وَ اخْفِضْ لَهُمَا

اُف اور مت جھڑک ان کو اور کہہ ان دونوں سے بات ادب کی (۲۳) اور جھکا دے کے لئے ان دونوں

جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ

کندھے عاجزی کے سے شفقت اور کہہ اے میرے رب! رحم فرما دونوں پر جیسے پالا انہوں نے مجھ کو

صَغِیْرًا ﴿۲۴﴾ؕ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِیْنَ

بچپن میں (۲۴) رب تمہارا خوب جانتا ہے اس کو جو ہے میں دلوں تمہارے اگر تم ہو نیک

فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾

پس تحقیق وہ ہے رجوع کرنے والوں کے لئے بخشنے والا (۲۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور تیرا رب حکم کر چکا ہے کہ اس کے سوا کسی کو مت پوجو، اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو، اگر تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں ان میں سے ایک یا دونوں، پس ان کو اُف بھی مت کہہ اور ان کو جھڑک مت اور ان سے بات ادب کی کہہ۔(۲۳) اور جھکا دے ان کے آگے کندھے عاجزی سے اور کہہ دے کہ اے میرے رب! ان پر رحم فرما، جیسے انہوں نے مجھے بچپن میں پالا۔(۲۴) تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے جی میں ہے، اگر تم نیک ہوگے تو وہ رجوع کرنے والے کو بخشتا ہے۔(۲۵)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے زندگی کا قانون مقرر کر دیا ہے، اس قانون پر انسان کی دنیاوی بہتری کا دارومدار ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ پر ایمان لاکر اس پر عمل کیا تو پھر یہی آخرت کی بھلائی کا بھی سامان ہے، اس قانون میں بڑی حکمتیں بھری ہوئی ہیں، آدمی ان حکمتوں کو جانے یا نہ جانے، آنکھ بند کر کے اس پر عمل کرنے سے بھی اس کا بیڑا پار ہو جائے گا، چنانچہ قرآن مجید نے ہمیشہ کے لئے اس قانون کو انسان کے لئے محفوظ کر دیا ہے، اسے ترتیب وار ان آیتوں میں نیچے دیے گئے مضمون میں بیان کیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ ان کی حکمتیں بھی بیان کر دی ہیں، تاکہ جو سمجھنا چاہے اپنی عقل کے مطابق ان کو سمجھ لے۔

(۱)....اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، صرف اسی کو ایک معبود بناؤ، اس سے دل کو اطمینان ملے گا اور یک سوئی حاصل ہوگی۔

(۲)....ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو، جب وہ بوڑھے ہو جائیں اور ہر کام میں دوسروں کے محتاج نظر آئیں تو تم ان سے نرمی اور ادب سے کلام کرو، وہ اپنی کمزوری کی وجہ سے مزاج کے چڑچڑے ہو سکتے ہیں، خبردار! ان سے کوئی ایسی بات مت کہو جس سے ان کا ذرا بھی دل دکھے، جو بات کہو، ایسی کہو کہ جس سے ان کا

دل خوش ہو، ایسا کوئی لفظ منہ سے نہ نکالو جس سے بدمزاجی ظاہر ہوتی ہو، مثلاً: ہوں، اُف، خبردار، چپ رہو، وغیرہ وغیرہ۔

اس آیت میں اولاد کو نصیحت ہے کہ اپنے ظاہری برتاؤ سے بھی ماں باپ کا ادب اور تعظیم کرو، اور دل میں بھی ماں باپ کی طرف سے کبھی کوئی برا خیال نہ لائے، دنیا میں اللہ تعالیٰ کے بعد وہی تمہاری دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں اور ہر طرح تمہارے آرام کا خیال رکھتے ہیں اور خود تکلیف اٹھا کر تمہیں راحت پہنچاتے ہیں، دیکھو! دل میں ان کی خیر خواہی کے سوا اور کچھ خیال نہ آنے پائے، اللہ تعالیٰ تمہارے دل کی حالت سے اچھی طرح واقف ہے، اگر کسی سے ماں باپ کی خدمت میں کوتاہی ہوجائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس سے توبہ کرے، اور ہمیشہ ماں باپ کے ساتھ نیک اور مناسب برتاؤ کرے، اگر تم نیک رہے تو اللہ تعالیٰ تمہارے عذر قبول کرے گا، اور تمہاری کوتاہیوں سے درگزر فرمائے گا، اور تمہاری توبہ قبول کر کے تمہارے قصور معاف کردے گا، کیونکہ وہ بڑا بخشش کرنے والا ہے، معلوم ہوا کہ ماں باپ کی اللہ کے حکم کے مطابق خدمت کرنے سے انسان کا دونوں جہان میں بھلا ہوگا۔

عبادت اعلیٰ درجے کی تعظیم کو کہا جاتا ہے، جس کی بنیاد اس عقیدہ پر ہو کہ جس ذات کی میں تعظیم کررہا ہوں، وہ نفع ونقصان کی مالک ہے اور ہر چیز اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اللہ تعالیٰ کی صفات میں بھی کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، یہودی اور عیسائی حلال وحرام کے معاملے میں شرک میں مبتلا ہوئے، انہوں نے اپنی طرف سے بعض چیزوں کو حلال اور بعض کو حرام ٹھہرالیا، حالانکہ یہ کام صرف اللہ تعالیٰ کا ہے، مگر انہوں نے یہ کام انسانوں کے حوالے کردیا، الغرض! اللہ تعالیٰ نے پہلی بات یہ بیان فرمائی کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔

اس کے بعد دوسری بات اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی کہ اپنے والدین کے ساتھ احسان کرو، انسان کو سب سے پہلا قرب والدین سے ہوتا ہے، ان کی گود میں پرورش پاتا ہے، وہی اس کی تربیت کرتے ہیں، لہذا انسانی معاشرے میں حقوق کا سلسلہ والدین سے شروع ہوتا ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے، یہ

قانون بنی اسرائیل سمیت تمام شریعتوں میں مشترک رہا ہے کہ اللہ کے سوا کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ احسان کرو، احسان کا مطلب یہ ہے کہ زبان اور ہاتھ سے غرض کسی بھی طریقے سے کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے، کیونکہ یہ حرام ہے، اگر والدین محتاج ہیں تو ان کی مالی مدد کی جائے، اگر محتاج نہیں ہیں تو ان کا ادب و احترام اور دوسری خدمت انجام دی جائے، کسی جائز کام میں ان کی مخالفت نہ کی جائے، اگر والدین کفر، شرک یا بدعت پر لگانا چاہیں یا شریعت کے خلاف کسی کام کا حکم دیں تو ان کی بات نہ مانیں، البتہ دنیا میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

والدین سے نیک سلوک کرنے کے سلسلے میں ان کا مسلمان ہونا بھی ضروری نہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی والدہ صلح حدیبیہ کے زمانے میں مدینہ منورہ آئیں، اس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اسے طلاق دے چکے تھے، اور وہ شرک پر ہی قائم تھی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ میری ماں آئی ہے اور وہ مشرکہ ہے تو کیا اس حالت میں میں اس کے ساتھ صلۂ رحمی کرسکتی ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "صِلِيْ اُمَّكِ" اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو، اس کی خدمت کرو، خاطر تواضع کرو، کپڑے دو، کرائے کے پیسے دو وغیرہ وغیرہ، مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کے لئے مشرک والدین کے ساتھ بھی نیک سلوک کرنے کا حکم ہے۔

ہمارے ملک میں بعض ایسے بدبخت بھی ہیں جو والدین کو گالیاں دینے کے علاوہ مار پیٹ سے بھی نہیں رکتے، حتی کہ بعض تو والدین کو قتل بھی کر دیتے ہیں، بعض نے صرف زمین کی خاطر باپ کو قتل کر دیا، باپ نے دوسری بیوی سے شادی کی تو بیٹا ناراض ہو گیا کہ اب جائیداد میں اور بھی حصے دار بن جائیں گے، حالانکہ شریعت نے تو دوسرے نکاح کی ترغیب دی ہے، جبکہ آدمی خرچہ اٹھا سکتا ہو، مگر اولاد کی نااہلی ہے جو والدین کے ساتھ برا سلوک کرتے ہیں۔

ماں باپ کے ادب واحترام کو ہر طریقے سے خیال رکھیں اور صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا بھی کرو کہ اے میرے پروردگار! میرے ماں باپ پر اس طرح رحم فرما، جس طرح انہوں نے

بچپن میں میری پرورش کی تھی اور مجھ پر مہربانی کرتے رہے، اولاد کے لئے والدین کی شفقت میں ماں کا حق زیادہ ہے، "ترمذی شریف" کی روایت میں آتا ہے کہ کسی نے دریافت کیا، حضور! میں والدین میں سے کس کے ساتھ نیک سلوک کروں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ماں کے ساتھ، اس شخص نے دوسری اور تیسری مرتبہ دریافت کیا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی جواب دیا کہ ماں کے ساتھ، پھر چوتھی دفعہ میں فرمایا کہ: باپ کے ساتھ، باپ کے مقابلے میں ماں زیادہ شفیق ہوتی ہے، وہ بچے کی پرورش میں زیادہ تکلیف اٹھاتی ہے؛ اس لئے حسن سلوک میں اس کو اولیت دی گئی ہے، اس کے بعد دوسرے رشتہ داروں کی باری آتی ہے کہ ان سے بھی حسن سلوک کیا جائے۔

احکام و مسائل

ماں باپ کے ادب واحترام اور اطاعت کی اہمیت

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے والدین کے ادب واحترام اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کو اپنی عبادت کے ساتھ ملا کر "واجب" فرمایا ہے، جیسا کہ "سورۂ لقمان" میں اپنے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کو ملا کر لازم فرمایا ہے، "اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيْكَ" یعنی: میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد والدین کی اطاعت سب سے اہم اور اللہ تعالیٰ کے شکر کی طرح والدین کا شکر گزار ہونا واجب ہے، "صحیح بخاری" کی یہ حدیث بھی اس پر گواہ ہے، جس میں ہے کہ ایک شخص نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: نماز اپنے وقت مستحب میں ادا کرنا محبوب عمل ہے، اس نے پھر دریافت کیا کہ اس کے بعد کون سا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے؟، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: والدین کے ساتھ اچھا سلوک۔

ماں باپ کی فرمانبرداری اور خدمت گزاری

حدیثوں کی روشنی میں

(۱)...."مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور مستدرک حاکم" میں بسند صحیح حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت

ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے، اب تمہیں اختیار ہے کہ اس کی حفاظت کر دیا ضائع کر دو۔

(۲)..... اور "جامع ترمذی ومستدرک حاکم" میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "اللہ کی رضا باپ کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضی باپ کی ناراضی میں"۔

(۳)..... "ابن ماجہ" نے بروایت حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ اولاد پر ماں باپ کا کیا حق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "وہ دونوں ہی تیری جنت یا دوزخ ہیں" مطلب یہ ہے کہ ان کی اطاعت وخدمت جنت میں لے جاتی ہے اور ان کی بے ادبی اور ناراضی دوزخ میں۔

(۴)..... "بیہقی" نے "شعب الایمان" میں اور ابن عساکر نے بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص اللہ کے لئے اپنے ماں باپ کا فرمانبردار رہا، اس کے لئے جنت کے دو دروازے کھلے رہیں گے اور جوان کا نافرمان ہوا، اس کے لئے دوزخ کے دو دروازے کھلے رہیں گے اور اگر ماں باپ میں سے کوئی ایک ہی تھا تو ایک دروازہ جنت یا دوزخ کا کھلا رہے گا، اس پر ایک شخص نے سوال کیا: (یہ دوزخ کی وعید) کیا اس صورت میں بھی ہے کہ ماں باپ نے اس شخص پر ظلم کیا ہو؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا: "وَ اِنْ ظَلَمَا وَ اِنْ ظَلَمَا" یعنی: ماں باپ کی نافرمانی اور ان کو تکلیف پہنچانے پر دوزخ کی وعید ہے، خواہ ماں باپ نے ہی لڑکے پر ظلم کیا ہو، جس کا حاصل یہ ہے کہ اولاد کو ماں باپ سے انتقام لینے کا حق نہیں کہ انھوں نے ظلم کیا تو یہ بھی ان کی خدمت واطاعت سے ہاتھ کھینچ لیں۔

(۵)..... "بیہقی" نے بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جو خدمت گذار بیٹا اپنے والدین پر رحمت وشفقت سے نظر ڈالتا ہے تو ہر نظر کے بدلے میں ایک حج مقبول کا ثواب پاتا ہے، لوگوں نے عرض کیا کہ اگر وہ دن میں سو مرتبہ اس طرح نظر کر لے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "ہاں! سو مرتبہ بھی ہر نظر پر یہی ثواب ملتا رہے گا، اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے" (اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں آتی)، والدین کی

حق تلفی کی سزا آخرت سے پہلے دنیا میں بھی ملتی ہے۔

(۶)....."بیہقی" نے "شعب الایمان" میں بروایت ابی بکرہ نقل کیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اور سب گناہوں کی سزا تو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں قیامت تک ڈھیل دے دیتے ہیں، سوائے والدین کی حق تلفی اور نافرمانی کے کہ اس کی سزا آخرت سے پہلے دنیا میں بھی دے جاتی ہے۔

مسئلہ(۱):.....جب تک جہاد فرض عین نہ ہوجائے، فرض کفایہ کے درجے میں رہے، اس وقت تک کسی آدمی کے لئے بغیر ان کی اجازت کے جہاد میں شریک ہوجانا جائز نہیں، "صحیح بخاری" میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جہاد میں شریک ہونے کی اجازت لینے کے لئے حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کیا کہ کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ اس نے عرض کیا کہ ہاں! زندہ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ففیھما فجاھد" یعنی: بس! تو اب ماں باپ کی خدمت میں رہ کر جہاد کرو، مطلب یہ ہے کہ ان کی خدمت ہی میں تمہیں جہاد کا ثواب مل جائے گا، دوسری روایت میں اس کے ساتھ اس کا بھی ذکر ہے کہ اس شخص نے یہ بیان کیا کہ میں اپنے ماں باپ کو روتا ہوا چھوڑ کر آیا ہوں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جاؤ! ان کو ہنساؤ، جیسا کہ ان کو رُلایا ہے، یعنی: ان سے جا کر کہدو کہ میں آپ کی مرضی کے خلاف جہاد میں نہیں جاؤں گا۔

مسئلہ(۲):.....اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب کوئی چیز فرض عین نہ ہو بلکہ فرض کفایہ کے درجہ میں ہو تو اولاد کے لئے وہ کام بغیر ماں باپ کی اجازت کے جائز نہیں، اس میں علم دین حاصل کرنا اور دین کی تبلیغ کے لئے سفر کرنے کا حکم بھی شامل ہے۔

ماں باپ کے ادب کی رعایت خصوصاً بڑھاپے میں

ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری ماں باپ ہونے کی حیثیت سے کسی زمانے اور کسی عمر کے ساتھ خاص نہیں، ہر حال اور ہر عمر میں ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ ضروری ہے۔

ماں باپ کے بڑھاپے کا زمانہ جبکہ وہ اولاد کی خدمت کے محتاج ہو جائیں، ان کی زندگی اولاد کے رحم وکرم پر رہ جائے، اس وقت اگر اولاد کی طرف سے ذرا سی بے رخی بھی محسوس ہو، تو وہ ان کے دل کا زخم بن جاتی ہے، دوسری طرف بڑھاپے کی تکلیفیں اور بیماریاں طبعی طور پر انسان کو چڑچڑا بنا دیتی ہیں، تیسرے بڑھاپے کے آخری دور میں جب عقل وفہم بھی جواب دینے لگتا ہے، تو ان کی خواہشات ومطالبات کچھ ایسے بھی ہو جاتے ہیں، جس کا پورا کرنا اولاد کے لئے مشکل ہوتا ہے، قرآن کریم نے ان حالات میں ماں باپ کی دل جوئی اور آرام کے احکام دینے کے ساتھ، انسان کو اس کا بچپن یاد دلایا کہ کسی وقت تم بھی اپنے ماں باپ کے ساتھ اس سے زیادہ محتاج حالت میں تھے، جس قدر آج وہ تمہارے محتاج ہیں، تو جس طرح انہوں نے اپنی راحت اور خواہشات کو اس وقت تم پر قربان کیا، اور تمہاری بے عقلی کی باتوں کو پیار کے ساتھ برداشت کیا، اب جبکہ ان پر محتاجی کا یہ وقت آیا، تو عقل وشرافت کا تقاضا ہے کہ ان کے اس سے پہلے احسان کا بدلہ ادا کرو، آیت میں " کَمَا رَبَّیٰنِیۡ صَغِیۡرًا " سے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے، اور ان آیتوں میں ماں باپ کے بڑھاپے کی حالت کو پہنچنے کے وقت چند تاکیدی احکام دیے گئے ہیں، "اول" یہ کہ ان کو "اُف" بھی نہ کہو، لفظ "اُف" سے مراد ایسا کلمہ ہے، جس سے اپنی ناگواری کا اظہار ہو، یہاں تک کہ ان کی بات سن کر اس طرح لمبا سانس لینا، جس سے ان پر ناگواری کا اظہار ہو، وہ بھی اس کلمہ "اُف" میں داخل ہے، ایک حدیث میں بروایت حضرت علی رضی اللہ عنہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: تکلیف پہنچانے میں "اُف" کہنے سے بھی کم کوئی درجہ ہوتا، تو یقیناً وہ بھی ذکر کیا جاتا، حاصل یہ ہے کہ جس چیز سے ماں باپ کو کم سے کم بھی تکلیف پہنچے، وہ بھی منع ہے۔

چوتھا حکم: " وَ اخۡفِضۡ لَہُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَۃِ " جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کے سامنے اپنے آپ کو عاجز وفرمانبردار آدمی کی صورت میں پیش کرے، جیسے غلام، آقا کے سامنے۔

پانچواں حکم: " وَ قُلۡ رَّبِّ ارۡحَمۡہُمَا " ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ماں باپ کو اپنی طاقت کے طابق آرام وراحت پہنچانے کے ساتھ ساتھ ان کی موجودگی میں بھی ان کی وفات کے بعد بھی ان کے لئے دعاء کرتے رہنا چاہئے۔

مسئلہ: ماں باپ اگر مسلمان ہوں تو ان کے لئے رحمت کی دعا ظاہر ہے، لیکن اگر وہ مسلمان نہ ہوں تو ان کی زندگی میں یہ دعا اس نیت سے درست ہوگی کہ ان کو دنیاوی زندگی میں تکلیفوں سے نجات ہو اور ایمان کی توفیق ہو، مرنے کے بعد ان کے لئے رحمت کی دعا ان کے کفر کی وجہ سے جائز نہیں۔

پیسے کا مصرف (الف)

وَ اٰتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ وَ لَا تُبَذِّرْ

اور دے قرابت دار کو حق اس کا اور محتاج کو اور مسافر کو اور مت خرچ کر

تَبْذِیْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ؕ وَ كَانَ

اندھا دُھند (۲۶) بے شک فضول پیسہ اڑانے والے ہیں وہ بھائی شیطانوں کے اور ہے

الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾

شیطان واسطے رب اپنے کے ناشکرا (۲۷)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور رشتہ دار کو اور محتاج کو اور مسافر کو اس کا حق دے، اور مال کو بے جا مت اُڑا۔ (۲۶) بے شک بے جا اُڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ (۲۷)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اپنی ضرورتیں میانہ روی اور کفایت شعاری کے ساتھ پوری کرنے کے بعد دوسروں کی ضروریات کا خیال رکھو، اپنے مال میں سے کچھ حصہ نکالو، اور دوسروں کو دو، دینے میں رشتہ داری کا لحاظ رکھو، سب سے قریب رشتہ دار ماں باپ ہیں ان کو مالی مشکلات میں مدد دو، اس کے بعد ضرورتمند رشتہ داروں کو ضروری مدد پہنچائیں، پھر اور مسکینوں اور محتاجوں کا خیال رکھو، میانہ روی اور اعتدال کا ہر مرحلے میں خیال رکھو، پیسہ اس لئے نہیں ہے کہ اس کو اپنے اوپر یا اپنے رشتہ داروں پر اندھا دُھند خرچ کیا جائے، اگر تم زیادہ کما سکتے ہو تو اپنے اوپر

اتنا ہی خرچ کرو جس سے سہولت کے مطابق آرام کے ساتھ گزر بسر ہو سکے، اگر اس سے بچے تو قریبی رشتہ داروں، پڑوسیوں، محتاجوں اور ضرورت مند مسافروں کو دو، روپیہ بے جا صرف کرنے والوں، فضول خرچیوں اور کھیل تماشوں میں اڑانے والوں کو شیطانوں کا بھائی کہا گیا ہے، شیطان کا بھائی ہونا بڑے شرم کی بات ہے، وہ تو اپنے خالق اور اپنے رب کا ناشکر گزار، ملعون ہے، اس کے تو سائے سے بھی بھاگنا چاہئے۔

ماں باپ کے حق کے بعد اللہ تعالیٰ نے رشتہ داروں کے حق کو بیان کیا ہے، رشتہ داروں میں قریبی عزیز بھی ہیں، جیسے: بھائی، بہن، چچا، ماموں، خالہ، بھانجا وغیرہ اور دور کے رشتہ دار بھی ہیں۔

اماموں اور مفسرین عظامؒ فرماتے ہیں کہ: یہاں پر جس حق کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے یہ اخلاقی حق ہے، اور اس کی حیثیت نفل کی ہے، یعنی: کرو تو ثواب، نہ کرو تو کوئی گناہ نہیں، تاہم امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: رشتہ دار روزمرہ کی ضرورتوں سے بھی محتاج ہیں تو اس شخص پر اپنے رشتہ دار کا خرچہ اٹھانا واجب ہو جاتا ہے، جب تک وہ خود اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے قابل نہ ہو جائے، اسی طرح اگر نابالغ بچوں کی ذمہ داری ہے تو ان کے بالغ ہونے تک ان کی مدد ضروری ہے، یا اگر لڑکی ہے تو اس کی شادی ہونے تک اس کے اخراجات برداشت کیے جائیں، اگر کوئی عزیز نابینا ہے، لنگڑا ہے، خود کمانے کے قابل نہیں ہے اس کی کوئی جائیداد بھی نہیں ہے تو اس کی ضروریات کا خیال رکھنا بھی مالدار رشتہ دار کے ذمہ واجب ہے، اس خرچہ میں روٹی، کپڑا، رہائش اور دوسری ضرورتیں شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے پہلا حق رشتہ داروں کا بیان فرمایا، دوسرے نمبر فرمایا کہ: مسکینوں کو بھی ان کا حق ادا کرو، مسکین اور فقیر میں تھوڑا سا فرق ہے، مسکین وہ شخص ہے کہ جس کے پاس کچھ نہ کچھ موجود ہو، مگر اس سے اس کی جائز ضروریات بھی پوری نہ ہوتی ہوں، مثلاً: کوئی شخص بال بچوں والا ہے، محنت مزدوری کرتا ہے، مگر اس سے بنیادی ضروریات بھی پوری نہیں ہوتی، مکان کا کرایہ ادا کرنا مشکل ہوتا ہے یا بچوں کو دودھ میسر نہیں، بچہ تعلیم کے قابل ہے، مگر اس کے کم از کم اخراجات بھی برداشت نہیں کر سکتا، ایسے آدمی کی مدد بھی ضروری ہے، فرمایا: اور مسافروں کو بھی ان کا حق ادا کرو، جو آدمی سفر کے دوران کسی مشکل میں پھنس جاتا ہے وہ اگرچہ مسکین نہیں، مگر حالات کی مجبوری

کی وجہ سے اس کی مدد بھی ضروری ہے، یہ اتنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسافر کے لئے زکوٰۃ میں بھی حصہ رکھا ہے کہ ضرورت کے وقت اس کی مدد زکوٰۃ کے مال سے ضرورت کے مطابق بھی کی جاسکتی ہے، اگر یہ تمام حقوق ادا کیے جائیں تو معاشرے میں خرابی پیدا نہ ہو۔

قرآن پاک میں فضول خرچی کے لئے دو الفاظ استعمال ہوئے ہیں، ایک "اسراف" اور دوسرا "تبذیر"، بعض مفسرین دونوں الفاظ کو بالکل ہم معنی قرار دیتے ہیں، جبکہ بعض ان میں معمولی سا فرق بتاتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ کسی ضرورت کی جگہ پر ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا "اسراف" ہے، اور یہ مکروہ تحریمی ہے، حدیث شریف میں ہے کہ جس قسم کا لباس چاہو پہنو، مگر اس میں نہ تو تکبر کا اظہار ہو اور نہ اسراف ہو۔

دوسری چیز "تبذیر" ہے، یعنی: بالکل بے موقع خرچ کرنا جس کا کوئی جواز نہ ہو، جوا، شراب، بدکاری، لہو ولعب، فوٹوگرافی، قبروں پر گنبد بنانا، اس کو پختہ کرنا، اس پر چراغاں کرنا، بعض موقعوں پر آتش بازی کرنا، سب "تبذیر" میں شامل ہے، ایسے ہی مذہبی تقریبوں کے نام پر قبروں پر عُرس منانا اور چادریں چڑھانا، نیاز دینا، میلاد کی جھنڈیاں لگانا، گیٹ بنانا، قمقمے روشن کرنا بالکل بے موقع اور "تبذیر" میں داخل ہے۔

شریعت نے آمد و خرچ دونوں پر پابندی عائد کی ہے، حلال اور جائز طریقے سے کماؤ اور حلال و جائز طریقے سے خرچ کرو۔

امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: فضول خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں، اول یہ کہ وہ شیطان کی راہ پر چل رہے ہیں وہ اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے برخلاف شیطان کی چاہت پر خرچ کرتے ہیں، لہذا شیطان کے بھائی ہیں، اور بھائی بندی کی دوسری وجہ یہ ہے کہ جب عمل کے بدلے کا وقت آئے گا تو فضول خرچ لوگوں کو رسیوں سے باندھ کر شیطانوں کے ساتھ ہی دوزخ میں پھینک دیا جائے گا اور اس بات میں تو کوئی شک نہیں کہ شیطان اپنے پروردگار کا ناشکرا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو طاقت عطا کی، مگر اس نے اس طاقت کو اللہ کی مرضی میں استعمال کرنے کی بجائے اسے غلط طریقے سے استعمال کیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی ناقدری کی اور ناشکر گزار بن گیا، بے جا اُڑانے والوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی قدر نہ کی اور مال کو فضول کاموں

میں اڑا دیا، لہٰذا یہ بھی شیطان کے بھائی ہیں، بہر حال! اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال کو ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا، یا بے موقع خرچ کرنا "اسراف وتبذیر" ہے، اور شیطان کے نقش قدم پر چل کر اس کا بھائی بننا ہے۔

امام تفسیر حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: اگر کوئی اپنا سارا مال حق کے لئے خرچ کردے تو وہ "تبذیر" نہیں، اور اگر باطل کے لئے ایک مُدْ جَو (آدھا سیر جَو) بھی خرچ کرے، تو وہ "تبذیر" ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ناحق بے موقع خرچ کرنے کا نام "تبذیر" ہے۔ (مظہری) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: "تبذیر" یہ ہے کہ انسان مال کو حاصل تو حق کے مطابق کرے اور خرچ حق کے خلاف کرے، اس کا نام "اسراف" ہے، اور یہ حرام ہے۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: حرام وناجائز کام میں تو ایک درہم خرچ کرنا بھی "تبذیر" ہے، اور جائز ومباح خواہشات میں حد سے زیادہ خرچ کرنا جس سے آئندہ محتاج فقیر ہونے کا خطرہ ہو جائے، یہ بھی "تبذیر" میں داخل ہے، اگر کوئی شخص اصل سرمائے کو محفوظ رکھتے ہوئے اس کے نفع کو اپنی جائز خواہشات میں وسعت کے ساتھ خرچ کرتا ہے، تو "تبذیر" میں داخل نہیں۔

پیسے کا مصرف (ب)

وَ اِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا

اور | اگر | منہ موڑتے آپ | سے ان | انتظار میں | رحمت کے | سے | رب اپنے کی | توقع ہے آپ کو جس کی

فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾ وَ لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى

پس کہہ دیجئے | سے ان | بات | نرم | (۲۸) اور مت | رکھ | ہاتھ اپنا | بندھا ہوا | سے

عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾

گردن اپنی | اور نہ | پھیلا اس کو | پورا | پھیلانا | پس بیٹھ رہے تو | ملامت زدہ | تھکا ہوا | (۲۹)

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ

تحقیق رب آپکا کھول دیتا ہے روزی کیلئے جس چاہے اور تنگ بھی کرتا ہے تحقیق وہ ہے

ع ۳ ۸ ۳ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾

بندوں اپنوں کا جاننے والا دیکھنے والا (۳۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور کبھی تو ان سے منہ موڑے اپنے رب کی مہربانی کے انتظار میں جس کی آپ کو توقع ہے تو ان سے نرمی کی بات کہہ دے۔ (۲۸) اور اپنا ہاتھ گردن کے ساتھ بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ اس کو پوری طرح کھول دے پھر تو بیٹھ رہے ملامت زدہ تھکا ہوا۔ (۲۹) آپ کا رب جس کے واسطے چاہے روزی کھول دیتا ہے، اور تنگ بھی وہی کرتا ہے، وہی ہے اپنے بندوں کا جاننے والا دیکھنے والا۔ (۳۰)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اگر درمیانی چال سے چلنے کے باوجود کسی کے پاس دوسرے حاجت مندوں کے لئے نہ بچے تو اس کو چاہئے کہ دل سے پھر بھی سخی رہے اور سوال کرنے والے کو سختی کے ساتھ جواب نہ دے، دل میں ضرور امید رکھے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اسے دے گا اور پھر وہ محتاجوں کی امداد کرے گا۔

آگے ارشاد ہے کہ: ہر حال میں درمیانی چال کا خیال رکھنا چاہئے نہ تو اس قدر ہاتھ روکے کہ گردن سے جدا ہی نہ ہو، کسی کو دینے کے لئے نیچے آئے ہی نہیں اور نہ حد سے زیادہ سخاوت دکھائے کہ دے دلا کر آپ دوسروں کا محتاج ہو کر بیٹھ جائے، دونوں حالتوں میں وہ قابل ملامت ہوگا، پہلی حالت میں کنجوس مکھی چوس کہلائے گا، اور دوسری حالت میں ناسمجھ۔

مَغْلُوْلَۃً: کے لفظ سے ڈھائی تین سال کے بچے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ اگر اس کے ہاتھ میں کوئی روپیہ پیسہ ہو اور اس سے کوئی دوسرا مانگے تو وہ اپنے ہاتھ کی مٹھی مضبوطی سے بند کر لیتا ہے اور اپنے ہاتھ کو آہستہ آہستہ گردن سے چمٹا لیتا ہے، اس حالت کو "وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَۃً" سے بیان کیا گیا ہے کہ نہ مٹھی گردن

سے جدا ہوگی نہ کھلے گی اور نہ دوسرے کو دینا پڑے گا۔

مال کے معاملے میں اکثر لوگ کمی زیادتی سے کام لیتے ہیں، کسی کو اس کے جمع کرنے کی دُھن لگ جاتی ہے، اور وہ محتاج کو ایک دانہ تک نہیں دیتا، آج کل اسی کا زور ہے، لیکن پہلے ایسے لوگ بھی ہوتے تھے جو دوسروں کی مصیبت سے بے چین ہو جاتے تھے اور جو کچھ اپنے پاس ہوتا تھا اس میں سے حاجت مند کو دے دیتے تھے، اور خود خوشی خوشی مشقت اور تکلیف تک برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جاتے تھے، آج کل ایسے لوگ بہت کم ہیں۔

ان آیتوں میں دونوں کو سمجھایا گیا ہے کہ نہ اس خیال سے دینے سے ہاتھ روکو کہ نہ دوں گا تو مال دار ہو جاؤں گا اور نہ دوسرے کی ضرورت دیکھ کر اتنے بے چین ہو جاؤ کہ جو کچھ تمہارے پاس ہو وہ اسی کو دے دو، اور خود دوسروں کے ہاتھوں کی طرف دیکھو، مالدار اور مفلس بنانا اللہ تعالیٰ کے حکم اور حکمت سے ہوتا ہے اور وہی اپنے بندوں کے حال کو جانتا اور دیکھتا ہے۔

ہر شخص اپنی خداداد قابلیتوں اور قوتوں سے کما سکتا ہے، دوسروں کا حق دبائے بغیر کمائے اس میں سے اپنی ضرورتوں کو ضرورت کے مطابق پورا کرے اور جو بچ رہے اس کو ان لوگوں کی مدد میں خرچ کرے جن کی آمدنی ان کی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لئے کافی نہیں، لیکن کسی کو اپنا بوجھ دوسرے پر ڈال کر بیٹھا نہ رہنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ نے پچھلی آیتوں میں بعض لوگوں کے مالی حق ادا کرنے کا حکم دیا تھا، اب اس حکم کا دوسرا پہلو بھی بیان کیا ہے کہ اگر کسی وقت آپ اتنے مالدار نہ ہوں کہ رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کر سکیں تو پھر ان سے نرمی سے بات کریں اور معذرت کر لیں کہ وہ مالی مدد کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں، جب ہوں گے تو پھر ان کی خدمت بجالائیں گے، مطلب یہ ہے کہ سوال کرنے والوں سے سختی سے پیش نہ آئیں۔

محتاجوں کے ساتھ سختی سے پیش آنے کی بالکل اجازت نہیں دی گئی ہے، ایک موقع پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک محتاج آیا، اس نے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اس وقت تو میرے پاس کوئی چیز موجود نہیں ہے، لہٰذا تم میرے حوالے سے فلاں شخص سے جا کر لے لو، میں بعد میں اس کو ادا کر دوں گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ پاس بیٹھے تھے، عرض کیا: اے اللہ کے پیغمبر! جو چیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس موجود نہیں، اس کی ادائیگی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر

ضروری نہیں، پھر اتنی تکلیف کیوں فرماتے ہیں؟ اس بات پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہترین اخلاق کا تقاضا تھا کہ آپ کبھی بھی سوال کرنے والے کو واپس نہیں کرتے تھے، یا تو خود عطا فرما دیتے تھے اور یا کسی دوسرے کے حوالے کر دیتے تھے، بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بھی فرماتے کہ: بھائی! فلاں وقت آنا، غرضیکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سوال کرنے والے کو "نا" میں جواب نہیں دیتے تھے، عام لوگوں کے لئے بھی یہی حکم ہے کہ اگر کبھی دینے کے لئے کچھ پاس نہ ہو تو خوش اخلاقی سے اچھے طریقے سے جواب دیں۔

اب ایک اصول یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ خرچ کرنے کے معاملے میں اپنے ہاتھ گردن کے ساتھ نہ چمٹا لیں، یعنی: بخل نہ کریں، جو شخص مال پاس ہونے کے باوجود خرچ نہیں کرتا، اس کا ہاتھ گویا اس کی گردن میں بندھا ہوا ہے، "بخل" پرلے درجے کی بداخلاقی اور انتہائی بری معاشرتی بیماری ہے، قرآن کریم میں اس کو فحش بھی کہا گیا ہے، دوسری بات یہ فرمائی کہ اپنے ہاتھ کو پوری طرح پھیلا کر بھی نہ رکھیں کہ جو کچھ پاس ہے سب دے دیا، اور پھر محتاج بن کر دوسروں کے آسرے پر بیٹھ گئے، اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں، بلکہ میانہ روی پسند ہے کہ خرچ بھی کرو، اور اپنی ضروریات کے لئے اپنے پاس بھی رکھو۔

امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل کے لئے کوئی چیز ذخیرہ نہیں کرتے تھے، بلکہ جو کچھ آتا سب خرچ کر دیتے، "مسلم شریف" کی روایت میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اگر میرے پاس اُحد پہاڑ جتنا سونا بھی ہو تو میں ایک یا تین دینار واجب الاداء قرضے کے سوا اس میں سے ایک درہم بھی نہ روکوں، بلکہ رات سے پہلے سارا تقسیم کروں، تمام مال حقداروں کو ادا کر دوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں بعض اللہ تعالیٰ کے نیک بندے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبول فرما لیتے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنا سارا مال بھی پیش کر کے مطمئن رہتے تھے، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے قبول کرتے تھے، البتہ عام لوگوں کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور انڈے کے برابر سونے کی ڈلی پیش کی کہ یہ صدقہ ہے اور کہا کہ بخدا! میں اس کے علاوہ کسی چیز کا مالک نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہی ڈلی زور سے اس شخص کی

طرف واپس پھینکی کہ اگر اس کو لگ جاتی تو زخمی ہو جاتا، فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنا سارا مال لے کر آجاتا ہے، اور پھر پریشان ہو کر دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے لگتا ہے، یہ بات درست نہیں ہے، پہلے اپنی ضروریات پوری کرو اور پھر صدقہ کرو۔

ایک دفعہ ایک پھٹے پرانے کپڑوں والا خستہ حال آدمی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو ترغیب دلائی تو اس کے لئے کپڑے جمع ہو گئے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی حالت کے پیش نظر اس شخص کو دو کپڑے عطا فرمائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو پھر صدقہ کی ترغیب دلائی، اس پر وہی شخص اٹھا اور دو میں سے ایک کپڑا صدقہ میں پیش کر دیا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر بھی ناراض ہوئے اور فرمایا کہ: اس شخص کی خاطر میں نے لوگوں کو صدقہ کی ترغیب دلائی، لوگوں نے اس کے لئے کپڑے دیئے اور اس نے ان میں سے ایک پھر واپس کر دیا، یہ کیسے درست ہو سکتا ہے؟ اس کی مدد کے لئے تو یہ ساری کارروائی ہوئی اور اس نے پھر محتاج بننے کی طرف قدم بڑھایا۔

بہر حال! عام لوگوں کے لئے قانون یہی ہے کہ نہ تو بخل سے کام لیں اور نہ سب کچھ خرچ کر کے خود محتاج ہو جائیں، اس کی بجائے درمیانہ راستہ اختیار کریں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: میانہ روی آدھی معیشت ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان بھی ہے: جس نے میانہ روی اختیار کی وہ کبھی محتاج نہیں ہوگا، ساری خرابی اسی کمی زیادتی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، جس سے بچ کر میانہ روی اختیار کرنی چاہئے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا (حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی بیوی) نے عرض کیا کہ حضور! ہمارے پاس مال جمع تو ہوتا نہیں، خاوند جو کچھ کما کر لاتا ہے اس سے بمشکل گزر بسر ہوتی ہے، بعض اوقات دروازے پر محتاج بھی آجاتے ہیں تو کیا میں اس معمولی مال میں سے کچھ خرچ کر سکتی ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! تم رواج کے مطابق بغیر اجازت خاوند خرچ کر سکتی ہو، لیکن شرط یہ ہے کہ اپنے خاوند کے مال کو ضائع کرنے والی نہ ہو، معقول طریقے سے محتاجوں کی خدمت کرو، کسی کو کھانا کھلا دیا، کسی کو ہدیہ بھیج دیا وغیرہ، فرمایا: اگر تم ہاتھ روکو گی تو اللہ تعالیٰ بھی ہاتھ روک لے گا اور اگر سمیٹ سمیٹ کر رکھو گی تو اللہ تعالیٰ بھی اپنا ہاتھ سمیٹ لیں گے۔

حدیث میں آتا ہے کہ رات گزار کر ہر صبح جب بندے صحت وسلامتی کے ساتھ بیدار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے دو فرشتے نازل ہوتے ہیں، ایک فرشتہ دعا کرتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کے خرچ کا بدلہ عطا کر، یعنی: اس کی جگہ مزید عطا فرما، اور دوسرا فرشتہ کہتا ہے کہ اے اللہ! بخیل کے مال کو برباد فرما۔

بہر حال! آیت میں یہ بتایا گیا کہ اپنے ہاتھ اپنی گردن کے ساتھ جکڑ کر نہ رکھو، یعنی: بخل نہ کرو اور نہ ہی ہاتھ کو اتنا کھلا رکھو کہ سب کچھ خرچ کر دو اور پھر دوسروں کے محتاج ہو کر بیٹھ جاؤ۔

آگے فرمایا کہ: آپ کا رب جس کی روزی چاہے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کی چاہے تنگ کر دیتا ہے، اس کی مصلحت خود اسے ہی معلوم ہے، کوئی دوسرا اس سے واقف نہیں ہوسکتا، حدیث شریف میں بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: میرے بعض بندے ہیں کہ ان کے ساتھ مالداری ہی زیادہ مناسب ہوتی ہے، اگر میں ان کو مال نہ عطا کروں تو ان کا دین ہی بگڑ جائے، فرمایا: بعض آدمیوں کے ساتھ غربت ہی زیادہ مناسب ہوتی ہے، اگر میں ان کو مال دے دوں تو ان کا دین ہی بگڑ جائے، لہذا میں اپنی حکمت کے مطابق کسی کو زیادہ دیتا ہوں اور کسی کو کم، اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا وہ ہر ایک کے حال کو اس سے بہتر جانتا ہے، لہذا تمہارا فرض بس یہ ہے کہ اس کے حکموں کی پابندی کرو کہ تمہاری بہتری اسی میں ہے، اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے تو بخل نہ کرو اور نہ اتنا خرچ کرو کہ خود محتاج ہو جاؤ، میانہ روی ہی تمہاری دنیا و آخرت کے لئے بہتر ہے۔

امام تفسیر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ: یہ حکم مسلمانوں کے عام حالات کے لئے ہے جو خرچ کرنے کے بعد تکلیفوں سے پریشان ہو کر پچھلے خرچ کئے ہوئے پر پچھتائیں اور افسوس کریں اور جو لوگ اتنے بلند حوصلہ ہوں کہ بعد کی پریشانی سے نہ گھبرائیں اور حق والوں کے حقوق بھی ادا کرسکیں ان کے لئے یہ پابندی نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عام عادت یہ تھی کہ کل کے لئے کچھ ذخیرہ نہ فرماتے تھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے بھی بہت سے حضرات ایسے ہیں کہ جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک میں اپنا سارا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ اس کو منع فرمایا نہ ان کو ملامت کی، اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں ممانعت ان لوگوں کے لئے ہے جو فقر و فاقہ کی تکلیف برداشت نہ کرسکیں اور خرچ کرنے کے بعد ان کو افسوس ہو کہ کاش!

ہم خرچ نہ کرتے، یہ صورت ان کے پچھلے عمل کو خراب کردے گی؛ اس لئے اس سے منع فرمایا گیا۔

اولاد کا قتل

وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ
اور نہ قتل کرو اولاد اپنی کو ڈر سے مفلسی کے ہم روزی دیتے ہیں ان کو اور

اِیَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِیْرًا ﴿۳۱﴾ وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤی
تم کو تحقیق قتل ان کا ہے گناہ بڑا (۳۱) اور نہ قریب جاؤ زنا کے

اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَ سَآءَ سَبِیْلًا ﴿۳۲﴾ وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ
تحقیق وہ ہے بے حیائی اور برا راستہ (۳۲) اور مت قتل کرو جان کو جسے

حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَ مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا
حرام کردیا اللہ نے مگر ساتھ حق کے اور جو قتل کردیا گیا ظلم سے پس تحقیق کردیا ہے

لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾
کیلئے وارث اس کے ایک اختیار پس نہ حد سے بڑھے میں قتل کرنے یقیناً وہ ہے مدد پہنچایا گیا (۳۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے مت مارڈالو ہم روزی دیتے ہیں ان کو اور تم کو، بے شک ان کا مارڈالنا بڑی خطا ہے۔ (۳۱) اور زنا کے پاس نہ جاؤ وہ بے حیائی ہے اور بری راہ ہے۔ (۳۲) اور قتل مت کرو اس جان کو جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کردیا مگر حق کے ساتھ اور جو ظلم سے مارا گیا تو ہم نے اس کے وارث کو خاص اختیار دیا تاکہ وہ حد سے نہ نکل جائے قتل کرنے میں، بے شک وہ شخص امداد کے قابل ہے۔ (۳۳)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل مت کرو کہ ان کے کھانے پلانے کے لئے کہاں سے آئے گا؟

اللہ تعالیٰ نے انسان کے کھانے پینے کا دنیا میں خوب بندوبست کر دیا ہے، ارشاد ہے کہ: ہم ان کو بھی رزق دینگے اور تم کو بھی، اسلام سے پہلے عرب کے بعض لوگ اولاد کو بچپن ہی میں مار دیتے تھے، اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ سوچتے تھے کہ ہمارا تو اپنا ہی گزارا مشکل سے ہوتا ہے، انہیں کھلانے کے لئے کہاں سے لائیں گے؟ قرآن مجید اس سے منع کرتا ہے اور اس کی وجہ بھی بیان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رزق کے سارے سامان فراخی کے ساتھ مہیا کر دیئے ہیں اور انسان کو عقل دی ہے، یقیناً وہ ایسا انتظام کر سکتا ہے کہ کوئی شخص ضروریات کے لئے نہ ترسے، اس کے بعد ارشاد ہے کہ: بغیر شادی کے کسی غیر عورت سے ناجائز تعلق پیدا مت کرو، بلکہ ایسی باتوں سے بھی بچو جن کی وجہ سے بدکاری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ بھی ہو۔

آخری آیت میں ارشاد ہے کہ: آدمی کو جان سے مارنا اللہ نے حرام کر دیا ہے، کوئی آدمی دوسرے کو قتل نہ کرے، مگر صرف اسی صورت میں جبکہ اس کی زیادتی ثابت ہو جائے قتل کی سزا صرف قصاص میں، شادی شدہ ہو کر زنا کا مرتکب ہونے میں یا مرتد ہونے میں دی جا سکتی ہے، آگے ارشاد ہے کہ: جو شخص مظلوم ہو کر مارا جائے تو اس کے وارث کو شرعی قانون حق دیتا ہے کہ قاتل پر قصاص کا دعویٰ کر دے اور حاکم کے فیصلے کے بعد اسے قتل کر دے، نیز: تکلیف سے قتل کرنا، مثلاً: اعضاء وغیرہ کو کاٹ کر مارنا یا سخت تکلیف دے کر مارنا بھی منع ہے، منصور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو لازم ہے کہ انصاف کے ساتھ بدلہ لینے میں مقتول کے وارث کی مدد کرے، اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی خود قصاص نہ لے، کیونکہ اس میں یہ خطرہ ہے کہ وہ انتقام لینے میں حد سے بڑھ سکتا ہے اور خود زیادتی کا مجرم ہو سکتا ہے، جو شخص اپنی جان کا خطرہ سمجھ کر دوسرے کو مار ڈالتا ہے، اس کے وارثوں کو بھی اس پر دعویٰ کرنے کا حق ہے، تاکہ عدالت میں ثابت ہو جائے کہ واقعی مقتول کی زیادتی تھی اور قاتل نے واقعی اپنی جان بچانے کے لئے اس کو قتل کیا۔

اولاد کو قتل کرنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ عرب کے لوگ کہتے تھے کہ ہماری کمائی کی ذریعے کم ہیں تو ایسے میں اولاد، لڑکا یا لڑکی کی ضرورتیں کیسے پوری ہوں گی؟ لہذا بہتر یہی ہے کہ انہیں پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا

جائے، اللہ تعالیٰ نے اسی سے منع فرمایا ہے کہ اپنی اولادوں کو غریبی اور تنگدستی کی وجہ سے قتل نہ کرو، روزی پہنچانا تمہاری ذمہ داری نہیں ہے، بلکہ ہر نومولود بچے کو روزی ہم پہنچاتے ہیں، نہ صرف انہیں، بلکہ تمہاری روزی بھی ہم پہنچاتے ہیں، تم سمجھتے ہو کہ اپنی روزی کماتے ہو، نہیں! بلکہ تمام روزی کمانے کے ذرائع تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، وہ روزی کمانے کے ذریعے پیدا کرتا ہے تو تمہاری روزی کا انتظام ہوتا ہے، اگر وہ تمہیں کچھ نہ دینا چاہے تو تمہاری تمام تر محنت اور کوشش کے باوجود تمہیں کچھ نہیں مل سکتا، اللہ تعالیٰ نہ صرف تمام انسانوں کا روزی پہنچانے والا ہے، بلکہ ہر جانور، چرند، پرند، کیڑے مکوڑے، مچھلیوں اور مینڈکوں تک کی روزی کا سامان وہی کرتا ہے۔

"بخاری" اور "مسلم" کی روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ: سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ تم اللہ کا شریک بناؤ، حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کیا: حضور! اس کے بعد بڑا گناہ کون سا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تو اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کر دے کہ اس کی خوراک کا بندوبست کون کرے گا؟ گویا شرک کے بعد دوسرے نمبر پر اولاد کا قتل کرنا بڑا جرم ہے، انہوں نے تیسری مرتبہ عرض کیا کہ اے اللہ کے پیغمبر! اس کے بعد کون سا گناہ ہے؟ تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرے، بدکاری تو ویسے ہی بہت بری حرکت ہے، مگر پڑوسی کے حق پر ڈاکہ ڈالنا تو بہت ہی معیوب ہے، کیونکہ اللہ نے پڑوسیوں کے بڑے حقوق رکھے ہیں۔

قرآن پاک نے اولاد کو قتل کرنے کی دو صورتیں بیان کی ہیں، ایک بچیوں کا قتل، تاکہ ان کا کوئی داماد نہ بن سکے، اور دوسرا تنگدستی کے ڈر سے قتل، اب آج کے زمانے میں نسل ختم کرنے کی کچھ اور صورتیں بھی وجود میں آچکی ہیں، جنہیں استعمال کیا جا رہا ہے، ان میں مانع حمل ادویات یا اسقاط حمل ادویات شامل ہیں، عورتوں کے رحم کا آپریشن بھی کرا دیا جاتا ہے، تاکہ حمل ٹھہرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جائے، برتھ کنٹرول کی یہ ساری قسمیں شریعت کے نزدیک جرم و گناہ ہیں۔

اس برے کام کو کرنے کے حق میں آج بھی یہی دلیل پیش کی جاتی ہے کہ دنیا کی آبادی بڑھ رہی ہے، اگر

یہ اسی طرح بڑھتی رہی تو ان کی خوراک کیسے مہیا ہوگی؟ چنانچہ خاندانی منصوبہ بندی کا کام کسی ایک ملک میں نہیں، بلکہ اقوام متحدہ کے تحت پوری دنیا میں ہو رہا ہے، جس کے لئے یہ عالمی ادارہ مدد بھی مہیا کرتا ہے، دراصل اس قسم کی منصوبہ بندی میں پوشیدہ طور پر شرک کا پہلو بھی نکلتا ہے کہ لوگ خدا تعالیٰ کی روزی دینے والی صفت کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں، ان بیوقوفوں سے کوئی پوچھے کہ کیا روزی تمہاری منصوبہ بندی سے حاصل ہوتی ہے؟ دنیا بھر میں خوراک کی کمی کا تعلق آبادی کی کثرت سے نہیں، بلکہ روزی کے ذریعوں کے غلط استعمال سے ہے، ذریعہ خود غلط استعمال کرتے ہیں، مگر دعویٰ یہ ہے کہ ہماری پلاننگ سے لوگوں کو روزی حاصل ہوتی ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ: بدکاری کے قریب بھی نہ جاؤ، اللہ تعالیٰ نے شہوت کو پورا کرنے کے لئے جائز ذریعے، یعنی: نکاح کو اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے، اور ساتھ ہی ڈرایا بھی ہے کہ جو شخص اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے گا تو پھر حد سے نکلنے والا بن جائے گا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی ذلت ہوگی اور قانون کی نظر میں بھی مجرم ہوں گے، حضرت بریدہؓ کی روایت میں ہے کہ ساتوں زمین اور ساتوں آسمان بدکاری کرنے والے پر لعنت بھیجتے ہیں، خاص طور پر بڑھاپے کی حالت میں بدکاری کرنے والے کے متعلق فرمایا کہ ان لوگوں کی شرمگاہوں سے ایسی سخت بدبو اٹھے گی، جس سے دوزخ والے بھی پناہ مانگیں گے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص بدکاری کرتا ہے اور اس کو بار بار کرتا ہے، وہ شخص ایسا ہے جیسے: بت پرست ہو، گویا بدکاری کا جرم بت پرستی جیسا بڑا جرم ہے، اس وقت تک کہ جب تک وہ شخص اس سے توبہ نہ کر لے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ جب کوئی شخص اس گناہ کو کرتا ہے تو ایمان اس کے جسم سے نکل کر اس کے اوپر سائبان کی طرح لٹکتا رہتا ہے، پھر جب وہ اس کام سے الگ ہو جاتا ہے تو ایمان واپس آجاتا ہے، غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے بدکاری کے قریب بھی جانے سے منع فرما دیا۔

اب اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ: اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو قتل نہ کرو، سوائے حق کے، ناحق قتل کرنا بڑے بڑے گناہوں میں سے ہے، دنیا میں اس کے بہت برے اثرات پھیلتے ہیں، بچے یتیم اور عورتیں بیوہ ہو جاتی ہیں اور معاشرے میں قسم قسم کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، قرآن و حدیث میں اس کی سخت برائی

بیان فرمائی گئی ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: کسی مسلمان آدمی کا قتل جائز نہیں ہے سوائے اس کے وہ شادی شدہ ہو کر زنا کرنے والا ہو، مرتد ہو جائے یا قصاص میں قتل کر دیا جائے، اللہ تعالیٰ نے ان تین قسم کے قتل کے علاوہ ناحق قتل سے منع فرما دیا ہے۔

حق کی وجہ سے قتل کرنے کی بعض دوسری صورتیں بھی شریعت نے بیان فرمائی ہیں، مثلاً: سرکش، باغی اور ڈاکو کے متعلق فرمایا کہ جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں انہیں قتل کیا جائے یا سولی پر چڑھایا جائے، اور ان کے ہاتھ پاؤں مخالف طرف سے کاٹ دیے جائیں، اسی طرح جنگ کے دوران کافروں کو قتل کرنا بھی جائز ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ: پوری دنیا کی تباہی ایک طرف اور ایک مومن کے ناحق قتل ایک طرف ہے، "ابن ماجہ، ترمذی اور نسائی شریف" کی روایت میں آتا ہے کہ اگر تمام آسمانوں اور زمین والے مل کر کسی ایک مومن کے قتل میں شریک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ سب کو دوزخ میں اوندھے منہ گرائے گا، ایک قتل ناحق کے بدلے تمام روئے زمین کے بسنے والوں کو عذاب دیا جا سکتا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی آتا ہے کہ: ابلیس ہر صبح اپنے لشکر کو مختلف سمتوں میں روانہ کر کے کہتا ہے کہ جو شخص نمایاں کام انجام دے گا میں اسے تاج پہناؤں گا اور اس کی عزت افزائی کروں گا، سب شیطان چلے جاتے ہیں، پھر واپس آ کر ان میں سے ایک کہتا ہے کہ میں ایک مسلمان کو گمراہ کرتا رہا، حتیٰ کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، بڑا شیطان کہتا ہے کہ تم نے بڑا اچھا کام کیا، مگر ہو سکتا ہے کہ یہ پھر نکاح کر لیں یہ کوئی بڑا کارنامہ نہیں ہے، پھر دوسرا شیطان کہتا ہے کہ میں فلاں شخص کو برابر وسوسہ میں مبتلا کرتا رہا، یہاں تک کہ وہ شخص اپنے والدین کا نافرمان ہو گیا، بڑا شیطان کہتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ شخص توبہ کر کے پھر والدین کا فرمانبردار بن جائے، لہٰذا یہ بھی کوئی بڑا کام نہیں ہے، ایک اور شیطان یہ رپورٹ پیش کرتا ہے کہ وہ فلاں شخص کے پیچھے لگا رہا، اس کو گمراہ کرتا رہا، حتیٰ کہ اس نے شرک کا ارتکاب کیا، بڑا شیطان خوش ہو کر کہتا ہے کہ تو نے بہت اچھا کام کیا اور اس کے سر پر تاج رکھ دیتا ہے، پھر ایک شیطان آ کر کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص

کو ورغلایا، اس کو گمراہ کیا، حتیٰ کہ اس نے ناحق قتل کر دیا، سردار شیطان اس پر بھی بڑا خوش ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ تم بھی بڑے قابل ہو، اس کو بھی تاج پہنا دیتا ہے، غرضیکہ یہ دو جرم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا اور ناحق قتل کرنا شیطان کو بہت پسند ہے، کیونکہ ان میں بنیادی خرابیاں پائی جاتی ہیں، جن کا اثر سارے معاشرے پر پڑتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ: جو آدمی مظلومیت کی حالت میں قتل کیا گیا، پس وہ قتل میں زیادتی نہ کرے، مطلب یہ کہ اگر ایک آدمی قتل ہوا ہے تو اس کے بدلے میں دو یا زیادہ آدمی قتل نہ کیے جائیں، بلکہ قاتل ہی کو قتل کیا جائے، غیر مستحق کو سزا دینا کبیرہ گناہ ہے، اللہ تعالیٰ نے مقتول کے ورثاء کو قصاص کا حق دیا ہے اور اگر قصاص ممکن نہ ہو تو دیت کا حق ہے، اگر یہ بھی ادا ہو جائے تو آئندہ کے لئے قتل و غارت گری رُک جاتی ہے۔

مظلوم کی مدد کا مطلب یہ بھی ہے کہ اسلامی حکومت شریعت کے قانون کے مطابق اس کی ضرور مدد کرے گی، اس کے علاوہ مسلمانوں کی جماعت کی ہمدردیاں اور مدد بھی مظلوم کے ساتھ ہوگی، لہٰذا قتل کے معاملے میں زیادتی نہیں کرنی چاہئے۔

یتیم اور ناپ تول

وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ

اور نہ قریب پھٹکو مال یتیم کے مگر اس طریقے سے کہ وہ بہتر ہو یہاں تک کہ پہنچے وہ

اَشُدَّهٗ ۪ وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾ وَ اَوْفُوا

جوانی اپنی کو اور پورا کرو عہد کو تحقیق عہد ہے پوچھے جانے والا (۳۴) اور پورا کرو

الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَ زِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ

ناپ جب تم ناپ کرو اور تولو ساتھ ترازو سیدھی کے یہ بہتر ہے

وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾

اور اچھا ہے بطور انجام کے (۳۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور یتیم کے مال کے پاس مت جاؤ مگر جس طرح کہ بہتر ہو جب تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچے اور عہد کو پورا کرو، بے شک عہد کی پوچھ ہوگی۔ (۳۴) اور جب ناپ کر دینے لگو تو پیمانہ پورا بھر دو، اور سیدھی ترازو سے تولو اور یہ بہتر ہے اور اس کا انجام اچھا ہے۔ (۳۵)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: یتیم کے مال کو اپنی ضرورتوں میں ہرگز خرچ مت کرو، البتہ اس کی حفاظت کے خیال سے یا اس کو ان کے لئے اور زیادہ کارآمد اور نفع مند بنانے کے ارادے سے اس کو کسی کام میں لگا سکتے ہو، اس میں محض یتیموں کی خیر خواہی کا خیال رکھنا چاہئے، اور جب تک وہ بالغ ہو کر اس قابل نہ ہو کہ خود اس کی حفاظت کر سکے اور اس سے نفع کما سکے، اس وقت تک تم ان کے مال کی حفاظت اور دیکھ بھال کرتے رہو اور جب وہ جوان ہو جائے اور ان کی دماغی اور بدنی قوتیں اپنا اپنا کام مناسب طریقے سے کرنے لگیں تو ان کا مال انہیں دے دو، کیونکہ وہ تمہارے پاس بطور امانت کے تھا، اس کے بعد ارشاد ہے کہ: عہد و پیمان کا خیال رکھو، بشرطیکہ وہ شریعت کے خلاف نہ ہو، اس کی پوچھ گچھ ہوگی اور اس کے بے جا توڑ دینے کا وبال پڑے گا، اور جب چیزوں کا ناپ تول کر تبادلہ کرنے لگو تو اس کا خیال رکھو کہ ان میں کمی زیادتی نہ ہونے پائے، لین دین کے وقت ناپنے کی چیز کو پورا ناپو، اور تولنے کی چیز کو ٹھیک ترازو سے وزن کرو، اسی میں تمہاری بہتری ہے اور انجام کار یہ بات سب کے لئے مفید اور کارآمد ثابت ہوگی۔

یتیموں کی پرورش، نگہداشت اور حسن سلوک کے احکام "سورہ بقرہ سورہ نساء" اور بعض دوسری سورتوں میں بھی بیان فرمائے جاچکے ہیں اور ان کا ایک حصہ یہاں بھی موجود ہے، یتیموں کی خبر گیری کرنا اور ان کے مال کی حفاظت کے متعلق بڑے سخت احکام بیان فرمائے ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: اگر تم نیک نیتی سے ان کے مال کو ملاؤ گے تو وہ تمہارے بھائی ہیں، ان کی ہمدری کے ساتھ اصلاح کی کوشش کرو، تاکہ ان کا مال نہ صرف محفوظ رہے، بلکہ اس میں اضافہ بھی ہوتا رہے، آج کے مہنگائی کے دور میں اگر کوئی رقم جوں کی توں پڑی رہے تو خرچ نہ

کرنے کے باوجود اس میں کمی واقع ہوتی رہتی ہے، ضرورت کی چیزوں کی قیمتوں میں آئے دن اضافہ محفوظ رقم میں کمی کا ذریعہ بنتا ہے، لہذا اب یہ ضروری ہوگیا کہ نقد رقم کو کسی کاروبار میں لگایا جائے، اگر اس میں اضافہ نہیں تو کمی بھی تو واقع نہ ہو، غرضیکہ یتیموں کے مال کو ان کی بہتری کے لئے اچھے کام میں لگانے کی اجازت دی گئی ہے، اس طرح ان کے راشن کو سرپرست کے راشن میں ملا لینا کہ اس سے یتیم کے خرچ میں بچت ہوگی، یہ بھی درست ہے، برخلاف اس کے کہ اگر کوئی شخص یتیم کے مال کو اپنے مال کے ساتھ بدنیتی سے ملاتا ہے، تا کہ یتیم کا مال خود ہضم کر سکے تو اس کی سختی سے مذمت بیان کی گئی ہے، فرمایا: اس قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرنا بڑے گناہ کی بات ہے، جس کی سزا بھگتنا ہوگی۔

فرمایا کہ: یتیم کے مال کی اس وقت تک نگرانی کرتے رہو جب تک وہ اپنی قوت کو پہنچ جائے، یتیم کی قوت، جوانی یا بلوغت تک پہنچنے کی مدت میں فقہاء کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے، بعض بچے بچپن میں ہی سمجھ بوجھ والے ہوجاتے ہیں اور وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی صلاحیت جلدی حاصل کر لیتے ہیں، البتہ بعض ناسمجھ بھی ہوتے ہیں، اور ان کے مال کی نگرانی کے لئے زیادہ عرصہ مطلوب ہوتا ہے۔

بہر حال! فرمایا کہ: یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ، مگر اس طریقے کے ساتھ جو بہتر ہے، معاشرے کی درستگی کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ کمزور طبقوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، اور اس معاملے میں یتیم سرفہرست ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: عہد کو پورا کرو، کیونکہ بے شک عہد کے متعلق پوچھا جائے گا کہ تم نے پورا کیا یا نہیں، قرآن مجید میں عہد کو پورا کرنے کی جگہ جگہ تاکید کی گئی ہے۔

"عہد" عام بھی ہوتا ہے اور خاص بھی، مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ ایک مومن آدمی جب اپنی زبان سے کلمہ شہادت ادا کرتا ہے تو وہ گویا اللہ اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے "عہد" کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکموں پر عمل کرے گا اور ان کی ہدایات کی پیروی کرے گا۔

انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ بصورت نذر بھی "عہد" کرتا ہے کہ فلاں کام کروں گا، اب یہ بھی اس کے ذمہ

لازم ہوجاتا ہے کہ وہ اس "عہد" کو پورا کرے، روزمرہ کی زندگی میں انفرادی اور اجتماعی بے شمار قسم کے "عہد و پیمان" ایک دوسرے کے ساتھ کیے جاتے ہیں، خرید و فروخت، لین دین، قرضہ، امانت، نکاح، طلاق سب "عہد" ہیں، جن کا پورا کرنا ضروری ہے، اسی طرح حکومتی سطح پر ملکی جماعتوں یا غیر ملکی حکومتوں کے ساتھ عہد کیے جاتے ہیں، ان سب کا پورا کرنا لازم ہے، بشرطیکہ جائز ہوں اور ان میں حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہ بتایا گیا ہو، جو شخص جماعت یا حکومت "عہد" کی خلاف ورزی کرے گی وہ غدار سمجھی جائے گی۔

"عہد" کو توڑنا منافقت کی علامت ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: عملی منافق کی ایک نشانی یہ ہے کہ جب وہ "عہد" کرتا ہے تو غداری کرتا ہے۔

اسلامی معاشرے کا ایک اصول اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ: اور پورا کرو ناپ کو جب تم کوئی چیز ناپتے ہو اس میں کمی زیادتی نہ کرو، اور جب کسی چیز کا لین دین بذریعہ وزن ہو تو پورا وزن کر کے دو، اس میں ڈنڈی مارنے کی قطعاً اجازت نہیں، ایسا کرنا خیانت ہے جو حرام ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ بعض قومیں ناپ تول میں کمی کی وجہ سے ہلاک ہوئیں، جن میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم "ایکہ" اور "مدین" والے لوگ سرفہرست ہیں، یہ لوگ بین الاقوامی شاہراہ پر آباد تھے، تاجر پیشہ تھے، مگر ماپ تول میں خیانت کرتے تھے، مدینہ کے اردگرد میں یہودی بھی تجارت پیشے تھے اور یہ خرابی ان میں بھی پائی جاتی تھی۔

"ترمذی شریف" کی روایت میں آتا ہے کہ ایک دفعہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں تشریف لے گئے، اور تاجروں سے یوں خطاب فرمایا: اے تاجروں کے گروہ! تمہیں دو چیزوں کا ذمہ دار بنایا گیا ہے، جن کی وجہ سے کئی پچھلی قومیں ہلاک ہوئیں، فرمایا: وہ ناپ اور تول ہے، پچھلی قومیں ان دو چیزوں میں کمی زیادتی کی وجہ سے عذاب کی حقدار ٹھہریں، لہٰذا تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ تم ان کے راستے پر مت چلنا اور کسی کا حق ضائع مت کرنا۔

ناپ تول میں کمی زیادتی عام طور پر تاجر لوگوں کا کام ہے، یہ دھوکہ دینے کے مترادف ہے جو کہ قطعی حرام فعل ہے، جھوٹے دعویٰ اور جھوٹی قسمیں اٹھانے سے برکت اٹھ جاتی ہے اور مال کی تباہی قریب آجاتی ہے، فرمایا:

جھوٹی قسم مال کو چلا دے گی، مگر برکت کو بالکل مٹا دے گی، ایسا سرمایہ غلط کاروبار میں ہوگا، ہیرا پھیری اور دھوکے فریب سے کمایا ہوا پیسہ بیکار رسموں اور کھیل کود میں ضائع ہوجاتا ہے، لہٰذا لین دین اور تجارت میں دیانت کو برقرار رکھنا چاہئے کہ اسی میں انسانی حقوق کا تحفظ اور برکت ہے۔

جب کوئی شخص پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں کوئی مال ناپتا یا تولتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے کہ تولو! اور زیادہ ہی دو کم نہ دو؛ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: ناپتے وقت پورا پورا ماپو، اور وزن کرتے وقت سیدھے ترازو کے ساتھ کرو، یہی بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی اچھا ہے، اس طرح لوگوں کے حقوق ادا ہوتے رہیں گے کہ ان حقوق کی ادائیگی کے بعد جو کچھ بچ جائے وہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مومن ہو، ایمان دار تاجر کے متعلق پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ: سچے اور امانت دار تاجر کا حشر پیغمبروں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا، تاجروں کا فرض ہے کہ وہ کاروبار میں دیانت وامانت کی پاسداری کریں، کسی کو دھوکہ سے گھٹیا مال فروخت کرنے کی کوشش نہ کریں، بلکہ اگر کوئی نقص ان کی نظر میں آگیا ہے تو گاہک کو واضح طور پر بتلادیں کہ بھائی اس مال میں یہ خامی ہے؛ اس لئے فرمایا کہ: ناپ تول میں پورا پورا دینا انجام کے اعتبار سے بہتر ہے۔

قوتوں کا استعمال

وَ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ

اور نہ پیچھا کر اس کا کہ نہیں لئے تیرے اس کا علم تحقیق کان اور آنکھ اور

الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝۳۶ وَ لَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ

دل ہر ایک ان میں سے ہوگی بابت اس کی پوچھ گچھ (۳۶) اور مت چل میں زمین

مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَ لَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝۳۷

اکڑتا ہوا تحقیق تو ہرگز نہ پھاڑ ڈالے گا زمین کو اور نہ پہنچ جائے گا پہاڑوں کو لمبائی میں (۳۷)

كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى

سب یہ ہے بری چیز نزدیک رب آپ کے کے ناپسندیدہ (۳۸) یہ سے ہے اس جو وحی کی

اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ

طرف آپ کی رب آپکے نے سے دانائی اور مت بنا ساتھ اللہ کے معبود کوئی اور

فَتُلْقٰى فِیْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ

پس ڈال دیا جائے گا تو میں دوزخ برے حال دھکیلا ہوا (۳۹) کیا پس چن کر دیئے تمہیں رب تمہارے نے

بِالْبَنِیْنَ وَ اتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ

بیٹے اور خود بنالیں سے فرشتوں میں بیٹیاں تحقیق تم البتہ کہتے ہو

قَوْلًا عَظِیْمًا ﴿۴۰﴾ ع ۴

بات بڑی بھاری (۴۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور آپ نہ پیچھے پڑیں اس بات کے جس کی آپ کو خبر نہیں، بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کی بابت پوچھ ہوگی۔ (۳۶) اور زمین پر اتراتا ہوا مت چل تو ہرگز زمین کو پھاڑ نہ ڈالے گا اور نہ لمبا ہو کر پہاڑوں تک پہنچے گا۔ (۳۷) یہ جتنی باتیں ہیں ان سب میں برائی ہے جو تیرے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ (۳۸) یہ ان باتوں میں سے ہے جو آپ کی طرف آپ کے رب نے دانائی کے کاموں سے وحی کی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو معبود مت بنا، پھر تو دوزخ میں پڑے گا برے حال میں دھکیلا ہوا۔ (۳۹) کیا تم کو تمہارے رب نے چن کر بیٹے دے دیئے اور اپنے لئے فرشتوں کو بیٹیاں بنالیا بے شک تم بڑی بھاری بات کہتے ہو۔ (۴۰)

تفسیر

صحیح علم وہ ہے جس کو صحیح عقل مان لے اور اس کا یقین کر لے، اگر کوئی صحیح عقل کی تصدیق سے پہلے کسی

بات پر یقین کر بیٹھا، اسے منہ سے نکالا یا اس پر عمل کیا تو اس سے اس کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی کہ اس جلد بازی کی کیا وجہ ہے؟ اور پھر اس کی سزا دنیا یا آخرت یا دونوں جگہ ملے گی؛ اس لئے کسی بات کو منہ سے نکالنے یا اس پر عمل کرنے سے پہلے دل کا اطمینان کر لیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ ساری بدنی، عقلی قوتوں نے اپنا کام ٹھیک ٹھیک انجام دیا ہے یا نہیں، اگر کہیں کوئی غلطی ہوئی اور انسان اس پر عمل کر بیٹھا تو وہ دنیا و آخرت کی مشکلات میں پھنس جائے گا اور اس سے ان میں سے ہر ایک قوت، یعنی: سننے، دیکھنے اور پھر غور و فکر کرنے کی قوت کے بارے پوچھ گچھ ہوگی۔

"وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ" پر

ایک تحقیقی بات علم والوں کیلئے

تحقیق کے درجات مختلف ہوتے ہیں، ایک وہ تحقیق جو پورے یقین کے درجے کو پہنچ جائے کسی قسم کا کوئی شبہ نہ رہے، اور دوسری تحقیق یہ کہ گمان غالب کے درجہ میں آجائے جس میں مخالف جانب کا بھی احتمال ہوتا ہے، اسی طرح شریعت کے احکامات بھی دو قسم پر ہیں: "قطعیات" اور "یقینیات"۔ جیسے عقائد اور اصول دین، ان میں پہلے درجے کی تحقیق چاہئے، اس کے بغیر ان پر عمل کرنا جائز نہیں، دوسرے احکامات "ظنیات" ہیں، جیسے: فروعی اعمال وغیرہ، اس میں دوسرے درجہ کی تحقیق مطلوب ہے، اس کے بعد ان پر عمل کرنا جائز ہے۔

"تفسیر قرطبی" وغیرہ میں ہے "لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ" یعنی: جس چیز کا تمہیں علم اور تحقیق نہیں اس پر عمل نہ کرو، اس کے بعد کان، آنکھ اور دل سے سوال کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے بغیر تحقیق مثلاً: کسی پر کوئی الزام لگایا، اگر وہ ایسی چیز سے متعلق ہے، جو کان سے سنی جاتی ہے تو کان سے سوال ہوگا، آنکھ سے دیکھنے کی چیز ہے تو آنکھ سے اور دل سے سمجھنے کی چیز ہے تو دل سے سوال ہوگا کہ یہ شخص اپنے الزام جو دل میں جمائے ہوئے ہے، اس میں سچا ہے یا جھوٹا ہے، ہر شخص کے اعضاء قیامت میں جواب خود دیں گے، اس میں بغیر تحقیق باتوں پر عمل کرنے والوں کے لئے بڑی رسوائی ہوگی۔

وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ: اس آیت میں انسان کو تواضع اور انکساری سے رہنے کی تاکید کی گئی ہے، انسان کو چاہئے کہ اپنی چال ڈھال میں میانہ روی اختیار کرے، ارشاد ہے کہ: اے انسان! تو زمین پر اکڑ کر کیوں چلتا ہے؟ کیا تو زمین کو زور سے پاؤں مار کر پھاڑ ڈالے گا اور کیا تو پہاڑ سے بھی بلند ہو جائے گا؟ تو کچھ نہیں کر سکتا؛ اس لئے اپنی طرف دیکھ اور اپنی حد کے اندر رہ، آہستہ اور وقار کے ساتھ زمین پر قدم رکھ، یہ سب بری باتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ بری باتوں سے بے زار ہے۔

اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ: اس آیت میں ارشاد ہے کہ: انسانی زندگی کی کامیابی اسلامی اصولوں پر عمل کرنے میں ہے اور اس عمل کرنے میں ہر انسان کی عقل صحیح طرح کام نہیں کر سکتی؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے بندوں پر وحی کے ذریعے دانائی کی باتیں کھول کر رکھ دی ہیں، وحی پیغمبروں پر اُتاری جاتی ہے، جن کے سلسلہ کے آخر پیغمبر حضرت محمد ﷺ ہیں؛ اس لئے اب اعلان عام ہے کہ ہر شخص کو پیغمبر ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا ایک معبود بنانا چاہئے اور اس کے ساتھ ساتھ کسی کو اس کا شریک نہیں کرنا چاہئے، ورنہ آخرت میں ذلیل وخوار ہوگا اور بری طرح دھکے دے کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

عرب کے لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایک خیال یہ تھا کہ دنیا کے بادشاہوں کی طرح (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی بھی اولاد ہے اور وہ اولاد فرشتے ہیں، جنہیں عرب کے لوگ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں سمجھتے تھے۔

اس خیال کو رد کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں ہے، کوئی بیوی نہیں ہے، یہ بڑا ظلم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد کا عقیدہ رکھتے ہو اور اولاد بھی وہ جنہیں تم اپنے لئے ناپسند کرتے ہو، یعنی: بیٹیاں۔

اس آیت میں اس دہری گستاخی کو رد کیا گیا ہے کہ ایک تو اللہ تعالیٰ کی اولاد قرار دینا اور پھر اولاد بھی وہ کہ جس کو خود قابل نفرت سمجھتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ ان کے ہاں لڑکی کی پیدائش ہو۔

پیغمبر ﷺ کا فرمان ہے کہ: کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو بلا تحقیق آگے چلا دے، مثلاً: یہ بغیر تحقیق کے گواہی دے دے، کسی پر تہمت لگا دے، بغیر تحقیق کسی سے دوستی یا دشمنی پیدا کر لے، انسان کو چاہئے کہ ہر بات کی اندھا دھند پیروی کرنے کی بجائے اس کے متعلق پورا پورا علم

حاصل کر لے اور پھر اس کے متعلق کوئی فیصلہ کرے۔

بیشک کان، آنکھ اور دل ان سب سے سوال کیا جائے گا اور دل تو بہت بڑی دولت ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے سینے میں رکھی ہے، اس کے بارے میں بھی سوال ہوگا کہ بے سوچے سمجھے، دل کے اطمینان کے بغیر غلط بات پر کیوں عمل کیا؟ دوزخ کی آگ کا سب سے پہلے اثر دل پر ہوگا، کیونکہ اخلاق اور ہر فعل کا مرکز دل ہے؛ اس لئے سب سے پہلے یہی پکڑا جائے گا، توحید و ایمان کا مرکز بھی یہی ہے، کفر، نفاق، بداخلاقی، حسد اور کینہ وغیرہ کا مرکز بھی یہی دل ہے۔

فرمایا کہ: یہ ساری باتیں ان میں سے ہیں جو آپ ﷺ کے پروردگار نے آپ ﷺ پر وحی کے ذریعے اتاری ہیں، ان باتوں میں علم، دانائی، سمجھ اور فہم پایا جاتا ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: پیغمبر ﷺ کی سنت ساری کی ساری دانائی ہے، قرآن میں اس کی مختلف جگہوں پر تشریح کی گئی ہے تو فرمایا کہ: یہ جتنی باتیں بیان کی گئی ہیں یہ ان عقل و دانائی کی باتوں میں سے ہے، جو آپ ﷺ کی طرف وحی کی گئی ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اس کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناؤ (اگر ایسا کرو گے تو) دوزخ میں ایسی حالت میں ڈال دیے جاؤ گے کہ ملامت کیے ہوئے، اور دھکیلے ہوئے ہوگے۔ ایمان اور اخلاص بڑی حقیقت ہیں، جن میں کسی صورت میں بھی خرابی نہیں آنی چاہئے۔

قرآن مجید کا مقصد

وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ؕ وَ مَا يَزِيْدُهُمْ

اور البتہ تحقیق پھیر پھیر کر بیان کیا ہم نے میں اس قرآن تاکہ وہ سوچیں اور نہیں بڑھاتا ان کو

اِلَّا نُفُوْرًا ﴿٤١﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا

مگر نفرت میں (۴۱) کہہ دے اگر ہوتے ساتھ اسکے کئی خدا جیسا کہ کہتے ہیں تب تو وہ ضرور ڈھونڈتے

اِلٰی ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا

طرف والے عرش کی راستہ (۴۲) پاک ہے وہ اور برتر ہے سے اس جو یہ کہتے ہیں برتری

كَبِیْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِیْهِنَّ

بڑی (۴۳) پاکی بیان کرتے ہیں اس کی آسمان سات اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے

وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ

اور نہیں کوئی چیز مگر تسبیح بیان کرتی ہے ساتھ حمد اس کی کے اور لیکن نہیں تم سمجھتے

تَسْبِیْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾

تسبیح ان کی کو تحقیق وہ ہے حوصلے والا بخشنے والا (۴۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے اس قرآن میں پھیر پھیر کر سمجھایا تا کہ وہ سوچیں، اور ان کا وہی نفرت کرنا بڑھتا جاتا ہے۔(۴۱) کہہ! اگر اس کے ساتھ اور حاکم ہوتے جیسا یہ بتلاتے ہیں تو وہ عرش والے کی طرف راستہ ڈھونڈتے۔(۴۲) وہ ان باتوں سے پاک ہے اور برتر ہے بے حد۔(۴۳) ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے اس کی پاکی بیان کرتے ہیں، اور کوئی چیز نہیں جو اس کی تسبیح بیان نہیں کرتی، لیکن تم ان کا تسبیح بیان کرنا نہیں سمجھتے، بے شک وہ حوصلہ والا بخشنے والا ہے۔(۴۴)

تفسیر

اللہ تعالیٰ کو ایک ماننے کا یہ نتیجہ ہونا چاہئے کہ انسان کی ساری قوتیں مل کر اس کی اطاعت کریں اور انسان سے کوئی حرکت اس کے حکم کے خلاف نہ ہو، جب تک یہ یکسانیت انسان میں ظاہر نہیں ہوتی اس وقت تک وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر پوری طرح قائم نہیں ہے، بس اے انسانو! عقل سے کام لو، اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہوتا تو وہ اکیلا یا سب مل ملا کر اللہ تعالیٰ کی حکومت سے بغاوت کر دینے کی ضرور کوشش کرتے اور جنگ کرتے، جس کی وجہ سے دنیا کا نظام درہم برہم ہو جاتا، توبہ کرو، اللہ تعالیٰ شرک اور شریک سے پاک ہے۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ: اس آیت میں ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق اپنے اپنے حال کے مطابق اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کر رہی ہے، ساتوں آسمان اور یہ زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب اس کے شریک نہ ہونے کا اقرار کر رہی ہیں، لیکن انسان غفلت میں ہے، آسمان، زمین اور جو کچھ اس کے اندر ہے سب اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں، کوئی اپنی طاقت سے اس قانون سے باہر نہیں نکل سکتا، یہی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا اقرار ہے جو ہر چیز کر رہی ہے۔

ارشاد ہے کہ: ہم نے اس قرآن پاک میں مختلف طریقوں اور پیرایوں میں بدل بدل کر بیان کیا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کو بیان کیا جائے اور کفر وشرک سے لوگوں کو باز رکھا جائے، مگر ضدی اور ہٹ دھرم قسم کے لوگوں کی نفرت میں اضافہ ہی ہوتا ہے اور قرآن پاک سے کچھ نصیحت حاصل نہیں کر پاتے۔

فرمایا: مشرکوں کا یہ دعویٰ بالکل باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرے معبود بھی ہیں وہ تو ایک خدا پر اکتفاء ہی نہیں کرتے تھے، بلکہ کہتے تھے کہ کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنالیا، یہ تو بڑی عجیب بات ہے کہ جو کام اتنے خدا مل کر کرتے ہوں، وہ اکیلا ہی انجام دے دے۔

ہر چیز اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرتی ہے، مگر تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے، بعض اوقات اللہ تعالیٰ انسانوں کو دوسری مخلوق کی تسبیح بھی بطور معجزہ یا کرامت سنا دیتے ہیں، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں کنکریاں تھیں، جس سے اس طرح کی تسبیح کی آواز آرہی تھی، جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دسترخوان پر کھانا کھا رہے تھے اور کھانا اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھ رہا تھا، اور اللہ! اللہ! کہتا جاتا تھا، اسی طرح شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں نے اپنے کانوں سے درختوں کی تسبیح سنی ہے۔

کفر کی علامت

وَ اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَ بَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ

اور جب آپ پڑھتے ہیں قرآن تو کر دیتے ہیں ہم درمیان آپ کے اور درمیان ان کے جو نہیں ایمان لاتے

بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ

پر آخرت ایک پردہ پوشیدہ (۴۵) اور کر دیتے ہیں ہم پر دلوں ان کے پردے کہ

یَّفْقَهُوْهُ وَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِی الْقُرْاٰنِ

سمجھیں وہ اس کو اور میں کانوں ان کے بوجھ اور جب ذکر کرتے ہیں آپ رب اپنے کا میں قرآن

وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَسْتَمِعُوْنَ

فقط ایک کا پھر جاتے ہیں پر پیٹھوں اپنی بھاگتے ہوئے (۴۶) ہم خوب جانتے ہیں اس غرض کو کہ سنتے ہیں وہ

بِهٖۤ اِذْ یَسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ وَ اِذْ هُمْ نَجْوٰۤی اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ

جس سے جب کان لگاتے ہیں وہ طرف آپ کی اور جب وہ آپس میں بات کرتے ہیں جب کہتے ہیں یہ ظالم

اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾ اُنْظُرْ كَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ

نہیں پیروی کرتے تم مگر ایک مرد جادو کیے ہوئے کی (۴۷) دیکھ کیسی بیان کرتے ہیں لیے آپ کے

الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا ﴿۴۸﴾ الرُّبُع

مثالیں پس وہ بہک گئے پس نہیں پا سکتے کوئی راستہ (۴۸)

بامحاورہ ترجمہ: اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت کو نہیں مانتے ایک چھپا ہوا پردہ ڈال دیتے ہیں۔(۴۵) اور ہم ان کے دلوں پر پردے ڈال دیتے ہیں کہ وہ اسے نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ ڈال دیتے ہیں، اور جب آپ قرآن میں اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں وہ بدک کر پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں۔(۴۶) ہم خوب جانتے ہیں جس واسطے وہ سنتے ہیں جس وقت آپ کی طرف

کان لگاتے ہیں اور جب وہ مشورہ کرتے ہیں جب کہ یہ بے انصاف کہتے ہیں کہ تم ایک جادو کے مارے شخص کے پیچھے چلتے ہو۔(۴۷) دیکھئے! آپ کے لئے کیسی مثالیں بیان کرتے ہیں پس وہ بہک گئے، پس نہیں پا سکتے کوئی راستہ۔(۴۸)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: وہ خفیہ پردے جو ان کے دلوں پر پڑے ہوئے ہیں ان کا اثر یہ ہے کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم توحید کی آیتیں پڑھتے ہیں تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں، کیونکہ ان کو تو اپنے جھوٹے معبودوں کا ذکر ہی پسند ہے، اور ایک اللہ تعالیٰ کے ذکر سے انہیں وحشت ہوتی ہے اور اس سننے سے بھی ان کا مقصد مذاق اڑانا ہوتا ہے کہ یہ تو (نعوذ باللہ) جادو کے اثر سے دیوانہ ہو گیا ہے، اس کی بات کیا ماننی ہے، سنی ان سنی کر دو۔

عرب کے لوگ اس وقت اکثر یہی کہتے تھے کہ محمد کسی زبردست جادوگر کے جادو کے اثر میں مبتلا ہیں، اس خیال کو قرآن مجید میں کئی جگہ پر رد کیا گیا ہے۔

قیامت برحق ہے

وَ قَالُوْٓا ءَ اِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا

اور کہا انہوں نے کیا جب ہو گئے ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ کیا ہم پھر جی اٹھیں گے پیدائش

جَدِیْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِیْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا یَكْبُرُ

نئی (۴۹) کہہ دے ہو جاؤ تم پتھر یا لوہا (۵۰) یا کوئی اور خلقت میں اس جو بڑی ہو

فِیْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَیَقُوْلُوْنَ مَنْ یُّعِیْدُنَا ؕ قُلِ الَّذِیْ فَطَرَكُمْ

میں دلوں تمہارے پس اب کہیں گے کون لوٹائے گا ہمیں کہہ وہی جس نے پیدا کیا تمہیں

اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَیُنْغِضُوْنَ اِلَیْكَ رُءُوْسَهُمْ وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ؕ

پہلی مرتبہ پس ہلائیں گے وہ طرف آپ کی سر اپنے اور کہیں گے کب ہوگا یہ

قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿٥١﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ

کہہ امید ہے وہ کہ ہو قریب (۵۱) جس دن پکارے گا تمہیں پس چلے آؤ گے تم

بِحَمْدِهٖ وَ تَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٥٢﴾ ع ۵ ۱۲ ۵

حمد کرتے ہوئے اسکی اور گمان کروگے نہیں ٹھہرے تم مگر تھوڑی دیر (۵۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور کافر کہتے ہیں کیا جب ہماری ہڈیاں چورا چورا ہی ہوجائیں گی تو کیا ہم پھر نئے سرے سے زندہ کئے جائیں گے۔(۴۹) کہہ دیجئے! تم ہوجاؤ پتھر یا لوہا۔(۵۰) یا کوئی مخلوق جسے تم اپنے جی میں مشکل سمجھو، پھر اب کہیں گے کون ہمیں لوٹائے گا؟ کہہ دیجئے! جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا، (وہی تمہیں دوبارہ زندہ کریگا) پھر اب آپ کی طرف اپنے سر مٹکائیں گے اور کہیں گے یہ کب ہوگا، آپ کہہ دیجئے! شاید قریب ہی ہو۔(۵۱) جس دن تمہیں پکارے گا، پھر تم اس کی تعریف کرتے ہوئے چلے آؤ گے اور گمان کروگے کہ تم کو تھوڑی سی دیر ہی لگی ہے۔(۵۲)

تفسیر

یہ لوگ پھر تم سے پوچھیں گے کہ اچھا پھر ہمیں دوبارہ اصلی حالت کی طرف کون لوٹائے گا؟ ان کو بتادیجئے کہ وہی لوٹائے گا جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا جب کہ تمہارا نام ونشان بھی نہیں تھا، اس جواب پر مذاق اڑانے کے طور پر سر ہلائیں گے، گویا وہ بات کی تہہ تک پہلے ہی پہنچے ہوئے ہیں اور پھر پوچھیں گے کہ یہ کب ہوگا؟ اس کے جواب میں کہہ دیجئے کہ کیا خبر شاید بہت جلد ایسا ہونے والا ہو تمہارا دوبارہ اٹھانا کچھ مشکل نہیں، ایک آواز میں تم سب اپنی اپنی قبروں سے یا جہاں بھی کہیں ہوں گے وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوں گے، اور بے ساختہ کہو گے کہ ہائے! یہ گھڑی ابھی سے کیوں آگئی؟ ابھی تو ہم دنیا میں تھوڑی دیر ہی ٹھہرنے پائے تھے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکوں کو توجہ دلاتے کہ مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمہاری حاضری ہوگی اور اس دنیا میں کیے گئے ہر نیک وبد عمل کا حساب ہوگا تو وہ لوگ دوسری زندگی کا

انکار کردیتے اور کہتے کہ آج تک تو ہم نے اپنے باپ دادا میں سے کسی کو دوبارہ زندہ ہوتے یا حساب کتاب دیتے نہیں دیکھا، آپ تو (نعوذ باللہ) دیوانوں جیسی باتیں کرتے ہیں، بھلا! جو جسم گل سڑ کر مٹی کے ساتھ مٹی ہو گیا اس کو دوبارہ زندگی کیسے ملے گی؟

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: انسانی جسم کی ہڈیاں تو بہت نرم ہیں، دنیا میں تو اس سے بھی زیادہ سخت چیزیں ہیں، اگر تم پتھر یا لوہا بھی بن جاؤ یا اس سے بھی زیادہ کوئی سخت چیز تمہارے ذہن میں ہو تو وہ بن جاؤ تو وہی اللہ تمہیں دوبارہ زندگی کرے گی، جس نے پہلی مرتبہ تمہیں پیدا کیا، تم اپنے آغاز سے واقف ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بغیر نمونے کے پیدا کیا، اب جب وہ جسم ایک شکل اختیار کر چکا ہے تو دوبارہ اس کا بنانا کیا مشکل ہے؟

محشر میں کافر بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے اُٹھیں گے

فرمایا: فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ... الخ: "استجابت" کے معنیٰ کسی کے بلانے پر حکم کی تعمیل کرنے اور حاضر ہو جانے کے ہیں، اس آیت کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مؤمن و کافر سب کا یہی حال ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہوئے اٹھیں گے، کیونکہ آیت میں اصل خطاب کافروں ہی کو ہے، حضرت سعید بن جبیرؒ نے فرمایا کہ: کافر بھی اپنی قبروں سے نکلتے وقت "سبحانک وبحمدک" کے الفاظ کہتے ہوئے نکلیں گے، مگر اس وقت کی حمد و ثناء کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

تبلیغ کا طریقہ

وَ قُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ

اور کہہ بندوں سے میرے کہ کہیں وہی بات جو ہو سب سے اچھی تحقیق شیطان جھگڑے ڈلواتا ہے

بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۵۳﴾ رَبُّكُمْ

درمیان انکے تحقیق شیطان ہے لئے انسان دشمن کھلا (۵۳) رب تمہارا

اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ؕ وَ مَآ

خوب جانتا ہے تمہیں اگر چاہے رحم کرے تم پر یا اگر چاہے عذاب دے تمہیں اور نہیں

اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿٥٤﴾ وَ رَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَ

بھیجا ہم نے آپ کو پر ان ذمہ دار بنا کر (٥٤) اور رب آپ کا خوب جانتا ہے ان کو جو میں آسمانوں اور

الْاَرْضِ ؕ وَ لَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّ اٰتَيْنَا

زمین اور البتہ تحقیق فضیلت دی ہم نے بعض پیغمبروں کو پر بعض اور دی ہم نے

دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿٥٥﴾

داود کو زبور (٥٥)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ بات وہی کہیں جو بہتر ہو، شیطان ان میں جھڑپ کرواتا ہے، بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ (٥٣) تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہے اگر چاہے تم پر رحم کرے اور چاہے تمہیں عذاب دے اور ہم نے آپ کو ان پر ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا۔ (٥٤) اور آپ کا رب خوب جانتا ہے جو کوئی آسمانوں میں ہیں اور زمین میں اور ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض سے افضل بنایا ہے اور داؤد کو ہم نے "زبور" دی۔ (٥٥)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: میرے بندوں کو ہدایت کر دے کہ ہمیشہ سوچ سمجھ کر ایسی بات کہیں جو حالات کے لحاظ سے سب سے اچھی ہو اور جس سے آپس میں جھگڑے کا اندیشہ نہ ہو، کیونکہ شیطان ہمیشہ اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ انسانوں کو آپس میں لڑاتا رہے اور کام کی باتوں پر دھیان دینے کا انہیں موقع ہی نہ لگے، شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے، وہ کبھی اسے چین سے نہیں بیٹھنے دے گا، وہ انسانی فطرت سے خوب واقف ہے، وہ جانتا ہے کہ اشتعال انگیز باتوں سے ہمیشہ کام خراب ہوتا ہے؛ اس لئے تمہارا کام ہے نرمی کے ساتھ اچھی بات کا سمجھا دینا، یہ

نہیں کہ لوگوں کو ڈنڈے مار مار کر سیدھا کرو، ہدایت تو اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے، جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہ کرے، تمہارا کام ہے نرمی سے سمجھا دینا، پھر اگر کوئی نہ مانے تو خفاء ہونے کی ضرورت نہیں۔

اکثر مشرک بیہودہ باتیں کرتے تھے، اور اپنے عمل سے بھی مسلمانوں کو اذیت پہنچانے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتے تھے، ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اخلاقی تعلیم دی کہ اے پیغمبر! آپ میرے بندوں سے کہہ دیں کہ وہ ایسی بات کریں، جو سب سے بہتر ہے، مشرکوں کی طرح اخلاق کے خلاف بیہودہ باتیں اور گالی گلوچ والی زبان سے پرہیز کریں، اگر تم بھی مشرکین جیسی ہی باتیں کرنے لگے، تو شیطان کا کام بن جائے گا، شیطان تو لوگوں کے درمیان جھگڑا ڈالتا ہے، اور معاملے کو مزید اُلجھانا چاہتا ہے، وہ تو انسانوں کا کھلا دشمن ہے، اور اس نے اس دشمنی کے لئے قیامت تک کی مہلت لی ہوئی ہے۔

ایک بات تو یہ کہ مشرکوں کی بدزبانی کے جواب میں تم اخلاق کا مظاہرہ کرو، اور اچھی بات کرو، اور دوسری بات یہ کہ تم اپنی زبانوں سے ہر موقع اور محل پر اچھی اور بہتر بات کہو، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ سب سے اچھی بات اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے اور پیغمبر کے سچا ہونے کی گواہی دینا ہے، اس کے بعد نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا بھی اچھی بات میں شامل ہے، بداخلاقی کے مقابلے میں اخلاق کا مظاہرہ کرو اور بدخواہی کے مقابلے میں خیر خواہی کی بات بھی اچھی بات ہے۔

فرمایا: اور ہم نے آپ ﷺ کو ان کافروں اور مشرکوں پر ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا کہ آپ ضرور ہی انہیں سیدھے راستے پر لے آئیں، آپ کا یہ کام نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کا کام یہ ہے کہ ہدایت کا راستہ دکھا دیں، پھر کسی کو سیدھے راستے پر ڈالنا یا گمراہی میں مبتلا رکھنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

فرمایا: اور البتہ تحقیق ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت دی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو "خلیل" (دوست) کا لقب عطا کیا، موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کا شرف بخشا، (کلیم اللہ بنایا)، عیسیٰ علیہ السلام کو "روح القدس" یعنی: جبرئیل امین علیہ السلام کے ذریعے تائید بخشی، یعنی: جہاں عیسیٰ علیہ السلام تشریف لے جاتے، جبرئیل علیہ السلام ساتھ ہوتے، اسی طرح نوح علیہ السلام کو بھی خاص فضیلت عطا فرمائی، اور پھر پیغمبر ﷺ کو خاتم النبیین بنایا، خلیل اور حبیب بنایا، غرض

بعض پیغمبروں کو دوسرے بعض پر فضیلت دی۔

آیت میں حضرت داوٗد علیہ السلام کو عطا کی جانے والی کتاب "زبور" کا ذکر خاص طور پر فرمایا، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ "زبور" کے ذکر کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس میں آخری دور کے پیغمبر اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی زمینی خلافت کا ذکر ہے، جیسے: "سورہ انبیاء" میں ہے کہ ہم نے "زبور" میں نصیحت کے بعد یہ بات لکھ دی کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے اور نیک بندوں کی تشریح میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لوگ آتے ہیں۔

ایک دوسری وجہ بھی مفسرین کرام یہ بیان فرماتے ہیں کہ: "زبور" اور "قرآن شریف" کی تلاوت کے سلسلے میں دونوں کتابوں کو ایک خاص شان حاصل ہے، "زبور" کی ایک سو پچاس سورتیں ہیں، جن میں زیادہ تر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اخلاقی تعلیمات ہیں، جب حضرت داوٗد علیہ السلام "زبور" کی تلاوت فرماتے تو چرند پرند اور پہاڑ بھی آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: کسی نبی کی فضیلت کا ذکر اس انداز میں نہ کرو کہ کسی دوسرے نبی کی شان میں کمی کا پہلو نکلتا ہو، حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: مجھے باقی پیغمبروں پر اس انداز میں فضیلت نہ دو کہ کسی دوسرے پیغمبر کی شان میں کمی ظاہر ہوتی ہو۔

بڑے لوگوں کا حال

قُلِ ادۡعُوا الَّذِیۡنَ زَعَمۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ فَلَا یَمۡلِکُوۡنَ کَشۡفَ الضُّرِّ

کہہ دیجئے کہ پکارو ان کو جنہیں خیال کرتے ہو تم سوا اس کے وہ تو مالک نہیں دور کرنے دکھ کے

عَنۡکُمۡ وَ لَا تَحۡوِیۡلًا ﴿۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ یَبۡتَغُوۡنَ

سے تم اور نہ بدلنے کے (۵۶) وہ لوگ جنہیں یہ پکارتے ہیں ڈھونڈتے ہیں

اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ

طرف رب اپنے کے وسیلہ کہ کون ان میں سے زیادہ قریب ہے اور اُمید رکھتے ہیں رحمت اس کی کی اور

يَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾ وَ اِنْ

ڈرتے ہیں عذاب اس کے سے تحقیق عذاب رب آپ کے کا ہے ڈرنے کی چیز (۵۷) اور نہیں

مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا

کوئی بستی مگر ہم ہلاک کرنے والے اس کو پہلے دن قیامت کے یا عذاب کرنے والے ہیں اسکو

عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾

عذاب سخت ہے یہ میں کتاب لکھ دیا گیا (۵۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ کہہ دیجئے! تم ان کو پکارو جن کو تم اس کے سوا معبود سمجھتے ہو، وہ تم سے تکلیف دور کرنے اور بدلنے کا اختیار نہیں رکھتے۔(۵٦) وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب تک وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ کون سا بندہ بہت نزدیک ہے اور اُمید رکھتے ہیں رب کی مہربانی کی، اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں بے شک تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔(۵۷) اور کوئی ایسی بستی نہیں جس کو ہم قیامت سے پہلے خراب نہ کر دیں گے یا اس پر سخت آفت نہ ڈالیں گے یہ کتاب میں لکھ دیا گیا ہے۔(۵۸)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: مشرک لوگ جن کو اپنا محافظ اور حاجت روا سمجھ کر پکارتے ہیں، وہ سب تو اسی قادر مطلق اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکتے تھے اور اس کا قرب ڈھونڈتے تھے، ان میں نہ کچھ دینے کی طاقت ہے اور نہ کسی کو نقصان پہنچانے کی قوت، اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے نوازتا ہے؛ اس لئے اسی کے سامنے جھکنا چاہئے، اور اسی سے التجاء کرنی چاہئے کہ اے ہمارے رب! ہمارے کام سنوار دے، اسی طرح اس کے عذاب سے ڈرنا چاہئے، اس کے نافرمان بندے اپنی نادانی سے اس کو ناراض کر کے عذاب مول لیتے ہیں، اگر انہوں نے شرک

سے توبہ کرکے صرف اسی کی طرف عذاب سے بچنے کے لئے رجوع نہ کیا تو ان کے اعمال کی نحوست نے یقیناً ان کو دھکا دیا ہے۔

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ :اس آیت میں ارشاد ہے کہ قیامت سے پہلے نیک لوگوں کو موت دے کر ختم کردیا جائے گا اور ہر بستی میں صرف شریر قسم کے لوگ رہ جائیں گے، ان میں سے جن کی شرارت اور خباثت حد سے زیادہ ہوگی ان کو تو بالکل تہس نہس کردیا جائے گا، اور جو کم درجے کے شریر ہوں گے، ان پر سخت عذاب نازل کیا جائے گا، آخر سب فنا ہو جائیں گے اور قیامت کی تباہی شروع ہو جائے گی۔

کسی کے معبود خواہ وہ فرشتے ہوں، جنات ہوں، پیغمبر ہوں، اولیاء ہوں، کسی کو بھی پکار کر دیکھ لو، وہ مدد کو نہیں آسکتے، فرشتے تو اللہ کی پاک مخلوق ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک حد تک اختیار بھی دے رکھا ہے، لیکن وہ بھی اسی حد تک استعمال کرتے ہیں جس حد تک اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا ہوا ہے، یہی حال انسانوں اور جنوں کا ہے، نفع ونقصان تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہ چاہے گا تو تکلیف دور کردے گا اور چاہے گا تو نقصان میں ڈال دے گا، جن کو تم پکارتے ہو وہ کوئی تکلیف دور کرنے یا تبدیل کرنے پر قادر نہیں ہیں، تبدیل کرنے کا یہ مطلب ہے کہ کسی کی مصیبت میں کمی کردیں یا ایک کی تکلیف دوسرے پر ڈال دیں، یہ ان کے بس کی بات نہیں، تو پھر پتھروں، درختوں، اور بتوں سے یہ کیسی اُمیدیں لگائے بیٹھے ہیں جو کہ خود بے جان اور حرکت کرنے سے بھی عاجز ہیں، بھلا! وہ ان کے کام کیسے آسکتے ہیں؟

يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ ...الخ:"بخاری شریف" میں ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں بعض مشرک لوگ جنات کی عبادت کرتے تھے اور ان کو اپنی حاجات میں پکارتے تھے، جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تو یہ جن تو مسلمان ہو گئے، مگر مشرک لوگ پہلے کی طرح ان کی عبادت کرتے رہے، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: دیکھو! جن لوگوں کو یہ مشرک پکارتے ہیں وہ تو ایمان لے آئے اور اللہ کے قریب وسیلہ تلاش کرتے ہیں، مگر یہ مشرک لوگ ابھی تک انہی کی پوجا کیے جا رہے ہیں۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ سے قرب کا بہترین ذریعہ ایمان اور نیک اعمال ہیں، بعض مفسرینؒ "اَيُّهُمْ اَقْرَبُ" یہاں یہ معنیٰ بھی بیان فرماتے ہیں کہ جو زیادہ مقرب ہیں، وہ بھی مزید قرب حاصل کرنے کے لئے وسیلہ ڈھونڈ رہے ہیں، مگر یہ بدبخت مشرک انہی کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں۔

"وسیلہ" سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جس کے ذریعے دوسرے کا قرب حاصل کیا جائے، جیسے: اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ذریعے اس کا قرب حاصل کیا جائے۔

کسی نیک عمل کے ذریعے "وسیلہ" پکڑنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنے نیک عمل کو پیش کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرے کہ اے اللہ! میں نے فلاں نیک کام آپ کی رضا کی خاطر کیا تھا، اگر آپ کو پسند ہے تو اس کی برکت سے میرا فلاں کام کر دے یا فلاں تکلیف دور کر دے، "بخاری شریف" کی روایت میں تین آدمیوں کا ذکر آتا ہے، جو کسی غار میں پھنس گئے تھے، غار کے منہ پر ایک بڑا پتھر آ گرا تھا، جس کی وجہ سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا، جب وہ لوگ ظاہری اسباب سے بالکل مایوس ہو گئے تو ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے ایک ایک نیک عمل کے "وسیلہ" سے اللہ تعالیٰ سے اس مصیبت سے چھٹکارے کی دعا کی، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور اس پتھر کو غار کے منہ سے ہٹا دیا تو یہ نیک اعمال کے ذریعے "وسیلہ" پکڑنا ہے، اور یہ سب کے نزدیک جائز ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ: اور کوئی بستی ایسی نہیں جسے ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کر دیں، مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ اس ہلاکت کا مطلب یہ ہے کہ یا تو ہم سزا کے طور پر قحط، وباء، طوفان، زلزلہ وغیرہ بھیج کر کسی بستی کو ہلاک کر دیں گے یا پھر ساری بستیاں طبعی طور پر ہلاک ہو ہی جائیں گی، صحیح حدیث میں آتا ہے کہ قیامت سے پہلے سب سے آخر میں ختم ہونے والی بستی مدینہ ہوگی، چرواہے اپنی بکریاں شہر کی طرف لا رہے ہوں گے، شہر میں انسانوں کی بجائے درندے ہوں گے، قیامت کا طوفان برپا ہو چکا ہوگا، اور وہ بھاگ بھاگ کر شہر کی طرف آ رہے ہوں گے، وہ چرواہے "ثنية الوداع" کے مقام پر پہنچیں گے تو وہیں گر کر ہلاک ہو جائیں گے، مطلب یہ ہے کہ سزا کے طور پر یا طبعی طور پر ہر بستی ہلاک ہوگی اور مدینہ طیبہ سب سے آخر میں ختم ہوگا۔

انوکھے معجزے

وَ مَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ
اور نہ منع کیا ہمیں کہ بھیجیں ہم نشانیاں مگر اس لئے کہ جھٹلایا ان کو پہلوں نے

وَ اٰتَیْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَ مَا نُرْسِلُ
اور دی ہم نے ثمود کو اونٹنی ذریعہ بصیرت پس زیادتی کی انہوں نے ساتھ اسکے اور نہیں بھیجتے ہم

بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا ﴿۵۹﴾
نشانیاں مگر ڈرانے کو (۵۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے نشانیاں بھیجنی اس لئے روک دیں کہ ان کو پہلوں نے جھٹلایا اور ہم نے ثمود کو سمجھانے کے لئے اونٹنی دی، پھر اس پر انہوں نے ظلم کیا اور ہم جو نشانیاں بھیجتے ہیں، سو! ڈرانے کے لئے۔ (۵۹)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ان سے کہہ دو کہ دنیا کو ابھی ایک مدت تک قائم رکھنا ہے، اگر تمہارے کہنے کے مطابق کھلی نشانی ہم نے بھیج دی اور پھر تم نے اسے جھٹلایا تو پھر تباہ و برباد کردیئے جاؤ گے اور کسی کو بھی ہدایت حاصل کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔

دیکھو! "ثمود" کو ان کی ضد کی وجہ سے ایک اونٹنی کی نشانی دی گئی، چاہئے تو یہ تھا کہ سب فوراً ایمان لے آتے، لیکن انہوں نے اونٹنی کو ہی قتل کر دیا، پھر زلزلے اور خوفناک چیخ نے انہیں آ پکڑا اور وہ دنیا سے ایسے گئے کہ جیسے کبھی تھے ہی نہیں۔

ایسی کھلی نشانیاں اگر نہ مانی جائیں تو پھر عذاب کا آنا لازم ہو جاتا ہے، اس لئے ایسی منہ مانگی نشانیاں ہم نے بھیجنا روک دی ہیں، تاکہ دنیا کی تباہی کچھ مدت کے لئے رُک جائے، اور جن کو سیدھے راستے پر آنا ہے، وہ

سیدھے راستے پر آجائیں۔

مکہ کے مشرک لوگوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ آپ خود بتلاتے ہیں کہ پہلی امتوں کے لوگوں نے اپنے پیغمبروں سے مختلف قسم کے معجزے مانگے، کسی پیغمبر نے پیدائشی اندھوں کو بینا اور مردوں کو زندہ کیا، اور کسی کی لاٹھی نے عجیب وغریب کام کیے، لہذا آپ بھی ہماری خواہش کے مطابق یہ نشانی ظاہر کریں کہ صفا پہاڑ کو سونے کا بنادیں، مکہ کی زمین پر خشک پہاڑ ہیں، ان پہاڑوں کو ہٹا کر اس زمین میں چشمے اور نہریں جاری کردیں، تاکہ ہم کھیتی باڑی کرسکیں، اگر آپ ہماری یہ فرمائش پوری کردیں تو ہم ایمان لے آئیں گے، اس کے علاوہ بھی کئی اور نشانیاں انہوں نے مانگیں، جیسے کے آگے آئے گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی اتری کہ اپنی مطلوبہ نشانیاں پاکر بھی اگر یہ لوگ ایمان نہ لائے تو پھر ان کو بھی اسی طرح ہلاک کردیا جائے گا، جس طرح پہلی قوموں کو ہلاک کیا گیا، دوسری بات یہ ہے کہ نشانیاں ظاہر کرنے کے بجائے میں ان کو مہلت دیتا ہوں، اور ان کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا رکھتا ہوں تاکہ یہ لوگ ایمان لاسکیں۔

پہلے پیغمبروں کے معجزات سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی "لاٹھی" اور "ید بیضاء" وغیرہ کے معجزات ہیں، جنہیں دیکھ کر فرعونی ایمانی نہ لائے اور پانی میں غرق کردیے گئے، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مردوں کے زندہ کرنے، کوڑھیوں کو ٹھیک کرنے اور پیدائشی اندھوں کو بینا کرنے کے معجزات دیکھ کر بھی لوگ ایمان نہ لائے، اور طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہوئے، آگے خاص طور پر حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا ذکر آرہا ہے کہ انہوں نے یہ معجزہ خود طلب کیا، مگر اللہ تعالیٰ کی اس اونٹنی کو خود ہی قتل کردیا، جس کی وجہ سے سخت عذاب میں مبتلا ہوئے۔

"ثمود" کی قوم نے خود صالح علیہ السلام سے کہا تھا کہ اس چٹان سے دس ماہ کی حاملہ اونٹنی نکلے اور وہ ہمارے سامنے بچہ جنے، اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ فرمائش قبول فرمائی اور اس چٹان سے اتنی بڑی اونٹنی نکلی جو نوے فٹ جگہ پر بیٹھتی تھی، اس کا بچہ بھی کم وبیش اسی قد کاٹھ کا تھا، یہ اونٹنی دودھ بھی بہت زیادہ دیتی تھی، جس سے سب لوگ سیراب ہوتے تھے، پانی بھی بہت زیادہ پیتی تھی، چنانچہ اس اونٹنی اور باقی جانوروں کے درمیان پانی کی باری تقسیم ہوچکی تھی، پھر بھی تنگ آکر انہوں نے اس کو قتل کرڈالا۔

حقیقت یہ ہے کہ نشانیاں طلب کرنا محض نہ ماننے کا بہانہ ہوتا ہے، ورنہ ماننے والے لوگ بغیر نشانی دیکھے ہی ایمان لے آتے ہیں۔

انسان کا امتحان (الف)

وَ اِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَ مَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا

اور جب کہا ہم نے آپ کو تحقیق رب آپکے نے گھیرا ہوا ہے لوگوں کو اور نہیں کیا ہم نے وہ نظارہ

الَّتِیْۤ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَ الشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِی

جو ہم نے دکھایا آپ کو مگر آزمائش واسطے لوگوں اور وہ درخت بھی جس پر لعنت کی گئی میں

الْقُرْاٰنِ ؕ وَ نُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا طُغْیَانًا كَبِیْرًا۠ ﴿۶۰﴾ ع ۶ ۸

قرآن اور ڈراتے ہیں ہم ان کو پس نہیں بڑھاتا ان کو (ڈرانا) مگر سرکشی بڑی میں (۶۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب ہم نے آپ سے کہہ دیا کہ آپ کے رب نے لوگوں کو گھیر لیا ہے اور وہ دکھلاوا جو ہم نے آپ کو دکھلایا، سو! لوگوں کو جانچنے کے لئے اور ایسے ہی وہ درخت جس پر قرآن میں پھٹکار ہے، اور ہم ان کو ڈراتے ہیں تو ان کی شرارت بڑتی ہی زیادہ جاتی ہے۔ (۶۰)

تفسیر

"رؤیا" وہ چیز جو دیکھی جائے، اس سے مراد وہ نظارہ ہے جو پیغمبر ﷺ نے معراج کی رات میں دیکھا۔

"رؤیا" خواب کو بھی کہا جاتا ہے اور بیداری میں کھلی آنکھ سے دیکھنے کو بھی کہا جاتا ہے، مگر یہاں پر اس سے مراد خواب نہیں، بلکہ کھلی آنکھ سے دیکھنا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جو واقعہ اللہ تعالیٰ نے معراج کی رات پیغمبر ﷺ کو دکھایا، وہ آنکھ کا دیکھنا تھا نہ کہ خواب کا واقعہ، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جنت، دوزخ، سدرۃ المنتہیٰ، اوپر کا جہاں، پیغمبروں سے ملاقات وغیرہ، حالتِ بیداری میں دکھلائے، اس پر سب

سے مضبوط دلیل یہ کہ کسی چیز کا خواب میں دیکھنا تو کوئی حقیقت نہیں رکھتا، کیونکہ انسان خواب میں بہت کچھ دیکھنے کے باوجود اس پر تعجب نہیں کرتا، اسے خواب کا واقعہ سمجھتے تو اتنا واویلا نہ کرتے، ان کو تو مخالفت کا موقع ہی اس لئے ملا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام واقعات آنکھوں سے دیکھنے کا کہا تھا۔

فرمایا: "معراج" کی رات میں جو نظارہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا وہ لوگوں کے لئے ایک فتنہ تھا، لفظ فتنہ عربی زبان میں کئی معنوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس کے ایک معنیٰ ہیں گمراہی، ایک معنیٰ ہیں آزمائش، ایک معنیٰ ہے ہنگامہ اور فساد کا برپا ہونا، یہاں ان سب معنوں کا احتمال ہے، اس جگہ فتنہ سے یہی آخری معنیٰ مراد لیے ہیں کہ یہ فتنہ کچھ لوگوں کے مرتد ہونے کا تھا کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں بیت المقدس اور وہاں سے آسمانوں پر جانے اور صبح سے پہلے واپس آنے کا ذکر کیا تو بہت سے وہ لوگ جو اسلام میں نئے نئے داخل ہوئے تھے، اسلام سے پھر گئے۔

فرمایا: الشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ... الخ: وہ درخت جس پر لعنت کی گئی، اس سے مراد "زقوم" یعنی: تھوہڑ کا درخت ہے، یہ کانٹے دار درخت دوزخ میں اُگا ہوا ہے اور صورت، شکل اور مزے میں ہیبت ناک اور قابل نفرت ہے، کافروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج، دوزخ اور اس کی عذاب کی چیزوں کا انکار کر دیا تھا، اور ہنسی اڑاتے تھے کہ قرآن نے دوزخ کو آگ کا انبار بتایا ہے، اور پھر یہ بھی کہا کہ اس میں ایک درخت بھی ہے، بھلا! آگ کے اندر درخت کا کیا کام؟ اس طرح معراج اور دوزخ کا درخت دونوں ان کی سرکشی کو بڑھانے کا ذریعہ بن گئے، اور افسوسناک بات یہ تھی کہ کچھ لوگ دین سے پھر گئے۔

ایمان وعزم کی پختگی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی: اس لئے عقلمند معراج کو بغیر کسی شک وشبہ کے مانتے ہیں اور ایمان کے امتحان میں کامیاب ہوتے ہیں، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر مان لیا تو پھر اس معراج کے ماننے میں کیا دیر لگ سکتی ہے؟ جو کچھ قرآن مجید میں لفظوں میں بیان کیا گیا ہے، وہی باتیں معراج کی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعات کی شکل میں دکھادی گئیں، جو آدمی خالی ذہن ہو کر سوچے تو ہر بات سمجھ میں آسکتی ہے۔

ایک معتبر آدمی جن کی خوبیوں ہی سے اس کا کمال ظاہر ہے کہہ رہا ہے کہ میں ان سب چیزوں کو جو قرآن حکیم میں درج ہیں آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں تو پھر اس کو نہ ماننے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے، اس کے بعد دل فوراً کہہ اٹھتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغمبر ہیں اور قرآن اللہ کی کتاب ہے، اور جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زبان سے فرما رہے ہیں وہ بالکل سچ ہے، لیکن پتھر دل لوگ ان کے ڈرانے سے نہیں ڈرتے اور سخت دلی کی وجہ سے یہ ڈرانا ان کی سرکشی کو جو پہلے ہی بڑھی ہوئی ہے، اور بھی زیادہ کر دیتا ہے۔

انسان کا امتحان (ب)

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ ؕ
اور جب کہا ہم نے سے فرشتوں سجدہ کرو کو آدم پس سجدہ کیا مگر ابلیس نے

قَالَ ءَ اَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ﴿۶۱﴾ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ
بولا کیا سجدہ کروں میں اس کو جسے پیدا کیا آپ نے مٹی سے (۶۱) بولا ذرا دیکھ تو یہ جسے

كَرَّمْتَ عَلَيَّ ٞ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ
آپ نے عزت دی پر مجھ البتہ اگر ڈھیل دیں آپ مجھے تک دن قیامت تو البتہ ضرور لگام دوں گا اولاد اس کی کو

اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ
مگر تھوڑے سے (۶۲) کہا جا پس جو کوئی تابع ہوا تیرا سے ان میں پس تحقیق دوزخ

جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾ وَ اسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ
سزا ہے تمہاری سزا بھرپور (۶۳) اور بھگا لے جا جس کو بھگا سکتا ہے سے ان میں

بِصَوْتِكَ وَ اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ
سے آواز اپنی اور کھینچ لا اوپر ان کے سوار اپنے اور پیدل اپنے اور شریک ہو جا ان کا

فِی الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ وَ عِدْهُمْ ؕ وَ مَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا

میں مالوں اور اولاد اور وعدے کران سے اور نہیں وعدے کرتا ان سے شیطان مگر

غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَ كَفٰى

دھوکے کے (٦٤) تحقیق بندے میرے نہیں تیرا پران کچھ زور اور کافی ہے

بِرَبِّكَ وَكِیْلًا ﴿۶۵﴾

رب آپکا کام بنانے والا (٦٥)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو، تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، بولا کیا میں اس شخص کو سجدہ کروں جسے آپ نے مٹی سے بنایا۔(٦١) کہا بھلا دیکھ تو سہی یہ شخص جس کو آپ نے مجھ سے بڑھا دیا اگر آپ مجھ کو قیامت کے دن تک ڈھیل دے دیں تو میں اس کی اولاد میں سے تھوڑے سے لوگوں کے سوا سب کو لگام دوں گا۔(٦٢) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جا پھر جو کوئی ان میں سے تیرے ساتھ ہوا، سو! دوزخ تم سب کی سزا ہے پوری۔(٦٣) اور ان میں سے جس پر تیرا قابو چلے اپنی چیخ و پکار سے اس کے قدم اکھاڑ دینا اور چڑھا لا ان پر اپنے سوار اور پیادے اور مال اور اولاد میں ان سے شرکت کر اور ان سے وعدے کر اور شیطان ان سے کچھ وعدے نہیں کرتا مگر دھوکا۔(٦٤) وہ جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کوئی زور نہیں اور تیرا رب کام بنانے والا کافی ہے۔(٦٥)

لفظی تحقیق: اَرَءَیْتَكَ: "کیا تو نے دیکھا"۔ یہ عربی میں مخاطب کی توجہ کسی خاص بات کی طرف کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں، اردو میں ہم کہیں گے بھلا دیکھئے!۔ لَاَحْتَنِكَنَّ: "احتناک" کا مادہ حنک ہے، حنک جبڑے کو کہتے ہیں، "احتناک" کے معنی ہیں نیچے کے جبڑے میں مضبوط سے رسی باندھ لینا جس سے جانور قابو میں آ جاتا ہے، مراد یہ ہے کہ میں اس طرح "آدم" کی اولاد کو قابو میں کروں گا کہ جدھر چاہوں انہیں ادھر لے جاؤں گا۔

تفسیر

شیطان انسان کو اپنے قابو میں رکھنا چاہتا ہے، اور اس کو ایک حقیر چیز سمجھتا ہے، اور برے کاموں میں پھنسانے کی کوشش کرتا ہے، شیطان نے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ یہ بتائی کہ میں اس "آدم" سے اعلیٰ اور اونچا ہوں تو اس نافرمانی کی وجہ سے اسے ہمیشہ کے لئے مردود کردیا، اور اس نے قیامت تک کے لئے "آدم" کی اولاد کو اپنے قابو میں کر کے تباہ کرنے کی ٹھان لی، تاکہ اپنے دل کو تسلی دے کہ ہاں! واقعی میں نے ان سے بدلہ لے لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ: میں اپنے پیغمبر اور کتابیں وقتاً فوقتاً بھیجتا رہوں گا، اور حق کا راستہ ان کے لئے واضح کردوں گا اور پھر بھی ان میں سے جو تیری پیروی کریگا تو تم سب کا پورا کا پورا بدلہ دوزخ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے شیطان کے بہکانے کے چار طریقے یہاں ذکر فرمائے ہیں:

(۱)۔۔۔۔ آواز کے ذریعے۔ (۲)۔۔۔۔ اپنے گھڑسواروں اور پیادوں کے ذریعے۔ (۳)۔۔۔۔ انسانوں کے مال اور اولاد میں شرکت کر کے (۴)۔۔۔۔ اور ان سے جھوٹے وعدے کر کے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: تجھے قیامت تک کی مہلت دی جاتی ہے۔

"آواز" سے مراد شیطان کی وسوسہ اندازی ہے، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ شیطان کی آواز سے مراد گانے بجانے کی آواز ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ فرمائے، آمین۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: جتنے افراد بھی کفر و شرک اور گناہوں کی حمایت کے لئے لڑنے کو چلتے ہیں وہ سوار اور پیادے سب شیطان ہی کے سوار اور پیادے ہیں۔

"مالوں میں شرکت" کا مطلب یہ ہے کہ مال حرام ذریعہ سے حاصل کیا جائے، اور حرام اور ناپسندیدہ جگہ میں خرچ کیا جائے۔

"اولاد میں شرکت" کا مطلب یہ ہے کہ وسوسہ ڈال کر انسان کو حرام راستے سے اولاد پیدا کرنے کی ترغیب

دیتا ہے، ظاہر ہے کہ بدکاری سے پیدا ہونے والی اولاد میں شیطان کی شرکت ہوگی۔

اور چوتھا طریقہ گمراہ کرنے کا یہ بتایا کہ "**لوگوں سے جھوٹے وعدے کر کے بھی آزمالے**" شیطان بری چیزوں کے متعلق ایسا فلسفہ گھڑتا ہے اور انہیں ایسا خوبصورت بنا کر دکھاتا ہے کہ لوگ اس کی باتوں میں آجاتے ہیں، قیامت کے دن شیطان ان سے بے تعلق ہوجائے گا اور کہے گا کہ میں نے تو تم سے جھوٹے وعدے کئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: جو میرے خاص بندے ہیں ان پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا اور تیرا رب ہی اپنے بندوں کے کام بنانے کے لئے کافی۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت

رَبُّكُمُ الَّذِیۡ یُزۡجِیۡ لَكُمُ الۡفُلۡكَ فِی الۡبَحۡرِ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ
رب تمہارا　وہ ہے جو　چلاتا ہے　لئے تمہارے　کشتیاں　میں　سمندر　تاکہ تلاش کرو تم　سے

فَضۡلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمۡ رَحِیۡمًا ۝٦٦ وَ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِی الۡبَحۡرِ
فضل اس کے　تحقیق وہ　ہے　ساتھ تمہارے رحم کرنے والا (٦٦)　اور　جب　چھوتی ہے تم کو　مصیبت　میں　سمندر

ضَلَّ مَنۡ تَدۡعُوۡنَ اِلَّاۤ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمۡ اِلَی الۡبَرِّ اَعۡرَضۡتُمۡ ؕ
بھول جاتے ہیں　جنہیں　تم پکارتے تھے　سوا　اس کے　پس جب　نجات دی تم کو　طرف　خشکی کے　منہ موڑ لیتے ہو تم

وَ كَانَ الۡاِنۡسَانُ كَفُوۡرًا ۝٦٧ اَفَاَمِنۡتُمۡ اَنۡ یَّخۡسِفَ بِكُمۡ جَانِبَ
اور　ہے　انسان　بڑا ناشکرا (٦٧)　کیا بے خوف ہوگئے تم　اس سے کہ دھنسا دے　تم کو　کنارے

الۡبَرِّ اَوۡ یُرۡسِلَ عَلَیۡكُمۡ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوۡا لَكُمۡ وَكِیۡلًا ۝٦٨
خشکی کے　یا　بھیج دے　پر تم　پتھراؤ کرنے والی ہوا　پھر　نہ　پاؤ تم　لئے اپنے　کوئی کارساز (٦٨)

اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ

یا بے خوف ہوگئے تم اس سے کہ لوٹائے تم کو میں اس بار دوسری پس بھیج دے پر تم

قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا

سخت جھونکا سے ہوا کا پس غرق کردے تم کو بدلے میں تمہاری ناشکری کے پھر نہ پاؤ تم

لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴿۶۹﴾

لئے اپنے پر ہم سے اس باز پرس کرنے والا (۶۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ تمہارا رب وہ ہے جو تمہارے واسطے سمندر میں کشتیاں چلاتا ہے تاکہ اس کا فضل تلاش کرو وہی تم پر مہربان ہے۔(۶۶) اور جب تم پر سمندر میں کوئی آفت آتی ہے جنہیں اللہ کے سوا پکارتے ہو، ایک اللہ کے سوا سب کو بھول جاتے ہو، پھر جب تم کو خشکی میں بچالایا تو تم منہ موڑ لیتے ہو، اور انسان بڑا ناشکرا ہے۔(۶۷) کیا تم اس سے نڈر ہوگئے کہ تم کو جنگل کے کنارے دھنسا دیوے یا تم پر پتھر برسانے والی آندھی بھیج دے، پھر اپنا کوئی بچانے والا نہ پاؤ۔(۶۸) یا بے ڈر ہوگئے ہو اس سے کہ تم کو دوسری بار سمندر میں لے جائے پھر تم پر ہوا کا ایک سخت جھونکا بھیجے پھر تم کو ناشکری کے بدلے میں ڈبو دے، پھر اپنی طرف سے ہم پر اس کا کوئی باز پرس کرنے والا نہ پاؤ۔(۶۹)

تفسیر

انسان کی عجیب حالت ہے کہ جب سمندر میں پھنس جاتا ہے اور اس کو یقین ہوجاتا ہے کہ اب بچے گا نہیں تو فوراً اللہ تعالیٰ کو پکارنے لگتا ہے، جب اللہ تعالیٰ اسے اس مصیبت سے چھڑا کر خشک زمین پر پہنچا دیتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے، یہ بہت بڑی ناشکری ہے، اگر وہ چاہے تو اس ناشکری کی سزا خشکی میں دھنسا کر بھی دے سکتا ہے، یا کوئی اور آفت بھی بھیج سکتا ہے کہ تیز آندھی آئے جو پتھر اور کنکر برسائے، انسان کو شیطان کی دشمنی کا اندازہ نہیں ہے، کاش! وہ اسے سمجھ جائے، اور ہر وقت اس سے اللہ کی پناہ مانگے۔

اللہ تعالیٰ اگر طوفان لا کر پانی میں ڈبو سکتا ہے تو زلزلے کے ایک جھٹکے سے وہ اسے زمین میں بھی دھنسا سکتا ہے، یاد رکھو! ایسا کوئی نہیں ہے کہ اس سے باز پرس کر سکے؛ اس لئے انسان کے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے کہ وہ ہر مصیبت سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی پناہ لے، خشکی تری میں جہاں بھی ہو، اسی کریم کارساز سے التجاء کرے۔

ابو جہل کا بیٹا "عکرمہ" بھی اسلام کا دشمن تھا، مکہ فتح ہوا تو وہ جان کے خوف سے بھاگ گیا، جدہ پہنچ کر جہاز میں سوار ہو گیا تاکہ کہیں حبشہ وغیرہ کی طرف چلا جائے، اتفاق کی بات کہ سفر کے دوران سمندر میں زبردست طوفان آ گیا، جس میں جہاز پھنس گیا، ملاحوں نے کہا کہ ان حالات میں اگر اللہ چاہے تو جہاز بچ سکتا ہے، وگرنہ اور کوئی ہستی نہیں جو اس مشکل وقت میں کام آ سکے، یہ سن کر "عکرمہ" کے دل پر چوٹ لگی اور یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اگر سمندر میں اللہ کے سوا کوئی اور کام بنانے والا نہیں ہے تو خشکی پر اس کے سوا کون مدد کو پہنچ سکتا ہے؟ اور پھر ہم لات، منات اور عزّٰی وغیرہ کی عبادت کس لئے کرتے ہیں؟ اس نے دل میں پختہ ارادہ کر لیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے طوفان سے بچا لیا تو پھر سیدھا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دوں گا، خدا کی قدرت کہ جہاز بچ گیا، جہاز سے اتر کر "عکرمہ" سیدھا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لئے چل پڑا، اس کی بیوی پہلے ہی مسلمان ہو چکی تھی، اس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر "عکرمہ" کے لئے امان چاہی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول کر لی، اور اپنی خاص نشانی بھی اس کو دے دی کہ جاؤ جا کر اپنے شوہر کو لے آؤ، الغرض! بیوی راستے میں ہی مل گئی، جوان کو لے کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ تو "عکرمہ" کو خوش آمدید کہا، حضرت "عکرمہ رضی اللہ عنہ" نے سچے دل سے اسلام قبول کیا، اور پھر اسلام کی خدمت میں پیش پیش رہے، حتی کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عجمیوں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

کشتیاں اور بڑے بڑے جہاز بنانے کا طریقہ بھی اللہ تعالیٰ ہی نے انسان کو سکھایا ہے، پھر ہواؤں کے زور پر ان کو چلانا بھی اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت سے ہے، پرانے زمانے میں بادبانی جہاز ہوتے تھے جو ہواؤں کے زور پر چلتے تھے، اب ترقی کا زمانہ ہے اور بھاپ اور تیل کے ذریعے ہزاروں ٹن وزنی جہاز سمندر کی سطح پر تیرتے

ہوئے نظر آتے ہیں، البتہ! جب سمندر میں طوفان آتا ہے اور بارش بھی اپنا جوہر دکھاتی ہے تو بڑے بڑے جہاز بھی تنکے کی طرح ہچکولے کھانے لگتے ہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی شفقت ہے کہ اسّی اسّی (۸۰) ٹن وزنی جہاز اپنے بوجھ سے دُگنا وزن اٹھا کر سمندر میں تیرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں، اس زمانے میں بھی دیگر ذرائع آمدورفت کی طرح بحری جہازوں کی نقل وحرکت بھی بہت بڑھ گئی ہے، اور یہ جہاز لاکھوں ٹن وزنی سامان اٹھا کر ایک برِّاعظم سے دوسرے برِّاعظم تک پہنچا رہے ہیں، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا نتیجہ ہے۔

فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے لئے سمندر میں کشتیاں چلاتا ہے، مقصود اس سے یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو، تمام جائز کاموں کے لئے سفر کرنا اللہ تعالیٰ کا فضل حاصل کرنے میں شامل ہے، مثلاً: علم کے حاصل کرنے کے لئے سفر کرنا، حج وعمرہ جیسی عبادتیں، دین کی تبلیغ اور فریضۂ جہاد کی ادائیگی کے لئے سفر اسی حکم میں آتا ہے، البتہ! ان تمام کاموں میں جو کام سرِفہرست ہے وہ تجارت کے ذریعے حلال رزق تلاش کرنا ہے، لوگ روزی کے حصول کے لئے دور دراز کا سفر اختیار کرتے ہیں، تاکہ اپنی معیشت کو مضبوط بنا سکیں، آج کل یہ کام زیادہ تر حکومتی سطح پر ہو رہا ہے، ایک ملک دوسرے ملک کو کوئی سامان دے رہا ہے، اور کچھ سامان اس سے لے رہا ہے، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے۔

فرمایا کہ: کیا تم اس بات سے بے فکر ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دوبارہ اسی سمندر میں لے جائے، جہاں سے اس نے تمہیں نجات دی تھی، پھر وہ تم پر سخت ہوا بھیج دے جو توڑ پھوڑ کرنے والی ہو۔

قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ: "قصف" کا معنی توڑنا ہوتا ہے، مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اتنی تیز ہوا تم پر بھیجے کہ تم اور تمہارے ساز وسامان آپس میں ٹکرا ٹکرا کر ٹوٹ پھوٹ جائیں اور بالآخر تم ہلاک ہو جاؤ۔

انسان کا مرتبہ

وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْۤ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ

اور البتہ تحقیق بزرگی دی ہم نے اولاد آدم کی کو اور سواری دی ہم نے انکو میں خشکی اور سمندر اور رزق دیا ہم نے انکو

ع ۷ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴿۷۰﴾

سے ستھری چیزوں اور فضیلت دی ہم نے انکو پر بہت سوں سے ان جنہیں پیدا کیا ہم نے فضیلت دے کر (۷۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی ہے اور اس کو خشکی اور سمندر میں سواری دی اور ہم نے ستھری چیزوں سے اسے روزی دی اور ہم نے اسے بہت سوں پر بڑی فضیلت دی۔ (۷۰)

تفسیر

حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ قرآنِ مجید میں کئی جگہوں پر آیا، اس کا خلاصہ اس آیت میں بیان کر دیا گیا، ارشاد ہے کہ: ہم نے انسان کو عقل اور ہدایت دے کر اسے بڑی عزت بخشی ہے، جتنا بندوبست اس کی ہدایت کا کیا گیا ہے اتنا کسی اور مخلوق کے لئے نہیں کیا گیا ہے، ہم نے اس کی دنیاوی ضرورتوں کے پورا کرنے کا بندوبست وسیع پیمانے پر کر دیا ہے، یہ تمام روئے زمین پر سواریوں اور جہازوں کے ذریعے چل پھر سکتا ہے، اور اس کے لئے جو پاکیزہ چیزیں ہم نے دنیا میں پیدا کی ہیں وہ ضرورت کے مطابق حاصل کر سکتا ہے۔

ہم نے اس کو دنیا کی ضرورتوں کے لئے مارا مارا پھرنے سے اس لئے بچایا کہ کہیں ان کے پورا کرنے میں پھنس کر اپنے سارے قیمتی وقت کو ضائع نہ کر دے، اس کے لئے وسائل ہم نے خود پیدا کر دیے، اگر لالچ سے بچا رہا تو تھوڑی سی محنت سے سب کو با آسانی ضرورت کے مطابق رزق مل سکتا ہے، اگر اس کے اندر پیچیدگیاں پیدا کیں تو بہت سی فضیلتوں سے اپنے آپ کو محروم کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو فضیلت دی ہے وہ دو قسم پر ہے: ایک "عمومی فضیلت"۔ جو کہ ہر ایک انسان کو بحیثیت انسان حاصل ہے، اور ایک "خصوصی فضیلت"، جو اللہ نے اپنے خاص بندوں کو عطا فرمائی ہے۔

امام ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس لئے فضیلت بخشی ہے کہ زمینی مخلوق میں اسے زبان حاصل ہے جس کی بناء پر یہ گفتگو کرتا اور اپنے دل کی بات کہہ سکتا ہے، یہ ایسا کمال ہے جو کسی دوسری مخلوق چرند، پرند، درند وغیرہ کو حاصل نہیں۔

❁ ..... اللہ تعالیٰ نے انسان کو خوبصورتی بھی عطا فرمائی ہے، کائنات کی تمام مخلوق میں انسان خوبصورت ترین ہستی ہے، اللہ تعالیٰ نے "سورۃ التین" میں فرمایا ہے کہ: ہم نے انسان کو بہترین شکل وصورت عطا کی، اللہ تعالیٰ نے انسان کو سیدھا قد عطا فرمایا، مخلوق میں کچھ جانور ٹیڑھے، کچھ چار پاؤں پر جھکے ہوئے اور کچھ بالکل زمین کے ساتھ لگے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسان کو کھڑا ہونے کے لئے دو پاؤں دیے، اور سر کو اونچا رکھا، عقل مند لوگ کہتے ہیں کہ سر کی بلندی کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا مقصد بھی بلند ہے، یعنی: اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی تک پہنچنا، انسانی جسم کے اعضاء کی جوڑ بندی بھی کمال درجے کی ہے۔

غذا کے معاملے بھی انسان کو دوسری مخلوقات پر فضیلت حاصل ہے، یہ اناج اور پھل کا مغز استعمال کرتا ہے، جب کہ چھلکا وغیرہ دوسرے جانوروں کی خوراک بنتا ہے، انسان کو یہ سارے شرف حاصل ہیں۔

❁ ..... اللہ تعالیٰ نے انسان کو کمال درجے کا صفائی پسند بنایا ہے، جانور کے آگے تو گندی جگہ میں بھی چارہ رکھ دیا جائے تو وہ اسے کھالیتا ہے، مگر انسان کسی گندے برتن میں کھانا پسند نہیں کرتا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم چمڑے کا دستر خوان زمین پر بچھا کر کھانا کھاتے تھے۔

❁ ..... اللہ تعالیٰ نے انسان کو دوسری مخلوق پر فضیلت اس اعتبار سے بھی دی ہے کہ انسان میں فہم وسمجھ، اور تحقیق وجستجو کا مادہ ہے، انسان اپنی عقل وسمجھ استعمال کر کے دوسری تمام مخلوق سے کام لیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو حکومت کرنے کی استعداد بھی بخشی ہے۔

❁ ..... اللہ تعالیٰ نے انسان کی روح میں اپنی پہچان کا نور بھی رکھا ہے، جس سے وہ اللہ تعالیٰ کو پہچان سکتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ کوئی اپنی نادانی سے اس نور کو ضائع کر دے، اور یہ ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے اکثر لوگ فائدہ نہیں اٹھاتے۔

❁ ..... اللہ تعالیٰ نے انسان کو لکھنا پڑھنا بھی سکھایا، جس سے دوسرے جاندار خالی ہیں۔

❁ ..... اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیشہ ورانہ صلاحیت اور ہنر مندی اعلیٰ درجے کی عطا کی ہے، جس کی بناء پر یہ لاکھوں کروڑوں چیزیں بنالیتا ہے۔

۞..... پھر اللہ تعالیٰ نے انسان میں روحانی فضیلت یہ رکھی کہ انسانوں کی ہدایت کے لئے انہی میں سے اپنے پیغمبر بنا کر بھیجے۔

۞..... آگے فرمایا کہ: ہم نے انسانوں کو خشکی اور تری میں سواری مہیا کی، جانوروں کی سواری صرف انسان ہی کے لئے ہے، خود جانور ایک دوسرے کی سواری نہیں بنتے، انسان سامان لادنے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجانے کے لئے خشکی پر اونٹ، گھوڑے، خچر اور گدھے وغیرہ استعمال کرتے ہیں، جبکہ سمندروں اور دریاؤں میں سفر اور سامان لانے، لیجانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے چھوٹی چھوٹی کشتیوں سے لے کر بڑے بڑے جہاز چلادیئے ہیں، جن کا ذکر پہلے بھی گزر چکا ہے۔

آج کے زمانہ میں بھی زمینی سفر کے لئے بے شمار سواریاں موجود ہیں، غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے بری، بحری اور ہوائی سفر کی سواریاں مہیا فرمائی ہیں، یہ بھی اس کی فضیلت کی علامت ہے۔

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ: اس تمام فضیلت کے باوجود انسان کو حقیقی عزت اور بزرگی اس وقت حاصل ہوگی، جب وہ اپنے خالق و مالک کے حکموں پر چلے گا، اللہ تعالیٰ کے ہاں کامیابی انہی کو حاصل ہوگی، جو اللہ تعالیٰ پر سچے دل سے ایمان لائیں گے، قیامت پر یقین کریں گے، پیغمبروں کی تابعداری کریں گے، اور ان کے احکام کا اتباع کریں گے۔

عملوں کا حساب

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ

جس دن ہم بلائیں گے سارے فرقوں کو ساتھ سرداروں ان کے پس جو دیا گیا کتاب اپنی دائیں ہاتھ اپنے میں

فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿٧١﴾ وَ مَنْ كَانَ

پس وہ پڑھیں گے کتاب اپنی اور نہ ظلم کیے جائیں گے وہ دھاگے کے برابر (٧١) اور جو رہا

فِیْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی وَ اَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿۷۲﴾

میں　اس جہاں　اندھا　پس وہ　میں　آخرت بھی　اندھا　اور　بہکا ہوا ہے　راہ سے (۷۲)

بامحاورہ ترجمہ: جس دن ہم ہر فرقے کو اس کے سرداروں کے ساتھ بلائیں گے، سو! جن کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں ملا، سو! وہ لوگ اپنا لکھا ہوا پڑھیں گے اور ان پر ایک دھاگے کے برابر ظلم نہ ہوگا۔ (۷۱) اور جو کوئی اس جہان میں اندھا رہا تو وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور جنت کی راہ سے بہت دور پڑا ہوا ہے۔ (۷۲)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: قیامت کے دن ہم ہر انسان کو اپنے سامنے حاضر ہونے کا حکم دیں گے، پھر ہر ایک کا اعمال نامہ اسے مل جائے گا، جس کا سیدھے ہاتھ میں آیا وہ خوشی خوشی پڑھے گا، اور اپنے نیک اعمال کا انعام حاصل کرے گا، اس دن کسی پر زیادتی اور ظلم بالکل نہیں کیا جائے گا، جس نے دنیا میں شیطانی عمل اختیار کئے ہوں گے وہ آخرت میں بھی ذلیل وخوار ہوگا، اسے جیسے یہاں کچھ نہ سوجھا، وہاں بھی سوائے نا اُمیدی اور محرومیت کے اندھیرے کے اور کچھ نظر نہیں آئے گا، وہ وہاں آرام اور راحت سے اور بھی زیادہ دور ہو جائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: اس وقت کو دھیان میں لاؤ، جب ہم ہر گروہ اور فرقے کو اس کے امام کے ساتھ پکاریں گے، اس وقت سے مراد وہ وقت ہے جب سب لوگ میدانِ حشر میں جمع ہوں گے، اور عملوں کا حساب و کتاب شروع ہونے والا ہوگا، اس وقت اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو اپنی اپنی جماعت کے رہنماؤں کے ساتھ آواز دیں گے، کہ فلاں گروہ اور اس کے رہنما ادھر آجائیں، اور فلاں فرقے والے اپنے رہنما سمیت اس طرف ہو جائیں۔

مفسرین کرامؒ لفظ "امام" کی مختلف تفسیریں بیان فرماتے ہیں، جو سب کی سب درست ہیں، بعض فرماتے ہیں کہ: امام سے مراد "اعمال نامہ" ہے، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تمام لوگ اپنے اپنے اعمال ناموں کے ساتھ بلائے جائیں گے، بعض مفسرین امام سے مراد "نبی" لیتے ہیں، کہ ہر امت کو اپنے اپنے نبی کی قیادت میں طلب کیا جائے گا، بعض فرماتے ہیں کہ امام سے مراد "آسمانی کتابیں" ہیں، ہر امت کو ان کی کتاب کے ہمراہ بلایا جائے گا۔

آگے ارشاد ہے کہ: جس کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں مل گیا پس وہ اپنے اپنے اعمال نامے پڑھیں گے اور خوش ہوں گے، ایسے لوگ اپنا اعمال نامہ دوسروں کو دکھائیں گے کہ دیکھو! یہ اعمال نامہ پڑھو، مجھے حساب کتاب پر یقین تھا، حدیث شریف میں بھی یہ آتا ہے کہ میدانِ حشر میں اعمال نامے اڑیں گے اور اُڑ کر کسی کے دائیں ہاتھ میں اور کسی کے بائیں ہاتھ میں پہنچیں گے، کسی شخص کو اس کا اعمال نامہ سامنے سے ملے گا اور کسی کو پیچھے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ: حشر میں بعض موقع ایسے بھی آئیں گے کہ جب کوئی کسی کی طرف دھیان نہیں کرے گا، اور سب کو اپنی اپنی پڑی ہوگی۔۔۔۔ یہودی اور عیسائی سخت پیاس کی وجہ سے پانی طلب کریں گے تو انہیں سراب (دوپہر کے وقت ریگستان میں ریت کی چمک کو "سراب" کہتے ہیں جو دور سے پانی کی طرح نظر آتی ہے لیکن جب پیاسا آدمی وہاں پہنچتا ہے تو پانی نام کی وہاں کوئی چیز نہیں ہوتی۔) دکھایا جائے گا، وہ پانی سمجھ کر جب اُدھر جائیں گے تو آگے دوزخ ہوگا۔

فرمایا کہ: جو شخص اس جہان میں اندھا رہا وہ آخرت میں اندھا ہی ہوگا، مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ اس اندھاپن سے مراد ظاہری آنکھوں کی بینائی سے محرومی نہیں، کیونکہ یہ محض سبب کی بناء پر ہوتا ہے، بلکہ اندھے سے مراد وہ آدمی ہے جو اس دنیا میں ہدایت کے راستے سے اندھا رہا، اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہدایت کے تمام اسباب مہیا کر دیے تھے، انسان کو عقل اور سمجھ عطا کی، اس کی رہنمائی کے لئے کتابیں اور اپنے پیغمبر بھیجے، اس کے باوجود وہ دنیا میں ہدایت کے راستے پر نہیں چلا، وہ اگرچہ ظاہری آنکھیں رکھتا ہے، لیکن اس کا دل اندھا ہے۔

بہر حال! اللہ تعالیٰ نے ہدایت حاصل کرنے کے تمام راستے کھول دیے ہیں، اس کے باوجود جو شخص اس دنیا میں ہدایت کے راستے سے محروم رہا وہ آخرت میں امن وسلامتی کے راستے سے محروم رہ جائے گا، اس کے سامنے تباہی، بربادی، اور دوزخ کا راستہ ہوگا، اور وہ نجات کے راستے کی طرف سے اندھا ہی رہے گا، جب تک انسان دنیا میں موجود ہے، اس کے پاس توبہ کر کے تلافی کا راستہ موجود ہے، مرنے کے بعد یہ راستہ بھی بند ہو جائے گا، پھر وہ اپنے کیے کی سزا پائے گا۔

ورغلانے کی کوشش

وَ اِنۡ كَادُوۡا لَيَفۡتِنُوۡنَكَ عَنِ الَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ لِتَفۡتَرِىَ

اور بے شک قریب تھے وہ کہ بہکا دیں آپ کو سے اس چیز کہ وحی کی ہم نے طرف آپ کی تاکہ جھوٹ گھڑیں آپ

عَلَيۡنَا غَيۡرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوۡكَ خَلِيۡلًا ﴿۷۳﴾

پر ہم سوا اس کے اور اس وقت البتہ بنا لیتے وہ آپ کو دوست (۷۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور وہ لوگ تو چاہتے تھے کہ آپ کو اس چیز سے جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی بہکا دیں تاکہ آپ ہم پر وحی کے سوا اور کوئی جھوٹ بنا لائیں، اور تب وہ آپ کو جگری دوست بنا لیتے۔ (۷۳)

تفسیر

يَفۡتِنُوۡنَكَ... الخ: سے مراد یہ ہے کہ وہ کافر و مشرک لوگ آپ ﷺ کے سامنے ایسی ایسی باتیں کرتے تھے جس سے آپ ﷺ کو اُلجھن میں ڈال کر آپ ﷺ سے خلاف شرع کام کروانا مقصد ہوتا تھا، وہ بڑے سنجیدہ بن کر آپ ﷺ سے عرض کرتے تھے کہ آپ کی طرف جو وحی آتی ہے، اس میں کچھ احکام ایسے بھی ہونے چاہئیں جن سے ہمارے رسم و رواج کی قدر ظاہر ہوتی ہو اور ہمارے بتوں کی عظمت ظاہر ہوتی ہو، اگر ایسا ہو جائے تو ہمارا اور آپ کا سمجھوتہ بھی ہو سکتا ہے، وہ کہتے تھے کہ قرآن مجید کے بعض احکام بدل دو یا چھوڑ دو، پھر ہماری تمہاری کوئی لڑائی نہیں، بلکہ ہم تمہارے تابع ہو جاتے ہیں اور اس کے لئے جو تم کہو گے ابھی مہیا کر دیتے ہیں، بس! قرآن مجید سے وہ حصہ نکال دو، جس میں شرک کی اور بت پرستی کی برائی ہے۔

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ: طائف کے مشرکوں کا ایک وفد پیغمبر ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہوں نے آپ ﷺ پر ایمان لانے کے لئے چند شرطیں پیش کیں، پہلی شرط یہ تھی کہ آپ ﷺ ہمیں تمام عربوں پر امتیازی حیثیت دلائیں، دوسری بات یہ کہ مکے اور طائف کے درمیان واقع ہماری "وادی" کو مکہ معظمہ کی

طرح حرم محترم قرار دیں، تاکہ یہاں پر عبادت اور اجر ثواب بڑھ جائے، اور یہ کہ ہمیں زکوٰۃ کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دیا جائے، اور یہ بھی کہ ہم تمہارے ساتھ کسی جنگ میں شریک نہیں ہوں گے، جہاں تک ہمارے معبودوں کی بات ہے، ہم انہیں اپنے ہاتھ سے نہیں توڑیں گے، ان کو مکمل طور پر ترک کرنے کے لئے ایک سال کی مہلت دیں، اس دوران ہم ان کی عبادت تو نہیں کریں گے، لیکن ان کے سامنے پیش کیے جانے والے نذرانے وصول کرنے کے حقدار ہوں گے، انہوں نے یہ بھی کہا کہ "رکوع" اور "سجود" کی ادائیگی ہم پر گراں گزرتی ہے، لہذا ہمیں نماز سے بھی مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

ان کی یہ بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ: جس دین میں "رکوع" اور "سجود" نہیں ہے، اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے، یہ تو کمال درجے کی عبادت ہے، لہذا تمہیں نماز سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا جاسکتا، بتوں کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ: انہیں توڑنے کے لئے دوسرے لوگ موجود ہیں، اس زمانے میں زیادہ تر اسلام قبول کرنے والے یہ کام از خود کرتے تھے کہ اپنے ہاتھ سے بتوں کو گرا کر اس جگہ مسجد تعمیر کرتے تھے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے طائف والوں کی ان شرطوں میں سے کسی شرط کو نہیں مانا۔

دراصل مشرک یہ چاہتے تھے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے "کچھ لو اور کچھ دو" کی پالیسی پر سمجھوتہ ہو جائے، وہ اپنی چرب زبانی اور سازش سے پیغمبر اسلام کو دین کے اصولی احکام سے ہٹانا چاہتے تھے، انہی حالات کے پیشِ نظر یہاں پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اور بے شک قریب تھا کہ یہ لوگ آپ کو فتنہ میں ڈال دیں اس چیز سے جس کو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا، یعنی: وہ اپنی چکنی چپڑی باتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کوئی چیز منوالیں، اور اس طرح آپ قرآن کے علاوہ ہمارے لئے کوئی دوسری بات بنا کر پیش کریں جو ہمارے لئے قابل قبول ہو، مثلاً: یہ کہ آپ طائف کی وادی کو حرم قرار دینے پر آمادہ ہو جائیں یا انہیں نماز اور زکوٰۃ وغیرہ سے مستثنیٰ قرار دے دیں، اگر آپ ان کی بات مان لیں تو وہ آپ کو اپنا دوست بنالیں گے، فرمایا کہ: یہ بات درست نہیں ہے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے تبلیغ کا فرض ادا کرتے رہیں، اور ان مشرکوں کی سازشوں کا شکار نہ ہوں۔

پیغمبر کی معصومیت

وَ لَوْ لَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَیْهِمْ شَیْــٴًـا قَلِیْلًاۗ﴿۷۴﴾

اور اگر نہ ہوتا یہ کہ جمائے رکھا ہم نے آپکو البتہ ضرور لگتے آپ جھکنے طرف ان کی کچھ تھوڑا سا (۷۴)

اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَیٰوةِ وَ ضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ

اس وقت البتہ ہم چکھاتے آپکو دُگنا (عذاب) زندگی کا اور دُگنا (عذاب) موت (کے بعد) کا پھر نہ پاتے آپ

لَكَ عَلَیْنَا نَصِیْرًا﴿۷۵﴾ وَ اِنْ كَادُوْا لَیَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ

واسطے اپنے ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار (۷۵) اور تحقیق قریب تھا کہ وہ ہلا دیں آپ کو سے اس زمین

لِیُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَ اِذًا لَّا یَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِیْلًا﴿۷۶﴾ سُنَّةَ

تا کہ نکال دیں وہ آپ کو سے اس اور اس وقت نہ ٹھہریں گے وہ پیچھے آپکے مگر تھوڑا سا (۷۶) یہی دستور رہا ہے

مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَ لَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِیْلًا﴿۷۷﴾ ع ۸ ۸

انکے ساتھ جو کہ بھیجے ہم نے پہلے آپ سے سے رسولوں اپنے سے اور نہ پائیں گے آپ لئے دستور ہمارے کے تبدیلی (۷۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو آپ ان کی طرف تھوڑا سا جھکنے لگ جاتے۔(۷۴) تب تو ہم آپ کو ضرور دُگنا عذاب زندگی میں اور دُگنا مرنے میں چکھاتے، پھر آپ اپنے واسطے ہمارے خلاف کوئی مدد کرنے والا نہ پاتے۔(۷۵) اور قریب تھا کہ لوگ آپ کو اس زمین سے ہلا دیں تا کہ یہاں سے آپ کو نکال دیں، اور اس وقت آپ کے پیچھے وہ نہ ٹھہریں گے مگر تھوڑا وقت۔(۷۶) دستور چلا آتا ہے ان پیغمبروں کا جو ہم نے آپ سے پہلے بھیجے اور ہمارے دستور میں آپ کوئی فرق نہیں پائیں گے۔(۷۷)

تفسیر

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت نرم مزاج اور حوصلے والے تھے، دوسروں کی مدد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت تھی،

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے نیازی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخالفین کے لئے اس وقت حیرت انگیز تھی، اور اب دنیا بھر کے دل میں حیرت کے ساتھ رُعب پیدا کر رہی ہے، لیکن اپنے طبعی اخلاق کی وجہ سے شاید کچھ ایسا ہلکا سا خیال آ سکتا تھا کہ اگر کچھ رعایت ان لوگوں کی دشمنی کر دے تو شاید یہ حق بات سننے کے لئے تیار ہو جائیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ: ہم نے دنیا کی بے ہودہ باتوں سے بھی انسان کو بچانے کے لئے آپ کو بھیجا ہے، آپ کا مرتبہ اس سے بلند ہے کہ آپ حق کو بیان کرنے میں کوتاہی کرنے کا خیال بھی کریں، اگر اس میں ذرا بھی کوتاہی ہوتی تو دنیا اور آخرت کا عذاب ہوتا، لیکن ہم نے اپنی قدرت سے آپ کے قدم مضبوطی کے ساتھ جمائے۔

اللہ کا قانون یہ ہے کہ خاص لوگوں کو تنبیہ بھی زیادہ ہوتی ہے، ذرا ذرا سی بات پر بھی گرفت ہو جاتی ہے، حالانکہ ایسی معمولی باتوں پر عوام سے پوچھ گچھ بھی نہیں ہوتی، اس مقام پر بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کر کے یہی بات بیان کی گئی ہے کہ اگر آپ کا جھکاؤ دوسری طرف ہو جاتا تو ہم آپ کو زندگی اور موت کا دُگنا مزہ چکھاتے۔

ارشاد ہے کہ: یہ چاہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنا پریشان کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھبرا کر مکہ سے باہر چلے جائیں، لیکن یہ یاد رکھیں کہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نکال کر مکہ میں یہ بھی چین سے نہیں بیٹھیں گے، تھوڑے دن اور ہوا کھا لیں، یہی قاعدہ پہلے پیغمبروں کے متعلق جاری رہا ہے کہ جب کسی قوم نے اپنے پیغمبر کو ستایا اور ان کا بستی میں رہنا دوبھر ہو گیا تو اس کے بعد وہ خود بھی وہاں نہ رہ سکے اور ہلاک کر دیے گئے، جب ہم ایک اصول مقرر کر دیتے ہیں تو پھر اس میں تبدیلی نہیں ہوتی، سزا میں دیر ہو سکتی ہے، لیکن وہ مل کر ہی رہے گی۔

وَ اِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ: "استفزاز" کے لفظی معنی ہیں گھر سے نکالنا، یہاں مراد ہے کہ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے ٹھکانا، یعنی: مکہ یا مدینہ سے نکال دینا، کافر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے نکال دینا چاہتے تھے۔

اور اس آیت کے بارے میں ایک واقعہ بتایا گیا ہے جو مکہ مکرمہ میں پیش آیا اور اس سورت کا مکی ہونا اس کے لئے دلیل قرینہ ہے، اور وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ مکہ کے کافروں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے نکالنے کا ارادہ کیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور اس میں مکہ کے کافروں کو اس پر تنبیہ فرمائی گئی کہ اگر وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کو مکہ سے نکال دیں گے تو پھر خود بھی مکہ میں دیر تک چین سے نہ بیٹھ سکیں گے۔

بالآخر وہ وقت بھی آ گیا جب مکہ کے مشرکوں کا تکلیفیں پہنچانے کا معاملہ حد سے بڑھ گیا، مسلمانوں کی دو جماعتیں حبشہ کی طرف ہجرت کر چکی تھیں، باقی مسلمانوں پر زندگی مشکل بنائی جا رہی تھی، پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش بھی کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجبوراً مکہ چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی، پھر دنیا نے دیکھا کہ اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ چھوڑے ہوئے ابھی ڈیڑھ برس ہی گزرے تھے کہ بدر کی جنگ کا موقعہ آیا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی کافروں کے سرداروں کی موت والی جگہ کی نشاندہی کر دی کہ فلاں، فلاں جگہ پر قتل ہوگا، اور فلاں فلاں جگہ پر قتل ہوگا، پھر ان کی موت ان جگہوں سے ایک انچ بھی ادھر اُدھر واقع نہ ہوئی، کافروں کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ مسلمانوں کی اتنی کمزور اور بے سروسامان جماعت اسلحہ سے لیس بڑی تعداد پر غالب آ جائے گی، مگر یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا، جو پورا ہو کر رہا۔

پھر غزوۂ احد میں ان پر مزید ہیبت طاری ہوگئی، اور احزاب کے کی جنگ آخری معرکہ نے تو ان کی کمر ہی توڑ دی، اور ہجرت کے آٹھویں سال پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا مکہ مکرمہ فتح کر لیا۔

عبادت کا طریقہ

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۭ
قائم کر | نماز | (بوقت) ڈھلنے | سورج کے | تک پورے اندھیرے رات کے | اور | قرآن | فجر کا

اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ
تحقیق | قرآن | فجر کا | ہے | حاضری کے لائق (۷۸) | اور | سے | کچھ رات میں | جاگ | قرآن کے ساتھ

نَافِلَةً لَّكَ ڰ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝
یہ زیادہ چیز ہے | کے لئے آپ | قریب ہے | کہ | بلند کرے آپ کو | رب آپ کا | مقام | قابل تعریف میں (۷۹)

بامحاورہ ترجمہ: ۔نماز کو قائم رکھ سورج ڈھلنے سے رات کے مکمل اندھیرے تک اور خاص کے فجر کے، قرآن پڑھنے کو بے شک فجر کے قرآن پڑھنے کا وقت حاضری کا وقت ہوتا ہے۔(۷۸)اور کچھ رات جاگتا رہ قرآن کے ساتھ یہ اضافی عبادت ہے آپ کے لئے قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں کھڑا کردے۔(۷۹)

تفسیر

دُلُوْكِ: اس سے زوال کا وقت مراد ہے کیونکہ اس وقت سورج ڈھل جاتا ہے، **قُرْاٰنَ:** کا معنیٰ ہے پڑھنے کی چیز، یہ اس کتاب کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتاری، یہاں اس سے مراد نماز ہے، کیونکہ نماز میں قرآن پڑھنا فرض ہے، قرآن پڑھنا گویا نماز ہی ہے۔**مَقَامًا مَّحْمُوْدًا:** اس سے مراد شفاعتِ کبریٰ کا مرتبہ ہے، یہ میدانِ حشر میں دنیا بھر کے انسانوں کی ہوگی جو صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کریں گے۔

آیت سے دن رات میں پانچ وقت کی نمازیں اور نمازِ فجر میں لمبی قرأت کا اشارہ معلوم ہوتا ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ تہجد کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے فرض ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ سے بھی منقول ہے کہ انہوں نے اس آیت سے چار نمازیں مراد لی ہیں، تاہم قرآن مجید میں ہر نماز کے وقت کا الگ الگ ذکر بھی آیا ہے۔

آگے فرمایا: **وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ** :اور فجر کی نماز میں قرآن کی تلاوت، یعنی: نمازِ فجر بھی اس طرح گویا اس آیت میں پانچوں نمازوں کا ذکر آگیا، پانچ نمازوں کی فرضیت معراج کے بعد ہوئی۔

فرمایا: فجر کی نماز میں قرآن مجید پڑھنا حاضری کا وقت ہے، یعنی: اس وقت فرشتوں کی حاضری ہوتی ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: رات اور دن کے فرشتے آگے پیچھے آتے ہیں، یعنی: جن فرشتوں کی ڈیوٹی انسانوں کے عملوں کو لکھنا ہوتی ہے، وہ فجر اور عصر کی نماز کے وقت ڈیوٹیاں تبدیل کرتے ہیں، عصر کی نماز کے وقت دن والے فرشتے چلے جاتے ہیں اور رات والے آجاتے ہیں، اور فجر کی نماز میں دن والے فرشتے آجاتے ہیں اور رات والے چلے جاتے ہیں، ہر جانے والا گروہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بندوں کی رپورٹ کرتا ہے، حدیث میں

آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے دریافت کرتے ہیں کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ تو نیک بندوں کے فرشتے کہتے ہیں کہ ہم نے انہیں اس حالت میں چھوڑا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں، اسی طرح خدا تعالیٰ کی یاد سے غافل لوگوں کے متعلق فرشتے رپورٹ کرتے ہیں کہ اے اللہ! تیرے فلاں فلاں بندے غفلت میں پڑے ہوئے تھے یا برائی میں لگے ہوئے تھے، غرضیکہ فجر کا وقت فرشتوں کی حاضری کا وقت ہے۔

فجر کی نماز کے ساتھ قرآن کا خصوصی ذکر اس وجہ سے ہے کہ سنت کے مطابق فجر کی نماز میں قرآن کی تلاوت کچھ زیادہ کی جاتی ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر فجر کی نماز میں چالیس (۴۰) سے لے کر سو (۱۰۰) آیتوں تک تلاوت فرماتے تھے، گویا اس نماز میں باقی نمازوں کی نسبت لمبی قرأت ہوتی ہے۔

بعض گمراہ فرقے پانچ نمازوں کے قائل نہیں ہیں، ایک گروہ ایسا بھی ہے جو صرف فجر کی نماز ادا کرتا ہے، بعض قرآن کا انکار کرنے والے صرف دو نمازیں پڑھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ "سورہ طٰہٰ" کے مطابق صرف فجر اور عصر کی نماز فرض ہے، بعض لوگ تین نمازوں کے اور بعض چار کے قائل ہیں۔

نمازوں کی تعداد اور رکعات کے بارے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور عمل ہی ہمارے لئے عمل کے لائق ہے، اس لئے تمام حق پر چلنے والے پانچ نمازوں کی فرضیت کو مانتے ہیں اور پانچ نمازیں پڑھتے ہیں، اس طرح ہر نماز کی رکعتوں کی تعداد کے مطابق بھی کوئی اختلاف نہیں، تمام ایمان والے فجر کے دو، ظہر کے چار، عصر کے چار، مغرب کے تین اور عشاء کے چار فرضوں کے قائل ہیں۔

غَسَقِ الَّیْلِ: یعنی: جس وقت رات کی تاریکی مکمل ہوجائے، اس لفظ سے عشاء کا وقت بتایا گیا ہے، یہ سب جانتے ہیں کہ سورج کے غروب ہونے کے فوراً بعد آسمان کے مغربی جانب ایک سرخی ہوتی ہے، اور اس سرخی کے بعد ایک قسم کی سفیدی پھیلتی ہوئی نظر آتی ہے، پھر وہ سفیدی بھی غائب ہوجاتی ہے، یہ ظاہر ہے کہ رات کی تاریکی مکمل اس وقت ہوگی جب یہ سفیدی بھی ختم ہوجائے۔

صحیح روایت میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا ہے کہ فرض نمازوں کے بعد افضل ترین نماز کون سی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: رات کی نماز، یعنی: تہجد کی نماز، بعض فرماتے ہیں کہ: "نَافِلَةً لَّكَ"

میں ضمیر واحد کے ذریعے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ پانچ فرض نمازوں کے علاوہ یہ نماز بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بطور ایک اضافی عبادت کے فرض تھی، جبکہ باقی لوگوں کے لئے نہیں، اگر وہ بھی ادا کریں گے تو بہت زیادہ ثواب ہوگا اور اگر ادا نہ کریں گے تو پوچھ گچھ نہیں ہوگی۔

فائدہ: تہجد کا عام طور پر یہ مطلب لیا گیا ہے کہ کچھ دیر سو کر اٹھنے کے بعد جو نماز پڑھی جائے وہ نماز تہجد ہے، لیکن "تفسیر مظہری" میں ہے کہ مطلب اس آیت کا اتنا ہے کہ رات کے کچھ حصے میں نماز کے لئے سونے کو چھوڑ دو، اور یہ مفہوم جس طرح کچھ دیر سونے کے بعد جاگ کر نماز پڑھنے پر صادق آتا ہے، اسی طرح شروع ہی میں نماز کے لئے نیند کو دیر کر کے نماز پڑھنا بھی درست ہے۔

صحیح حدیثوں میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز لمبی پڑھا کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک بعض دفعہ سوج جاتے تھے، اور سردی کے موسم میں تو بعض دفعہ پاؤں پھٹنے کو ہو جاتے تھے، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: اے اللہ کے پیغمبر! آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو گناہوں سے بالکل پاک ہیں اور معمولی لغزشوں کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہم نے آپ کو "فتح مبین" عطا کی ہے تاکہ آپ کی تمام اگلی پچھلی لغزشیں معاف کر دیں تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر مشقت کیوں برداشت کرتے ہیں؟ کہ نماز میں کھڑے آپ کے پاؤں مبارک سوج جاتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتنی مہربانی فرمائی ہے تو کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ بہر حال! دونوں تفسیریں آتی ہیں کہ یہ نماز سب کے لئے اضافی عبادت ہے، اور دوسری یہ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فرض اور امت کے لئے نفل ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ: شروع میں تہجد کی نماز سب کے لئے فرض تھی، جیسا کہ "سورہ مزمل" سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا: اے کمبل اوڑھنے والے! آپ رات کو قیام کریں، پھر دوسرے رکوع میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ تم میں بعض بیمار ہوں گے، اور دوسرا طبقہ وہ ہے جو زمین پر سفر کریں گے اور اللہ کا فضل تلاش کریں گے، اور بعض جہاد کے لئے جائیں گے، لہذا آپ قرآن میں سے اتنا حصہ پڑھیں جتنا آسان ہو، فرماتے ہیں کہ: بعد میں یہ فرضیت اٹھا دی گئی۔

"مقامِ محمود" کا ذکر حدیثوں میں کثرت سے آیا ہے، یہ وہ جگہ ہے جسے شفاعتِ کبریٰ کا مقام بھی کہا جاتا ہے، حشر کے میدان میں لوگ پریشانی کے عالم میں مبتلا ہوں گے، ہر شخص اپنے پسینے میں ڈوبا ہوا ہوگا، لوگ چاہیں گے کہ اللہ تعالیٰ حساب کتاب شروع کریں تاکہ تلخی سے چھٹکارا پا سکیں، اس کام کی سفارش کے لئے لوگ مختلف پیغمبروں کے پاس جائیں گے کہ آپ اللہ کے ہاں سفارش کریں کہ حساب کتاب شروع ہو، مگر ہر کوئی یہ جواب دے گا، کسی دوسرے کے پاس جاؤ، بالآخر لوگ پیغمبر ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے، جو اس کام پر تیار ہوجائیں گے، آپ ﷺ عرش کے نیچے سجدے میں گرجائیں گے، بعض روایات کے مطابق آپ ﷺ ایک ہفتہ اور بعض کے مطابق دو ہفتے تک مسلسل سجدے میں پڑے رہیں گے، بہرحال! اس عرصہ میں آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی ایسے کلمات کے ساتھ تعریف و توصیف بیان کریں گے، جو اللہ تعالیٰ اسی وقت آپ ﷺ کو الہام کریں گے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اے محمد! اپنا سر اٹھایئے، آپ سفارش کریں، آپ کی سفارش قبول کی جائے گی، اور آپ سوال کریں، آپ کو دیا جائے گا، یہی شفاعتِ کبریٰ ہے، اور یہی "مقامِ محمود" ہے جس کا اس آیت میں ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح کا وعدہ

وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ

اور کہہ دیجئے اے رب میرے! داخل کر دیجئے مجھے داخل کرنا کامیابی کا اور نکال دیجئے مجھے نکالنا کامیابی کا

وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ﴿۸۰﴾ وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ

اور عطا کر مجھے سے پاس اپنے غلبہ مدد دینے والا (۸۰) اور کہہ دیجئے آپہنچا حق

وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾

اور مٹ گیا باطل تحقیق باطل ہے ہی مٹنے والا (۸۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور کہہ دیجئے اے میرے رب! مجھے داخل کر کامیابی کا داخل کرنا اور مجھے نکال دیجئے

کامیابی کا نکالنا اور مجھ کو اپنے پاس سے مدد کرنے والا غلبہ عطا فرما۔(۸۰) اور (اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ) کہہ دیجئے کہ! حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور باطل ہے ہی مٹنے والا۔(۸۱)

لفظی تحقیق: مُدْخَلَ صِدْقٍ: ایسا داخل ہونا جس میں پائیداری ہو، یعنی: مضبوطی ہو، مُخْرَجَ صِدْقٍ: ایسا نکلنا جس میں ذلت اور رسوائی نہ ہو۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: یوں کہا کرو کہ اے اللہ! جس کام یا جس مقام میں آپ مجھے داخل کریں اس میں مجھے عزت اور آبرو اور ثابت قدمی کے ساتھ داخل کریں، اور جس کام یا مقام سے باہر نکالیں عزت اور آبرو کے ساتھ باہر نکالیں اور مجھ کو اتنا غلبہ عطا فرما دیں کہ جس سے سارے کام بن جائیں، چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکہ سے نکلے اور بڑی عزت کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوئے اور مکہ سے نکلنے کے دوران کافروں کے ہاتھوں گرفتار ہونے اور ذلت و رسوائی اٹھانے سے بچے۔

اکثر پیغمبروں کو زندگی میں ہجرت کا مرحلہ پیش آیا، جب قوم و ملک کے تمام لوگ مخالف ہو گئے، انہیں اتنی تکلیفیں پہنچائی گئیں کہ ان کا اپنے وطن میں رہنا ہی محال ہو گیا تو پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیغمبر کو اپنا گھر بار اور وطن چھوڑنا پڑا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلاف پوری قوم اکٹھی ہو گئی حتی کہ باپ بھی دشمنوں کے ساتھ مل گیا تو آپ کو کہنا پڑا کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں وہی مجھے راستہ دکھائے گا، خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بھی مکہ میں ایسے حالات پیدا کر دیے گئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکے میں رہنا مشکل ہو گیا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینے کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دے دیا، یہ ہجرت اس وقت کے تمام مسلمانوں کے لئے فرض قرار دے دی گئی، کیونکہ مسلمانوں کی کامیابی اور کافروں کی ناکامی کا راز اسی میں پوشیدہ تھا، ایسی حالت میں ہجرت سے صرف عورتیں اور بچے مستثنیٰ تھے اور وہ لوگ بھی مستثنیٰ تھے جو کمزوری، معذوری یا بڑھاپے کی وجہ سے سفر کی

طاقت نہ رکھتے تھے یا کوئی ان کوراستہ بتلانے والا نہ ہوتا تھا، اگر کوئی طاقت رکھنے کے باوجود ہجرت نہ کرتا تو وہ گناہ کبیرہ کرنے والا شمار ہوتا تھا۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت کی دعا سکھلائی، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ہجرت کر کے جہاں جا رہے ہیں، وہاں حق وصداقت کا بول بالا ہو اور حق وصداقت ہی کو برتری حاصل ہو، اسی طرح جس شہر سے ہم رخصت ہو رہے ہیں وہاں سے ہمارا نکلنا عزت اور آبرو کے ساتھ ہو، دشمن چونکہ بے آبروئی پر تلے ہوئے تھے، اور جان کے درپے تھے؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ دعا سکھلائی کہ مکہ سے نکلتے وقت ہمیں کسی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے، بلکہ اپنی حفاظت میں ہمیں امن وسکون کے ساتھ نکال لے۔

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ: اس آیت سے فتح مکہ کا اشارہ بھی ملتا ہے کہ اے پروردگار! ہمیں ہجرت کے لئے مکہ مکرمہ سے حق وصداقت کے ساتھ نکال اور پھر ہمیں عزت وآبرو کے ساتھ دوبارہ اسی مکہ مکرمہ میں داخل فرما، چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر ایسا ہی ہوا، دس ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی یہ جماعت نہایت امن وسلامتی کے ساتھ فتح کا پرچم لہراتی مکہ میں داخل ہوئی، مکے کی طرف جاتے وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سواری پر سوار تھے، اور سر پر خود پہن رکھا تھا، شہر میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اتار دیا اور سر پر پگڑی پہن لی، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہایت ہی عزت ووقار کے ساتھ مکہ معظمہ میں داخل فرمایا۔

فرمایا: وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا: یہ آیت ہجرت کے بعد فتح مکہ کے بارے میں نازل ہوئی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مکہ کی فتح کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بیت اللہ میں داخل ہوئے تو اس وقت بیت اللہ میں تین سو ساٹھ (۳۶۰) بت رکھے ہوئے تھے، بعض عالموں نے اس خاص تعداد کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ مشرکین مکہ سال بھر کے دنوں میں ہر بت کا دن الگ رکھتے تھے اس دن میں اس کی پوجا کرتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں پہنچے تو یہ آیت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک پر تھی کہ "جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ" اور اپنی لکڑی ایک ایک بت کے سینے میں مارتے جاتے تھے، بعض روایات میں ہے کہ اس چھڑی کے نیچے رانگ یا لوہے کی نوک لگی ہوئی تھی، جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی بت کے سینے

میں اس کو مارتے تو وہ الٹا گر جاتا تھا، یہاں تک کہ یہ سب بت گر گئے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو توڑنے کا حکم دے دیا۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: اس آیت میں اس کی دلیل ہے کہ مشرکوں کے بت اور دوسرے مشرکانہ نشانات کو مٹانا واجب ہے، تصویریں اور مجسمے جو لکڑی یا پیتل وغیرہ سے بنائے جاتے ہیں وہ بھی بتوں ہی کے حکم میں ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پردے کو بھی پھاڑ ڈالا جس پر تصویریں نقش ورنگ سے بنائی گئی تھیں، اس سے عام تصویروں کا حکم معلوم ہو گیا۔

بہر حال! یہ اس دعا کی قبولیت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے نکالا تو اطمینان کے ساتھ نکالا جبکہ مکہ کے مشرک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کا گھیراؤ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنا رہے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت گھر میں بھی فرمائی اور راستے میں بھی فرمائی، اور پھر مدینہ طیبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا داخلہ بھی بڑی عزت اور احترام کے ساتھ ہوا۔

فائدہ: اس لئے بعض علماء نے فرمایا کہ: یہ دعا ہر مسلمان کو اپنے تمام مقاصد کے شروع میں یاد رکھنا چاہئے اور ہر مقصد کے لئے یہ دعا مفید ہے، اس دعا کے بعد کا جملہ ہے "وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا۔

آگے فرمایا کہ: اے اللہ! مجھے ایسا غلبہ عطا فرما جس کے ساتھ آپ کی مدد شاملِ حال ہو، حق کو برتری نصیب ہو، ظاہر ہے کہ اس سے مراد اسلام کا غلبہ ہے، کیونکہ دنیا میں کوئی قانون اس وقت تک نافذ العمل نہیں ہوسکتا، جب تک اس کے ساتھ غلبہ اور اقتدار موجود نہ ہو۔

احکام ومسائل

"ترمذی شریف" میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ معظمہ میں تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا گیا، اس پر یہ آیت اتری "وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ

صِدْقٍ...الخ": مطلب یہ ہے کہ یہ داخل ہونا اور نکلنا سب اللہ کی مرضی کے مطابق خیر و خوبی کے ساتھ ہو، کیونکہ لفظ "صدق" عربی زبان میں ہر ایسے کام کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جو ظاہراً اور باطناً درست اور بہتر ہو، قرآن کریم میں "قدم صدق" اور "لسان صدق" اور "مقعد صدق" کے الفاظ اسی معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔

داخل ہونے کی جگہ سے مراد "مدینہ طیبہ" اور نکلنے کی جگہ سے مراد "مکہ مکرمہ" ہے، مطلب یہ ہے کہ یا اللہ! میرا داخلہ خیر و خوبی کے ساتھ ہو جائے، وہاں کوئی طبیعت کے خلاف اور ناگوار صورت حال پیش نہ آئے، اور مکہ مکرمہ سے نکلنا بھی خیر و خوبی کے ساتھ ہو جائے کہ وطن اور گھر بار کی محبت میں دل اُلجھا نہ رہے، اور مخالفین کی طرف سے بھی کسی تکلیف اور پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

قرآن مجید کا رتبہ

وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَ

اور اتارتے کرتے ہیں ہم سے قرآن وہ جو شفاء ہے اور رحمت ہے واسطے ایمان والوں کے اور

لَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ وَ اِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ

نہیں بڑھاتا ظالموں کے لئے مگر گھاٹا (۸۲) اور جب نعمت کرتے ہیں ہم پر انسان

اَعْرَضَ وَ نَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ﴿۸۳﴾ قُلْ كُلٌّ

منہ پھیر لیتا ہے اور دور ہٹا لیتا ہے پہلو اپنا اور جب پہنچتی ہے اس کو برائی ہو جاتا ہے مایوس (۸۳) کہہ دیجئے ہر ایک

ع ۹ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾

کام کرتا ہے پر اپنے ڈھنگ پس رب تمہارا خوب جانتا ہے اس کو کہ کون ہے وہ پانے والا راستہ سیدھا (۸۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم قرآن میں وہ باتیں اتارتے ہیں جن سے بیماریاں دور ہوں اور ایمان والوں کے لئے رحمت ہو اور گنہگاروں کا تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے۔ (۸۲) اور جب ہم آدمی کو نعمت عطا کرتے ہیں تو منہ پھیر لیتا ہے اور اپنا پہلو بچا لیتا ہے اور جب اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو مایوس ہو کر رہ جاتا

ہے۔(۸۳) آپ کہہ دیجئے! ہر ایک اپنے ڈھنگ پر کام کرتا ہے، سو! تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون ٹھیک راستہ پانے والا ہے۔(۸۴)

تفسیر

خواہشوں کے پیچھے لگ کر انسان میں بہت سی روحانی وجسمانی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، جس کی وجہ وہ اندر ہی اندر کھوکھلا ہو جاتا ہے، اور زندگی میں گھٹن محسوس کرتا ہے، اس آیت میں فرمایا گیا کہ: انسان کی ان بیماریوں کا نتیجہ انسان کے لئے دنیا وآخرت دونوں میں خطرناک ہے، آخرت میں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس پر دردناک عذاب ہوگا، ان بیماریوں کا علاج قرآن مجید میں موجود ہے، جسے دنیا میں جہان والوں کے لئے رحمت اور شفاء بنا کر بھیجا گیا ہے، بشرطیکہ وہ اس کی باتوں پر ایمان لائیں اور اس کے کہنے کے مطابق اعتدال سے کام کریں، اور شرعی حدود میں رہتے ہوئے خواہشات پوری کرے، انسان کو تباہ کرنے والی تمام بیماریوں کی اس کتاب میں شفاء موجود ہے، لیکن اگر کوئی اس قرآن کی طرف دیکھے ہی نہیں اور اس کی باتوں کو اس کان سے سنے، اور دوسرے سے نکال دے، تو وہ اس مریض کی طرح ہے جو حکیم کا کہنا ہی نہ مانے، بلکہ الٹا اس کی مخالفت کرے، ایسے شخص کو حکیم کی باتیں کیا فائدہ دے سکتی ہیں؟ آخرکار اسے صحت سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔

انسان کے سارے رنگ ڈھنگ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں، پہلے فرمایا کہ: قرآن مجید انسان کے لئے دنیا میں بڑی نعمت ہے، اب فرمایا کہ: یہ اس شخص کی بدبختی ہے کہ دنیا کے عارضی فائدوں میں پھنس کر اور شیطان کے بہکاوے میں آکر اس کی عقل پر پردے پڑ جاتے ہیں، وہ اس سے کتراتا ہے اور دور بھاگنے کی کوشش کرتا ہے، پھر اگر کوئی مصیبت آتی ہے تو امید توڑ کر بیٹھ جاتا ہے، اور نہیں جانتا کہ کس کے پاس جائے کیا کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے تو اس کا تعلق ہی نہیں، انسان کو اختیار حاصل ہے وہ جس طرح چاہے کام کرے، آخر ایک دن اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ کرے گا کہ کون حق پر ہے، اور کون باطل پر؟ وہ ہر ایک کے طرزِ عمل سے اچھی

طرح واقف ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: روحانی بیماریوں کا تعلق عقیدے، اخلاق اور عمل سے ہے، قرآن پاک سب سے پہلے باطل عقیدے کی اصلاح کرتا ہے، کفر، شرک، منافقت، بے دینی، شک وغیرہ ایسی روحانی بیماریاں ہیں، جن کا اثر انسان کی روح، دل اور دماغ پر پڑتا ہے، گندہ عقیدہ انسان کے دل ودماغ کو ناپاک کر دیتا ہے، اور انسان کی سوچ ناپاک ہوجاتی ہے، اسی گندی سوچ کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: بے شک مشرک لوگ ناپاک ہیں، اسی طرح منافقوں کے متعلق فرمایا: قرآنی آیات کی وجہ سے بجائے ہدایت کے ان کی گندگی میں ہی اضافہ ہوتا ہے۔

عقیدے کے بعد دوسرے نمبر پر اخلاقی بیماریاں ہیں، جن میں حسد، بغض، کینہ، خیانت، جھوٹ وغیرہ شامل ہیں، قرآن پاک ان تمام اخلاقی بیماریوں کے لئے شفاء ہے، قرآنی تعلیمات پر عمل کرنے سے ان تمام بیماریوں سے نجات اور شفاء حاصل ہوجاتی ہے۔

عقیدے اور اخلاق کی بیماریوں کے بعد تیسری قسم کی بیماریاں وہ ہیں، جو عمل سے تعلق رکھتی ہیں، جیسے: چوری، ڈاکہ، قتل، اغوء، زنا، عریانی، فحاشی، ظلم، غرور وتکبر، غلط رسمیں اور بدعتیں وغیرہ۔

شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ: اس آیت میں قرآن کریم کو روحانی بیماریوں کے لئے شفاء قرار دیا گیا ہے، اور اس سے پہلی سورت، "سورہ نحل" میں شہد کو شفاء بتایا گیا تھا، اللہ کے پیغمبر نے فرمایا: لوگو! شفا کی دو چیزوں کو لازم پکڑو، ایک قرآن (جو روحانی بیماریوں سے شفا دیتا ہے) اور دوسرا شہد (جو جسمانی بیماریوں سے شفا دیتا ہے وہ لوگ جنہوں نے شرک کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا، ایسے لوگوں متعلق فرمایا کہ: جو لوگ ظلم پر ڈٹے رہے ان کے حق میں قرآن مجید نقصان ہی میں اضافہ کریگا۔

اگلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ: جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں، کسی نعمت سے اسے نوازتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے، انسان کی فطرت ہی ایسی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کی قدر دانی نہیں کرتا، لوگوں کی اکثریت انعام پا کر غرور وتکبر میں مبتلا ہوجاتی ہے اور اسے اپنی ذاتی قابلیت اور کوشش کا نتیجہ سمجھنے لگتی ہے۔

اس کے برخلاف جب اسے کوئی برائی پہنچتی ہے تو وہ مایوس ہو کر بیٹھ جاتا ہے، فرمایا: ناشکری اور مایوسی دونوں حالتیں بری ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ایمان والوں کے لئے یہ دونوں حالتیں اچھی ہوتی ہیں، جب انہیں راحت پہنچتی ہے تو وہ شکر کرتے ہیں، اور جب مصیبت آتی ہے تو صبر کر لیتے ہیں اور واویلا نہیں مچاتے۔

فرمایا: اے پیغمبر! ہر شخص اپنے ڈھنگ کے مطابق کام کرتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ کا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کہ ہدایت کے راستے پر کون ہے؟ ہر شخص اپنی فکر اور سمجھ کے مطابق اپنے کام میں مگن رہتا ہے، مگر صحیح راستے پر کون ہے اور صحیح کام کون کر رہا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔

روح کیا ہے؟

وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَ مَآ

اور سوال کرتے ہیں آپ سے بارے میں روح کے کہہ دیجئے روح سے ہے حکم رب میرے کے اور نہیں

اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۸۵﴾

دیے گئے تم سے علم مگر تھوڑا (۸۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور آپ سے پوچھتے ہیں روح کیا ہے؟ کہہ دیجئے! روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تم کو تھوڑا سا ہی علم دیا گیا ہے۔ (۸۵)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ لوگ آپ سے "روح" کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ ان سے کہہ دیں کہ تمہارے لئے اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ "روح" اللہ کا حکم ہے، جس کو وہ حکم دیتا ہے وہ اپنے ارادے سے چلتا پھرتا ہے، اور سب کام کرتا ہے، اس سے زائد علم کی نہ تمہیں عملی کاموں کے لئے ضرورت ہے اور نہ تمہیں دیا گیا ہے، اس اُلجھن میں نہ پڑو، اچھے کام کرنے کی کوشش میں لگے رہو۔

"روح" کے متعلق سوال کرنے کا واقعہ یہ ہے کہ مکہ کے مشرکوں نے اپنا ایک اعلیٰ وفد نضر بن حارث کی قیادت میں مدینہ کے یہودیوں کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ وہ ان سے بعض ایسے مشکل سوالات پوچھ کر آئیں، جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیے جائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا جواب نہ دے سکیں، اس طرح مشرک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کے لئے کچھ باتیں حاصل کرنا چاہتے تھے، چنانچہ یہ وفد مدینہ پہنچا، یہودیوں نے اس مقصد کے لئے تین سوالات پیش کیے، ایک "روح" سے متعلق، دوسرا "اصحاب کہف" سے متعلق، جس کا ذکر اگلی سورت "سورۂ کہف" میں آرہا ہے، اور تیسرا سوال بادشاہ "ذوالقرنین" کے متعلق، جس کا ذکر بھی "سورہ کہف" میں آرہا ہے۔

یہودیوں کا خیال تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سوالات کا جواب نہیں دے سکیں گے، اگر ان میں سے بعض کا بھی جواب دے دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کو مان لیا جائے گا اس وفد نے مکہ واپس آکر تینوں سوال پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کردیے، جن میں سے "روح" سے متعلق جواب اللہ تعالیٰ نے یہاں پر مختصر طور پر ہی دے دیا، چونکہ "روح" کا ذکر "تورات" میں بھی مختصر طور پر ہی آیا تھا؛ اس لئے یہودی قرآن پاک کے اس مختصر جواب سے بھی مطمئن تھے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت

وَ لَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ

اور البتہ اگر چاہیں ہم تو لے جائیں وہ چیز جو وحی کی ہم نے طرف آپ کی پھر نہ پائیں آپ لئے اپنے

بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿۸۶﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ

اس کا ہمارے مقابلے میں کوئی لانے والا (۸۶) مگر از روئے رحمت طرف سے رب آپ کے تحقیق فضل اس کا ہے

عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿۸۷﴾ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ

پر آپ بڑا (۸۷) کہہ دیجیے اگر جمع ہو جائیں آدمی اور جن پر اس بات کہ

یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ
لائیں وہ طرح اس قرآن کے نہ لائیں گے وہ طرح اس کے اگرچہ ہوجائیں بعض ان کے

لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ﴿۸۸﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ
واسطے بعض کے مددگار (۸۸) اور البتہ پھیر پھیر کر بیان کی ہم نے واسطے لوگوں کے میں اس قرآن سے

كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰۤی اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾
ہر ایک مثال پس انکار کیا اکثر لوگوں نے مگر ناشکری کا (۸۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور اگر ہم چاہیں تو لے جائیں وہ چیز جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی پھر آپ اس کے واپس لانے کے لئے ہمارے مقابلے میں کوئی لانے والا نہیں پائیں۔ (۸۶) لیکن یہی تو آپ کے رب کی طرف سے رحمت ہے، بیشک اس کی بخشش آپ پر بڑی ہے۔ (۸۷) کہہ دیجئے کہ اگر آدمی اور جن سارے اس پر جمع ہوں کہ ایسا قرآن لائیں تو وہ ایسا قرآن نہ لاسکیں گے، اگرچہ وہ اس جیسا قرآن بنانے میں ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔ (۸۸) اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو ہر مثال پھیر پھیر کر سمجھائی سو بہت سے لوگ ناشکری کیے بغیر نہیں رہتے۔ (۸۹)

تفسیر

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد ہے کہ: اگر ہم چاہیں تو یہ جو کچھ وحی کے ذریعے ہم نے آپ کو سکھایا ہے سب ذرا سی دیر میں واپس لے لیں، اس کے بعد کوئی ایسا نہیں کہ اسے واپس لانے کا ذمہ لے سکے، لیکن ہم ایسا نہیں کریں گے، کیونکہ یقیناً بہت سے آدمی اس قرآن عظیم سے ہدایت پائیں گے اور اس کے احکام پر عمل کر کے دین ودنیا میں کامیاب ہوں گے، اور آپ کو اس کے پہنچانے کا بہت اچھا بدلہ ملے گا، اور بڑے بڑے درجے دیئے جائیں گے، یہ آپ کے اوپر آپ کے رب کا فضل ہے کہ آپ کو تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے مقرر فرمایا۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر دنیا بھر کے تمام انسان جمع ہوجائیں اور

ان کے ساتھ سارے جنّ بھی مل کر مدد کریں، اور ایک دوسرے کو پورا سہارا دینے کے لئے تیار ہو جائیں، اور سارے مل کر ایڑی چوٹی کا زور لگائیں، تب بھی ناممکن ہے کہ اس قرآن جیسا قرآن بنا کر لائیں۔

پھر ارشاد ہے کہ: ہم نے قرآن مجید میں مثالیں بار بار کھول کھول کر بیان کر دیں ہیں، تا کہ مطلب واضح ہو جائے، مگر انسانوں کی زیادہ تعداد اپنی طاقت سے قرآن مجید کے انکار پر کمر باندھ لیتی ہے۔

کافروں کے مطالبے (الف)

وَ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾

اور کہا انہوں نے ہرگز ایمان نہ لائیں گے ہم آپ پر یہاں تک کہ پھاڑ کر بہائے لئے ہمارے سے زمین ایک چشمہ (۹۰)

اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا

یا ہو جائے لئے آپ کے ایک باغ کا کھجور اور انگور پس بہائیں آپ نہریں درمیان اسکے

تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا

بہا کر (۹۱) یا گرا دیں آپ آسمان جیسے گمان کرتے ہیں آپ پر ہم ٹکڑے ٹکڑے

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور بولے ہم آپ کا کہا نہ مانیں گے یہاں تک کہ آپ ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ جاری کر دیں۔(۹۰) یا آپ کے واسطے کھجور اور انگور کا ایک باغ پیدا ہو جائے، پھر آپ اس کے بیچ میں نہریں بہا کر چلا دیں۔(۹۱) یا جیسے آپ کہا کرتے ہیں ہم پر آسمان ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں۔

تفسیر

مکہ کے کافروں نے کہا کہ ہم تو تمہیں جب نبی مانیں، جب تم ابھی ابھی ہمارے سامنے زمین پھاڑ کر اس میں سے چشمہ اُبلتا ہوا دکھا دو یا ابھی ابھی اپنے لئے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ لگا کر اس میں ہر طرف نہریں بہا دو یا جیسے تم کہا کرتے ہو، آسمان ہی کے ٹکڑے ہمارے سر پر گرا دو۔

ان آیتوں کا شانِ نزول یہ ہے کہ مکہ کے مشرکوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ آپ پیغمبری کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ آپ ہمارے معبودوں کو بے بس کہتے ہیں، اور ہمارے بڑوں کو بیوقوف بتاتے ہیں، کہنے لگے کہ آپ کی ان سرگرمیوں کے بدلے ہم آپ کی ہر خواہش پوری کرنے کے لئے تیار ہیں، اگر آپ کو سرمایہ کی ضرورت ہے، تو ہم پہنچا سکتے ہیں، اچھے رشتے کی ضرورت ہے تو ہم انتظام کر دیتے ہیں، اور اگر آپ حکومت چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ ماننے کو تیار ہیں، مگر آپ ہمارے معبودوں کے برا بھلا نہ کہیں، انہوں نے یہ بھی پیش کش کی کہ اگر آپ ہمارے بڑے قصی بن کلاب کو زندہ کر دیں اور وہ آپ کی پیغمبری کی گواہی دیں، تو ہم ایمان لے آئیں گے، مشرکوں نے بعض نشانیاں ظاہر کرنے کا بھی مطالبہ کیا، ان پیش کشوں اور مطالبات کے جواب میں اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: میں نے تمہارے سامنے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں فلاں فلاں کام کر سکتا ہوں، بلکہ میں تو اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں اور تمہیں اس کے عذاب سے ڈراتا ہوں، اگر تم میری بات مان لوگے تو یہ دنیا و آخرت میں تمہاری خوش قسمتی کی علامت ہوگی، اور اگر انکار کر دو گے تو میں صبر کروں گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کوئی فیصلہ کر دے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ: کافروں اور مشرکوں نے کہا کہ ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے، یہاں تک کہ آپ ہمارے لئے زمین میں چشمہ جاری کر دیں، مکہ کے اردگرد میں سخت پہاڑ اور بنجر ریتلی زمین ہے، اگر آپ یہاں چشمہ جاری کر دیں تو کھیتی باڑی ہونے لگے گی اور ہم خوشحال ہو جائیں گے، لہذا آپ پانی کا بندوست کر دیں تو ہم مان جائیں گے، اور اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم آپ اپنی ہی حیثیت نمایاں کر کے دکھادیں کہ آپ کا کھجوروں اور انگور کا باغ ہو، تا کہ معلوم ہو سکے کہ آپ اعلیٰ حیثیت کے مالک ہیں اور محض خشک باغ نہ ہو، بلکہ آپ اس میں نہریں بھی جاری کر دیں، مگر آپ کی مالی حالت تو ہم سے بھی گئی گزری ہے، لہذا آپ کی نبوت اور سربراہی کیسے قبول کریں؟

کہنے لگے کہ آپ اکثر ہمیں عذاب سے ڈراتے رہتے ہیں، اگر آپ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ہم پر کوئی عذاب لے آئیں، ہم پر کوئی آسمان کا ٹکڑا ہی گرادیں، تا کہ ہمیں پتہ چل جائے کہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ واقعی آسکتی ہے۔

کافروں کے مطالبے (ب)

اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ قَبِیْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ یَكُوْنَ لَكَ بَیْتٌ مِّنْ

یا لائیں آپ اللہ اور فرشتوں کو سامنے (۹۲) یا ہو جائے واسطے آپ کے ایک گھر کا

زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ ؕ وَ لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّكَ حَتّٰی

سونے یا چڑھ جائیں آپ میں آسمان اور ہرگز نہ مانیں گے ہم کو چڑھنے آپ کے یہاں تک کہ

تُنَزِّلَ عَلَیْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا

لائیں آپ پر ہم ایک کتاب کہ پڑھیں ہم اسکو کہہ دیجئے پاک ہے رب میرا نہیں ہوں میں مگر

ع ۱۰ ۹ ۱۰ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ وَ مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ

ایک آدمی بھیجا ہوا (۹۳) اور نہیں روکا لوگوں کو اس سے کہ ایمان لائیں وہ جب آئی ان تک

الْهُدٰٓی اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَ بَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ

ہدایت مگر یہ کہنے لگے کیا بھیجا اللہ نے آدمی کو پیغمبر بنا کر (۹۴) کہہ دیجئے اگر

كَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ یَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّیْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَیْهِمْ

ہوتے میں زمین فرشتے چلتے پھرتے رہتے بستے البتہ اتارتے ہم پر ان

مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾

سے آسمان فرشتہ پیغمبر بنا کر (۹۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یا ”اللہ تعالیٰ“ کو اور فرشتوں کو سامنے لاؤ۔ (۹۲) یا آپ کے لئے ایک سنہرا گھر ہو جائے یا آپ آسمان میں چڑھ جائیں اور ہم آپ کے چڑھ جانے کو نہ مانیں گے یہاں تک کہ اتاریں آپ ہم پر اسی کتاب جسے ہم پڑھیں، آپ کہہ دیجئے! اللہ تعالیٰ پاک ہے میں ایک پیغمبر آدمی ہوں۔ (۹۳) اور لوگوں کو ایمان لانے سے نہیں روکا جب ان کو ہدایت پہنچی مگر اسی بات نے کہ کہنے لگے کیا اللہ نے آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ (۹۴)

کہہ دیجئے! اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے ہوتے تو ہم ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ پیغمبر بنا کر اتارتے۔(۹۵)

لفظی تحقیق: زُخْرُفٍ: سجاوٹ اور خوبصورتی جو سونے سے حاصل ہو۔ قَبِيْلًا: آگے، سامنے، پہلے۔ سُبْحَانَ رَبِّيْ: میرا رب پاک ہے۔ یہ کلمہ اللہ کی طرح تعجب کے وقت بے ساختہ منہ سے نکلتا ہے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اس سب کے جواب میں ان سے کہہ دیں کہ کسی بھی قسم کے معجزے کو ظاہر کرنے سے میرا رب عاجز نہیں، وہ پاک ہے، میں تو فقط ایک بشر ہوں جو تمہارے پاس اللہ کا پیغام پہنچانے والا ہوں۔

ارشاد ہے کہ: ان لوگوں کو صرف اس بات نے حق بات ماننے سے روکا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو ہماری ہدایت کے لئے اپنا پیغمبر بھیجنا تھا تو کوئی فرشتہ بھیجا ہوتا، فرماتے ہیں کہ: فرشتے کو پیغمبر بنا کر بھیجنا تو اس وقت مناسب ہوتا کہ زمین پر بجائے انسانوں کے صرف فرشتے ہی آباد ہوتے، آدمیوں کی ہدایت کے لئے اگر فرشتہ بھیجا جاتا تو آدمیوں کو نظر ہی نہ آتا، اور اگر نظر آتا تو اسی وقت جب وہ آدمی ہی شکل میں ہوتا، اس کے بعد پھر یہی ہوتا کہ وہ اپنی پیغمبری کی نشانیاں اپنے ساتھ لاتا، ان نشانیوں میں پھر انہیں یہی شبہات ہوتے جو اس وقت ہو رہے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے پیغمبر ہونے کی علامتیں بالکل ظاہر ہیں، یہ ہٹ دھرمی کی وجہ سے انہیں نہیں مانتے، ہدایت ان کے پاس پہنچ چکی ہے، اس کو قبول نہ کرنے کی وجہ ان کی ضد ہے اور کچھ نہیں۔

کافروں نے کہا کہ اگر ہم پر آسمان کا ٹکڑا نہیں گرا سکتے تو پھر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے ہی لے آئیں، جو گواہی دیں کہ واقعی! آپ اللہ کے پیغمبر ہیں، پھر ہم ایمان لے آئیں گے۔

کہنے لگے کہ: اور اگر کچھ نہیں تو کم از کم آپ کا اپنا گھر ہی سونے کا بنا ہوا ہو، آپ کی عظمت اس طرح بھی دنیا کے سامنے واضح ہو سکتی ہے یا آپ ایسا کریں کہ آسمان پر سیڑھی لگا کر چڑھ جائیں، اور آپ کے چڑھ جانے کی وجہ سے بھی ہم ایمان نہیں لائیں گے، بلکہ آسمان پر چڑھ کر وہاں سے آپ پر ایک کتاب اتاریں، جسے ہم خود پڑھیں، پھر ہم ایمان لائیں گے۔

کافروں اور مشرکوں کے مطالبات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ واضح فیصلہ موجود ہے: "کسی پیغمبر کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ از خود کوئی نشانی یا معجزہ پیش کرے، مگر اللہ کے حکم سے" اللہ کا پیغمبر کبھی دعویٰ نہیں کرتا کہ وہ یہ کرسکتا ہے، وہ کرسکتا ہے، بلکہ وہ تو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند ہوتا ہے، لہذا مشرکوں کے مطالبات تو ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کی بناء پر تھے، بعض اوقات مشرک دین کی دشمنی میں اس حد تک بڑھ جاتے ہیں کہ خود اپنے لئے بددعا کرنے لگتے ہیں۔

بہر حال! اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی حیثیت کو خود پیغمبر کی زبان سے واضح فرمادیا: اے پیغمبر! آپ ان کافروں اور مشرکوں سے کہہ دیں کہ میرا رب ہر عیب، نقص اور کمزوری سے پاک ہے، میں تو محض ایک انسان اور خدا کا بھیجا ہوا ہوں، میں نے تو نہ خدائی کا دعویٰ کیا ہے، اور نہ میں فرشتہ ہوں، میں اپنی جانب سے کوئی بات نہیں کرتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کرتا ہوں اور تم تک بھی پہنچاتا ہوں، میں انسان ہوں۔

جب بھی لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی پیغمبر ہدایت لے کر آیا تو انہوں نے محض اس بناء پر ایمان لانے سے انکار کردیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، ان کے دماغ میں شیطان نے یہ بات ڈال رکھی تھی کہ انسان کیسے پیغمبر ہوسکتا ہے؟ جو کھاتا، پیتا، چلتا پھرتا، بیوی بچے رکھتا، اور کاروبار کرتا ہے، وہ لوگ اپنے جیسے انسان کو پیغمبر ماننے کے لئے تیار نہ تھے، یہی چیز ان کے ایمان لانے میں رکاوٹ تھی۔

بہر حال! اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے انسان ہونے کے متعلق کافروں اور مشرکوں کے اعتراض کا جواب اس طرح دیا: اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر زمین میں انسانوں کی بجائے فرشتے چلتے پھرتے اور آباد ہوتے تو ہم ان کی طرف آسمان سے فرشتے کو پیغمبر بنا کر بھیج دیتے، مطلب یہ کہ جب زمین پر انسان آباد ہیں تو ان کی رہنمائی کے لئے انسانوں ہی سے پیغمبروں کا منتخب ہونا فطرت کے مطابق ہے۔

بھلا! انسانوں کے پاس فرشتہ کیسے پیغمبر بن کر آسکتا ہے؟ جبکہ دونوں کی قسمیں الگ الگ ہیں، اور ان کے درمیان مناسبت ہی نہیں، فرشتے اللہ تعالیٰ کی مقدس مخلوق ہیں، ان کی پیدائش کا مادہ الگ ہے، وہ نور سے بنے ہیں، اور انسان مٹی سے بنا ہے، فرشتوں میں عقل ضرور ہے، لیکن خواہشات نہیں ہیں؛ اس لئے شریعت کے حکموں

کے پابند نہیں کئے گئے کیونکہ یہ انسانی حاجتوں اور ضرورتوں سے خالی ہیں، اگر ہم فرشتے کو انسانی شکل میں بھیجیں تو ان کا اعتراض اپنی جگہ پر رہے گا کہ یہ تو ہمارے جیسا ہی انسان ہے، اور اگر فرشتے کو اس کی اصلی صورت میں بھیجیں تو انسان اس کو برداشت نہیں کرسکیں گے، اس کی نورانیت، چمک دمک، اور شکل وصورت دیکھ کر انسان فوراً دہشت زدہ ہوکر ہلاک ہوجائیں گے، عام انسان کی آنکھ فرشتے کو اصلی صورت میں دیکھ کر برداشت نہیں کرسکتی، یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو دو مرتبہ ان کی اصل صورت میں دیکھا۔

اگر لوگوں کی طرف کسی فرشتے کو پیغمبر بنا کر بھیج دیں، جو نہ بھوک جانتا ہے، نہ پیاس، نہ جنسی خواہشات جانتا ہے، نہ سردی گرمی کے احساس کو، نہ اس کو کبھی محنت سے تھکاوٹ ہوتی ہے تو وہ انسانوں سے بھی ایسے ہی عمل کی توقع رکھتا، ان کی کمزوری اور مجبوری کا احساس نہ کرتا، اسی طرح انسان جب یہ سمجھتے کہ یہ تو فرشتہ ہے، ہم اس کی پیروی کی طاقت نہیں رکھتے تو اس کی پیروی کیا خاک کرتے؟ تو انسانوں کی رہنمائی کا کام صرف اس طرح ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر انسان ہی کی جنس سے ہو، اور اس میں تمام انسانی جذبات اور طبعی خواہشات بھی ہوں، مگر ساتھ ہی اس میں کچھ فرشتوں کے اوصاف بھی ہوں کہ عام انسانوں اور فرشتوں کے درمیان واسطہ اور رابطہ کا کام کرسکے، وحی لانے والے فرشتوں سے وحی حاصل کرے، اور اپنے ہم جنس انسانوں کو پہنچائے۔

گمراہوں کا حشر

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ

کہہ دیجئے کافی ہے اللہ گواہ درمیان میرے اور درمیان تمہارے تحقیق وہ ہے کی بندوں اپنے

خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝۹۶ وَ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَ مَنْ يُّضْلِلْ

خبر رکھنے والا دیکھنے والا (۹۶) اور جسے ہدایت کرے اللہ پس وہی راہ پانے والا ہے اور جس کو بھٹکائے

فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَ نَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

پس ہرگز نہ پائیں گے آپ واسطے انکے مددگار سوا اس کے اور اکٹھا کریں گے ہم انکو دن قیامت کے

عَلٰی وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّ بُكْمًا وَّ صُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا
بل چہروں ان کے اندھے اور گونگے اور بہرے ٹھکانہ ان کا دوزخ ہے جب کبھی

خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾
دھیمی ہوگی بڑھادیں گے ہم واسطے انکے اس کی تیزی (۹۷)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ کہہ دیجئے کہ! اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لئے کافی ہے وہ اپنے بندوں سے خبردار ہے اور ان کا دیکھنے والا ہے۔ (۹۶) اور راہ پانے والا وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ راہ دکھائے اور جس کو بھٹکائے تو پھر آپ ان کے واسطے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہ پائیں گے، اور اٹھائیں گے ہم ان کو قیامت کے دن کہ چلیں گے منہ کے بل اندھے اور گونگے اور بہرے ہوکر، ٹھکانہ ان کا دوزخ ہے جب آگ بجھنے لگے گی اور بھڑکا دیں گے ہم ان پر۔ (۹۷)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ خود اس پر گواہ ہے کہ میں اس کا پیغمبر ہوں، کیا تم قرآن مجید نہیں سنتے؟ یہ کسی اور کا کلام نہیں ہوسکتا، اس جیسا کلام بنانے سے دنیا عاجز ہے، پھر تمہاری عقل کہاں گئی؟ کیا تم اتنا نہیں سمجھتے کہ وہ اپنے بندوں کے ذرّہ ذرّہ حالات سے واقف ہے، وہ جانتا ہے کہ کون آدمی کس قابل ہے، میں کہہ رہا ہوں کہ میں اس کا پیغمبر ہوں، اور وہ سب کچھ جانتا بوجھتا ہوکر مجھے اس بات سے نہیں روکتا، روکنا کیسا؟ خود اپنا کلام مجھے عطا فرماتا ہے، اور اس میں صاف کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہوں، اس کے بعد بھی تم سیدھے راستے پر نہیں آتے تو یہ تمہارے عملوں کی نحوست ہے، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں سمجھ رکھتے ہوئے بھی ہدایت سے محروم کیا، ہدایت اس کے ہاتھ میں ہے، جو اپنی سمجھ سے کام نہ لے، اپنی خواہشوں میں گرفتار ہوکر انہی کی پیروی کرنے لگے، قرآن مجید پر غور نہ کرے، بلکہ اس کی ہنسی اڑائے، اس کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں کرتا، کیوں کہ اس نے ہدایت کے راستے کو چھوڑ دیا ہے، اور پیغمبر کی بات کو ٹھکرا دیا ہے، مگر یہ لوگ یاد رکھیں کہ! جب اللہ تعالیٰ کسی اس کے برے عمل

کی وجہ سے سیدھی راہ سے ہٹادے تو اس کو کوئی راہ دکھانے والا نہیں، وہی اپنی رحمت کرے تو کرے، ورنہ وہ گیا گذرا ہوا، وہ قرآن کی طرف سے غافل رہے گا، اس کی آنکھ، اس کے کان، اس کی زبان ٹھیک کام نہیں کرسکتے، وہ دنیا میں گمراہ ہی رہے گا، یہاں وہ جیسے تیسے زندگی بسر کرلے گا لیکن مرنے کے بعد تو اس کے لئے اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا، اور اس کے لئے کوئی روشنی نہیں ہوگی؛ اس لئے کہ قیامت میں نور تو قرآن مجید ہی کا چمکے گا، اس کے علاوہ کوئی روشنی نہ ہوگی؛ اس لئے قرآن کو چھوڑنے والے یہ لوگ اندھے ہوں گے، آخرت کی دلکش باتوں کی طرف سے بہرہ ہوگا، اس کے کانوں میں وہی خراب خواہشوں کی آوازیں ہی ہوں گی، اور اس کی زبان بھی سوائے ہائے، اور واویلا کرنے اور کچھ نہ بول سکے گی، ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور لگا تار عذاب بھگتیں گے۔

فرمایا کہ: ہم ان کافروں کو قیامت والے دن ان کے چہروں کے بل اس حالت میں اٹھائیں گے کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے، یاد رہے کہ! نافرمانوں کی یہ حالت محشر کے سارے عرصے کے لئے نہیں، بلکہ ایک خاص وقت کے لئے ہوگی، تاکہ ان لوگوں کو ذلیل ورسوا کیا جاسکے۔

چہروں کے بل چلنے سے متعلق "ترمذی شریف" میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے:

"قیامت کے دن لوگ تین گروہوں میں اٹھائے جائیں گے، ایک قسم پیدل چلنے والوں کی ہوگی، ایک سواروں کی اور ایک منہ کے بل، چلنے والوں کی، عرض کیا گیا: اے اللہ کے پیغمبر! یہ منہ کے بل کس طرح چلیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس اللہ نے انہیں پاؤں کے بل چلایا ہے، وہ منہ کے بل چلانے پر بھی قدرت رکھتا ہے"۔ (ترمذی شریف)

یہ اس وجہ سے ان کو عذاب دیا جائے گا کہ انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا، آیتوں سے مراد معجزات، اور احکام بھی ہیں، آیت کا لفظ بول کر دلیل، معجزہ اور نشانی بھی مراد لی جاتی ہے، انہوں نے بعض معجزات کو جادو کہہ کر انکار کردیا، اور معراج کے واقعہ کی ہنسی اڑائی، اللہ تعالیٰ کے حکموں پر غور وفکر کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی، دنیا میں کفر وشرک پر اڑے رہے، لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے آخرت میں یہ سزا تجویز فرمائی کہ انہیں

اندھا، بہرہ اور گونگا کر کے منہ کے بل اٹھایا جائے گا کی آگ کو ان کے لئے مزید تیز کر دیا جائے گا۔

کافروں کی عادت

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ قَالُوْٓا ءَ اِذَا كُنَّا

یہ ہے سزا ان کی اس لئے کہ وہ انکار کرتے رہے آیتوں ہماری کا اور کہنے لگے کیا جب ہم ہو گئے

عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا﴿۹۸﴾ اَوَ لَمْ يَرَوْا

ہڈیاں اور ریزہ ریزہ کیا ہم سچ مچ اٹھائے جائیں گے بنائے جا کر نئے سرے سے (۹۸) کیا نہ دیکھا انہوں نے

اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ

کہ اللہ جس نے پیدا کیے آسمان اور زمین قادر ہے اوپر اس کے کہ

يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَ جَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ

پیدا کرے جیسے ان اور مقرر کر دیا اس نے واسطے انکے ایک وقت نہیں شک میں اس پس انکار کر دیا ظالموں نے

اِلَّا كُفُوْرًا﴿۹۹﴾ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا

مگر نہ ماننے کا (۹۹) کہہ دیجئے اگر تم مالک ہوتے خزانوں رحمت رب میرے کے تب تو

لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۭ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا﴿۱۰۰﴾ ع ۱۱

ضرور روک لیتے تم ڈر کر خرچ ہو جانے کے اور ہے انسان تنگ دل (۱۰۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یہ سزا ان کی ہے اس واسطے کہ وہ ہماری آیتوں کے منکر رہے اور بولے کہ جب ہم ہڈیاں اور چورا چورا ہو گئے، کیا ہم اٹھائے جائیں گے نئے بنا کر۔ (۹۸) کیا نہیں دیکھ چکے کہ جس اللہ نے آسمان اور زمین بنائے وہ ایسوں کو بنا سکتا ہے اور ان کے واسطے اس نے بلا شبہ ایک وقت مقرر کیا ہے، سو! بے انصافوں سے ناشکری کیے بغیر رہا نہیں جاتا۔ (۹۹) کہہ دیجئے کہ! میرے رب کی رحمت کے خزانے تمہارے ہاتھ میں ہوتے تو تم ضرور بند رکھتے اس ڈر سے کہ خرچ نہ ہو جائیں اور انسان دل کا تنگ ہے۔ (۱۰۰)

تفسیر

یہ تمام کائنات اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے، پھر جس نے اتنی بڑی کائنات بناڈالی، اس کے نزدیک انسان کا بناڈالنا کیا مشکل ہے؟ یا اسے مٹا کر پھر بنادینا کیا بڑی بات ہے؟ پھر موت کے بعد دوبارہ زندگی مل جانے کا انکار کس بناء پر کرتے ہو؟ اگر کہو کہ اتنے انسان مرکھپ گئے، آج تک ایک بھی دوبارہ پیدا نہ ہوا، پھر ہم مرکر دوبارہ جینے کو کیسے مان لیں؟ تو اس کا جواب بھی قرآن مجید میں موجود ہے، اور وہ یہ ہے کہ بنانے والے نے دوبارہ زندہ کرنے کے لئے ایک وقت مقرر کردیا ہے، جو یقیناً آکر رہے گا، جہاں وہ وقت آیا، سب زندہ ہوجائیں گے۔

انسان جب تک اپنی بے بسی اور نیازمندی کا اقرار کرکے اللہ تعالیٰ کے لئے کامل قدرت نہ مانے گا اس کی قدرت کو نہیں پہچان سکتا، اس کا اقرار کرتے ہی اسے معراج کے ماننے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت وانعام کی وسعت کے سمجھ جانے میں ذرا بھی مشکل پیش نہ آئے گی، شروع سورت سے ہی اس بات پر زور دیا جارہا ہے کہ اللہ کی قدرت بے انتہاء ہے، وہ کسی کام کے کرنے میں دنیاوی قاعدوں کا پابند نہیں، اس آیت میں اسے اسی طرح واضح کیا جارہا ہے کہ دیکھو! انسان لالچی اور کنجوس ہے، اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے، وہ جس کو چاہتا ہے، اپنے فضل سے نوازتا ہے، انسان کی طرح نہیں کہ پاس ہوتے ہوئے بھی کسی کو کچھ دیتے ہوئے اس کا دم نکلتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احسانات

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ

اور البتہ تحقیق دیں ہم نے موسیٰ کو نو نشانیاں واضح پس پوچھ لیجئے بنی اسرائیل سے

اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰی مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾

جب وہ پاس آئے ان کے پس کہا اس سے فرعون نے بے شک میں البتہ گمان کرتا ہوں تجھ کو اے موسیٰ! جادو میں مبتلا (۱۰۱)

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

کہا البتہ تحقیق تونے جان لیا ہے کہ نہیں اتارا ان کو مگر رب آسمانوں اور زمین

بَصَآئِرَ ۚ وَ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿١٠٢﴾ فَاَرَادَ اَنْ

کے نے سمجھانے کیلئے اور تحقیق میں البتہ گمان کرتا ہوں تجھے اے فرعون! تباہ شدہ (١٠٢) پھر ارادہ کیا اس نے کہ

یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا ﴿١٠٣﴾ لا وَّ

ہلا ڈالے ان کو سے زمین پس ڈبو دیا ہم نے اس کو اور جو ساتھ تھے اسکے سب کو (١٠٣) اور

قُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ

کہا ہم نے بعد اس کے سے بنی اسرائیل رہو، بسو زمین میں پس جب آئے گا

وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا ﴿١٠٤﴾ ط

وعدہ آخرت کا لے آئیں گے ہم تم کو سمیٹ کر (١٠٤)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور ہم نے موسیٰ کو نو واضح نشانیاں دیں، پھر بنی اسرائیل سے پوچھ لیجئے! جب وہ ان کے پاس آئے تو فرعون نے کہا کہ میرے گمان میں تو اے موسیٰ! تجھ پر جادو ہوا ہے۔(١٠١) موسیٰ نے کہا کہ تو جان چکا ہے کہ یہ چیزیں آسمانوں اور زمین کے رب نے صرف سمجھانے کے لئے اتاری ہیں، اور مجھے یقین ہے کہ اے فرعون! تو ضرور ہلاک ہوگا۔(١٠٢) پھر چاہا کہ بنی اسرائیل کو اس زمین سے اکھاڑ پھینکے، پھر ہم نے اس ہی کو اور اس کے سب ساتھیوں کو غرق کر دیا۔(١٠٣) اور اس کے پیچھے ہم نے بنی اسرائیل کو کہا کہ آباد رہو تم زمین میں پھر جب آخرت کا وعدہ آئے گا ہم تم کو سمیٹ کر لے آئیں گے۔(١٠٤)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اس سے پہلے ہم نے بنی اسرائیل کی طرف موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا، بنی اسرائیل فرعون کے گھیرے میں تھے، موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ بنی اسرائیل کو آزاد کر دو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤ، اللہ تعالیٰ نے انہیں نو (٩) معجزے ان کی پیغمبری کے ثبوت کے لئے عطا کیے، لیکن اس بدبخت نے ان کی بات پر توجہ نہ کی اور کہا تو یہ کہا کہ یہ سب جادو کا کھیل ہے اور تو خود بھی جادو ہی کے زور سے یہ کرتب دکھاتا

ہے، فرعون اپنے آپ کو سب سے بڑا سمجھتا تھا اور خوشامدی اس کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے، اس نے موسیٰ علیہ السلام کی بات نہ سنی اور ان کے معجزوں کو جادو قرار دیا۔

موسیٰ علیہ السلام کو معجزات تو بہت سے دیئے گئے تھے لیکن نو (۹) بڑے بڑے معجزات ہیں، ان معجزات میں (۱)....ید بیضاء (۲)....عصا (۳)....قحط سالی (۴)....پھلوں میں کمی (۵)....طوفان (۶)....ٹڈی دَل (۷)....جوئیں (۸)....مینڈک (۹)....خون۔ ان میں "ید بیضاء" یعنی: چمکدار ہاتھ اور "عصا" یعنی: لاٹھی وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس دے کر بھیجا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک موقع پر یہودیوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ ہمیں موسیٰ علیہ السلام کی نو (۹) واضح نشانیوں کے متعلق بتائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس (۱۰) احکام کا ذکر فرمایا، اور ساتھ یہ فرمایا کہ ان میں سے نو (۹) احکام ہمارے اور بنی اسرائیلیوں کے درمیان مشترکہ ہیں، جبکہ دسواں (۱۰) حکم صرف بنی اسرائیل کے لیئے تھا، فرمایا کہ: دس (۱۰) احکام یہ ہیں:

(۱)....شرک نہ کرو (۲)....چوری نہ کرو (۳)....بدکاری نہ کرو (۴)....ناحق قتل نہ کرو (۵)....جادو نہ کرو (۶)....سود نہ کھاؤ (۷)....بے گناہ کو حاکم سے سزا نہ دلواؤ (۸)....پاکدامن عورتوں پر تہمت نہ لگاؤ (۹)....جہاد سے بھاگنے کی کوشش نہ کرو (۱۰)....ہفتے کے دن کی تعظیم کرو۔

بنی اسرائیل کو ہفتے کے دن صرف عبادت کرنے کا حکم تھا، اس دن تجارت، کھیتی باڑی، ملازمت اور محنت مزدوری کرنے کی ممانعت تھی۔

یہ حدیث قابل اعتماد ہے جسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے محدثین نے بھی نقل کیا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی نشانیوں کے جواب میں فرعون نے الٹا موسیٰ علیہ السلام کو سحر زدہ، یعنی: جادو کا مارا ہوا قرار دے دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی ضد اور اکڑ پر افسوس ہوا، اور فرمایا کہ: تو خوب سمجھ چکا ہے کہ یہ جو معجزے میں دکھا رہا ہوں یہ اس ساری کائنات کے پالنے والے نے مجھے عطا کیے ہیں، اگر تو ان معجزوں کو دیکھ کر بھی سیدھے راستے پر نہیں آتا تو تو ہلاک ہوگا، لیکن فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد اس کان سے سنا اور اس کان

سے نکال دیا، اس نے ٹھان لی کہ بنی اسرائیل کو کبھی چین سے نہیں بیٹھنے دے گا، آخر جب فرعون کا ظلم وستم حد سے گذر گیا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں سب کو دریا میں غرق کر دیا اور آنکھ جھپکنے میں نہ وہ رہا اور نہ اس کے ساتھی۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ ان نشانیوں کے ذریعے انسانوں کے دلوں میں روشنی کی کرن پیدا ہوتی ہے اور وہ حق کو سمجھنے لگتے ہیں، یہ نشانیاں دیکھ کر انسان اللہ تعالیٰ کو ایک ماننے اور ایک جاننے پر مجبور ہو جاتا ہے، اتنی نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی اگر تو ایمان نہیں لاتا تو ضرور ہلاک ہوگا۔

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ: اس وقت فرعون عجیب کشمکش کا شکار تھا، ایک طرف اسے اپنی بادشاہت، فوج اور مال و دولت پر غرور تھا، دوسری طرف وہ بنی اسرائیل کی تعداد کی زیادتی سے بھی ڈرا ہوا تھا، حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں آپ کے خاندان کے صرف ۷۲ افراد مصر میں آباد ہوئے تھے، مگر فرعون کے زمانے تک ان کی تعداد چھ لاکھ ستر ہزار ہو چکی تھی، اور اس سے پہلے کاہن (جادوگر) بتا چکے تھے کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے جو تیری حکومت کے خاتمے کا سبب بنے گا، چنانچہ اس نے بنی اسرائیل کے نوے ہزار بچوں کو اسی ڈر کی وجہ سے ذبح بھی کروا دیا، مگر اس کے دل میں خوف برابر باقی تھا، ایک طرف تو وہ بنی اسرائیل کو ملک سے نکالنے کی سوچتا تو دوسری طرف یہ بھی دیکھتا کہ بنی اسرائیل کی اتنی بڑی تعداد اس کی غلام ہے، کھیتی باڑی، تجارت اور محنت مزدوری کرتی ہے، وہ کماتے ہیں اور ہم کھاتے ہیں، ان کو اگر مصر سے نکال دیا تو ہمارا سارا معاشی نظام درہم برہم ہو جائے گا، بہر حال! پھر اس نے بنی اسرائیل کو ملک سے نکالنے کا ارادہ کیا، لیکن خود ہی اپنے ساتھیوں سمیت سمندر میں غرق ہو کر ہلاک ہو گیا۔

ارشاد ہے کہ: فرعون اور اس کے لشکر کی ہلاکت کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ اب تم زمین میں آباد ہو جاؤ، ادھر مصر بھی تمہارے لئے خالی ہے اور شام کا ملک بھی قریب ہے، اگر تم نے اپنا چال چلن بدل کر برے برے کام کیے اور اسی حالت میں مر گئے تو مرنے کے بعد تمہیں زندہ کیا جائے گا، اور تمہارے دشمن بھی زندہ کیے جائیں گے، اور پھر ہر ایک اپنے کیے کی سزا پائے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر اور اس کی کتاب پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ انسان آخرت کے اوپر بھی پورا پورا یقین رکھے، اور ایمان لائے کہ مرنے کے بعد اگلے پچھلے تمام انسانوں کو پھر اٹھایا جائے گا، اور ہر انسان نے دنیا میں جو کچھ کیا ہے اس کا حساب اس سے لیا جائے گا۔

مصر سے نکل کر اور بحر قلزم پار کر کے بنی اسرائیل صحرائے سینا میں پہنچ چکے تھے؛ اس لئے واپس مصر جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، پھر چالیس سال تک یہ لوگ "وادیٔ تیہ" میں رہے، موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی وفات بھی یہیں ہوئی، اس کے بعد نئی نسل نے موسیٰ علیہ السلام کے جانشین حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی سربراہی میں شام و فلسطین کو فتح کیا اور اس میں آباد ہو گئے۔

یہ سارا واقعہ بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح فرعون کی قوم نے ہٹ دھرمی کی بناء پر موسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا اور پھر ہلاک ہوئے، اسی طرح اگر مکہ کے قریش بھی اپنی ضد پر ہی اڑے رہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری اور اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان نہ لائے، بلکہ بنی اسرائیل کی طرح نشانیاں ہی طلب کرتے رہے تو ان کا حشر بھی ان سے مختلف نہیں ہوگا۔

قرآن برحق ہے

وَ بِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَ بِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا
اور ساتھ حق کے اتارا ہم نے اس کو اور ساتھ سچ کے اترا وہ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر بشارت دینے والا

وَّ نَذِيْرًا ۝١٠٥ وَ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ
اور ڈرانے والا (۱۰۵) اور قرآن ہم نے الگ الگ حصے کر دیئے اسکے تاکہ پڑھیں آپ اسکو پر لوگوں ٹھہر ٹھہر کر

وَّ نَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝١٠٦ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ
اور اتارا ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اتارنا (۱۰۶) کہہ دیجئے کہ ایمان لاؤ پر اس یا نہ ایمان لاؤ تحقیق جو لوگ

اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ
دیئے گئے علم سے پہلے اس جس وقت پڑھا جائے پر ان گرتے ہیں بل ٹھوڑیوں کے

وقف لازم

سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ وَّ یَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا
سجدہ کرتے ہوئے (۱۰۷) اور کہتے ہیں پاک ہے رب ہمارا تحقیق ہے وعدہ رب ہمارے کا

لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْكُوْنَ وَ یَزِیْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾ السجدۃ ۳
ضرور پورا ہونے والا (۱۰۸) اور گرتے ہیں بل ٹھوڑیوں کے روتے ہوئے اور بڑھاتا ہے یہ ان میں عاجزی (۱۰۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے اس قرآن کو سچ کے ساتھ اتارا اور وہ سچ ہی کے ساتھ اترا اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر خوشی اور ڈر سنانے والا بنا کر۔ (۱۰۵) اور ہم نے قرآن کو جدا جدا کر کے پڑھنے کے لئے، تاکہ آپ اس کو لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں، اور ہم نے اس کو تھوڑا تھوڑا اتارا۔ (۱۰۶) کہہ دیجئے! تم اس کو مانو یا نہ مانو جن کو اس کے پہلے سے علم ملا ہے جب ان کے سامنے اسے پڑھا جائے تو ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ (۱۰۷) اور کہتے ہیں پاک ہے ہمارا رب بے شک ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ (۱۰۸) اور ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں روتے ہوئے اور یہ قرآن ان میں عاجزی بڑھا دیتا ہے۔ (۱۰۹)

تفسیر

فرمایا: وَ بِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ...الخ: اور حق کے ساتھ قرآن اترا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اترنے میں کسی قسم کی کمی زیادتی نہیں ہوئی، فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے عین مطابق اس کو اتارا، اور زمین و آسمان کے درمیان راستے میں بھی اس کی حفاظت کا انتظام فرمایا، جب وحی اترتی تھی تو اوپر کے جہانوں سے لے کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک فرشتوں کی قطاریں لگ جاتی تھیں، تاکہ اس میں شیطان کسی قسم کی دخل اندازی نہ کر سکے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے جاری فرمایا، اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس کو اسی طرح سن کر اور سمجھ کر آگے پہنچایا۔

فرمایا کہ: ہم نے آپ کو خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایمان اور نیکی کا راستہ اختیار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی خوشخبری سناتے ہیں، اور کفر و شرک اور نافرمانی کا راستہ اپنانے

والوں کو سخت عذاب سے ڈراتے ہیں۔

آخری آیتوں میں ارشاد ہے کہ: اے لوگو! یہ قرآن تمہارے سامنے ہے، اسے مانو یا نہ مانو، لیکن جنہیں پہلے علم دیا گیا ہے وہ تو پہچان گئے کہ یہ قرآن وہی کلام ہے جس کا وعدہ کیا گیا تھا اور محمد ﷺ ہی وہ پیغمبر ہیں جو بنی اسمٰعیل میں بھیجے گئے، چنانچہ ان کے عقلمند لوگ آپ ﷺ سے قرآن مجید کی آیتیں سنتے ہی سجدے میں جھک گئے، اور کہا کہ ہمارا رب پاک ہے، بے شک اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور وہ یقیناً پورا ہونا ہی تھا، سجدہ سے سر اٹھایا تو اس کلام کی عظمت کا اثر ان کے دل پر عجیب شان سے ظاہر ہوا اور وہ روتے ہوئے دوبارہ سجدہ میں گر پڑے، اور اپنی عاجزی اور تابعداری کا اظہار کیا۔ یہ سجدہ کی آیت ہے۔

مغفرت اور عبادت

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ

کہہ دیجئے کہ پکارو اللہ یا پکارو رحمٰن جو کچھ بھی پکاروگے پس اس کے ہیں بہت سے نام

الْحُسْنٰى ۚ وَ لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَ لَا تُخَافِتْ بِهَا وَ ابْتَغِ

اچھے اور مت اونچی آواز کر میں نماز اپنی اور نہ بالکل پست کر میں اس اور تلاش کر

بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾ وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا

درمیان اس کے راہ (۱۱۰) اور کہہ دیجئے ساری خوبیاں اللہ کی ہیں جو نہیں رکھتا اولاد

وَّ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ

اور نہیں ہے اسکا کوئی شریک میں حکومت اور نہیں ہے اس کا کوئی ساتھی بسبب

ع ۱۲ ۱۱ ۱۲ الذُّلِّ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾

ناتوانی کے اور بڑائی کر اسکی خوب بڑائی (۱۱۱)

بامحاورہ ترجمہ: کہہ دیجئے کہ! اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، جو بھی کہہ کر پکاروگے، سو! اس کے سب

نام اچھے ہیں اور اپنی نماز میں نہ تو بہت بلند آواز سے پڑھو اور نہ بالکل پست آواز سے، بلکہ ان دونوں کے درمیان کا راستہ اختیار کرو۔ (۱۱۰) اور کہہ دیجئے کہ! سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو اولاد نہیں رکھتا اور نہ اس کی خدائی میں کوئی شریک اور نہ اس کا کوئی مددگار کمزوری کی بناء پر، اس کی بڑائی بیان کر اس کو بڑا جان کر۔ (۱۱۱)

تفسیر

اللہ تعالیٰ کی صفات سب سے اعلیٰ ہیں، ہر ایک صفت کے لحاظ سے اس کا نام الگ ہے، اب تم اس کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو، بات ایک ہی ہے۔

آگے ارشاد ہے کہ: جب آپ ﷺ نماز میں قرآن پڑھیں تو آواز اتنی بلند نہ کریں کہ گستاخ لوگ سن کر اس کی بے ادبی کریں، اور اتنی پست بھی نہ کریں کہ آپ کے ساتھی اسے سن نہ سکیں، ابتداء میں عرب کے نادان لوگ نماز کی ہنسی اڑاتے تھے اور اس میں جب آپ ﷺ قرآن پڑھتے تو اس کی بری طرح آوازیں بنا کر نقلیں کرتے تھے؛ اس لئے یہ حکم دیا گیا کہ ان دونوں کے درمیان کا راستہ اختیار کریں۔

ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ تمام خوبیوں اور اچھائیوں کا مالک ہے، اس کی عبادت کے لئے اس کی خوبیوں کا تصور کرو اور کہو کہ ساری خوبیاں اور صفات اللہ تعالیٰ ہی میں ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں، نہ اسے اولاد کی ضرورت ہے کہ اس کے کاموں میں اس کا ہاتھ بٹائے اور نہ وزیروں اور درباریوں کی حاجت ہے کہ ان کی مدد سے کام چلائے، اور نہ اس میں کوئی کمزوری یا نقص ہے، جس کی وجہ سے اسے کسی سہارا دینے والے یا مددگار کی ضرورت ہو، تمام مخلوق اس کے آگے سر جھکائے ہوئے ہے، کوئی کسی طرح اس کی برابری کا دعویٰ نہیں کرسکتا، جب کوئی اس کے برابر ہو ہی نہیں سکتا تو اس سے آگے کیا نکلے گا؟ اس لئے وہ سب سے بڑا ہے۔

اس تصور کو دل میں جمانے کے لئے زبان سے ہر وقت "سُبْحَانَ اللّٰهِ. وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ. وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" کہو، تاکہ دل میں یہ خیال بیٹھ جائے، جو اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے متعلق ظاہر کیا گیا ہے۔

مشرک پیغمبر ﷺ کی زبان مبارک سے "رحمٰن" کا ذکر سن کر بہت بدکتے تھے، وہ کہتے تھے کہ "رحمٰن"

کیا ہے؟ ان کے نزدیک "رحمٰن" یمامہ کا رہنے والا مسیلمہ کذاب تھا، پھر بعض بدمزاج لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ دیکھو! محمد ہمیں تو توحید کی دعوت دیتے ہیں، یعنی: خدا صرف ایک ہے، مگر خود اللہ کے ساتھ "رحمٰن" کو بھی پکارتے ہیں، یہ کتنی عجیب بات ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ آپ کہہ دیجئے کہ! اللہ کو اللہ کہہ کر پکارو یا "رحمٰن" کہہ کر، جس لفظ کے ساتھ بھی تم پکاروگے، پس اس کے اچھے نام ہیں، اللہ تعالیٰ اس کا ذاتی نام ہے اور "رحمٰن" اس کی صفت ہے۔

صحیح حدیث میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: بیشک اللہ تعالیٰ کے ننانوے (۹۹) یعنی: ایک کم سو نام ہیں، جس نے ان کو یاد کیا اور ان کا ورد کرتا رہا، ان پر یقین رکھا، وہ یقیناً جنت میں داخل ہوگا، رحمٰن، رحیم، ستار، غفار، جبار، قہار وغیرہ سب اس کے صفاتی نام ہیں، وہ ذات وحدہ لاشریک ہے، اسے جس نام سے چاہو پکارو، یہ چیز توحید کے ہرگز خلاف نہیں ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بلند آواز سے قرآن پڑھتے تھے تو مشرک لوگ سخت مشتعل ہوجاتے اور بعض اوقات مسلمانوں پر حملہ کرنے سے بھی نہ چوکتے، وہ بدنصیب قرآن کو، اس کے لانے والے، یعنی: جبرئیل علیہ السلام اور جس پر اترا، یعنی: محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب کو گالیاں دیتے، مکی دور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان میں، یا کسی پہاڑی درّے میں جا کر نماز ادا کرتے، اس صورتحال میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت فرمائی کہ آپ اپنی آواز کو اتنا بلند نہ کریں جو مشرکوں تک پہنچ جائے، اور وہ آپ کو نقصان پہنچائیں، اور نہ ہی آواز کو اتنا کم کریں کہ آپ کے ساتھ نماز ادا کرنے والے بھی نہ سن سکیں، بلکہ ان دونوں کے درمیان کا راستہ اختیار کریں۔

احکام ومسائل

مسئلہ (۱):..... وَ لَا تَجْهَرْ: اس آیت میں نماز کے اندر تلاوت کرنے کا یہ ادب بتایا گیا ہے کہ نہ بہت بلند آواز سے ہو، نہ بہت آہستہ، جس کو مقتدی نہ سن سکیں، یہ حکم ظاہر ہے کہ جہری نمازوں کے ساتھ مخصوص ہے، ظہر اور عصر کی نمازوں میں تو بالکل آہستہ قراءت ہونا سنت ثابت ہے۔

جہری نماز میں مغرب، عشاء اور فجر کے فرض بھی داخل ہیں، اور نماز تہجد بھی جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ پیغمبر ﷺ نماز تہجد کے وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذرے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تلاوت آہستہ کررہے تھے، اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خوب بلند آواز سے تلاوت کررہے تھے، پیغمبر ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: آپ ایسا آہستہ کیوں پڑھتے ہیں؟ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ مجھے جس کو سنانا تھا اس کو سنادیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ہر دھیمی سے دھیمی آواز کو بھی سنتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: تھوڑا سا اونچی آواز سے پڑھا کرو، پھر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: آپ اتنی بلند آواز سے کیوں پڑھتے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں نیند اور شیطان کو دفع کرنے کے لئے بلند آواز سے پڑھتا ہوں، آپ نے ان کو بھی یہ حکم دیا کہ کچھ پست آواز سے پڑھا کرو۔

آیاتها - ۱۱۰ سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ رکوعاتها - ۱۲

سورۃ الکہف مکی ہے، اس میں ایک سو دس آیتیں اور بارہ رکوع ہیں۔

قرآن کی شان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ

سب خوبیاں ہیں کے لئے اللہ جس نے اتاری پر بندے اپنے کتاب اور نہ رکھی میں اس

عِوَجًا ۝۱ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ

ذرا بھی ٹیڑھ پن (۱) سیدھی تا کہ ڈراوے عذاب سخت سے جانب اس کی اور خوش خبری دے

الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ﴿۲﴾

ایمان والوں کو جو کرتے ہیں نیک کام کہ واسطے انکے ہے اجر اچھا (۲)

مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ﴿۳﴾

ٹھہرے رہیں گے میں اس ہمیشہ (۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندے پر کتاب اُتاری اوراس میں کچھ ٹیڑھ پن نہ رکھا۔(۱) ٹھیک اُتاری تا کہ ایک سخت عذاب کا اللہ کی طرف سے ڈرسنا دے اورایمان والوں کوخوشخبری دے جونیکیاں کرتے ہیں کہ ان کے لئے اچھابدلہ ہے۔(۲) اس میں ہمیشہ ٹھہریں رہیں گے۔(۳)

شانِ نزول

امام ابن جریرطبری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نقل کیاہے کہ جب مکۂ مکرمہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیغمبری کا چرچاہوا،اورمکہ کے قریش اس سے پریشان ہوئےتوانہوں نے اپنے دوآدمی نضر بن حارث اورعقبہ بن ابی معیط کومدینہ طیبہ کے یہودی علماء کے پاس بھیجا کہ وہ لوگ "تورات" اور"انجیل" کے عالم ہیں،وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ یہودیوں کے عالموں نے انہیں بتایا کہ تم لوگ ان سے تین سوال کرو، اگرانہوں نے اس کا صحیح جواب دے دیا توسمجھ لوکہ وہ اللہ کے پیغمبرہیں،اوراگرجواب نہ دے سکےتو یہ سمجھ لوکہ یہ باتیں بنانے والے ہیں،پیغمبرنہیں ہیں،ایک توان سے ان نوجوانوں کاحال دریافت کروجو پرانے زمانے میں اپنے شہرسے نکل گئے تھے،ان کاکیاواقعہ ہوا؟ دوسرے ان سے اس شخص کاحال پوچھوجس نے دنیا کی مشرق ومغرب اورتمام زمین کاسفرکیا،اس کاکیاواقعہ ہے؟ تیسرے ان سے"روح" کے متعلق سوال کروکہ وہ کیاچیز ہے؟ ان لوگوں نے مکہ آکرپوراواقعہ سنایا،پھریہ لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یہ سوالات لے کرآئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سن کرفرمایا کہ: میں اس کاجواب کل دوں گا،مگرآپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت"ان شاءاللہ" کہنا بھول گئے تھے،یہ لوگ واپس چلے گئے اورپیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی کے انتظارمیں رہے کہ ان سوالات کاجواب وحی کے

ذریعے بتلا دیا جائے گا، مگر وعدے کے مطابق اگلے دن تک کوئی وحی نہیں آئی، بلکہ پندرہ دن اسی حال پر گذر گئے کہ نہ جبرئیل علیہ السلام آئے اور نہ کوئی وحی آئی، مکہ کے کافروں نے مذاق اڑانا شروع کر دیا، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے سخت غم پہنچا۔

پندرہ دن بعد جبرئیل علیہ السلام "سورہ کہف" لے کر اترے، اور وحی میں تاخیر کا سبب بھی بیان کر دیا گیا کہ آئندہ کے لئے کسی کام کے کرنے کا وعدہ کیا جائے، تو "ان شاء اللہ" کہنا چاہئے۔

قرآن مجید بتاتا ہے کہ اے انسان! تیرا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے؛ اس لئے اقرار کر کہ جتنی خوبیاں ہیں، سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، اسی نے قرآن جیسی بابرکت کتاب اتاری اور وہ اپنے پیارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی، اس کتاب میں کوئی ٹیڑھی یا اُلجھی ہوئی بات نہیں ہے، اس سے ہر انسان اپنی سمجھ کے مطابق ہدایت حاصل کر سکتا ہے، کتاب اپنی روشنی میں انسان کی عقل کو سیدھے راستے کی علامتیں اور نشانیاں صاف صاف دکھاتی ہے، انسان کو اس آفت اور سخت مصیبت سے آگاہ کرتی ہے، جو اس کے نافرمان بندوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی ہے، اور اس کے نیک بندوں کو خوشخبری سناتی ہے کہ ان کو ان کے نیک اعمال کا بہت اچھا اجر ملے گا، انسان کی یہ سب سے بڑی غفلت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جو اس کا پالنے والا ہے، نہیں پہچانتا، اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برحق مان کر ان کے کہنے کے مطابق نہیں چلتا۔

اس سورت میں پہاڑ کی غار میں پناہ لیتے والے نوجوانوں کا ذکر ہے؛ اس لئے اس سورت کا نام "سورۃ الکہف" ہے۔

اس سورت کا شروع قرآن مجید کے اترنے کے ذکر سے ہوا، اس سورت میں شکر گزاروں اور ناشکروں کی مثالیں بھی بیان کی گئی ہیں، اس سورت میں "اصحاب الکہف، ذوالقرنین، موسیٰ اور خضر علیہما السلام اور باغ والے مؤمن" کا ذکر ہوا ہے، بہر حال! ساری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کی کامیابی اور فراوانی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ اس کا تعلق اپنے خالق و مالک کے ساتھ درست رہے، اگر یہ تعلق درست نہیں ہے تو کبھی کامیابی نصیب نہیں ہو سکتی، غرضیکہ! یہ سب باتیں اور اس کے علاوہ بھی بہت سی باتیں اس سورۃ مبارکہ میں آرہی ہیں۔

سورة الکہف کی فضیلتیں

صحیح حدیث کا مضمون ہے کہ جس شخص نے جمعہ کے دن "سورہ کہف" کی تلاوت کی، اللہ تعالیٰ اس کیلئے دوسرے جمعہ تک نور ہی نور بنادے گا۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ جس جگہ پر اس سورت کی تلاوت کرے گا وہاں سے مکہ مکرمہ تک اس کیلئے نور ہی نور ہوگا، بعض روایتوں میں ہے کہ ایسے شخص کے لئے زمین سے آسمان تک روشنی ہی روشنی ہوگی۔

ایک حدیث میں ہے کہ: جو شخص "سورہ کہف" کی ابتدائی دس آیتیں یاد کر کے انہیں ورد بنالے گا، وہ دجال کے فتنے سے محفوظ ہوجائے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ: جب تم دجال کو دیکھو تو اس کے سامنے "سورہ کہف" پڑھو، اس طرح وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

"ترمذی شریف" کی ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ: جس شخص نے "سورہ کہف" کی ابتدائی تین آیتیں پڑھیں، وہ بھی دجال کے فتنے سے محفوظ ہوگا، یہ ادنیٰ درجہ ہے، ہر مسلمان کو چاہئے کہ کم از کم جمعہ کے دن ان کو پڑھ لیا کرے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص "قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ ... الخ: سے لے کر "سورہ کہف" کی آخری دو آیات سونے سے پہلے پڑھ لے گا، وہ جب چاہے گا اللہ تعالیٰ اسے نیند سے بیدار کردے گا۔

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو اپنے بندے پر اس طرح اُتارا ہے کہ بالکل سیدھی ہے اور اس میں کوئی ٹیڑھ پن نہیں ہے۔

بعض حضرات "قَیِّم" کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کی مصلحتوں کو قائم کرنے والی کتاب ہے، بعض کہتے ہیں کہ "قَیِّم" کا معنیٰ محافظ اور نگران ہے، یعنی: اللہ تعالیٰ کی یہ آخری کتاب ہی تمام آسمانی کتابوں کے اصولی عقائد کی محافظ اور نگران ہے، ان کی تمام صحیح باتوں کو مانتی ہے، اور ناجائز طریقے سے شامل کی گئی غلط باتوں کا انکار کر دیتی ہے، یہ کتاب انسان کے دینی اور دنیاوی دونوں قسم کے مقصدوں کو واضح کرتی اور ان کے بارے میں صحیح صحیح تعلیم دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ کامل ترین کتاب اپنے کامل ترین بندے پر اتاری ہے، لہٰذا جو بھی اس پر ایمان لائے گا وہ سیدھے راستے پر ہوگا۔

فرمایا کہ: اس کتاب کو اتارنے کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ کفر، شرک اور گناہ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا جائے، اور ایمان والوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں خوشخبری سنائی جائے کہ ان کے لئے اچھا بدلہ ہے، جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

اعتقاد کی درستی

وَّ يُنۡذِرَ الَّذِيۡنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝۴ مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ

اور تاکہ ڈرائیں ان کو جنہوں نے کہا بنالیا اللہ نے بیٹا (۴) نہیں ان کو اس کا کوئی

عِلۡمٍ وَّ لَا لِاٰبَآئِهِمۡ ؕ كَبُرَتۡ كَلِمَةً تَخۡرُجُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ ؕ

علم اور نہ باپ دادوں انکے کو بڑی بات نکلتی ہے سے منہ وں ان کے

اِنۡ يَّقُوۡلُوۡنَ اِلَّا كَذِبًا ۝۵ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمۡ

نہیں کہتے وہ مگر جھوٹ (۵) پس شاید آپ ہلاک کرنیوالے ہیں جان اپنی کو پیچھے ان کے

اِنۡ لَّمۡ يُؤۡمِنُوۡا بِهٰذَا الۡحَدِيۡثِ اَسَفًا ۝۶ اِنَّا جَعَلۡنَا مَا عَلَى

اگر نہ ایمان لائے وہ پر اس بات افسوس سے (۶) تحقیق کیا ہم نے جو پر ہے

الْاَرْضِ زِیْنَۃً لَّھَا لِنَبْلُوَھُمْ اَیُّھُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ وَ اِنَّا
زمین رونق کا سامان کے لئے اس تا کہ آزمائیں ہم انکو کون ہے ان میں سے بہتر کام کرنے میں (۷) اور تحقیق ہم

لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَیْھَا صَعِیْدًا جُرُزًا ۝
کرنے والے ہیں جو کچھ پر اس ہے صاف میدان بے گھاس (۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ان کو ڈر سنا دے جو کہتے ہیں کہ اللہ اولا د رکھتا ہے۔(۴) ان کو اور نہ ان کے باپ دادوں کو اس بات کی خبر ہے کہ جو بات ان کے منہ سے نکلتی ہے بہت بڑی ہے جو یہ کہتے ہیں سب جھوٹ ہے۔ (۵) پس کہیں آپ ان کے پیچھے اپنی جان گنوالیں گے اس بات پر افسوس کرتے ہوئے کہ اگر وہ اس بات کو نہ مانیں گے۔(۶) جو کچھ اس زمین پر ہے ہم نے اسے اس کے لئے رونق بنایا ہے تاکہ ہم لوگوں کو جانچیں کہ کون ان میں اچھا کام کرتا ہے۔(۷) اور بے شک ہم نے وہ سب کچھ جو اس زمین پر ہے ایک دن مٹا کر اسے چٹیل میدان بنا دینا ہے۔(۸)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: آپ ﷺ ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ ان کے غم میں گھل گھل کر اپنی جان دے دیں گے، اگر یہ ایمان نہیں لاتے تو یہ جانیں، پیغمبر کا کام فقط راستہ بتا دینا ہے اور اس پر چل کر دکھانا ہے، ہم نے انسان کو سوچنے کے لئے عقل و سمجھ دی ہے، لیکن ساتھ ہی دنیا کی ظاہری شکل کو زیب و زینت کے ساتھ سجا دیا ہے، کیونکہ انسان کی آزمائش منظور ہے کہ دیکھیں! یہ دنیا پر فدا ہوتا ہے یا یہ کہ پرہیز گاری کی زندگی بسر کرتا ہے، ایک وقت آئے گا کہ جو کچھ زمین میں ہے ہم سب کچھ صاف کر دیں گے اور وہ ایک صاف میدان رہ جائے گی۔

نافرمانوں کا ایک گروہ عرب کے مشرکوں کا تھا، یہ کہتے تھے کہ فرشتے خدا تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: انہوں نے اللہ تعالیٰ اور جنات کے درمیان بھی نسب قائم کر دیا تھا، فرماتے ہیں کہ: ان کے پاس اپنے اس دعوے کی کوئی دلیل نہیں ہے، کوئی علم نہیں ہے، یعنی: نہ کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی، نہ صرف انہوں نے

بلکہ ان کے باپ دادوں نے بھی بلا دلیل یہ عقیدہ قائم کر رکھا تھا، بھلا! اللہ تعالیٰ کو اولاد کی کیا ضرورت ہے؟ اللہ تعالیٰ تو ہر قسم کی حاجت سے پاک ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو شرک میں مبتلا دیکھ کر ہر طرح سے انہیں سمجھانے کی کوشش کرتے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ کا ان پر کوئی اثر نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت صدمہ پہنچتا تھا، بعض اوقات اس صدمہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نڈھال ہوجاتے، اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی کہ آپ اپنا تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے رہیں، جہاں تک ہدایت دینے کا تعلق ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

بیشک ہم نے زمین پر موجود ہر چیز کو اس کے لئے رونق بنایا، زمین پر موجود پھل، پھول، نباتات، حیوانات، جمادات، معدنیات، سب کچھ اس کی زینت اور رونق ہیں، اور یہ چیزیں پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تاکہ ہم تم کو آزمائیں کہ اس رونق میں پھنس کر کون اچھے عمل کرتا ہے؟ اور کون ایسا ہے کہ جو آخرت سے منہ پھیر کر اسی میں پھنسا رہتا ہے؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بھی فرمان ہے کہ: دنیا میٹھی بھی ہے، اور سرسبز بھی، اللہ نے باغات، کھیت اور چراگاہیں پیدا کر کے تمہیں اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے، پھر وہ دیکھتا ہے کہ تم کیسے کام انجام دیتے ہو؟

بیشک جو کچھ اس زمین پر ہے ہم اس کو چٹیل میدان بنانے والے ہیں، جب قیامت ظاہر ہوگی تو زمین میں کوئی اونچ، نیچ، ٹیلہ، پہاڑ، درخت، دریا، سمندر وغیرہ نہیں ہوگا، بلکہ ہر چیز فنا ہوجائے گی اور زمین چٹیل میدان بن جائے گی، مطلب یہ کہ اس دنیا کی رونقیں سب عارضی ہیں، اور ایک دن فنا ہونے والی ہیں، لہذا ان میں پھنس کر اللہ تعالیٰ کی یاد کو نہ بھلا بیٹھنا، ورنہ سخت نقصان اٹھاؤ گے، یہ تو سب کچھ تمہاری آزمائش کے لئے ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نشانیاں

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَ الرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا

کیا گمان کیا آپ نے کہ والے کہف اور رقیم تھے سے نشانیوں ہماری

عَجَبًا ۝٩ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ
عجیب (۹) جب ٹھکانہ بنایا جوانوں نے طرف غار کی پس کہا انہوں نے اے رب ہمارے! دے ہم کو سے

لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّ هَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝١٠ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى
پاس اپنے رحمت اور مہیا کر لئے ہمارے سے کام ہمارے درستی (۱۰) پھر تھپکا ہم نے پر

اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۝١١ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَىُّ
کانوں ان کے میں غار سال کئی (۱۱) پھر اٹھایا ہم نے انہیں تا کہ جان لیں ہم کونسا

الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۝١٢ ع ١٢ ١٣
دوگروہوں میں سے زیادہ واقف ہے ان کے ٹھہرنے سے مدت کے لحاظ سے (۱۲)

بامحاورہ ترجمہ: ۔کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ غار اور رقیم والے ہماری قدرتوں میں بہت عجیب تھے۔ (۹) جب جا بیٹھے وہ جوان پہاڑ کی غار میں پھر بولے: اے رب! ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطاء فرما اور ہمارے لئے ہمارے کام میں درستی مہیا فرما۔ (۱۰) پھر ہم نے ان کے کان تھپک دیے اس غار میں چند سال۔ (۱۱) پھر ہم نے ان کو اٹھایا کہ معلوم کریں دونوں فرقوں میں کس نے یاد رکھا کہ وہ کتنی مدت غار میں رہے۔ (۱۲)

تفسیر

پہاڑوں کے بیچ و بیچ ایک پست زمین میں یہ غار تھی، اس کو "رقیم" کہتے ہیں، اور "رقیم" کا دوسرا معنیٰ "وادی" ہے جس وادی میں وہ غار تھی، اس وادی کا نام "رقیم" تھی۔

تیسرا معنیٰ "رقیم" کا وارنٹ ہیں کہ کافر بادشاہ نے ان نوجوانوں کی گرفتاری کا وارنٹ جاری کر دیا تھا، اس وجہ سے ان کو "رقیم" والے، یعنی: وارنٹ والے کہتے ہیں۔

یہ مکہ کے لوگ آپ سے ان لوگوں حال پوچھتے ہیں جنہوں نے ایک غار کو جو "وادئ رقیم" میں تھی، اپنا ٹھکانہ بنالیا تھا، کیونکہ ایک ظالم بادشاہ لوگوں کے پیچھے پڑ گیا تھا کہ میری اور میرے بتوں کی عبادت کرو، یہ لوگ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار تھے، اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے، بادشاہ کے ظلم سے بچنے کے لئے پہاڑ کی ایک غار کو اپنا ٹھکانہ بنالیا تھا، اور وہاں عبادت میں مشغول تھے، انہوں نے دعا کی کہ اے ہمارے رب! ہم کو اپنی خاص رحمت سے نواز دیجئے، اور ہم جس کام میں مشغول ہیں، اس میں ہماری مدد فرمایئے، اور اس مشکل سے نجات کا سامان بھی بنادیجئے، آگے ان کا ضروری حال بیان فرمایا ہے اور کہا ہے کہ ان کی نجات کا سامان ہم نے کردیا، اور یہ ہماری قدرت کی ایک نشانی تھی، جسے سن کر تمہیں بھی انہی کی طرح ثابت قدم رہنا چاہئے۔

یہودیوں کی ایک پرانی کہانی چلی آتی تھی کہ کسی زمانے میں کچھ لوگ شہر کی آبادی کسی وجہ سے چھوڑ کر پہاڑوں میں چلے گئے تھے، وہاں ان پر کچھ ایسی گزری کہ وہ پھر واپس نہ آسکے، ان کے متعلق عجیب وغریب واقعات بیان کیے جاتے تھے، جن سے دل بہلانے کے سوا اور کوئی معقول غرض نہیں تھی۔

"اصحاب کہف" کا واقعہ شروع ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اشارۃً بتلادیا کہ یہ واقعہ تمہیں بڑا عجیب وغریب معلوم ہوگا، اس قسم کے تمام واقعات اللہ تعالیٰ اس لئے ظاہر فرماتے ہیں کہ لوگ ان پر غور وفکر کر کے اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کو اور قادر ہونے کو سمجھ سکیں، اور ان پر ایمان لاسکیں۔

کہتے ہیں "اصحاب کہف" بڑی حیثیت کے لوگ تھے، ان کا تعلق شاہی خاندان سے تھا، یا حکومت وقت کے اعلیٰ عہدیداروں کی اولاد تھے، جب یہ لوگ اچانک لاپتہ ہوگئے، تو ان کی تلاش کی ہر ممکن کوشش کی گئی، مگر تمام سرکاری اور نجی ذرائع کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، چنانچہ ان افراد کی حیثیت اور واقعہ کی عجیب وغریب نوعیت کے پیش نظر حکومتی سطح پر ان لوگوں کے نام اور دوسرے کوائف کسی تختی پر لکھ کر سرکاری محافظ خانے میں محفوظ کردیے گئے، لکھی ہوئی تختی کو "رقیم" کہا جاتا ہے اس وجہ سے انہیں بھی "اصحاب رقیم" کہا جاتا ہے۔

یہ نوجوان تعداد میں چھ (٦) تھے، اور ساتواں (٧) وہ چرواہا تھا جو راستہ چلتے ان کے ساتھ شریک ہوگیا تھا اور آٹھواں (٨) اس چرواہے کا کتا تھا، جب سفر کے دوران ان لوگوں کی چرواہے سے ملاقات ہوئی تو اس نے ان کے حالات اور سفر کا مقصد معلوم کرنا چاہا، پہلے تو وہ ہچکچائے، مگر بعد میں چرواہے کے اصرار پر انہوں نے پوری بات بتادی، چرواہے نے کہا کہ میں بھی تمہاری طرح صحیح عقیدے پر ہوں، لہٰذا مجھے بھی ساتھ لے لو، وہ لوگ

چرواہے کے اس کتے کو بھگانا چاہتے تھے، مگر کتا ان کا ساتھ چھوڑنے کو تیار نہیں تھا، جب ان لوگوں نے کتے کے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا تو اللہ نے اُسے بولنے کی طاقت عطا فرمادی، وہ کہنے لگا کہ مجھے بھگاؤ نہیں! میں بھی تم جیسے نیک لوگوں کے ساتھ رہنا پسند کرتا ہوں، مجھے ساتھ لے چلو، جب تم آرام کرو گے تو میں تمہاری پہرہ داری کروں گا، چنانچہ وہ سات (۷) تھے اور آٹھواں (۸) یہ کتا بھی ان کے ساتھ ہوگیا۔

جب ان لوگوں نے ایک غار میں پناہ لی تو انہوں نے دعا کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی طرف سے مہربانی عطا کر، اور ہمارے معاملے میں ہمارے لئے درستگی کی بات مہیا کر۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ہم نے ان کی دعا اس طرح قبول کی کہ ان کو میٹھی نیند سلا دیا، اور اس نیند کو تین سو نو سال تک لمبا کر دیا۔

اس قصے کی تفصیل کے بارے میں دو باتیں ہیں، ایک تو اس قصے کی حقیقت سے متعلق ہے، جس سے یہودیوں کا جواب بھی ہوجاتا ہے اور مسلمانوں کو نصیحت بھی، اور دوسری بات اس قصے کی تاریخی اور جغرافیائی حیثیت سے متعلق ہے، مثلاً: یہ کہ یہ قصہ کس زمانے میں ہوا؟ شہر کون سا تھا؟ اس کافر بادشاہ کا کیا نام تھا؟ غار میں جانے والے کون تھے؟ ان کے کیا کیا معاملات ہوئے؟ ان کی تعداد کتنی تھی؟ اور سوتے رہنے کا زمانہ کتنا تھا؟ اور پھر یہ لوگ اب تک زندہ ہیں یا مر گئے؟ وغیرہ وغیرہ۔

قرآن مجید نے اپنے حکیمانہ اصول کے تحت سوائے یوسف علیہ السلام کے قصے کے کسی اور قصے کو پوری تفصیل اور ترتیب سے بیان نہیں کیا، جیسا کہ عام تاریخی کتابوں کا طریقہ ہے، بلکہ ہر قصے کے وہ حصے بیان فرمائے، جن سے انسانی ہدایات اور تعلیمات کا تعلق تھا۔

”اصحابِ کہف“ کے قصے میں بھی یہی طرز اختیار کیا گیا، ”اصحاب کہف“ کی تعداد اور سونے کے زمانے کی مدت کے سوالات کا ذکر تو فرمایا: اور جواب کی طرف بھی اشارہ بھی فرما دیا، مگر ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کر دی کہ ایسے مسائل میں غور و فکر اور بحث و تکرار مناسب نہیں، ان کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کرنا چاہئے۔

”اصحاب کہف“ کے قصے میں تاریخی اور جغرافیائی اعتبار سے بہت سی باتیں ہیں، لیکن ان کا جاننا قرآن کی کسی آیت کی تفسیر سمجھنے کے لئے ضرورہ نہیں ہے۔

اصحابِ کہف

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا

ہم بیان کرتے ہیں سے آپ حال ان کا ٹھیک ٹھیک بیشک تھے وہ چند جوان ایمان لائے تھے

بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًى ۝۱۳ وَّ رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا

رب اپنے پر اور بڑھایا ہم نے انکو ہدایت میں (۱۳) اور مضبوطی کردی پر دلوں ان کے جب وہ کھڑے ہوئے

فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ

پھر کہا رب ہمارا رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا ہرگز نہ پکاریں گے ہم سوا اس کے کسی کو

اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ۝۱۴ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا

معبود البتہ تحقیق کہیں گے ہم اس وقت عقل سے دور بات (۱۴) یہ ہے قوم ہماری بنا بیٹھے ہیں وہ

مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوْ لَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ؕ

سوا اس کے معبود اور کیوں نہیں لاتے وہ پر ان کوئی دلیل کھلی

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ ۝۱۵

پس کون زیادہ ظالم ہے سے اس جس نے گھڑلیا پر اللہ جھوٹ (۱۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ہم آپ کو ان کا تحقیقی حال سنا دیں وہ کئی نوجوان ہیں جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کو زیادہ عقل دی اور مضبوط کیا ان کے دلوں کو جب کھڑے ہوئے پھر بولے ہمارا رب آسمان اور زمین کا رب ہے ہم اس کے سوا کسی کو معبود نہ پکاریں گے، ورنہ تو ہم نے عقل سے دور بات کہی۔ (۱۴) یہ ہماری قوم ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود ٹھہرا لئے تو ان پر کوئی کھلی دلیل کیوں نہیں لاتے، پھر اس سے بڑا گنہگار کون جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا۔ (۱۵)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ان کا ٹھیک ٹھیک واقعہ ہم آپ کو بیان کر دیتے ہیں، ان نوجوانوں نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا تھا، ہم نے ان کے دل میں ایمان مضبوطی کے ساتھ جما دیا تھا، جس سے ان کے دلوں میں جرأت اور ہمت پیدا ہوگئی تھی، انہوں نے اپنے ظالم بادشاہ "دقیانوس" کے سامنے کھڑے ہوکر صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ہم تیری دھمکیوں میں آکر شرک کرنے والے نہیں، ہمارا رب تو وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے، ہم سے یہ ہرگز نہیں ہوگا کہ اسے چھوڑ کر ان بتوں کو اپنا رب کہیں جنہیں تم نادانی سے پوجتے ہو یہ ہماری عقل کے خلاف ہے، اگر ہم ایسی بات بھی منہ سے نکالیں گے تو یہ پرلے درجے کی بیوقوفی ہوگی۔

اس کے بعد انہوں نے کہا کہ ہماری قوم کی عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر بے جان بتوں کی پوجا کر رہے ہیں، ان کے پاس کفر و شرک کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ماننے والوں کے پاس تو صرف ایک اللہ کو ماننے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ جس چیز کو دیکھتے ہیں، بے بس نظر آتی ہے، نہ کسی کے بس میں جینا ہے نہ مرنا، نہ بڑھنا، نہ گھٹنا، اگر ان کے پاس کچھ اختیار ہوتا تو وہ نظر آتا، لیکن کبھی بھی اس کا مشاہدہ نہیں ہوا، معلوم ہوا کہ سب کا مالک اور خالق ایک ہے، پھر اس ایک خدا کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو معبود بنانا جھوٹی بات ہے، جس کا کوئی سر پیر نہیں، پھر ان سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے؟

ان نوجوانوں نے اپنا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط کر لیا تھا، پھر انہوں نے بادشاہ کی بات بھی کوئی پروا نہیں کی، بت پرستی کو ہمیشہ کے لئے لات ماردی، جس شخص کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست ہوجائے، اللہ تعالیٰ اس کے دل کو مضبوط کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مدد

وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ

اور جب | الگ ہوگئے تم ان سے | اور | جو | وہ پوجتے تھے | سوا | اللہ کے | پس ٹھکانہ لو | طرف | غار کے

يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَ يُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ

تاکہ پھیلادے تم پر رب تمہارا سے رحمت اپنی اور مہیا کردے لئے تمہارے سے کام تمہارے

مِّرْفَقًا ﴿١٦﴾ وَ تَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ

آرام (١٦) اور دیکھے گا تو سورج کو جب وہ نکلتا ہے کترا کر نکل جاتا ہے سے غار ان کی

ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ اِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَ هُمْ

دائیں طرف اور جب ڈوبتا ہے تو کترا جاتا ہے ان سے بائیں طرف اور وہ

فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ

میں کھلی جگہ ہیں غار کی یہ میں سے ہے نشانیوں اللہ کی جسے ہدایت کرے اللہ پس وہی

الْمُهْتَدِ ۚ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿١٧﴾ وَ ع ٥ ١٤

راہ پانے والا ہے اور جسے گمراہ کردے پس ہرگز نہ پائے گا تو اسکا کوئی دوست راستے پر لانیوالا (١٧) اور

تَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّ هُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّ نُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ

تو گمان کرے انکو جاگتا حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں اور کروٹ دیتے ہیں ہم انکو دائیں طرف اور

ذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَ كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ؕ لَوِ اطَّلَعْتَ

بائیں طرف اور کتا ان کا پھیلائے ہوئے دونوں بازو اپنے پر دلیز اگر جھانکتا تو

عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّ لَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿١٨﴾

پر ان تو مڑ جاتا سے ان بھاگتا ہوا اور بھر دیا جاتا سے ان دہشت میں (١٨)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب تم نے ان سے اور جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں، کنارہ کرلیا تو اب اس غار میں جا بیٹھو، تمہارا رب تم پر کچھ اپنی رحمت سے پھیلادے اور تمہارے کاموں میں تمہارے واسطے آرام بنادے۔ (١٦) اور تو دیکھے گا دھوپ جب نکلتی ہے تو ان کی غار سے دائیں طرف بچ کر جاتی ہے اور جب ڈھلتی ہے تو ان سے بائیں طرف کترا جاتی ہے اور اس غار کی کھلی جگہ میں ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے

جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہی راہ پر آئے گا، اور جس کو وہ بے راہ کرے پھر تو اس کا کوئی دوست راہ پر لانے والا نہ پائے گا۔ (۱۷) اور تو سمجھے وہ جاگتے ہیں حالانکہ وہ سور ہے ہیں اور ہم ان کی دائیں اور بائیں طرف کروٹیں بدل دیتے ہیں، اوران کا کتا اپنے بازو چوکھٹ پر پھیلائے ہوئے ہے، اگر تو ان کو جھانک کر دیکھے تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگے اور تجھ میں ان کی دہشت بھر جائے۔ (۱۸)

تفسیر

بادشاہ "اصحاب کہف" سے زبردستی اپنے سامنے سجدہ کرانا چاہتا تھا، انہوں نے انکار کر دیا، اور پھر بادشاہ سے چھپ چھپا کر ایک پہاڑ کے دامن میں واقع غار میں چلے گئے، وہاں جا کر ان پر اللہ تعالیٰ نے نیند طاری کر دی، اور سب سو گئے، بادشاہ کے نوکروں نے ان کو بہت ڈھونڈا، کہیں پتہ نہ لگا، آخر تھک کر بیٹھ گئے، ہمارے لئے اس میں سبق یہ ہے کہ جو سب کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف دل وجان سے متوجہ ہو جاتا ہے، اسی کی عبادت کرتا ہے اور اسی سے مدد مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی مدد کرتا ہے۔

فَجْوَةٍ: کشادہ اور کھلی جگہ کو کہتے ہیں، ارشاد ہے کہ: سورج کی تپش انہیں نہیں ستاتی تھی، ہوا انہیں برابر پہنچتی تھی، کیوں کہ وہ غار کی کھلی جگہ میں تھے، یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی، جسے سن کر اور دیکھ کر عقلمند لوگ اللہ تعالیٰ کو پہچان لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہر ایک کو نہیں سوجھتی، اللہ ہی سمجھائے تو سمجھیں، لیکن جس کی عقل پر جہالت کے پردے پڑ گئے ہوں، اللہ تعالیٰ اسے راستے سے بہکا دے تو پھر کوئی اس کا یار و مددگار ایسا نہیں کر سکتا کہ اسے سیدھے راستے پر ڈال دے۔

"اصحابِ کہف" غار کے اندر بے خبر سو رہے ہیں، لیکن اگر کوئی دیکھنے والا ہو تو یہ خیال کرے کہ وہ جاگ رہے ہیں، ان کا کتا بھی غار کے منہ پر اپنے بازو پھیلائے سو رہا ہے، ان کا ماحول دہشت انگیز ہے، دیکھنے والے کے دل پر اس سارے منظر سے رُعب طاری ہوتا ہے، اگر کوئی غار میں جھانک کر دیکھے، تو ڈر کے مارے الٹے پاؤں بھاگے۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: غار کا رُخ مشرق ومغرب کی بجائے شمالاً جنوباً تھا، یہی وجہ ہے کہ سورج کے طلوع وغروب کی کیفیت اس طرح کی بنائی تھی کہ جب سورج طلوع ہوتا تو دائیں طرف سے بقدرِ ضرورت روشنی اندر آجاتی لیکن دھوپ اندر نہیں آتی تھی، اور جب غروب کا وقت ہوتا تو سورج بائیں طرف کترا کر نکل جاتا، اور غار والوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچتی، البتہ غار میں ہوا اور روشنی بقدرِ ضرورت پہنچ رہی تھی، اور پھر وہ غار میں کشادہ اور کھلی جگہ پر لیٹے ہوئے تھے، انہیں کوئی گھٹن بھی محسوس نہیں ہوتی تھی، اور وہ پورے آرام اور سکون کے ساتھ سو رہے تھے۔

فرمایا کہ: یہ سب اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے، اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی نشانیاں وقتاً فوقتاً ظاہر کرتا رہتا ہے، تاکہ انہیں دیکھ کر لوگ اس کی قدرت کو پہچان سکیں، فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ ہدایت اسے نصیب ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے، جب تک اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق درست نہیں ہوگا، کسی شخص کو ہدایت نصیب نہیں ہوسکتی، اور نہ وہ گمراہی سے بچ سکتا ہے، "اصحاب کہف" نے اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ہدایت کا سامان پیدا کر دیا۔

جو شخص نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے، ان کی نیکی کا حصہ اس کو بھی ملتا ہے، "اصحابِ کہف" کے کتے نے ان سے محبت کی اور ان کے ساتھ لگ گیا تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کا ذکر فرمایا، جب ایک کتا نیک لوگوں کی صحبت سے یہ مقام پا سکتا ہے تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ مؤمنین جو اللہ تعالیٰ کے ولیوں اور نیک لوگوں سے محبت رکھیں، ان کا مقام کتنا بلند ہوگا؟ بلکہ اس واقعہ میں ان مسلمانوں کے لئے تسلی اور خوشخبری ہے جو اپنے عمل میں کم ہیں، مگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت پوری رکھتے ہیں۔

"صحیح بخاری" میں بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ مذکور ہے کہ میں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز مسجد سے نکل رہے تھے، مسجد کے دروازے پر ایک شخص ملا اور یہ سوال کیا کہ اے اللہ کے پیغمبر! قیامت کب آئے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: تم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ (جو اس کے آنے کی جلدی کر رہے ہو) یہ بات سن کر وہ شخص دل میں کچھ شرمندہ ہوا اور پھر عرض کیا کہ: میں نے قیامت کے لئے بہت نماز، روزے اور صدقات

توجہ نہیں کیے، مگر میں اللہ اور اس کے پیغمبر ﷺ سے محبت رکھتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اگر ایسا ہے (تو سن لو کہ) تم (قیامت میں) اسی کے ساتھ ہو گے جس سے محبت رکھتے ہو، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ہم یہ جملہ مبارکہ پیغمبر ﷺ سے سن کر اتنے خوش ہوئے کہ اسلام لانے کے بعد اس سے زیادہ خوشی کبھی نہ ہوئی تھی، اور اس کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: "الحمد للہ" میں اللہ سے، اس کے پیغمبر ﷺ سے، ابوبکر و عمر سے محبت رکھتا ہوں؛ اس لئے اس کا امیدوار ہوں کہ ان کے ساتھ ہوں گا۔

اللہ تعالیٰ نے جگا دیا

وَ كَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ

اور اسی طرح ہم نے اٹھایا ان کو تاکہ وہ سوال کریں آپس میں کہا ایک کہنے والے نے سے ان

كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا

کتنی دیر ٹھہرے تم بولے ٹھہرے ہم ایک دن یا کچھ حصہ دن کا بولے

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْۤا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖۤ

رب تمہارا ہی خوب جانتا ہے جتنی مدت ٹھہرے تم پس بھیجو ایک کو اپنے میں سے روپیہ دے کر یہ

اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَاۤ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ

طرف شہر کی پس وہ دیکھے ان میں کونسا پاکیزہ ہے کھانے میں پس لائے پاس تمہارے رزق

مِّنْهُ وَ لْيَتَلَطَّفْ وَ لَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ⑲ اِنَّهُمْ اِنْ

سے اس اور دبے پاؤں جائے اور نہ خبر دے تمہاری کسی کو (۱۹) تحقیق انہوں نے اگر

يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَ لَنْ

خبر پالی تمہاری سنگسار کر دیں گے تم کو یا لوٹائیں گے تم کو میں دین اپنے اور ہرگز

نصف القرآن باعتبار عدد الحروف بان التاء بعد الیاء من النصف الاول والام الثانیۃ من النصف الآخر ۱۲

تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿٢٠﴾

کامیابی نہ پاؤ گے تم اس صورت میں کبھی (٢٠)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اسی طرح ہم نے ان کو جگا دیا کہ آپس میں پوچھنے لگیں ان میں سے ایک بولا تم کتنی دیر ٹھہرے، بولے ہم ایک دن یا ایک دن سے کم ٹھہرے، بولے تمہارا رب ہی اسے خوب جانتا جتنی دیر تم ٹھہرے ہو، سو! اب اپنے میں سے ایک کو اپنا روپیہ دے کر شہر میں بھیجو، پھر وہ دیکھے کون سا کھانا پاکیزہ ہے، سو! لائے تمہارے پاس اس میں سے کھانا اور چھپ کے سے جائے اور تمہاری خبر کسی کو نہ بتائے۔(١٩) وہ لوگ اگر تمہاری خبر پالیں گے تو تم کو پتھروں سے مار ڈالیں یا تم کو اپنے دین میں لوٹائیں اور تب تو تمہیں کبھی بھی کامیابی حاصل نہ ہوگی۔(٢٠)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جب وہ ایک مدت تک غار میں سوتے رہے تو جیسے ہم نے اپنی قدرت سے انہیں سلایا تھا، ایسے ہی انہیں ایک مناسب وقت پر جگایا، اٹھنے کے بعد ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اتنی لمبی مدت تک سوئے، ایک نے کہا کہ تمہیں اس غار میں کتنا وقت ہو گیا؟ باقیوں نے کہا کہ شاید ایک دن گزر گیا ہو یا ابھی پورا دن بھی نہ ہوا ہو، پھر بولے کہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ ہم کتنی دیر ٹھہرے؟

آخر انہوں نے کہا کہ ان باتوں کو چھوڑو، کچھ کھانے کا بندوبست کرو، یہ روپے ہیں اسے دے کر ایک آدمی کو شہر کی طرف بھیجو، تاکہ شہر میں جا کر تلاش کرے، اچھے سے اچھا کھانا خرید کے لائے، لیکن ذرا احتیاط سے جائے، نرمی سے بات کرے، کسی کو ہماری سن گن نہ ملنے دے، اگر بادشاہ کو ہمارے بارے میں پتہ چل گیا تو پھر وہ ہمیں پتھروں سے مار ڈالیں گے، یا پھر زبردستی مشرک بنالیں گے، اگر ایسا ہوا تو بہت برا ہوگا۔

تین سو نو سال کا عرصہ ہو گیا، مگر ان "اصحاب کہف" کو بھوک اور پیاس کا احساس تک نہ ہوا، حضرت عزیر علیہ السلام کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا، وہ بھی سو سال تک سوتے رہے، جب بیدار ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا

کہ کتنی دیر ٹھہرے ہو؟ کہنے لگے کہ ایک دن یا اس کا کچھ حصہ، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں، وہ ایسا کرنے پر قادر ہے۔

غار کے اندر جب ان پر نیند طاری ہوئی تھی تو وہ صبح کا وقت تھا، اور جب بیدار ہوئے تو شام کا وقت تھا، اس وجہ سے وہ سمجھ رہے تھے کہ یہ وہی دن ہے، پھر جن کو سورج غروب ہونے کا گمان ہوا، انہوں نے کہا کہ ہم پورا دن سوئے، اور جن کو گمان ہوا کہ ابھی سورج غروب نہیں ہوا تو انہوں نے کہا کہ نہیں، ہم دن کا کچھ حصہ سوئے، انہی میں کچھ لوگوں کو یہ احساس ہوا کہ شاید یہ وہ دن نہیں جس میں ہم داخل ہوئے تھے، پھر معلوم نہیں کہ کتنے دن ہو گئے؛ اس لئے انہوں نے کہا کہ اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو، وہی جانتا ہے کہ تم کتنا سوئے؟

بہر حال! اصحابِ کہف نے اپنے میں سے ایک کو وکیل بنا کر روپیہ اس کے حوالے کیا کہ شہر جا کر اچھا سا کھانا خرید لائے، اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ وہ آدمی نرمی اختیار کرے، کوئی ایسی بات یا ایسی حرکت نہ کرے جس سے راز فاش ہو جانے کا خطرہ ہو، اگر ایسا ہوا تو بادشاہ کے لوگ پکڑ کر پتھروں سے مار دیں گے، یا دوبارہ مشرک بنا لیں گے، اور ایمان کے بعد دوبارہ مشرک بن جانا تو نہایت ہی نقصان والی بات ہے۔

احکام و مسائل

اس واقعہ میں ”اصحابِ کہف“ نے اپنے میں سے ایک آدمی کو شہر بھیجنے کے لئے منتخب کیا، اور رقم اس کے حوالے کی کہ وہ کھانا خرید کے لائے، اس سے چند فقہی مسائل حاصل ہوئے۔

(١)....مال میں شرکت جائز ہے، کیونکہ یہ رقم سب کی مشترک تھی۔ (٢)....مال میں وکالت جائز ہے کہ مشترک مال میں کوئی ایک شخص بحیثیت وکیل دوسروں کی اجازت سے خرچ کرے۔ (٣)....چند ساتھی اگر کھانے میں شرکت رکھیں یہ جائز ہے، اگرچہ کھانے کی مقدار عادۃً مختلف ہوتی ہے، کوئی کم کھاتا ہے، کوئی زیادہ کھاتا ہے۔

اطلاع کی حکمت

وَ كَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ اَنَّ

اور اسی طرح مطلع کیا ہم نے پران تاکہ لوگ جان لیں کہ وعدہ اللہ کا سچ ہے اور یہ کہ

السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ

قیامت نہیں شبہ میں اس جب جھگڑتے تھے وہ آپس میں بات اپنی پر

فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ؕ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ قَالَ

پس کہا انہوں نے بناؤ پران ایک عمارت رب ان کا خوب واقف ہے سے ان کہا انہوں نے

الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾

جو غالب تھے پر بات اپنی البتہ بنائیں گے ہم پران مسجد (۲۱)

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ

اب کہیں گے وہ تین ہیں چوتھا ان کا کتا ہے ان کا اور کہیں گے پانچ ہیں چھٹا ان کا

كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّ ثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ؕ

کتا ہے ان کا، پتھر پھینکتے ہوئے بے دیکھے اور کہیں گے سات ہیں اور آٹھواں کتا ہے ان کا

قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۫ۥ فَلَا

کہہ دیجئے رب میرا خوب جانتا ہے گنتی ان کی کو نہیں جانتے ان کو مگر تھوڑے لوگ پس مت

تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۠ وَّ لَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۲﴾ ع ۳ / ۱۵

جھگڑ میں بارے انکے مگر جھگڑا ظاہری اور نہ پوچھ حال ان کا سے ان میں کسی سے (۲۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اسی طرح ہم نے ان کی خبر ظاہر کردی تاکہ لوگ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ

ٹھیک ہے اور قیامت کے آنے میں دھوکا نہیں جب وہ آپس میں اپنی بات پر جھگڑ رہے تھے پھر کہنے لگے ان پر ایک عمارت بناؤ، ان کا رب ان کا حال خوب جانتا ہے وہ لوگ بولے جن کی بات غالب تھی ہم ان کی جگہ پر مسجد بنائیں گے۔ (۲۱) اب کچھ کہیں گے تین ہیں اور چوتھا ان کا کتا اور کچھ کہیں گے پانچ ہیں اور چھٹا ان کا کتا، یہ سب بے دیکھے کی باتیں ہیں، اور بعض کہیں گے سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا، آپ کہہ دیجئے: کہ میرا رب ان کی گنتی خوب جانتا ہے ان کی خبر تھوڑے لوگوں کو ہے، سو! ان کی بات میں مت جھگڑو مگر سرسری جھگڑنا اور ان میں کسی سے مت پوچھو۔ (۲۲)

تفسیر

"اصحابِ کہف" کا آدمی گیا اور چپکے سے ایک دوکاندار کو روپیہ دیا کہ اس کا کھانا دے دو، یہ روپیہ اس وقت پرانا ہو چکا تھا، اب اس کی جگہ نیا سکا جاری ہو چکا تھا، دوکاندار نے اس کو پکڑ لیا کہ ضرور اسے کوئی خزانہ مل گیا ہے، اور اس نے اسے چھپالیا ہے، تحقیق کی گئی تو اصل بات معلوم ہوگئی، پچھلے واقعات کی فائلوں سے بھی اس کی تصدیق ہوگئی۔

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: ہم نے اس وقت کے لوگوں کو "اصحاب کہف" کے حالات سے آگاہ کیا، تاکہ انہیں یہ معلوم ہوجائے کہ جب صدیوں کے سوتے جاگ اٹھے تو مردوں کا دوبارہ اٹھنا کیا مشکل ہے؟ اس کے بعد جن لوگوں کی حکومت تھی انہوں نے کہا کہ ان عجیب وغریب لوگوں کا حال تو ان کا رب ہی جانے، ہمیں اس جگہ جہاں وہ سوتے رہے، ایک عبادت خانہ بنا دینا چاہئے، تاکہ لوگ آئیں اور عبرت حاصل کریں۔

"اصحابِ کہف" کے بارے میں جو کچھ قرآن کی آیتوں میں بتایا گیا ہے، وہ انسان کو ایک سبق سکھانے کے لئے کافی ہے، اور وہ سبق یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مانیں، اور صرف اسی کی عبادت کریں، اس سے دل کو بڑی مضبوطی حاصل ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ایسے شخص کے آڑے وقت میں کام آتا ہے، "اصحابِ کہف" سے متعلق فضول قسم کے سوالات میں لگ کر وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بس! جو ہے

وہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے، صحیح صورتحال کا کم ہی لوگوں کو پتہ ہے، لہذا ہر کسی سے ان کے بارے میں پوچھنا چھوڑ دو۔

کھانا لینے کے لئے جو شخص گیا، اس نے شہر میں اجنبیت محسوس کی، ہر چیز بدلی ہوئی نظر آئی، اور کوئی جاننے والا نظر نہیں آیا، جب اس نے کھانا خریدنے کے لئے سکہ پیش کیا تو لوگوں کو شک گزرا کہ اس کے ہاتھ کوئی خزانہ لگ گیا ہے جو یہ تین سو سال پرانے زمانے کا سکہ لے کر آیا ہے، چنانچہ جب انہوں نے تحقیق کی تو اصل بات کا علم ہوا، پھر اسے بادشاہِ وقت کے سامنے پیش کیا گیا، اس وقت کا بادشاہ صحیح عقیدے والا تھا، اس نے اس شخص کو تسلی دی اور خود جا کر "اصحاب کہف" سے گفتگو بھی کی۔

دراصل اس زمانے کے لوگ قیامت کے واقع ہونے سے متعلق اختلاف میں مبتلا تھے، بعض لوگ قیامت پر یقین رکھتے تھے، اور بعض اس کا انکار کرتے تھے، بادشاہ بھی اس معاملے میں شک میں تھا، اور اس بارے میں کسی دلیل کی تلاش میں تھا، اسی دوران اللہ تعالیٰ نے "اصحابِ کہف" کو بیدار کر دیا، یہ دلیل تھی اس بات کہ جس طرح تین سو سال کے بعد ان کو دوبارہ اٹھا دیا، اسی طرح لوگوں کو مرنے کے بعد بھی دوبارہ اٹھایا جائے گا۔

اب جبکہ "اصحابِ کہف" کا راز سب کو معلوم ہو گیا تو وہ زیادہ دیر تک زندہ نہ رہے، بلکہ اللہ نے ان کو موت دے دی تو لوگوں نے ان کی یادگار بنانے کا فیصلہ کیا، اس بارے میں مختلف رائیں تھیں، بہر حال! اس وقت جو لوگ غالب تھے اور صحیح رائے والے تھے، انہوں نے کہا کہ ہم تو اس جگہ پر ایک مسجد تعمیر کریں گے، "اصحابِ کہف" بڑی شان والے لوگ ہیں، لہذا ان کی شایانِ شان یہ ہے کہ یہاں پر مسجد تعمیر کی جائے، جہاں پر لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا فریضہ انجام دیں، اور انہیں پتہ چلے کہ ایمان بہت بڑی دولت ہے۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہدایت یہ فرمائی کہ "اصحابِ کہف" کے بارے میں یہودیوں اور عیسائیوں اور مشرکوں سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے، ان کے پاس کوئی یقینی علم نہیں ہے، وہ محض اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں، ان یہودیوں اور عیسائیوں اور مشرکوں کا اصحاب کہف سے کیا تعلق ہے؟

احکام ومسائل

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ولیوں اور نیک لوگوں کی قبروں کے پاس نماز کے لئے مسجد بنا دینا کوئی گناہ نہیں، اور جس حدیث میں قبروں کو مسجد بنانے والوں پر لعنت کے الفاظ آئے ہیں، اس سے مراد خود ان قبروں کو سجدہ گاہ بنا دینا ہے، جو بالکل حرام اور شرک ہے۔

ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد

وَ لَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿٢٣﴾ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۫

اور ہرگز نہ کہہ کسی چیز کو کہ میں کروں گا اسے کل (۲۳) مگر یہ کہ چاہے اللہ

وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ

اور یاد کر رب اپنے کو جب بھول جائے اور کہہ اُمید ہے کہ راہ دکھادے مجھ کو رب میرا کی زیادہ قریب

مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿٢٤﴾ وَ لَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ

سے اس سمجھانے میں (۲۴) اور ٹھہرے وہ میں غار اپنے تین سو سال

وَ ازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿٢٥﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ

اور زائد رہے نو سال (۲۵) کہہ دیجے اللہ خوب جانتا ہے جتنی مدت وہ ٹھہرے پاس اسکے بھید

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِهٖ وَ اَسْمِعْ ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ

آسمانوں کے اور زمین کے کس قدر دیکھتا ہے اور کس قدر سنتا ہے نہیں واسطے انکے سوا اس کے

مِنْ وَّلِيٍّ ۫ وَّ لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿٢٦﴾

کوئی مددگار اور نہیں وہ شریک کرتا میں حکم اپنے کسی کو (۲۶)

بامحاورہ ترجمہ: اور نہ کسی کام کو منہ سے کہنا کہ یہ میں کل کروں گا۔ (۲۳) مگر یہ کہ اللہ چاہے اور یاد کر

اپنے رب کو جب بھول جائے اور کہہ اُمید ہے کہ میرا رب مجھ کو اس سے زیادہ نزدیک نیکی کی راہ دکھائے۔(۲۴)
اور وہ اپنے غار میں تین سو نو سال ٹھہرے۔(۲۵) آپ کہہ دیجئے! اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جتنی مدت ان پر گزری
اس کے پاس آسمانوں اور زمین کے چھپے ہوئے بھید ہیں، وہ بہت خوب دیکھتا اور سنتا ہے، بندوں پر اس کے سوا
کوئی مختار نہیں، اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔(۲۶)

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا میں انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجا، اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کام، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرزِ عمل، غرض ہر بات کو دوسروں کے لئے نمونہ بنا کر دنیا کو دکھانا مقصود تھا کہ انسان کے لئے دنیا میں زندگی بسر کرنے کا طریقہ یہ ہے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے حالات پیش آنے ضروری تھے کہ ہر حالت کے لحاظ سے قرآن مجید میں حکم اُتارے جاتے رہیں۔

ارشاد ہے کہ: کسی کام کے لئے یہ مت کہو کہ کل کرلوں گا، یا کل ہو جائے گا، مگر اس کے ساتھ "ان شاء اللہ" ضرور کہہ لیا کرو، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے ہر انسان کو سمجھا دیا کہ موقع پر "اِنْ شَاءَ اللّٰهُ، بِسْمِ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" وغیرہ کہنا کسی حال میں نہ بھولے، اگر بھول جائے تو جب یاد آجائے تب کہہ دے۔

فرمایا کہ: آپ یہ بھی کہہ دیں کہ اُمید ہے کہ میرا پروردگار رہنمائی فرمائے گا، اس سے زیادہ قریب تر نیکی کے راستہ کی، دراصل پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے "اصحابِ کہف" کا واقعہ ٹھیک ٹھیک بیان کر دینا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی کی دلیل تھا، کیونکہ یہودیوں اور عیسائیوں اور مشرکوں کے سوال کا مقصد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امتحان لینا تھا، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ٹھیک ٹھیک جواب دے دیا تو گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہی کے بتلانے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "اصحابِ کہف" کا واقعہ بیان کیا ہے، یہ تو سینکڑوں سال پرانا واقعہ ہے۔

اس آیت سے انسانوں کو یہ سبق سیکھنا ہے کہ دنیا میں ہر کام اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے حکم سے ہوتا ہے، بغیر اس کے حکم کے کچھ نہیں ہوسکتا۔

فرمایا کہ: بعض لوگ اٹکل پچو سے "اصحاب کہف" کی غار میں رہنے کی مدت بیان کرتے ہیں، ان سے کہہ دو کہ ان باتوں کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے، آسمانوں اور زمینوں کے بھید سے وہی واقف ہے، نہ اس کے برابر کسی میں دیکھنے کی قوت ہے اور نہ سننے، اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنا حکم جاری کرنے میں کسی کو شریک نہیں کرتا، اور نہ کسی سے اپنے انتظام کے کام میں مشورہ کا محتاج ہے۔

"ان شاء اللہ" کہنے کے چند احکام

"انشاء اللہ" کہنے کے بارے میں کچھ فقہی مسئلے بھی ہیں، مثلاً: کسی شخص نے کسی کام کے لئے قسم اٹھائی، اور ساتھ "انشاء اللہ" کہہ دیا تو اس نے وہ کام اللہ کے سپرد کر دیا، اب اگر وہ اپنی قسم پوری نہیں کرتا تو قسم پوری نہ کرنے والا نہیں کہلائے گا، اور اس کی پکڑ نہیں ہوگی، کیونکہ یہ سمجھا جائے گا کہ اس کام کی تکمیل میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ شامل نہیں، اور اگر "انشاء اللہ" کہہ کر قسم اٹھائی ہے تو اس پر قسم کا کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سو (١٠٠) بیویاں تھیں، انہوں نے ارادہ کیا کہ میں ایک ہی رات میں تمام بیویوں کے پاس جاؤں گا، اور ان سے پیدا ہونے والے تمام بچوں کو اللہ تعالیٰ کی خاطر جہاد میں لگاؤں گا، آپ نے ساتھ میں "انشاء اللہ" نہیں کہا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف ایک بیوی کے ہاں بچہ پیدا ہوا، اور وہ بھی ادھورا، جس سے جہاد میں شامل ہونے کی اُمید نہیں کی جاسکتی تھی۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اگر سلیمان علیہ السلام "انشاء اللہ" کہہ دیتے تو آپ کی مراد پوری ہو جاتی، مگر اس بھول کی وجہ سے ان کا مقصد پورا نہ ہو سکا، غرضیکہ کوئی کام بھی ہو اسے "انشاء اللہ" کہہ کر اللہ تعالیٰ کے ارادے کے ساتھ وابستہ کر دینا چاہئے۔

امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کسی مخالف نے خلیفہ منصور کے پاس شکایت کی کہ آپ کے جد امجد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کسی کام کے ارادے سے ایک سال بعد تک بھی "انشاء اللہ" کہنے کو جائز سمجھتے تھے، مگر امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کو نہیں مانتے کہ صرف وہی "انشاء اللہ" معتبر ہوگا، جو کسی بات کے کہتے وقت فوراً

کہا گیا ہو، خلیفہ نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو طلب کر کے وضاحت چاہی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ہاں! میرا مسلک یہی ہے جو آپ نے بیان کیا ہے، مگر آپ جس بات پر اصرار کر رہے ہیں وہ آپ کے خلاف جاتی ہے، وجہ یہ ہے کہ لوگ جب آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے آپ کی اطاعت کا عہد کرتے ہیں تو اس کے ساتھ "انشاء اللہ" تو نہیں کہتے، لہٰذا یہ حتمی بات ہوتی ہے، اور اس کے خلاف کرنے سے آدمی قابل گرفت ہو جاتا ہے، اگر "انشاء اللہ" کہنا عہد کرنے کے ایک سال بعد تک مؤخر کیا جانا جائز سمجھا جائے تو پھر لوگ آپ کی بیعت کرنے کے بعد گھر جا کر "انشاء اللہ" کہہ سکتے ہیں، اور اس طرح وہ اس بیعت سے نکل سکتے ہیں، اور آپ انہیں بیعت پر مجبور نہیں رکھ سکتے، کیونکہ انہوں نے "انشاء اللہ" کہہ کر معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا ہے، لہٰذا اگر اللہ چاہے گا تو وہ آپ کی اطاعت میں آئیں گے، ورنہ نہیں، یہ بات خلیفہ کی سمجھ میں آ گئی، اور اس نے شکایت کرنے والے کو دربار سے نکلوا دیا۔

مسئلہ (۱):.... اس آیت سے ایک "مسئلہ" تو یہ معلوم ہوا کہ آئندہ کے کسی کام کرنے پر "انشاء اللہ" کہنا مستحب ہے، دوسرے یہ معلوم ہوا کہ اگر بھولے سے یہ کلمہ کہنے سے رہ جائے تو جب یاد آئے، اسی وقت کہہ لے۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ

اور پڑھ جو وحی کی گئی طرف آپ کی سے کتاب رب اپنے کی نہیں کوئی بدلنے والا باتیں اس کی

وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ

اور ہرگز نہ پائیں گے آپ سوا اس کے کوئی بچاؤ کی جگہ (۲۷) اور روکے رکھیے اپنے آپ کو ساتھ ان کے جو

يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ

پکارتے ہیں رب اپنے کو صبح اور شام چاہتے ہوئے توجہ اس کی

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور پڑھیے جو کتاب آپ کو آپ کے رب کی طرف سے وحی کی گئی اس کی باتیں کوئی بدلنے والا نہیں ہے اور اس کے سوا آپ کوئی بچاؤ کی جگہ نہ پائیں گے۔ (۲۷) اور اپنے آپ کو ان کے ساتھ

روکے رکھیے جو اپنے رب کو صبح وشام پکارتے ہیں اور اس کی رضا کے طلبگار ہیں۔

تفسیر

انسان ہمیشہ سے قصے کہانیوں کا شوقین ہے، کھانے پینے اور آرام کا ٹھکانہ ملنے کے بعد انسان کا دل سب سے زیادہ اسی میں لگا رہتا ہے کہ کوئی اسے مزیدار چٹ پٹی اور لچھے دار باتیں سناتا رہے، چنانچہ زمانے میں بہت سے قصے کہانیاں سنانے والے پیدا ہوئے، پھر جب لکھنے کا دور شروع ہوا تو لوگ ان قصے کہانیوں کی کتابیں لکھنے لگے، انسانی تاریخ اس طرح کے قصوں سے بھری پڑی ہے۔

قرآن مجید میں پہلے لوگوں کے جو قصے بیان کئے گئے ہیں ان سے بہت سی نصیحتیں اور عبرتیں حاصل کی جاسکتی ہیں، پھر جھوٹے اور بے مقصد قصوں کا کیا فائدہ؟ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فرمایا کہ: لوگوں کو قرآن پڑھ کر سناؤ اس کی ساری باتیں سچی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اُتاری ہوئی ہیں، ان باتوں کو کوئی نہیں بدل سکتا۔

"اصحابِ کہف" کے واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی اہمیت کا ذکر کیا ہے کہ آپ اس کتاب کو پڑھیں جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے، صحیح بات اسی کتاب میں ہوگی، جو لوگ اس کے خلاف باتیں کرتے ہیں وہ یقینی نہیں ہیں، قطعی اور یقینی علم نہ لوگوں کی سنی سنائی باتوں میں ہے اور نہ تاریخ کی کتابوں میں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہیں، آپ اس کی تلاوت کریں اور اس پر اعتقاد رکھیں۔

اس کتاب کے کلمات کو کوئی بدل نہیں سکتا، اس کتاب میں سچے دین کو غالب کرنے کا وعدہ تھا، جو پورا ہو کر رہا، حالانکہ مشرک اور اہل کتاب ہمیشہ اس دین کو مٹانے کی کوشش کرتے رہے، مگر کامیاب نہ ہو سکے۔

کافر اور مشرک لوگ کمزور اور غریب مسلمانوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، ان کے ساتھ بیٹھنا اپنی توہین سمجھتے تھے؛ اس لئے وہ پیغمبر ﷺ سے کہتے کہ جب تک سلمان فارسی، عبداللہ بن مسعود، صہیب، عمار بن یاسر وغیرہ جیسے غریب لوگ آپ کی مجلس میں موجود ہیں، ہم آپ کے پاس نہیں بیٹھ سکتے، اگر آپ ہمیں اپنی باتیں سنانا چاہتے ہیں تو ان نادار لوگوں کو اپنی مجلس سے اٹھا دیں، اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر ﷺ کو ان مخلص

صحابہ کی قدر و قیمت سے آگاہ فرمایا، اور ان کمزور اور غریب لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا کسی صورت میں بھی نہ چھوڑنے کی تلقین فرمائی، فرمایا: آپ اپنے آپ کو روکے رکھیں ان لوگوں کے ساتھ جو اپنے پروردگار کو صبح وشام پکارتے ہیں، دوسرے مقام پر ہے کہ اگر آپ نے ان کو اپنی مجلس سے الگ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم زیادتی کرنے والے ہو جائیں گے، یہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں، ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی تلاش میں رہتے ہیں، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں عزت والے لوگ ہیں، کیونکہ ان کا مقصد نہایت بلند ہے۔

پیغمبر کا رویّہ

وَ لَا تَعْدُ عَیْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَ
اور نہ پھیریں آنکھیں اپنی سے ان ارادہ کرتے ہوئے رونق زندگانی دنیا کی اور

لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ وَ
مت اطاعت کر اس کی کہ غافل کر دیا ہم نے دل اس کا سے ذکر اپنے اور پیچھے ہو لیا خواہش اپنی کے اور

كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ
ہے رویہ اس کا حد سے نکلا ہوا (۲۸) اور کہہ دیجئے حق طرف سے رب تمہارے پس جو چاہے

فَلْیُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ ۙ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا ۙ
ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے تحقیق ہم نے تیار کر دی واسطے ظالموں آگ

اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ؕ وَ اِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ
گھیرے ہوئے ہے ان کو قناتیں اس کی اور اگر مدد چاہیں گے وہ تو مدد کیے جائیں گے سے پانی مانند پیپ کے

یَشْوِی الْوُجُوْهَ ؕ بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ وَ سَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾
بھون ڈالے گا ان کے منہ برا پینا ہے اور بری آرام گاہ (۲۹)

با محاورہ ترجمہ:۔ اور آپ کی آنکھیں ان کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی کی رونق کی تلاش میں نہ دوڑیں اور اس

کا کہنا نہ مانیں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا، اور وہ اپنی خوشی کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور اس کا کام حد سے نکلا ہوا ہے۔ (۲۸) اور کہہ دیجئے کہ! سچی بات تمہارے رب کی طرف سے ہے پھر جو کوئی چاہے مانے اور جو کوئی چاہے نہ مانے، ہم نے ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے، اس کی قناتوں نے ان کو گھیر رکھا ہے، اگر (پیاس کی شدت سے) فریاد کریں گے تو پیپ جیسے پانی سے ان کی فریاد رسی کی جائے گی جو ان کے منہ بھون دے گا، کیا یہ برا پینا ہے اور کیا ہی برا ٹھکانہ۔ (۲۹)

تفسیر

بعض سر پھرے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ ان مفلس اور خستہ حال لوگوں کو اپنے پاس سے اٹھادیں تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات سننے کے لئے تیار ہیں، ان کو سنانے کے لئے کہا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مال و دولت، جاہ و مرتبہ کوئی چیز نہیں ہے، اس کی پسند تو یہ ہے کہ اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے اس کا کہا مانا جائے، گستاخ، اور خواہشوں کے غلام، بڑھ چڑھ کر دعویٰ کرنے والے منہ لگانے کے قابل نہیں ہیں، ان کا دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچی بات آچکی ہے، جس کا جی چاہے مانے اور جس کا جی چاہے نہ مانے۔

آگے ارشاد ہے کہ: ہم نے نہ ماننے والوں کے لئے آگ کا ایک الاؤ تیار کر رکھا ہے، جس کے چاروں طرف آگ ہی آگ ہے، یہ ظالم لوگ اس میں جلیں گے، اور اگر پیاس بجھانے کے لئے پانی مانگیں گے تو ان کو پیپ کی شکل کا پانی یا تیل کی تلچھٹ کی شکل کا کھولتا ہوا پانی ملے گا، جو منہ میں پڑتے ہی منہ کو جھلسا دے گا، یہ پینے کی بہت بری چیز ہے اور وہ آگ کا الاؤ بہت برا ٹھکانہ ہے، اللہ بچائے۔ آمین

جب کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں یہ خیال آیا کہ ان نادار صحابہ سے ذرا دیر کے لئے الگ ہو کر ان کافروں کو بھی اسلام کی حقانیت سے خبردار کیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا کرنے سے روک دیا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انہی کمزور لوگوں کی مجلس میں رہنے کی تلقین کی، اس حکم پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ

میری امت میں سے ایسے لوگ بھی ہیں، جن کے ساتھ بیٹھے رہنے کا مجھے حکم دیا گیا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ انہی لوگوں میں بیٹھنا پسند کرتے تھے۔

فرمایا: اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ... الخ: "اَغْفَلْنَا" کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس کے دل کو غفلت میں دیا۔

آگے فرمایا کہ: اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، ان میں کسی پیغمبر کا اپنا دخل نہیں ہے، اب جس کا دل چاہے ایمان قبول کرلے اور جس کا دل چاہے کفر کا راستہ اختیار کرلے، اللہ تعالیٰ نے دونوں راستے واضح کردیے، اب جس کا دل جو راستہ چاہے اختیار کرے۔

فرمایا کہ: یقیناً ہم نے ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے، جو لوگ نہ ماننے کا راستہ اختیار کریں گے، وہ ظالم ہوں گے اور ظالموں کے لئے ہم نے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔

سُرَادِقُ: پردوں کو کہا جاتا ہے، جیسے خیمہ، یا قنات کے پردے ہوتے ہیں، یہ پردے تو کپڑے کی چند موٹی تہوں کے ہوتے ہیں، لیکن "ترمذی شریف" کی روایت میں ہے کہ دوزخ میں آگ کے پردوں کی موٹائی چار دیواروں کے برابر ہوگی اور ان میں سے ایک دیوار اتنی موٹی ہے کہ انسان چالیس سال تک چلتا رہے تو اسے طے نہ کرسکے۔

فرمایا: کَالْمُهْلِ: "مُهْلِ" اس تلچھٹ کو کہتے ہیں جو زیتون کے تیل کے نیچے جمع ہوجاتی ہے، مطلب یہ کہ دوزخیوں کو دیا جانے والا پانی سخت گرم ہوگا، جونہی وہ چہروں کے قریب لائیں گے تو وہ چہروں کو بھون ڈالے گا، اس قسم کا گرم پانی دیا جائے گا۔

ایمان والوں کا انعام

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ

تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور کام کیے اچھے تحقیق ہم نہیں ضائع کرتے بدلہ اس کا جو

اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ

اچھا کرے عمل (۳۰) یہ لوگ واسطے ان کے باغات ہیں رہنے کے بہتی ہیں سے نیچے ان کے

الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ يَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا

نہریں زیور پہنائے جائیں گے وہ میں اس سے کنگنوں سونے کے اور پہنیں گے کپڑے

خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّ اِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ؕ

سبز رنگ کے باریک ریشم اور موٹے ریشم تکیہ لگائے ہوئے میں ان پر مسہریوں

ع ۹ ۱۶ نِعْمَ الثَّوَابُ ؕ وَ حَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾

اچھا بدلہ ہے یہ اور خوب ہے آرام گاہ (۳۱)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ بے شک جو لوگ یقین لائے اور نیکیاں کیں ہم اس کا بدلہ ضائع نہیں کرتے جس نے بھلا کام کیا۔(۳۰) ایسوں کے لئے رہنے کے باغ ہیں ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور پہنیں گے سبز کپڑے باریک اور گاڑھے ریشم کے، تکیہ لگائے ہوئے ان میں تختوں پر، کیا خوب بدلہ ہے اور کیا خوب آرام گاہ ہے۔(۳۱)

لفظی تحقیق: عَدْنٍ: قیام کی جگہ، اَسَاوِرَ: کنگن، خُضْر: سبز، سُنْدُسٍ: باریک تار والے ریشم کا کپڑا، اِسْتَبْرَقٍ: ریشم کے موٹے تار سے بنا ہوا کپڑا، اَرَآئِكِ: پردوں اور مسند سے سجے ہوئے تخت۔

تفسیر

مسہری، گدے، پردہ دار تخت، باغ، نہریں، عمدہ لباس، زیور، زیب وزینت، یہی چیزیں دنیا میں راحت اور عیش کے سامان ہیں، انہی سے جنت کی نعمتوں کی تصویر کھینچی ہے، تاکہ جنت کا کچھ تصور ہو جائے، ورنہ اصل کیفیت بیان کرنے کے لئے یہاں لفظ ہی نہیں، بس! وہ اچھا بدلہ ہے، اور اچھی جگہ ہے۔

کفر وشرک اور ظلم کا راستہ اختیار کرنے والوں کا انجام بتا کر اب ایمان والوں کے انعامات بیان کئے جا رہے ہیں، قرآن مجید کا یہ طریقہ ہے کہ "خوشخبریاں" اور "ڈر" دونوں مضمون ساتھ ساتھ بتاتا ہے، فرمایا کہ: جو لوگ اس دنیا میں رہ کر ایمان لائے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کو اپنے دلوں میں جگہ دی، اللہ تعالیٰ کے

پیغمبروں، اس کی کتابوں اور قیامت کو سچ مانا، اس کے فرشتوں پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے پر چلے اور اس کے ساتھ ساتھ نیک کام بھی کیے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیک کام کرنے والوں کا بدلہ ضائع نہیں کرتے، اچھا عمل چھوٹے سے چھوٹا بھی ہوگا تو قیامت کے دن پیش کیا جائے گا، فرمایا کہ: ان ایمان والوں کے لئے باغات ہیں رہنے کے لئے، سرسبز وشاداب باغات کے اندر ہی ان کے رہنے کے لئے عالیشان محلات ہوں گے، جن میں زیب وزینت اور آرام وآسائش کے تمام سامان مہیا ہوں گے، ان کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی، باغوں اور نہروں کا تصور انسانی زندگی کے لئے پورے آرام وراحت کا تصور پیش کرتا ہے، مطلب یہ کہ آخرت کی زندگی میں انہیں ہر طرح کا آرام اور سکون حاصل ہوگا۔

زیب وزینت کی چیزوں میں سے زیورات کو خاص اہمیت حاصل ہے، جنت میں یہ چیزیں بھی ملیں گے، جنت میں ایمان والوں کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے، اس دنیا میں تو مردوں کے لئے سونا اور ریشم منع ہیں، لیکن جنت میں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جنتیوں کو یہ چیزیں عطا فرمائے گا۔

اچھے سے اچھا لباس بھی انسان کی پسندیدہ چیزوں میں سے ہے اللہ تعالیٰ جنت والوں کو بہترین لباس بھی عطا فرمائیں گے جو باریک اور موٹے ریشم دونوں سے بُنے ہوئے عمدہ لباس ہوں گے۔

فرمایا کہ: جنتی جنت میں عالیشان تختوں پر گاؤ تکیہ لگا کر بیٹھیں گے۔

جنت میں جنتیوں کو پاکیزہ بیویاں بھی حاصل ہوں گی، اس کے علاوہ بے شمار نعمتیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جنت والوں کو عطا فرمائیں گے۔

ان نعمتوں کے تصور سے ہی کتنی راحت ہوتی ہے، پھر جب حقیقت میں مل جائیں (اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے) تو کتنا آرام وسکون میسر ہوگا، غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مشرکوں کا حال بھی بیان کر دیا ہے، اور پھر ایمان والوں کا ذکر بھی ہوگیا ہے، اللہ تعالیٰ نے دونوں کو بیان کر کے دوزخ سے ڈرانے اور جنت کی خوشخبری سنانے کی بات مکمل کر دی۔

احکام و مسائل

فرمایا: یُحَلَّوْنَ فِیْهَا: اس آیت میں جنت والے مردوں کو بھی سونے کے کنگن پہنانے کا ذکر ہے، اس پر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ زیور پہننا تو مردوں کے لئے نہ خوبصورتی ہے، نہ کوئی زینت، جنت میں اگران کو کنگن پہنائے گئے تو وہ ان کو بدصورت کردیں گے۔

جواب یہ ہے کہ زیب و زینت عرف ورواج کے تابع ہے، ایک ملک اور علاقے میں جو چیز زینت سمجھی جاتی ہے، دوسرے ملکوں میں بعض اوقات اسے ایسا نہیں سمجھا جاتا، بلکہ ہوسکتا ہے کہ وہاں وہ نفرت کے قابل ہو، اسی طرح ایک زمانے تک ایک چیز زینت کے لئے استعمال ہوتی ہے، پھر دوسرے زمانے میں اس کا استعمال بطور زینت کے نہیں رہتا، بلکہ بعض اوقات اس کا استعمال عیب کی چیز سمجھا جانے لگتا ہے، اسی طرح جنت میں جنتیوں کو یہ سب چیزیں حاصل ہوں گی، وہ ایک الگ جہان ہے، وہاں کا قانون الگ ہے، وہاں ان چیزوں کو کوئی نفرت کے قابل یا معیوب نہیں سمجھے گا اور یہ چیزیں وہاں بطورِ زیب و زینت ہی استعمال ہوں گی۔

عبرت انگیز واقعہ

وَ اضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَیْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَیْنِ

اور بیان کیجئے واسطے ان کے کہاوت دو آدمیوں کی بنائے ہم نے واسطے ایک ان میں سے دو باغ

مِنْ اَعْنَابٍ وَّ حَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّ جَعَلْنَا بَیْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۲﴾

انگوروں کے اور گھیرا ان دونوں کو سے کھجور اور بنادی ہم نے بیچ ان دونوں کے کھیتی (۳۲)

كِلْتَا الْجَنَّتَیْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَ لَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَیْـًٔا ۙ وَّ

دونوں باغ لاتے تھے پھل اپنے اور نہ کم کرتے تھے سے اس کچھ اور

فَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾ وَّ كَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَ

بہادیں ہم نے بیچ ان دونوں کے نہریں (۳۳) اور تھا واسطے اسکے پھل پس کہا واسطے ساتھی اپنے کے اور

هُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّ اَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾ وَ
وہ بات چیت کرتا تھا اس سے میں زیادہ ہوں سے تجھ مال میں اور زیادہ معزز ہوں آدمیوں کے لحاظ سے (۳۴) اور

دَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ
گھسا باغ اپنے میں اور وہ برا کر رہا تھا کا جان اپنی بولا نہیں میں گمان کرتا کہ اجڑے گا یہ

اَبَدًا ﴿۳۵﴾ وَّ مَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ
کبھی (۳۵) اور نہیں میں سمجھتا قیامت کو قائم ہونے والی اور البتہ اگر پہنچ گیا میں پاس رب اپنے کے

لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾
تو ضرور پاؤں گا میں بہتر سے اس جگہ (۳۶)

با محاورہ ترجمہ:۔ اور ان کو بتلا دیجئے مثال دو مردوں کی بنا دیے ہم نے ان میں سے ایک کے لئے دو باغ انگور کے اور ان دونوں باغوں کو ہم نے کھجوروں کے درختوں سے گھیرا ہوا تھا اور رکھی دونوں کے بیچ میں کھیتی۔ (۳۲) دونوں باغ اپنا میوہ دیتے تھے اور اس میں سے کچھ نہیں گھٹاتے تھے اور ہم نے ان دونوں کے بیچ میں نہریں بہا دیں۔ (۳۳) اور تھا اس کے لئے پھل پھر اپنے ساتھی سے جب وہ باتیں کرنے لگا بولا میرے پاس تجھ سے زیادہ مال ہے اور آدمیوں کی تعداد میں تجھ سے زیادہ ہے۔ (۳۴) پھر اپنے باغ میں گیا اور وہ اپنی جان پر ظلم کر رہا تھا، بولا مجھ کو خیال نہیں آتا کہ یہ باغ کبھی برباد ہوگا۔ (۳۵) اور میں خیال نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہونے والی ہے اور اگر بالفرض اپنے رب کے پاس پہنچ گیا تو وہاں پہنچ کر اس سے بہتر پاؤں گا۔ (۳۶)

تفسیر

انسان اگر یہ سمجھ لے کہ دنیا میں اسے جو نعمتیں مل رہی ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل رہی ہیں، مجھے ان سے فائدہ اٹھاتے وقت اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں ہونا چاہئے، اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے تو اس کا بیڑا دونوں جہانوں میں پار ہے، اس کے بعد اسے صرف یہ جاننے کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ کس کس طریقے سے شکر

ادا کروں، انسان کی اس ضرورت کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ اور اپنی کتاب قرآن مجید دے کر پورا کردیا ہے، اسی ضمن میں قرآن مجید ایک واقعہ بیان کرتا ہے کہ ان لوگوں کو دو آدمیوں کا قصہ سناؤ، تاکہ ان پر واضح ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا کیا نتیجہ ہوتا ہے؟ ان دو آدمیوں میں سے ایک کو اللہ تعالیٰ نے دو باغ عطا فرمائے، جن میں انگور کی بیلیں بہت زیادہ تھی، اور اس باغ کے اردگرد کھجور کے درختوں کی باڑ لگادی تھی، اور دونوں باغوں کے بیچ میں کھیتی باڑی کی جگہ تھی، اور کھیتی کے ساتھ ہی نہر بہہ رہی تھی، جس کی وجہ سے باغات اور کھیت خوب پھل دیتے، اور پیداوار بھی خوب ہوتی تھی، جس کی وجہ سے وہ خوب مالدار ہوگیا۔

اس مالدار کا دوسرا ساتھی اللہ پر بھروسہ رکھنے والا اور ایماندار آدمی تھا، مال و دولت کے پیچھے دیوانوں کی طرح نہیں دوڑتا تھا، یہ مالدار اس مفلس سے کہنے لگا کہ دیکھ! میرے پاس کس قدر مال و دولت ہے، کس قدر ساز و سامان ہے، اور میرے اردگرد کتنے میرے کنبے والے اور رشتہ دار اور نوکر چاکر ہیں، اور ان کی وجہ سے کتنی مجھے عزت حاصل ہے، پھر وہ اسے لے کر ایک باغ میں پہنچا، اس کے دل میں غرور بھرا ہوا تھا، اور وہ اپنی جان پر ظلم کررہا تھا، کہنے لگا کہ بھلا! کیسے خیال آسکتا ہے کہ ایسا ہرا بھرا باغ کبھی اُجڑ جائے گا؟ میں کیسے مان لوں کہ ایک دن قیامت آنے والی ہے، اور اگر تیرے کہنے سے مان بھی لوں کہ قیامت اور اللہ برحق ہے، تو جب اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنا کچھ یہاں دیا ہے، تو مجھے وہ اپنے پاس بلاکر ضرور اس سے بہتر ساز و سامان دے گا، اکثر لوگ دنیا میں ایسے ہی ہوتے ہیں، وہ اپنے مال و دولت پر اترانے لگتے ہیں، اور نصیحت کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

اللہ تعالیٰ نے مومن اور کافر دو آدمیوں کی مثال بیان فرمائی ہے، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جن دو شخصوں کے لئے مثال بیان کی جارہی ہے، یہ حقیقت میں بھی ہوسکتے تھے، اور محض سمجھانے کے لئے مثال بھی ہوسکتی ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بعض چیزیں مثال دے کر بھی سمجھائی ہیں، مثلاً: داؤد علیہ السلام کے واقعے میں ننانوے اور ایک نبی کا قصہ ایک مثال کے طور پر ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ: جن دو شخصوں کی مثال یہاں بیان کی گئی ہے، ان کا نمونہ خود مکے میں موجود تھا، ایک کافر دولت مند تھا، جبکہ اس کا مسلمان بھائی غریب تھا، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: پہلے زمانے

میں ایک مالدار شخص فوت ہوگیا، اس نے اپنے پیچھے دولڑکے چھوڑے، دونوں وارثوں نے باپ کی جائیداد تقسیم کرلی، اور ہر ایک کے حصے میں چار چار ہزار دینار آئے، ان میں سے ایک بھائی کافر تھا، جس نے اپنی رقم سے دو باغ خریدے، جن کی مثال اللہ تعالیٰ نے یہاں بیان فرمائی ہے، دوسرا بھائی مومن تھا، اس نے اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کردیا۔

فرمایا: وَ كَانَ لَهٗ ثَمَرٌ: باغوں کے مالک کے لئے دوسرے پھل بھی تھے، بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ: یہاں پر "ثمر" سے مراد محض پھل نہیں، بلکہ آمدنی کے دوسرے ذریعے بھی ہوسکتے ہیں، انسان تجارت کرتا ہے، صنعت وحرفت کا پیشہ اختیار کرتا، یا کوئی دوسرا کام کرتا ہے تو وہ اسکی آمدنی کا ذریعہ ہوتا ہے، اس کو بھی "ثمر" کہا جاتا ہے۔

غرضیکہ! اس مالدار شخص نے اپنے غریب بھائی کے ساتھ فخر وتکبر کی بات کی اور اس کو حقیر جانا، اور قیامت کا انکار کیا، آج کے اکثر کافروں اور مشرکوں کا بھی یہی حال ہے، وہ اس دنیا کی حالت کو ہمیشہ کی حالت سمجھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اگر ہم دنیا میں خوشحال ہیں، تو اگر آخرت ہوئی بھی تو وہاں بھی ہم خوشحال ہی ہوں گے۔

مؤمن کا رویّہ

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَ هُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ

بولا اس سے ساتھی اس کا اور وہ بات کرتا تھا اس سے کیا انکار کر بیٹھا تو اس کا جس نے پیدا کیا تجھے سے

تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ؀۳۷ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ

مٹی پھر سے ایک بوند پھر ٹھیک ٹھیک بنادیا تجھ کو مرد (۳۷) لیکن وہ اللہ رب میرا ہے

وَ لَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ؀۳۸ وَ لَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ

اور نہیں شریک کرتا میں ساتھ رب اپنے کے کسی کو (۳۸) اور کیوں نہ جب داخل ہوا تو باغ میں اپنے کہا تو نے

مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ

جو چاہا اللہ نے نہیں طاقت مگر اللہ کی دی ہوئی اگر تو دیکھتا ہے مجھے میں کم سے اپنے آپ

مَالًا وَّ وَلَدًا ﴿٣٩﴾ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ

مال میں اور اولاد میں(۳۹) پس قریب ہے رب میرا کہ دے مجھ کو بہتر سے باغ تیرے

وَ يُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا

اور بھیج دے پراس آفت سے آسمان پھر ہوجائے وہ مٹی کا میدان

زَلَقًا ﴿٤٠﴾ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿٤١﴾

چٹیل(۴۰) یا ہوجائے پانی اس کا غائب پس ہرگز نہ کرسکے تو اس کی تلاش(۴۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ دوسرا جب بات کرنے لگا تو کہا کیا تو منکر ہوگیا اس سے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا، پھر قطرے سے اور پھر تجھے مکمل مرد بنا دیا۔(۳۷) لیکن وہی اللہ میرا رب ہے اور میں اپنے رب کا شریک کسی کو نہیں مانتا۔(۳۸) اور جب تو اپنے باغ میں آیا تھا تو کیوں تو نے" مَاشَاءَ اللّٰهُ لَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ "نہ کہا اگر تو مجھے دیکھتا ہے کہ میں تجھ سے مال اور اولاد میں کم تر ہوں۔(۳۹) تو اُمید ہے کہ مجھ کو میرا رب تیرے باغ سے بہتر دے دے اور تیرے باغ پر گرم لو کا جھونکا آسمان سے بھیج دے، پھر صبح وہ چٹیل میدان بن جائے۔(۴۰) یا صبح اس کا پانی خشک ہوکر رہے پھر تو اس کو ڈھونڈ کر نہ لا سکے۔(۴۱)

تفسیر

دنیا والے مال و دولت، خوشحالی کو اپنی محنت اور ہوشیاری کا پھل قرار دیتے ہیں، دنیا دار کہتا ہے کہ میں نے اپنے علم و ہنر سے یہ سب کچھ حاصل کیا، اور اپنی تدبیر سے اس کا انتظام کر رہا ہوں، مجھے کمانے کا ڈھنگ آتا ہے، لوگ اللہ، پیغمبر اور قرآن و شریعت کا نام خواہ مخواہ لیتے پھرتے ہیں خود تو کچھ ہو نہیں سکتا، دوسروں کو بھی (نعوذ باللہ) اس جنجال میں پھنسا کر اپنے جیسے مفلس بنانا چاہتے ہیں، اسی طرح کے خیالات اس باغ والے مالدار کے دل میں پیدا ہوگئے تھے، اب اس کو جواب اس کے غریب مؤمن دوست نے یہ دیا کہ جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے تمہیں سب کچھ حاصل ہوگیا تو اب اس سے آنکھیں پھیرتے ہو، اور کہتے ہو کہ جو کچھ میں نے کیا اپنے بل بوتے پر کیا،

مجھ سے تو یہ کام نہیں ہوتا، میں تو یہی کہوں گا کہ اللہ ہی میرا رب ہے، مجھے جو کچھ ملا اسی کی رحمت سے ملا، وہی انسان کو بچپن سے لے کر بڑھاپے کے زمانے تک زندگی گزارنے کے سامان مہیا کرتا ہے، میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتا۔

پھر اس مالدار کو نصیحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ کاش! تو اپنے باغ میں داخل ہو کر کہتا کہ "ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ" جو اللہ چاہے وہی ہوتا ہے، کسی میں کوئی قوت نہیں مگر وہی جو اس نے عطا فرمائی تو مجھے دیکھتا ہے کہ میں مفلس ہوں، میرے پاس نہ مال ہے نہ اولاد، لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت میں سب کچھ ہے، وہ مجھے اپنے فضل سے تیرے باغ سے بہتر باغ دے سکتا ہے، اور تیرے باغ کو تیری غفلت اور ناشکری کی وجہ سے کوئی آفت بھیج کر چٹیل میدان بنا سکتا ہے، یا پانی کو زمین میں غائب کر سکتا ہے، حتی کہ تو لاکھ کوشش کرے، مگر پانی زمین سے نہ نکال سکے۔

مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ: ان کلمات کی فضیلت کے بارے میں حدیث شریف میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کیا میں تمہیں عرش اور جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتاؤں؟ اور وہ ہے "مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" یعنی: برائی سے بچنے اور نیکی کرنے کی توفیق نہیں ہے جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے، ایک روایت میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بندے پر انعام کرے تو اسے یوں کہنا چاہئے "مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" یہ کلمات کہنے سے اللہ تعالیٰ اسے حادثات سے محفوظ رکھے گا، کیونکہ یہ بندہ اخلاص کے ساتھ توحید کے عقیدے پر ہے، اور سارے معاملوں کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہے، اس جملہ کے ذریعے بندہ اللہ تعالیٰ پر اعلیٰ درجہ کا بھروسہ ظاہر کرتا ہے۔

اس مؤمن نے اپنے ساتھی کو اس طرح بھی خوف دلایا کہ باغ کے درمیان بہنے والی جس نہر پر تم غرور کر رہے ہو، اللہ تعالیٰ چاہے تو اس نہر کے پانی کو بہت گہرا کر دے اور وہ تمہارے باغات تک پہنچ ہی نہ سکے، اور تو اسے تلاش کرنے کی بھی طاقت نہ رکھے، پانی زمین کے اندر اتنا دور چلا جائے کہ تمہاری کوئی مشنری اور کوئی ٹیوب ویل اسے نہ نکال سکے، یہ بھی اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے، وہ سزا کے طور پر بھی ایسا کرنے پر قادر ہے۔

حاصل اس کا یہ ہے کہ تیرے گمراہ ہونے کا سبب یہ تھا کہ تجھے دنیا میں اللہ تعالیٰ نے دولت دے دی، اس

کو تو نے اپنی مقبولیت کی علامت سمجھ لیا، اور میرے پاس دولت نہ ہونے سے مجھ کو غیر مقبول سمجھ لیا تو دنیا کی دولت کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہونے کا مدار سمجھ لینا بڑا ہی دھوکا اور غلطی ہے، اصل مدار مقبولیت کا آخرت کی نعمتوں پر ہے، جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں اور دنیا کی نعمتیں تو سب آخر ایک دن ختم ہونے والی ہیں۔

باغ اُجڑ گیا

وَ اُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا

اور گھیر لیا گیا پھل اس کا پس صبح کو ملتے ہوئے دونوں ہتھیلیاں اپنی پر اس جو خرچ کیا تھا میں اس

وَ هِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ

اور وہ باغ اوندھا پڑا تھا پر ٹٹیوں اپنی اور کہنے لگا اے کاش! نہ شریک کرتا میں

بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ وَ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

ساتھ رب اپنے کے کسی کو (۴۲) اور نہ ہوئی اس کی کوئی جماعت کہ مدد کرتی اس کی سوا اللہ کے

وَ مَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ خَيْرٌ

اور نہ تھا وہ بدلہ لینے کے قابل (۴۳) اس جگہ اختیار اللہ برحق کو ہے وہی بہتر ہے

ع ۵ ۱۳ ۱۷ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾

ثواب دینے میں اور بہتر ہے اجر دینے (۴۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور آفت میں گھر گئے اس کے پھل پس ہاتھ ملتارہ گیا اس مال پر جو لگایا تھا، اور وہ باغ کی بیلیں گری پڑی تھیں اپنے سہاروں پر اور کہنے لگا کیا خوب ہوتا اگر میں اپنے رب کا کسی کو شریک نہ بناتا۔

(۴۲) اور اس کی مدد کرنے والی کوئی جماعت نہ ہوئی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور نہ وہ خود ایسا ہوا کہ بدلہ لے سکے۔

(۴۳) وہاں سب اختیار سچے اللہ کا ہے اسی کا انعام بہتر ہے اور اسی کا دیا ہوا بدلہ اچھا ہے۔ (۴۴)

تفسیر

انسان سخت غلط فہمی میں مبتلا ہے، اگر آفتوں میں کوئی انسان کی مدد کر سکتا ہے تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، ساری کھیتی، کیاری جل جلا کر خاک سیاہ ہو گئی، رات کو جانے کیا کیا خیالی پلاؤ پکا کر سویا ہوگا، صبح اٹھا تو وہ باغ تھے نہ کھیت، انگوروں کی بیلیں اپنی چھتریوں سمیت اُوندھے منہ پڑی تھیں، اب وہ کھڑا ہاتھ ملتا رہا کہ افسوس! ان پر کتنی لاگت آئی تھی، سب بے کار گئی، خیال آیا کہ شاید یہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری کا نتیجہ ہے، کہنے لگا، کاش! میں اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا رب مانتا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا، اب اس کا کوئی یار و مددگار نہیں تھا جو اس کے کام آتا، اور نہ خود اس کے بس میں کچھ تھا، سچ ہے کہ جو اللہ کو چھوڑ بیٹھے گا، اس کا مددگار کون ہو سکتا ہے؟ وہی سچا معبود اور آفتوں سے بچانے والا ہے اور جھوٹے معبود سب بے بس ہیں۔

دنیا کی مثال

وَ اضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ

اور بیان کیجئے واسطے انکے مثال زندگی دنیا کی جیسے پانی کہ اتارا ہم نے اسکو سے آسمان

فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ

پس گھنا اور ملا جلا ہوا سے اس سبزہ زمین کا پھر ہو گیا ریزہ ریزہ اڑاتی ہیں اس کو ہوائیں

وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿٤٥﴾ اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِيْنَةُ

اور ہے اللہ اوپر ہر چیز کے قدرت والا (٤٥) مال اور بیٹے زینت ہیں

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ الْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا

زندگی دنیا کی اور باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں نزدیک رب آپ کے ثواب میں

وَّ خَيْرٌ اَمَلًا ﴿٤٦﴾

اور بہتر ہیں توقع میں (٤٦)

بامحاورہ ترجمہ:۔اوران کو دنیا کی زندگی کی مثال بتادیجئے جیسے ہم نے آسمان سے پانی اتارا، پھراس کی وجہ سے زمین کا سبزاہرا بھرااور گھتم گھتہ نکلا، پھرگل کر چوراچورا ہوگیا جسے ہوائیں اڑاتی پھرتی ہیں، اوراللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے۔(۴۵) مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی رونق ہیں اور باقی رہنے والی نیکیوں کا بدلہ تیرے رب کے ہاں بہتر ہےاور توقع کے لحاظ سے بھی وہ بہتر ہے۔(۴۶)

تفسیر

قرآن مجید انسان کی توجہ دنیا کی ناپائیداری کی طرف دلاتا ہے کہ دنیا کی زندگی سے دل لگانے کا نتیجہ برا ہوگا، فرمایا کہ: زمین کو دیکھو کہ بارش کے پانی سے اس میں جان سی پڑجاتی ہے، ہرطرف سبزہ لہلہانے لگتا ہے، طرح طرح کے درخت، جھاڑیاں، پھلوں اور پھولوں والے درخت اور بوٹے نظر آتے ہیں، لیکن پھر کیا ہوتا ہے، آخرخزاں آجاتی ہے اور ہر چیز مرجھا جاتی ہے، اور پھر تیز ہوا آکر چیزوں کو ادھراُدھر بکھیر دیتی ہے، اسی طرح دنیا کو سمجھ لو کہ یہ ہر چیز سے بنی سنوری نظر آتی ہے، ہرطرف چہل پہل، گہما گہمی اور دل کش نظارے دل کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں، لیکن ایک دن ایسا آئے گا کہ کچھ بھی نہ رہے گا، سب فنا ہوجائے گا، اور معلوم ہوجائے گا کہ ہر چیز اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

مرنے کے بعد دنیا کی چیزیں کام نہیں آئیں گے؛ اس لئے ان میں دل لگانا بے کار ہے، مرنے کے بعد ہمیشہ کی زندگی ہے، ہمیشہ کی زندگی کی خوشحالی، اس عارضی دنیا کی خوشحالی پر موقوف نہیں ہے، اگر آخرت کی خوشحالی چاہتے ہو تو دنیا میں ایسے نیک کام کرو، جو پائیدار ہوں، یعنی: ان سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو ہمیشہ فائدہ پہنچتا رہے، مثلاً: قرآن مجید کا علم حاصل کرکے لوگوں کو اس کی ہدایات سے واقف کرنا، اوران کے مطابق خود عمل کرکے لوگوں کے لئے نمونہ بن کر دکھانا، اوراپنی اولاد کی اچھی تربیت کرکے صالح اور نیک بنانا، اوران کو دوسروں کے لئے نیک کاموں کا عملی نمونہ بنا کر اپنے پیچھے چھوڑ جانا، اللہ کے واسطے اپنے مال کو ہمیشہ کے نفع کے لئے خرچ کرنا، مدارس ومساجد قائم کرنا، مسافروں اور مسلمانوں کے لئے فلاحی ادارے قائم کرنا، ایسے اچھے کاموں کا بدلہ اللہ تعالیٰ اچھا

دے گا، اور ایسے کاموں پر آخرت میں اچھے بدلے کی توقع کی جاسکتی ہے۔

فرمایا: مال اور اولاد دنیا کی زندگی کی رونقیں ہیں اور باقی رہنے والی چیزیں تو نیکیاں ہیں، "الْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ" (باقی رہنے والی نیکیاں) اس سلسلے میں حدیث شریف میں کئی چیزوں کا ذکر آتا ہے، مثلاً: اللہ تعالیٰ کی تسبیح کلمات "سُبْحَانَ اللهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ، وَاللهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ" (سنن نسائی: ۲/ ۱۴۳: مکتب المطبوعات الإسلامية، حلب) بھی باقی رہنے والی نیکیوں میں شمار ہوتے ہیں۔

اسی طرح باقی رہنے والی نیکیوں میں دین کی تعلیم، کسی اچھی رسم کا اجرا، مسجد کی تعمیر، ضرورت کے مقام پر پانی، سرائے وغیرہ انتظام وغیرہ ایسی نیکیاں ہیں، جن کا اجر مرنے کے بعد بھی انسان کو ملتا ہے، اگر انسان نے نیک اولاد بھی چھوڑی ہے، تو وہ بھی "باقیات صالحات" میں شمار ہوتی ہے کہ یہ بھی صدقۂ جاریہ ہے، پانچوں وقت کی نمازیں، روزے، حج اور زکوٰۃ وغیرہ بھی "باقیات الصالحات" میں داخل ہیں، بہرحال! "الْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ" سے وہ نیکیاں مراد ہیں جن کا فائدہ ہمیشہ ہوتا ہے۔

قیامت کا منظر

وَ يَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَ تَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّ حَشَرْنٰهُمْ

اور جس دن چلائیں گے ہم پہاڑوں کو اور آپ دیکھیں گے زمین کو کھلی ہوئی اور سمیٹیں گے ہم ان کو

فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿۴۷﴾ وَ عُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ

پس نہ چھوڑیں گے سے ان میں کسی کو (۴۷) اور پیش کیے جائیں گے وہ پر رب اپنے سامنے صفوں میں البتہ تحقیق

جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۫ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ

آ گئے تم پاس ہمارے جیسا پیدا کیا ہم نے تم کو پہلی بار نہیں تو تم تو کہہ بیٹھے تھے کہ ہم ہرگز مقرر نہ کریں گے

لَکُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾ وَ وُضِعَ الْکِتٰبُ فَتَرَی الْمُجْرِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ

لیے تمہارے اکٹھے ہونے کی جگہ (۴۸) اور رکھ دیا جائے گا لکھا ہوا پس آپ دیکھیں گے مجرموں کو ڈرتے ہوئے

مِمَّا فِیْهِ وَ یَقُوْلُوْنَ یٰوَیْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْکِتٰبِ لَا یُغَادِرُ

سے اس جو میں ہے اس اور کہیں گے وہ ہائے کمبختی ہماری! کیا ہو گیا اس کتاب کو کہ نہیں چھوڑتی

صَغِیْرَةً وَّ لَا کَبِیْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا

چھوٹی چیز اور نہ بڑی مگر گھیرتی ہے اس کو اور پایا انہوں نے جو کچھ کیا تھا

ع ٦ ٥ ١٨ حَاضِرًا ؕ وَ لَا یَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾

سامنے اور نہ ظلم کرے گا رب آپ کا کسی پر (۴۹)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور آپ زمین کو کھلی ہوئی دیکھیں گے اور ہم ان کو گھیر لائیں گے، پھر ان میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے۔(۴۷) اور آپ کے رب کے سامنے صف باندھ کر پیش کیے جائیں گے، البتہ! تحقیق تم ہمارے پاس آؤ گے جیسا ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا، نہیں تم تو کہتے تھے کہ ہم تمہارے لئے کوئی وعدہ مقرر نہ کریں گے۔(۴۸) اور ہر ایک کے ہاتھ میں اعمالنامہ دے دیا جائے گا پھر آپ گنہگاروں کو ڈرتے ہوئے دیکھیں گے اس سے جو اس میں ہے اور کہیں گے ہائے خرابی! یہ تحریر کیسی ہے کوئی چھوٹی یا بڑی بات نہیں چھوڑی جو اس میں نہ آ گئی ہو، اور جو کچھ کیا ہے اپنے سامنے پائیں گے، آپ کا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا۔(۴۹)

لفظی تحقیق: نُسَیِّرُ: چلائیں گے ہم، مضارع کا صیغہ ہے جو س۔ی۔ر سے بنا ہے، سیر کے معنٰی چلنا، جگہ سے ہٹنا۔ بَارِزَةً: کھلی ہوئی، اسم فاعل ہے، ب۔ر۔ز سے، بروز کے معنٰی ہیں ظاہر ہونا، کھلا ہوا ہونا، مراد یہ ہے کہ زمین چٹیل میدان ہوگی، نہ پہاڑ ہوں گے نہ سبزہ۔ مَوْعِدًا: قیامت، یہ اسم ظرف ہے اور مصدر میمی بھی، اس کا مادہ و۔ع۔د۔ وعدہ اور میعاد اسی سے بنا ہے، اور دونوں کے معنٰی ہیں ملنے کی جگہ اور وقت، یہاں قیامت مراد ہے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اس دن کو یاد کرو جب زمین بالکل چٹیل میدان دکھائی دے گی، وہ قیامت کا دن ہوگا، اور ہم چُن چُن کر ایک ایک آدمی کو اس میدان میں اکٹھا کریں گے، کوئی نہ بچے گا اور نہ کوئی بھاگے گا، سب ایک جگہ جمع ہوجائیں گے اور قطاریں بنا کر اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیے جائیں گے، پھر انہیں کہا جائے گا کہ آج تم سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آخر ہمارے سامنے اسی حالت میں حاضر ہوگئے، جس حالت میں تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا تو خیال کر بیٹھے تھے کہ قیامت ایک ڈھکوسلہ ہے، یہ کوئی اللہ کی مقرر کی ہوئی چیز نہیں ہے کہ اس کا آنا ضروری ہو، تمہیں ہمارے پیغمبروں اور کتابوں پر یقین نہیں آتا تھا کہ ایک دن انسانوں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہوگا، آج دیکھ لو! یہ وہی حاضری کا دن ہے۔

قیامت میں ہر ایک کے سامنے اس کا اعمال نامہ رکھ دیا جائے گا، اسے دیکھ کر وہ حیرت سے کہے گا کہ اس نے میری ایک بات بھی نہیں چھوڑی، سب کچھ اس میں لکھا ہوا ہے، پھر ان اعمال کو تولا جائے گا، جس عمل میں اخلاص نہیں ہوگا تو ترازو میں اس کا وزن بھی نہیں ہوگا، اچھے اعمال والوں کو اچھا بدلہ اور برے اعمال والوں کو برا بدلہ ملے گا، ان سب کو قرآن پاک نے بیان کردیا ہے۔

ارشاد ہے کہ: آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا، ہر ایک کو اس کے کام کا بدلہ جس کا وہ مستحق ہے پورا پورا دیتا ہے، اس کے علاوہ اس کے فضل و کرم کا دروازہ بھی کھلا ہوا ہے۔

آدمی کا دشمن

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ

اور جب کہا ہم نے فرشتوں سے سجدہ کرو آدم کو پس سجدہ کیا انہوں نے مگر ابلیس نے تھا وہ

مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ

سے جنوں پس نکلا سے باہر حکم رب اپنے کے کیا بناتے ہو تم اس کو اور اولاد اس کی کو دوست

مِنْ دُوْنِيْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝٥٠ مَآ
مجھے چھوڑ کر اور وہ ہیں تمہارے دشمن برا ہے واسطے ظالموں کے بدلا (٥٠) نہیں

اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪
دکھایا میں نے انہیں بنانا آسمانوں اور زمین کا اور نہ بنانا خود ان کا

وَ مَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۝٥١
اور نہیں ہوں میں بنانے والا بہکانے والوں کو مددگار (٥١)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو سجدہ میں گر پڑے مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا، وہ جنوں کی قسم سے تھا وہ اپنے رب کے حکم سے باہر نکل گیا، سو! کیا تم اب اس کو اور اس کی اولاد کو دوست ٹھہراتے ہو میرے سوا، اور حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں، بے انصافوں کے برا بدلہ ہاتھ لگا۔ (٥٠) میں نے ان کو آسمان کا اور زمین کا بنانا نہیں دکھایا اور نہ خود ان کا بنانا ان کو دکھایا اور میں وہ نہیں کہ بہکانے والوں کو اپنا مددگار بناؤں۔ (٥١)

لفظی تحقیق: فَفَسَقَ: حکم عدولی کی، ماضی کا صیغہ ہے ف۔س۔ق سے۔ فسق کے معنٰی ہیں: قانون کی حد سے نکل جانا، کھلم کھلا حکم کے خلاف کرنا۔ ذُرِّيَّتَهٗ: اس کا مادہ ہے ذ۔ر۔ر، ذرّ کے معنٰی ہیں پھیلنا، ایک چیز سے بہت سی چیزیں پھیل جائیں تو وہ اس پہلی چیز کی ذریت کہلاتی ہیں، خواہ وہ اولاد ہو یا چیلے چانٹے ہوں، اَشْهَدْتُّ: دکھایا میں نے، ماضی کا صیغہ ہے، جوش۔ھ۔د سے بنا ہے، شہادت کے معنٰی ہیں حاضر ہونا، "اشہاد" کا معنٰی ہے حاضر کرنا، دیکھنے کو بلانا۔ الْمُضِلِّيْنَ: بہکانے والا، اسم فاعل ہے "اضلال" سے، جوض۔ل۔ل سے بنا ہے، "اضلال" کا معنٰی ہے گمراہ کرنا، بہکانا۔ عَضُدَ: بازو، ہاتھ کا طاقتور حصہ جو ہاتھ کو طاقت پہنچاتا ہے۔

تفسیر

انسان کے پاس غور وفکر کا سامان تو موجود ہے، لیکن وہ اس سے کام لینے میں سستی کرتا ہے، اور اس کے

پیچھے اس کا ایک دشمن بھی لگا ہوا ہے جو اس کی عقل کو دنیا کی ناپائیدار چیزوں ہی میں بہلا پھسلا کر پھنسا رکھنا چاہتا ہے، لیکن آدمی پھر بھی اس دشمن کو نہیں پہچانتا؛ اس لئے بار بار ان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بار بار یاد دلاتا ہے، آدم کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے شیطان پر پھٹکار ڈالی؛ اس لئے اس نے انسان کو ستانے پر کمر باندھ لی، اور اللہ تعالیٰ سے دنیا کے قائم رہنے تک مہلت بھی مانگ لی، اب اس کا ہر وقت یہی کام ہے کہ آدم کی اولاد کو اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے راستہ سے ہٹاتا رہتا ہے، اور اس کی عقل کو دنیا ہی کی ناپائیدار چیزوں میں پھنسائے رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے: اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ... الخ: شیطان کے یہ سارے حالات جاننے کے بعد کیا تم اس کو اور اس کی اولاد اور چیلے چانٹوں کو اپنا دوست اور ساتھی بناؤ گے، اور مجھے چھوڑ دو گے، بے انصاف اور حد سے گزرے ہوئے لوگ ہی ایسا کرتے ہیں، شیطان کو تو اللہ تعالیٰ کے معاملات میں ذرا بھی دخل نہیں، وہ بنے بنائے کام کا بگاڑنے والا ہے، اچھے خاصے سیدھے راستے پر چلنے والوں کو بہکا کر غلط راستے پر ڈال دیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین بناتے وقت شیطان کے جتھے کو دیکھنے کے لئے نہیں بلایا کہ ذرا دیکھنا! ٹھیک بنے ہیں یا غلط؟ خود شیطان اور اس کے چیلے چانٹوں کو بھی اللہ تعالیٰ ہی نے بنایا ہے تو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسے دغاباز اور بے بس کو دوست بنانا ظلم نہیں تو کیا ہے؟

فرمایا: وَذُرِّيَّتَهٗ: اس لفظ سے سمجھا جاتا ہے کہ شیطان کی اولاد و ذریت ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ: اس جگہ ذریت سے مراد اس کے چیلے چانٹے ہیں، یہ ضروری نہیں کہ شیطان کی اپنی نسبی اولاد بھی ہو، مگر ایک صحیح حدیث میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ نصیحت فرمائی کہ تم ان لوگوں میں سے نہ ہو، جو سب سے پہلے بازار میں داخل ہو جاتے ہیں، یا وہ لوگ جو سب سے آخر میں بازار سے نکلتے ہیں، کیونکہ بازار ایسی جگہ ہے جہاں شیطان نے انڈے بچے دے رکھے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کی ذریت اس کے انڈوں سے پھیلتی ہے، "قرطبی" نے یہ روایت نقل کر کے فرمایا کہ: شیطان کے مددگار اور لشکر کا ہونا تو قطعی اور یقینی دلائل سے ثابت ہے، اور حقیقی اولاد ہونے کے بارے میں یہ حدیث ہے۔

دنیا کے عارضی مال و دولت اور اولاد پر انسان کو تکبر نہیں کرنا چاہئے، تکبر بہت بری بیماری ہے، اسی تکبر کی بناء پر شیطان نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا، اور بالآخر ہمیشہ کے لئے ذلیل و خوار ہوا اور مردود ٹھہرا، کفر و شرک کرنے والے ہمیشہ شیطان کے بہکاوے میں آجاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عام گناہ سے تو انسان کسی وقت بھی توبہ کر لیتا ہے، لیکن جو گناہ تکبر کی وجہ سے کیا جائے، اس سے توبہ کی توفیق بھی نہیں ملتی، لہذا آپ نے فرمایا کہ: ایسے شخص سے بھلائی کی امید نہیں رکھنی چاہئے۔

شرک کا انجام

وَ يَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ

اور جس دن فرمائے گا پکارو شریکوں میرے کو جنہیں مانتے تھے تم پس وہ پکاریں گے انہیں

فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَ جَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾ وَ رَاَ

پس نہ جواب دیں گے وہ انہیں اور کردیں گے ہم درمیان ان کے ہلاکی (۵۲) اور دیکھیں گے

الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَ لَمْ يَجِدُوْا

مجرم لوگ آگ کو پس سمجھ جائیں گے کہ وہ ہیں گرنے والے اس میں اور نہ پائیں گے وہ

ع ۷ ۱۹ عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾

سے اس پھرنے کی جگہ (۵۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جس دن فرمائے گا: پکارو! میرے شریکوں کو جنہیں مانتے تھے تم پھر پکاریں گے، سو! وہ ان کو جواب نہ دیں گے اور ان کے درمیان ہم تباہی کا سامان کردیں گے۔ (۵۲) اور گنہگار لوگ آگ کو دیکھیں گے پھر سمجھ لیں گے کہ انہیں اس میں پڑنا ہے اور اس سے پھر جانے کی راہ نہ پائیں گے۔ (۵۳)

لفظی تحقیق: مَوْبِق: تباہی اور ہلاکت کا سامان، یہ و۔ب۔ق سے بنا ہے۔ مُوَاقِعُوْا: داخل ہونے

والے، یہ اسم فاعل ہے، "موا" قع کی جمع ہے، و۔ق۔ع سے بنا ہے، "وقع" کے معنیٰ ہیں گرنا۔ مَصْرِف: جائے پناہ، یہ ص۔ر۔ف۔ سے بنا ہے، اس کے معنیٰ ہیں: بچ جانا یا بچ نکلنا۔

تفسیر

قرآن مجید انسان کو سکھاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دنیا میں کسی سے دل نہ لگاؤ، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ان چیزوں کو بلاؤ جنہیں تم دنیا میں اپنا معبود سمجھتے تھے، چنانچہ وہ گھبرا کر پکاریں گے، لیکن کہیں سے کوئی جواب نہیں ملے گا، اور اس سے ان کی پریشانی اور بڑھ جائے گی، اور دل گھبرا جائے گا، چاروں طرف آگ ہی آگ نظر آئے گی، اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ اب آگ ہی میں جلتے رہنا ہے، اس سے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا اس سے بچانے والا بھی کوئی نہیں؛ اس لئے قرآن مجید میں انسان سے کہا جا رہا ہے کہ اللہ سے دل لگاؤ، ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔

قرآن کا کام

وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَ كَانَ
اور البتہ تحقیق پھیر پھیر کر کہی ہم نے میں اس قرآن واسطے لوگوں کے ہر ایک مثال اور یہ

الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾ وَ مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْۤا
انسان زیادہ ہے ہر چیز سے جھگڑنے میں (۵۴) اور نہیں روکا لوگوں کو کہ ایمان لائیں

اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَ یَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِیَهُمْ
جب آئی پاس ان کے ہدایت اور بخشش مانگیں رب اپنے سے مگر اس بات نے کہ آیا ان کے پاس

سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾ وَ مَا نُرْسِلُ
طریقہ پہلوں کا یا آئے ان کے پاس عذاب سامنے (۵۵) اور نہیں بھیجتے ہم

الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ۚ وَ يُجَادِلُ الَّذِيْنَ

پیغمبروں کو مگر خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے اور جھگڑا کرتے ہیں وہ لوگ جو

كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَ اتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَ

کافر ہوئے غلط باتوں کے ذریعے تاکہ پھسلادیں سے اس سچ کو اور بنالیا انہوں نے نشانیوں میری کو اور

مَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿٥٦﴾

جس سے وہ ڈرائے گئے مزاق (٥٦)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور بے شک ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو ہر ایک مثل پھیر پھیر کر سمجھائی اور انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے۔(۵۴) اور اس بات سے کہ ایمان لے آئیں جب ان کو ہدایت پہنچی اور اپنے رب سے گناہ بخشوائیں لوگوں کو نہیں روکا مگر اسی انتظار نے کہ ان پر پہلوں کا طریقہ پہنچے یا ان کے سامنے عذاب آ کھڑا ہو۔(۵۵) اور ہم جو پیغمبر بھیجتے ہیں، سو! خوشخبری دینے کو اور ڈرانے کو اور کافر جھوٹا جھگڑا کرتے ہیں کہ اس سے سچی بات کو ٹلا دیں اور انہوں نے میرے کلام کو اور جس سے وہ ڈرائے گئے تھے مذاق بنالیا۔(۵٦)

تفسیر

قرآن مجید کی آیتوں میں صحیح باتیں مختلف طریقوں سے بار بار سمجھائی گئی ہیں، اور انسانوں کا دل قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت اور اس کے سمجھانے کے انوکھے طرز کے قائل ہو گیا ہے، لیکن بعض خودغرضوں نے اپنی ناحق ضد سے یہ سمجھا کہ اس کو مانا تو ہمارا اب تک کا کیا کرایا ضائع اور برباد ہو جائے گا، انسان خودغرضی میں اندھا ہو جاتا ہے، اس کی عقل دنیا کی عارضی دھوم دھام اور چمک دمک میں پھنس جاتی ہے، اور وہ سچی باتوں کو ٹھکرا دیتا ہے، عقل کے بگڑنے کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ دلیل اور علامتوں سے جو بات ثابت ہو رہی ہو، اس کے نہ ماننے کے لئے لغو اور بے کار بہانے پیش کرے، یہی دنیا کی محبت اس کی عقل کو خوانخواہ کا جھگڑا پیدا کرنے پر آمادہ کرتی ہے، یہی دنیا کی زیب وزینت کی طلب اس کو بہانہ بازیاں سکھاتی ہے، شیطان اس کو اور بھی زیادہ اُکساتا ہے، اور

انسان خوامخواہ دین کا انکار کر بیٹھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں کے ایمان نہ لانے کی ایک وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ لوگ ایمان لانے اور بخشش طلب کرنے کے لئے اس انتظار میں رہتے ہیں کہ یا تو ان پر ایک دم عذاب آجائے پھر مانیں، اور یا پھر وہ عذاب کو اپنے سامنے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں تو ایمان لائیں، فرمایا کہ: یہ ان کا غلط خیال ہے، ایسی صورت میں تو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچیں گے ہی نہیں، تو ایمان کیسے لائیں گے؟

آخری آیت میں ارشاد ہے کہ: پیغمبر کا کام یہ ہے کہ انسان کے بھلے اور برے کام کھول کر بتادے، اور یہ خوشخبری سنادے کے اچھے کاموں کا بدلہ جنت ہے جو بڑے آرام کی جگہ ہے اور یہ ڈر سنادے کہ برے کاموں کی سزا دوزخ ہے، جو بہت بری اور بڑا دکھ دینے والی جگہ ہے، اس سے زیادہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ طلب کرنا ضد اور زیادتی ہے، اور ہٹ دھرمی کی نشانی ہے، یہ لوگ غلط اور جھوٹی باتیں کر کے اپنے آپ کو جھگڑالو ثابت کر رہے ہیں، ان کی غرض اس کے سوا کچھ نہیں کہ حقیقت پر پردہ ڈال دیں، اور جھوٹی باتیں بنا کر سچی بات کو ٹال دیں، ان ظالموں نے میرے قرآن کی آیتوں اور اس کے وعدہ اور وعید کی باتوں کو ہنسی اور دل لگی سمجھ لیا ہے۔

احکام ومسائل

ساری مخلوق میں سب زیادہ "جھگڑالو" انسان" واقع ہوا ہے، اس کی شہادت میں ایک حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: قیامت کے روز ایک شخص کافروں میں سے پیش کیا جائے گا، اس سے سوال ہوگا کہ ہم نے جو پیغمبر بھیجا تھا ان کے متعلق تمہارا کیا عمل رہا؟ وہ کہے گا کہ اے میرے پروردگار! میں تو آپ پر بھی ایمان لایا، آپ کے پیغمبروں پر بھی اور عمل میں ان کی اطاعت کی، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ تیرا اعمال نامہ سامنے رکھا ہے، اس میں تو یہ کچھ بھی نہیں، یہ شخص کہے گا کہ میں تو اس اعمال نامہ کو نہیں مانتا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ ہمارے فرشتے تو تمہاری نگرانی کرتے تھے، وہ تیرے خلاف گواہی دیتے ہیں، یہ کہے گا کہ میں ان کی شہادت کو بھی نہیں مانتا، اور نہ ان کو پہچانتا ہوں، نہ میں نے ان کو اپنے عمل کے وقت دیکھا ہے، اللہ تعالیٰ

فرمائیں گے: تو یہ "لوح محفوظ" سامنے ہے، اس میں بھی تیرا یہی حال لکھا ہے، وہ کہے گا: میرے پروردگار! آپ نے مجھے ظلم سے پناہ دی ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: بیشک ظلم سے تو ہماری پناہ میں ہے تو اب وہ کہے گا کہ میرے پروردگار! میں ایسی غیبی شہادتوں کو کیسے مانوں؟ جو میری دیکھی بھالی نہیں، میں تو ایسی شہادت کو مان سکتا ہوں، جو میرے نفس کی طرف سے ہو، اس وقت اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی، اور اس کے ہاتھ پاؤں اس کے کفر وشرک پر گواہی دیں گے، اس کے بعد اس کو آزاد کر دیا جائے گا، اور دوزخ میں ڈال دیا جائے گا، اس روایت کا مضمون "صحیح مسلم" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

منکر بڑے ظالم ہیں

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا

اور کون زیادہ ظالم ہے سے اس کہ نصیحت کیا گیا وہ ساتھ آیتوں کے رب اپنے کی پس منہ پھیرا اس نے سے اس

وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ

اور بھول گیا وہ جو آگے بھیجا دونوں ہاتھوں اسکے نے تحقیق ہم نے ڈال دیے پر دلوں ان کے پردے کہ

يَّفْقَهُوْهُ وَ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ

سمجھیں اس کو اور میں کانوں ان کے ڈاٹ اور اگر آپ بلائیں گے ان کو طرف سیدھی راہ کے تو ہرگز نہ

يَّهْتَدُوْۤا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ

راہ پر آئیں اس وقت کبھی (۵۷) اور رب آپ کا بخشنے والا رحمت والا ہے اگر پکڑتا ان کو

بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا

پر ان کے کیے تو فوراً بھیجتا پر ان عذاب بلکہ واسطے انکے ایک وقت مقرر ہے ہرگز نہ پائیں گے

مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ﴿۵۸﴾ وَ تِلْكَ الْقُرٰۤى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا

سوا جس کے کوئی بچنے کی جگہ (۵۸) اور یہ بستیاں ہلاک کیا ہم نے انہیں جب ظلم کیا انہوں نے

ع ۸
۲۰

وَ جَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿۵۹﴾

اور کیا ہم نے واسطے ان کی تباہی کے مقرر وقت (۵۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جسے اس کے رب کے کلام کے ذریعے سمجھایا گیا، پھر اس نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا اسے بھول گیا، ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے کہ وہ اس کو نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ ہے اور اگر آپ ان کو سیدھی راہ پر بلائیں تو وہ آپ کے کہنے سے بھی کبھی سیدھی راہ پر نہ آئیں۔(۵۷) اور آپ کا رب بخشنے والا رحمت والا ہے اگر ان کو ان کے کیے پر پکڑے تو ان پر جلد عذاب ڈالے پر ان کے لئے ایک وعدہ ہے کہ جس کے ورے سرکنے کی کہیں جگہ نہ پائیں گے۔(۵۸) اور یہ سب بستیاں ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کیا جب لوگ ظالم ہو گئے اور ہم نے ان کی ہلاکت کا ایک وعدہ مقرر کیا تھا۔(۵۹)

تفسیر

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہیں کہ: تمہارے پروردگار نے تمہاری ہدایت کے لئے قرآن مجید دے کر مجھے بھیجا ہے، اس کی آیتوں کو سنو، سمجھو اور عمل کرو، اس کے مقابلے میں وہ شیطان کی باتیں پیش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہمیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں سے زیادہ ان پر اعتماد ہے، ان عقل کے اندھوں سے پوچھو کہ تم جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے جو تمہارا رب ہے، منہ موڑ کر نادانوں جیسی باتیں کرتے ہو، کیا تم اپنا نقصان نہیں کر رہے؟ تم میں جو سمجھ دار ہیں، وہ تمہارا رویہ دیکھ کر فوراً ہی بول اٹھیں گے کہ یہ نادان اپنی جڑ آپ ہی کھود رہے ہیں، یہ نہیں سمجھتے کہ ان بے ادبیوں اور گستاخیوں کا ایک دن جواب طلب ہوگا، آج کل جو تمہیں ڈھیل ملی ہوئی ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہمیشہ اسی طرح بچے رہو گے، اول تو دنیا ہی کے اندر تمہاری عمر کے ساتھ ساتھ ساری کی ساری قوتیں اور اکڑفوں دھری کی دھری رہ جائے گی، پھر مرنے کے بعد تو تمہاری وہ گت بنے گی کہ دیکھنے والے دانتوں میں انگلیاں دیں گے اور کہیں گے کہ شکر ہے کہ ہم اس بلا سے بچ گئے، اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر ثابت

قدم رہے، اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی کوشش کرتے رہے، ورنہ آج ہماری بھی یہی گت ہوتی، اے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے منہ پھیرنے والو! اپنی گستاخیوں کو مت بھولو، ان کی سزا تم کو مل کر رہے گی، اور وہ بھی سخت ہوگی۔

فرمایا: اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً: حق کی دشمنی دلوں کا زنگ ہے، جو رفتہ رفتہ اسے تباہ کر دیتا ہے، اب ان کو لاکھ سمجھاؤ، یہ نہ سمجھیں گے، ان کے کان سچی باتیں سننے کے قابل نہیں رہے، آنکھیں تو اس قابل ہی نہیں کہ وہ غیب کی باتیں دیکھ سکیں، لے دے کر کان ہی ہیں جن کے ذریعے وہ قرآن مجید کی آیتیں سن سکتا ہے، اور حق کی آواز اس کے دل تک پہنچ سکتی ہے، اگر یہ بھی بند ہو گئے تو دل تک حقیقت کے خفیہ بھید پھر کیسے پہنچ سکتے ہیں؟

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: جب ان کے دل زنگ آلود ہو گئے، اور اس پر غفلت کے پردے چھا گئے، اور جھوٹی باتوں کی میل کان کے اندر جانے کی وجہ سے کان حق کی باتیں سننے سے محروم ہو گئے تو اب آپ انہیں سیدھے راستے کی طرف پکار کر بلائیں تو کیسے سنیں گے؟ آدمی کے کان میں جب ہر وقت باطل ہی کی آوازیں آتی رہیں، اور جھوٹ ہی کی صدا گونجنے لگے تو حق کی پکار اس کے اندر نہیں پہنچ سکتی، جب تک جھوٹ کی آواز بند نہ ہو، یہ بھی سیدھے راستے پر نہیں آسکتے۔

فرمایا: وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ...الخ: اس آیت میں ارشاد ہوا کہ: آپ کے رب میں بخشش اور رحمت دونوں صفتیں موجود ہیں، نادانوں کے قصور، ضدی بچے کی بے باکیوں کی طرح معاف کر دیے جاتے ہیں، اور آدمیوں کو باوجود ان کی شرارتوں کے پالا پوسا جاتا ہے، ورنہ اگر ان کی برائیوں کی فوری سزا دی جاتی تو ان پر عذاب آنے میں ذرا دیر نہ لگتی، اور بروں کے ساتھ اچھے بھی پس جاتے، کیوں کہ بروں کے کرتوتوں کا وبال سرے سے دنیا ہی کو تباہ کر دیتا، لیکن اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت نے اپنا کام کیا، اور ایک مدت تک عذاب کو روکنے کا فیصلہ فرمایا۔

دیکھو! تم سے پہلے یہ کتنی بستیاں ویران پڑی ہیں، آخر نوح کی قوم، عاد کی قوم، ثمود کی قوم وغیرہ یہیں تو بستے تھے، ایک مدت تک ان کو ڈھیل دی گئی، اور ان کو سمجھانے کے لئے پیغمبر بھیجے گئے، لیکن جب انہوں نے کسی

طرح نہ سمجھا، اوران کی سرکشی اورہٹ دھرمی زیادہ ہی ہوتی چلی گئی تو عذاب کا مقرر وقت آپہنچا، جس سے پہلے ان کو خبردار کردیا گیا تھا کہ اگراس کے آنے سے پہلے نہ سنبھلے تو پھر تمہاری خیر نہیں، دنیا سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیے جاؤ گے۔

موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ

اور جب کہا موسیٰ نے سے جوان خادم اپنے نہ ہٹوں گا میں یہاں تک کہ پہنچ جاؤں جمع ہونے کی جگہ دو سمندروں کی

اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ۝٦٠ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا

چاہے چلوں مدتوں تک (٦٠) پس جب پہنچے دونوں جمع ہونے کی جگہ دونوں کے بھول گئے مچھلی اپنی کو

فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۝٦١ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ

پس پکڑا اس نے راستہ اپنا میں دریا گھس کر (٦١) پس جب آگے چلے کہا موسیٰ نے جوان اپنے سے

اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۡ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ۝٦٢ قَالَ

لا، پاس ہمارے ناشتہ ہمارا البتہ تحقیق پایا ہم نے سے سفر اپنے اس تھکاوٹ کو (٦٢) اس نے کہا

اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۡ وَمَآ

کیا آپ نے دیکھا جب ٹھکانہ لیا ہم نے طرف بڑے پتھر کے تو میں بھول گیا مچھلی کو اور نہیں

اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَ اتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي

بھلایا مجھے اس کو مگر شیطان نے کہ میں ذکر کروں اس کا اور لیا اس نے راستہ اپنا میں

الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ۝٦٣

سمندر عجیب طرح (٦٣)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب موسیٰ نے اپنے جوان سے کہا کہ میں نہ ہٹوں گا جب تک میں پہنچ جاؤں

جہاں دو دریا ملتے ہیں یا چلتا رہوں مدتوں۔ (٦٠) پس جب وہ دونوں دریاؤں کے ملاپ تک پہنچے اپنی مچھلی بھول گئے، پس اس نے دریا میں اپنی راہ لی سرنگ بنا کر۔ (٦١) اور پھر جب آگے چلے موسیٰ نے اپنے جوان سے کہا کہ ہمارا ناشتہ لاؤ ہم نے اپنے اس سفر میں تھکاوٹ پائی۔ (٦٢) وہ بولا کیا دیکھا آپ نے؟ جب ہم ٹھہرے اس پتھر کے پاس تو میں مچھلی کو بھول گیا اور مجھ کو شیطان ہی نے بھلایا کہ میں اسے یاد رکھوں اور اس نے دریا میں اپنا راستہ عجیب طرح بنا لیا۔ (٦٣)

لفظی تحقیق: مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ: دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ، اس سے مراد وہ مقام ہے جہاں دو دریا ایک دوسرے کے قریب آ گئے ہوں، خواہ بالکل مل گئے ہوں، یا بیچ میں ذرا سی تنگ خشک جگہ چھوٹ گئی ہو، ایسی جگہ مصر اور شام کے بیچ میں ہے، جس کے ایک طرف بحر قلزم اور دوسری طرف بحرِ متوسط (بحیرۂ روم) ہے، اور چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وطن سے قریب ہے؛ اس لئے اکثر مفسرین نے یہی جگہ مراد لی ہے، آج کل ان دونوں کو نہر سویز کھود کر ملا دیا گیا ہے۔ حُقُب: اسّی سال (٨٠) کی مدت کو کہتے ہیں۔ سَرَب: پانی بہنا، کسی چیز کے اندر پانی کی طرح گھس جانا، چپ چاپ چل دینا۔

تفسیر

اس آیت میں ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر گزرا، اور ہمیشہ کے لئے انسان کے دینی اور اخلاقی قانون کی بنیاد بنا۔

موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا جو واقعہ ان آیتوں میں بیان ہوا ہے وہ بلاشبہ عجیب و غریب اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے، اس واقعہ کو "اصحابِ کہف" کے واقعہ کے ساتھ بھی مناسبت ہے، کیونکہ وہ بھی عجیب واقعہ ہے، اس واقعہ کو بیان کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا آپ سمجھتے ہیں کہ صرف "اصحابِ کہف" کا واقعہ ہی ہماری قدرت کی نشانیوں میں عجیب و غریب واقعہ ہے، نہیں! بلکہ اس جیسے اور بھی بہت سے واقعات کائنات میں ظاہر ہو چکے ہیں، چنانچہ حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا واقعہ بھی انہی عجائبات میں سے ہے، گویا اس واقعہ کا تعلق مذکورہ بالا

آیت کے ساتھ بھی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو بہت سی کام کی باتیں سمجھا رہے تھے، اور عقل مند لوگ آپ کی دانائی اور دور بینی پر واہ واہ کر رہے تھے، اتنے میں ایک شخص نے تعجب میں آکر پوچھا کہ اے حضرت! کیا آپ نے اپنے آپ سے بڑھ کر بھی کسی کو عالم دیکھا؟ آپ کے منہ سے بے اختیار نکلا کہ نہیں، اور حقیقت بھی یہی تھی، لیکن چونکہ ہر انسان کو اپنے متعلق اس قسم کے سوال کا یہ جواب دینا مناسب نہیں؛ اس لئے آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کی گئی کہ دو سمندروں کے بیچ میں زمین کا ایک تنگ ٹکڑا ہے، وہاں ہمارا ایک بندہ تمہیں ملے گا، جس کو بعض ایسی باتیں معلوم ہیں جو تمہیں معلوم نہیں ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے کہ واقعی ان سے چوک ہوئی، انہیں جواب میں کہنا چاہئے تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ جاننے والے ہیں، وہ اپنے بندے کو جس چیز کا جتنا چاہیں علم دے دیں، عرض کیا کہ مجھے اس جگہ کا نشان بتا دیا جائے، میں آپ کے اس بندے سے ملنا چاہتا ہوں، تاکہ اس سے وہ باتیں سیکھوں، جنہیں میں نہیں جانتا۔

ارشاد ہوا کہ: اپنے سامان میں ایک مچھلی بھی شامل کر کے "مجمع البحرین" کی طرف روانہ ہو جاؤ، جب ایسی جگہ پہنچو جہاں مچھلی تمہارے سامان میں سے گم ہو جائے تو وہاں ہمارا وہ بندہ ملے گا، جس سے تم ملنا چاہتے ہو، اس آیت میں اسی واقعہ کا بیان ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھ اپنے نوجوان خادم (یوشع) کو لیا، اور روانہ ہو گئے، اور ان سے کہہ دیا کہ میں تمہیں ساتھ لے کر سفر پر روانہ ہو رہا ہوں، اور میں برابر چلتا رہوں گا، جب تک "مجمع البحرین" پر نہ جا پہنچوں، چاہے مجھے برسوں چلنا پڑے، یہ کہہ کر سمندر کے کنارے کنارے چل پڑے، اور مچھلی کی طرف دھیان لگائے رہے، چلتے چلتے اس مقام پر پہنچے جہاں دو سمندر ایک دوسرے کے آمنے سامنے واقع تھے، ایک جگہ پہنچ کر آرام لینے کے لئے ٹھہرے تو دونوں کو نیند آ گئی، اسی حالت میں مچھلی اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہو کر سمندر کے پانی

میں اپنا راستہ بناتی ہوئی چلی گئی، یوشع کی آنکھ کھلی تو اس نے وہ لکیر جو سمندر میں جاتے وقت مچھلی نے بنادی تھی دیکھی اور تعجب کیا۔

پھر جب موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو اس کو مچھلی کے بارے میں بات بتانا یاد نہ رہا، آخر "مجمع البحرین" کے علاقے سے نکل گئے، اور اب تک مچھلی کا دونوں میں سے کسی کو بھی خیال نہ آیا، اصل مقام جہاں انہیں اس بزرگ کی ملاقات کے لئے جانا چاہئے تھا، وہی تھا۔

"مجمع البحرین" سے متعلق مفسرین کے اقوال

دو (۲) دریاؤں کے ملنے کی جگہ کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے، بعض مفسرین نے اسے "بحر روم" اور "بحر فارس" پر محمول کیا ہے، مگر اس روایت میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ یہ دو سمندر تو آپس میں ملتے ہی نہیں، کیونکہ ان کے درمیان خشکی حائل ہے، چونکہ یہ دونوں قریب قریب ہیں؛ اس لئے ہوسکتا ہے کہ اس قربت کو ملنے سے تعبیر کردیا ہو، بعض مفسرین نے بحرین سے "بحر قلزم" اور اردن کا "دریا" مراد لیا ہے، بعض کہتے ہیں کہ دو دریاؤں سے مراد میٹھا اور کڑوا پانی ہے، اور جہاں پر یہ دونوں قسم کے پانی ملتے ہیں، وہی "مجمع البحرین" ہے۔

جب اصلی جگہ جہاں سے مچھلی گم ہوگئی تھی، وہاں سے خاصی دور نکل گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے کہا کہ آؤ! کچھ کھالیں، چلتے چلتے بہت تھک گئے ہیں، اس وقت خادم کو یاد آیا کہ مچھلی تو گم ہے، کیونکہ کھانا جہاں رکھا تھا، وہیں مچھلی بھی تھی، اور پھر ذہن پر زور ڈالا تو سب یاد آ گیا کہ کس کس طرح وہ مچھلی توشہ دان سے نکلی اور اس نے سمندر میں اپنا راستہ بنالیا اور چلی گئی۔

"یوشع" نے عرض کیا دیکھو تو سہی! جب ہم پتھر کے پاس آرام لینے کے لئے لیٹے تھے تو مجھے مچھلی کا بالکل خیال نہیں رہا، شیطان نے کچھ ایسا غفلت کا پردہ ڈالا کہ مچھلی کا ذکر ہی بھول گیا، وہ توشہ دان سے نکل کر سمندر میں سرک گئی۔

مچھلی کے بھلا دینے کی نسبت شیطان کی طرف کی، حالانکہ حقیقت میں تو اللہ تعالیٰ ہی نے بھلایا تھا، اس کی

وجہ یہ ہے کہ اکثر و بیشتر ایسی چیزیں شیطان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر نماز کے دوران نکسیر پھوٹ پڑے، یا عورت کو حیض شروع ہوجائے تو یہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، حالانکہ نکسیر تو کسی بیماری اور حیض طبعی امر کی وجہ سے آتا ہے، مگر اسے بھی شیطان کی طرف منسوب کیا گیا، غرضیکہ جب بھی کسی مؤمن کے خیر کے کام میں خلل واقع ہوتا ہے تو اسے شیطان ہی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے؛ اس لئے کہ اگر چہ یہ شیطان کی طرف سے نہ ہو، لیکن خیر کے اس کام میں رکاوٹ کی وجہ سے شیطان بڑا خوش ہوتا ہے؛ اس لئے شیطان کی طرف نسبت کر دی جاتی ہے۔

منزل کا پتہ

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبۡغِ ۖ فَارۡتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾

کہا موسیٰ نے وہی تو ہے جو تھے ہم چاہتے پس لوٹے دونوں پر نشان اپنے تلاش کرتے ہوئے (۶۴)

فَوَجَدَا عَبۡدًا مِّنۡ عِبَادِنَآ اٰتَيۡنٰهُ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَعَلَّمۡنٰهُ

پس پایا ان دونوں نے ایک بندہ سے بندوں ہمارے دی تھی ہم نے اسے رحمت سے پاس اپنے اور سکھایا اس کو

مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا ﴿۶۵﴾ قَالَ لَهٗ مُوۡسٰى هَلۡ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنۡ تُعَلِّمَنِ

سے پاس اپنے ایک علم (۶۵) کہا سے اس موسیٰ نے کیا پیچھے چلوں میں تیرے اس پر کہ سکھائے تو مجھ کو

مِمَّا عُلِّمۡتَ رُشۡدًا ﴿۶۶﴾ قَالَ اِنَّكَ لَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ مَعِىَ صَبۡرًا ﴿۶۷﴾

سے اس جو سکھایا گیا مفید بات (۶۶) کہا تحقیق تو ہرگز نہ کر سکے گا ساتھ میرے صبر (۶۷)

وَكَيۡفَ تَصۡبِرُ عَلٰى مَا لَمۡ تُحِطۡ بِهٖ خُبۡرًا ﴿۶۸﴾

اور کس طرح تو صبر کرے گا پر اس کہ نہیں احاطہ کیا اس کا تیری واقفیت نے (۶۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ کہا یہی ہے جو ہم چاہتے تھے، پھر واپس لوٹے اپنے پاؤں کے نشان تلاش کرتے ہوئے۔ (۶۴) پھر پایا ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت عطا فرمائی تھی

اور اپنے پاس سے اسے ایک خاص علم سکھایا تھا۔ (۶۵) موسیٰ نے اس سے کہا کہ کیا میں آپ کے ساتھ رہوں اس لئے کہ آپ مجھ کو اس مفید بات سے کچھ سکھائیں جو آپ کو سکھائی گئی ہے۔ (۶۶) بولا: تو میرے ساتھ ہرگز نہ ٹھہر سکے گا۔ (۶۷) اور تو اس چیز کو دیکھ کر جس کا سمجھنا تیرے قابو کا نہیں کیوں ٹھہرے گا۔ (۶۸)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: وہ اپنے قدموں کے نشان ڈھونڈتے ہوئے واپس ہوئے، اور اس جگہ پہنچے جہاں وہ سوئے تھے تو وہاں انہوں نے ہمارے ایک بندے کو پایا، جسے ہم نے اپنی رحمت کا ایک حصہ عطا کیا تھا، اور اپنے علم کے خزانے میں سے ایک علم ان کو سکھایا تھا۔

مفسرین کرام نے صحیح سندوں کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کے اس بندے کا نام خضر علیہ السلام بتایا ہے، حضرت خضر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جان و دل سے ہر وقت مصروف رہتے تھے، اور اسی عبادت کی بدولت ان کے دل کو ایک قسم کی صفائی حاصل ہو گئی تھی، جس سے وہ واقعات کے نتیجے دور تک دیکھ لیتے تھے، اس علم کے ذریعے کو "کشف" اور "الہام" کہتے ہیں، وہ اپنے "کشف" کے ذریعے اکثر لوگوں کو آنے والی مصیبت سے بچا لیا کرتے تھے، موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے، جس کی بدولت شرع کا علم نصیب ہوتا ہے، اور وہ وحی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے، وحی کا درجہ "کشف" اور "الہام" سے بہت اونچا ہے، دین الٰہی کا مدار اسی وحی پر ہے، "کشف و الہام" اس سے کم درجے کی چیزیں ہیں، ان پر دین کے اصول کا دارومدار نہیں ہوتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں آپ کے پاس اس غرض سے آیا ہوں کہ جو خاص علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے، اس میں سے کچھ میں بھی حاصل کروں۔

جب حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ آپ میرے ساتھ صبر سے نہ ٹھہر سکیں گے، مجھے تو خاص موقع پر اللہ تعالیٰ کے "الہام" سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ جو کام اس وقت ہو رہا ہے، اس کا انجام کیا ہوگا؟

ساتھ چلنے کی شرط

قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّ لَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴿٦٩﴾

کہا پائے گا تو مجھ کو اگر چاہا اللہ نے صبر کرنے والا اور نہ نافرمانی کروں گا تیرے کسی حکم کی (۶۹)

قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْــَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ

کہا پس اگر میرے پیچھے چلنا ہے تو مت پوچھنا مجھ سے کوئی چیز یہاں تک کہ کروں میں سامنے تیرے

مِنْهُ ذِكْرًا ﴿٧٠﴾ ع ۱۱ ۲۱

سے اس متعلق کوئی ذکر (۷۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ موسیٰ نے کہا اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تو مجھ کو صبر کرنے والا پائے گا اور تیرا کوئی حکم نہ ٹالوں گا۔ (۶۹) بولا: پھر اگر میرے ساتھ رہنا ہے تو مجھ سے کوئی چیز مت پوچھنا جب تک کہ میں تیرے آگے اس کا ذکر نہ شروع کروں۔ (۷۰)

تفسیر

خضر علیہ السلام کی باتیں سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نیا علم سیکھنے کی خاطر ان کے ساتھ رہنے کے لئے ان کی شرط منظور کرنے پر آمادگی ظاہر کی، لیکن ساتھ ہی "انشاءاللہ" کہہ لیا، تا کہ اللہ کی مدد شامل حال ہو اور صریح وعدہ خلافی کا الزام نہ عائد ہو، فرمایا کہ: مجھے آپ "انشاءاللہ" صبر کرنے والا پائیں گے، اس وقت حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ اس کے بعد مجھے تمہیں ساتھ رکھنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے، بس! اتنا خیال رکھنا کہ میں جو کچھ کروں، اس کو چپ چاپ دیکھنا، اعتراض نہ کرنا اور نہ مجھ سے پوچھنا کہ یہ کیوں کیا؟ جب تک کہ میں خود اس کا ذکر نہ چھیڑوں، اور خود اس کی بات چیت شروع نہ کردوں۔

اس تمام قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شرع کا قانون کسی ولی یا کسی خاص "الہام" کا پابند نہیں ہوتا، بلکہ ان

اصولوں کا پابند ہوتا ہے، جو وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں پر نازل کیے، اور نہ شرع کا قانون اس بناء پر کسی کے ساتھ رعایت کرے گا کہ وہ بھیدوں اور اندرونی رازوں کے جاننے کا دعویٰ کرتا ہے، اس کو چھوڑنا چاہئے۔

بعض لوگ جو شریعت کی حرام کی ہوئی چیزیں کھلم کھلا کرنے لگتے ہیں، اور کوئی منع کرے تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تم سے زیادہ واقف ہیں، ان کی یہ بات نہیں مانی جائے گی، اور انہیں قانون کی خلاف ورزی کی سزا دی جائے گی، جب تک کہ شہادت سے ان کا بری ہونا ثابت نہ ہو جائے۔

"صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" میں ایک طویل حدیث آئی ہے، جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا "موسیٰ بنی اسرائیل" اور نوجوان ساتھی کا نام "یوشع بن نون" اور جس کی طرف بھیجے گئے، ان کا نام "خضر" ہونے کی تصریح ہے، موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعے سے کچھ فائدے، ہدایتیں اور سبق حاصل ہوتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے سفر کے ساتھ "یوشع بن نون" سے کہا کہ میں "مجمع البحرین" تک پہنچوں گا، جس سے یہ سفر کا ادب نکلتا ہے کہ اپنے سفر کا رُخ اور منزل مقصود ساتھ والے ساتھی کو یا خادم کو بتانا چاہئے، اسی طرح سفر کی ضروری باتیں بھی ساتھی یا خادم کے علم میں لانا چاہئیں، متکبر لوگ اپنے خادموں اور نوکروں کو نہ قابلِ خطاب سمجھتے ہیں، اور نہ سفر سے متعلق انہیں کچھ بتاتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام پیغمبروں میں ایک خاص امتیازی شان حاصل تھی، اللہ تعالیٰ سے گفتگو کرنا ان کی خصوصی فضیلت ہے، حضرت خضر علیہ السلام کی پیغمبری میں اختلاف ہے، اگر پیغمبری حاصل بھی ہو تو مقامِ رسالت حاصل نہیں تھا، کیونکہ نہ تو کوئی کتاب تھی، اور نہ کوئی خاص امت؛ اس لئے بہر حال موسیٰ علیہ السلام درجے اور مرتبے میں حضرت خضر علیہ السلام سے بڑے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے قریب کے بندوں کی ذرا سی کمی کوتاہی کی بھی اصلاح فرماتے ہیں، ان کی معمولی سی کوتاہی پر بھی سخت عتاب ہوتا ہے، اس کی اصلاح بھی اسی پیمانے پر کرائی جاتی ہے، موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے نکل گیا کہ "میں سب سے زیادہ علم والا ہوں" اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہ آیا تو ان کو تنبیہ کے لئے ایک ایسے بندے کا پتہ دیا جو ایک خاص علم کے جاننے والے تھے، جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس نہیں تھا، ادھر جب موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ کہیں اور بھی علم ہے، جو مجھے حاصل نہیں ہے تو اس کے حاصل کرنے کے لئے طالب علمانہ سفر کے

لئے فوراً تیار ہو گئے، اب یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو یہیں اسی جگہ موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات حضرت خضر علیہ السلام سے کرا دیتے، یا موسیٰ علیہ السلام کو ہی سفر کرانا تھا تو پتہ صاف صاف بتا دیا جاتا، جہاں پہنچنے میں پریشانی نہ ہوتی، مگر پتہ ایسا بتایا کہ جس جگہ پہنچ کر مچھلی پانی میں چلی جائے، اس جگہ ہمارا بندہ ملے گا۔

"صحیح بخاری" کی حدیث سے اس مچھلی کے متعلق اتنا ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہوا تھا کہ ایک مچھلی اپنی ٹوکری میں رکھ لیں، اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں کہ یہ مچھلی کھانے کے لئے ساتھ رکھنے کا حکم ہوا تھا، یا کھانے سے الگ رکھنے کا حکم ہوا تھا، بہر حال! حضرت خضر علیہ السلام کا پتہ ایسا گول مول سا دیا گیا کہ آسانی سے جگہ متعین نہ ہو، جو ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا امتحان تھا، اس پر مزید امتحان یہ کہ جب عین موقع پر پہنچے تو مچھلی کو ہی بھول گئے، لیکن "بخاری" کی حدیث سے جو قصہ ثابت ہوا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت مچھلی کے زندہ ہو کر سمندر میں جانے کا وقت آیا تو موسیٰ علیہ السلام سوئے ہوئے تھے، صرف "یوشع بن نون" نے مچھلی کا واقعہ دیکھا، اور ارادہ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام بیدار ہو جائیں تو بتاؤں گا، مگر بیداری کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر بھول مسلط کر دی اور وہ بتانا بھول گئے۔

بہر حال! یہ ایک دوسری آزمائش تھی کہ منزلِ مقصود پر پہنچ کر مچھلی کے زندہ ہو کر پانی میں گم ہو جانے سے حقیقت پتہ چل جاتی اور مقام متعین ہو جاتا، مگر ابھی مزید امتحان باقی تھا؛ اس لئے دونوں پر بھول طاری ہو گئی اور پورے ایک دن اور ایک رات کا مزید سفر طے کرنے کے بعد بھوک اور تھکاوٹ کا احساس ہوا، یہ تیسرا امتحان تھا، کیونکہ تھکاوٹ اور بھوک کا احساس عادۃً اس سے پہلے ہو جانا چاہئے تھا، وہیں مچھلی یاد آ جاتی تو اتنے طویل سفر کی مشقت نہ اٹھانا پڑتی، مگر اللہ تعالیٰ کو منظور یہی تھا کہ کچھ اور مشقت اٹھائے تو یاد آنے پر دونوں حضرات اپنے قدموں کے نشانات ڈھونڈتے ڈھونڈتے واپس پہنچے۔

مچھلی کے دریا میں جانے کا ذکر پہلی مرتبہ "سَرَبًا" کے لفظ سے آیا، "سرب" کے معنیٰ ہیں سرنگ، جو پہاڑوں میں راستہ بنانے کے لئے کھودی جاتی ہے، یا شہروں میں زمین دوز راستہ بنانے کے لئے کھودی جاتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ مچھلی جب سمندر میں گئی تو جس طرف گئی وہاں پانی کے اندر ایک سرنگ سی بنتی چلی گئی کہ اس کے جانے کا راستہ کھلا رہا، دوسری مرتبہ مچھلی کے سمندر میں جانے کا ذکر آیا تو عجباً کا لفظ استعمال ہوا، یہ "یوشع بن

نون" کے الفاظ تھے، کیونکہ انہوں نے مچھلی کو اس طرح سمندر میں جاتے دیکھ کر تعجب کا اظہار کیا، کیونکہ خود مچھلی کا اس طرح سمندر میں سرنگ بنا کر جانا ایک عجیب ہی واقعہ تھا۔

حضرت خضر علیہ السلام پر کسی دنیا کے ولی کو قیاس نہیں کیا جا سکتا، اور نہ ظاہر شریعت کے خلاف اس کے کسی کام کو جائز کہا جا سکتا ہے۔

یہیں سے ایک ادب یہ معلوم ہوا کہ شاگرد پر اپنے استاد کی تابعداری لازم ہے، موسیٰ علیہ السلام باوجود پیغمبر ہونے کے حضرت خضر علیہ السلام سے تعظیم وتکریم کے ساتھ درخواست کر رہے ہیں کہ میں آپ سے آپ کا علم سیکھنے کے لئے ساتھ چلنا چاہتا ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ علم حاصل کرنے کا ادب یہی ہے کہ شاگرد اپنے استاد کا ادب واحترام کرے اور اس کی مکمل تابعداری کرے، اگرچہ شاگرد اپنے استاد سے کسی بات میں افضل واعلیٰ بھی ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چونکہ خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس جانے اور ان سے علم سیکھنے کا حکم ہوا تھا؛ اس لئے یہ اطمینان تھا کہ ان کا کوئی کام حقیقت میں شریعت کے خلاف نہیں ہوگا، اگرچہ ظاہر میں سمجھ میں نہ آئے؛ اس لئے صبر کرنے کا وعدہ کر لیا، ورنہ ایسا وعدہ کرنا بھی کسی عالم دین کے لئے جائز نہیں، لیکن پھر شریعت کے بارے میں دینی غیرت کے جذبے سے مغلوب ہو کر اس وعدہ کو بھول گئے۔

پہلا واقعہ

فَانْطَلَقَا ۗ حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ۭ قَالَ

پس چلے وہ دونوں، یہاں تک کہ، جب، سوار ہوئے، میں، کشتی، تو سوراخ کر دیا اس میں، کہا موسیٰ نے

اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـــًٔا اِمْرًا ۝۷۱ قَالَ

کیا تو نے اس میں سوراخ کر دیا، کہ ڈبو دے، کشتی والوں کو، البتہ تحقیق، لایا تو، ایک شے، خوفناک (۷۱)، کہا

اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝۷۲

کیا نہیں کہا تھا میں نے، کہ بیشک تو، ہرگز نہ، کر سکے گا، ساتھ میرے، صبر (۷۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے تو اس کو توڑ ڈالا موسیٰ نے کہا تو نے اس میں چھید کر ڈالا تا کہ اس کے لوگوں کو ڈبو دے البتہ تو نے ایک خوفناک بات کی۔(۷۱) بولا: میں نے نہ کہا تھا کہ تو میرے ساتھ صبر نہ کر سکے گا۔(۷۲)

تفسیر

اب یہ دونوں مل کر آگے چلے، چلتے چلتے راستے میں ایک دریا آ گیا، اس کے پار جانے کے لئے دونوں ایک کشتی میں سوار ہو گئے، کشتی والے حضرت خضر علیہ السلام کو جانتے تھے، انہوں نے ان سے کشتی کا کرایہ بھی نہیں مانگا، جب کشتی کنارے پر پہنچ گئی تو یہ دونوں اس سے نیچے اترے، لیکن اترتے اترتے حضرت خضر علیہ السلام نے کلہاڑی سنبھال کر اس کے پیندے کا ایک تختہ نکال لیا، جس سے اس کے اندر بڑا سا سوراخ پیدا ہو گیا، اور کشتی پانی پر چلنے کے قابل نہ رہی، کشتی والے نے ان پر احسان کیا تھا کہ انہیں مفت کشتی میں بٹھا لیا، اور انہوں نے اس کی کشتی میں ہی سوراخ کر دیا۔

موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر بے تاب ہو گئے، اور کہا کہ تو نے ایک عجیب اور خوفناک کام کیا ہے، یہ تم نے کیا کیا؟ حضرت خضر علیہ السلام سنتے رہے، سمجھ رہے تھے کہ ان کا یہ اعتراض کرنا بجا ہے، سب کچھ سن کر بولے کہ میں نے نہ کہا تھا کہ تم میرے ساتھ چپ چاپ صبر سے نہ رہ سکو گے۔

فرمایا: فَانْطَلَقَا۔ پس وہ دونوں چلے، اس سے مراد موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام ہیں، جبکہ ان کے ساتھ تیسرا آدمی بھی تھا، یعنی موسیٰ علیہ السلام کا خادم یوشع بن نون، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ وہ بطور خادم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ شریک سفر تھے، اور خادم اپنے آقا کے تابع ہوتا ہے، اس لئے آقا کے ساتھ ان کا ذکر نہیں کیا گیا۔

دوسرا مرحلہ

قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَ لَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ

موسیٰ نے کہا مت | پکڑ مجھ کو | اس چیز پر جو میں بھول گیا | اور | نہ | ڈال مجھ پر تنگی | میں | کام میرے

عُسْرًا ﴿٧٣﴾ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ

مشکل (٧٣) پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب وہ دونوں ملے ایک لڑکے سے پس اسے مار ڈالا کہا کیا قتل کر دیا تو نے

نَفْسًا زَكِيَّةً ۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ﴿٧٤﴾

ایک جان بے گناہ کو بغیر عوض جان کے البتہ تحقیق لایا تو ایک چیز نامعقول (٧٤)

بامحاورہ ترجمہ:۔ کہا کہ مجھے کو میری بھول پر نہ پکڑ و اور مجھ پر سختی نہ کر۔ (٧٣) پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک لڑکے سے ملے تو اس کو مار ڈالا، موسیٰ بولے کیا تو نے ایک بے گناہ جان مار ڈالی بغیر کسی جان کے بدلے، بے شک تو نے ایک نامعقول حرکت کی۔ (٧٤)

تفسیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے کہ: اوہو! مجھ سے واقعی بھول ہوئی ہے، مجھے صبر و تحمل سے وعدہ کے مطابق کام لینا چاہئے تھا، واقعی یہ جو تمہارے ساتھ رہنے کا کام میں نے اپنے ذمے لیا ہے، آسان نہیں، لیکن آپ نے اگر میرے ساتھ کچھ رعایت نہ کی تو یہ اور بھی مشکل ہو جائے گی، مہربانی کر کے اس کام کو میرے لئے زیادہ مشکل نہ بنائیے، اور معافی سے کام لیجئے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کا عذر قبول کیا، اور پھر دونوں آگے چل پڑے، اب کی بار پہلے سے بھی زیادہ جوش دلانے والا واقعہ پیش آیا، ایک بستی کے قریب سے گزرے، اس کے قریب کچھ لڑکے کھیل رہے تھے، حضرت خضر علیہ السلام نے ایک لڑکے کو پکڑ کر اطمینان کے ساتھ ذبح کر ڈالا، حضرت موسیٰ علیہ السلام بول اٹھے کہ اس کا مار ڈالنا تو عقل اور شریعت دونوں کے خلاف ہے، یہ تم نے کیا کیا؟

دوبارہ یاددہانی

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٧٥﴾ قَالَ

کہا کیا نہیں کہا تھا میں نے سے تجھ کہ تو ہرگز نہ کر سکے گا ساتھ میرے صبر (٧٥) کہا موسیٰ نے

اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَیْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ

اگر پوچھوں میں تجھ سے کسی چیز بعد اس کے پس نہ ساتھ رکھنا مجھ کو تحقیق پہنچ گیا تو

مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا ﴿۷۶﴾

سے جانب میری عذر کو (۷۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ خضر نے کہا کیا میں نے تجھ سے نہ کہا تھا کہ تو میرے ساتھ نہ ٹھہر سکے گا۔ (۷۵) موسیٰ نے کہا اگر اس کے بعد تجھ سے کوئی چیز پوچھوں تو مجھ کو ساتھ نہ رکھنا، آپ میری طرف سے الزام اتار چکے۔ (۷۶)

تفسیر

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک بے گناہ لڑکے کو اپنے سامنے قتل ہوتے دیکھ کر نہ رہا گیا اور بے اختیار کہہ اٹھے، یہ تو تم نے عقل اور شریعت سب کے خلاف کام کیا، تو حضرت خضر علیہ السلام نے پھر وہی بات یاد دلائی کہ تم نے وعدہ کیا تھا کہ چپ چاپ ساتھ رہوں گا، اور کسی کام کی بابت نہ کچھ کہوں گا اور نہ اس کی وجہ پوچھوں گا، اس کے بعد اگر میں بولوں تو پھر آپ مجھے ساتھ نہ رکھیں، اور میں ابھی سے کہے دیتا ہوں کہ مجھے اس کی آپ سے کوئی شکایت نہ ہوگی، میں جانتا ہوں کہ آپ مجھے دو مرتبہ معاف کر کے تیسری مرتبہ مجھے اپنے پاس سے رخصت کر دینے میں حق بجانب ہوں گے، یہ سن کر حضرت خضر علیہ السلام خاموش ہو گئے۔

تیسرا مرحلہ

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهْلَ قَرْیَةِ ِۨاسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا

پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب وہ آگئے ایک گاؤں والوں کے پاس کھانا مانگا گاؤں والوں اس کے

فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِیْهَا جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ

پس انکار کیا انہوں نے کہ مہمانی کریں ان دونوں کی پھر پایا ان دونوں نے میں اس ایک دیوار جو چاہتی تھی کہ

يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿٧٧﴾

گر پڑے پس کر دیا درست اسے کہا موسیٰ نے اگر چاہتے آپ البتہ لے لیتے پر اس اجرت (٧٧)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک گاؤں کے لوگوں تک پہنچے تو ان سے کھانا طلب کیا، انہوں نے نہ مانا کہ ان کو مہمان رکھیں، پھر وہاں ایک دیوار پائی، جو گرا ہی چاہتی تھی، اس کو سیدھا کر دیا، موسیٰ نے کہا اگر آپ چاہتے تو اس پر مزدوری لے لیتے۔ (٧٧)

تفسیر

پھر آگے چلے اور ایک گاؤں میں پہنچے، وہاں کے لوگوں نے حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کھانا کھلانے سے صاف انکار کر دیا، یہاں تک کہ انہوں نے اپنے منہ سے اپنی ضرورت خود ظاہر کی، تب بھی کسی نے مہمان نوازی نہیں کی، یہ ظاہر ہو گیا کہ گاؤں والے ہرگز اس کے حقدار نہیں کہ ان کے ساتھ کوئی ہمدردی کی جائے۔ اس کے باوجود حضرت خضر علیہ السلام نے گاؤں میں ایک دیوار دیکھ کر کہ اب گرنے ہی والی ہے، اس کے پاس رک گئے، اور اس کو مفت میں بغیر کسی اجرت کے سیدھا کر دیا، یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعجب کی حد نہ رہی کہ کشتی والے سے تو یہ سلوک کہ اترتے وقت اس کی کشتی ہی توڑ دی، اور گاؤں والوں کی بے رخی کے باوجود ان کی گرتی ہوئی دیوار مفت کھڑی کر دی، موسیٰ علیہ السلام نے کہا آپ کم از کم ان سے اپنے کام کی مزدوری تو لے لیتے جو آپ نے دیوار سیدھی کی تھی۔

خضر اور موسیٰ علیہما السلام کی جدائی

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَ بَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ

کہا یہ جدائی ہے بیچ میرے اور بیچ آپ کے بتائے دیتا ہوں آپ کو حقیقت اس کی کہ نہ

تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٧٨﴾

کر سکے آپ پر اس صبر (٧٨)

بامحاورہ ترجمہ: ۔خضر علیہ السلام نے کہا یہ میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہے میں آپ کو ان باتوں کی حقیقت بتائے دیتا ہوں، جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔ (۷۸)

تفسیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس تیسرے مرحلے میں بھی بولے بغیر نہ رہا گیا تو خود انہی کی پیش کی ہوئی شرط کے مطابق حضرت خضر علیہ السلام نے ان سے کہا کہ بس! اب آپ کا اور میرا ساتھ ختم ہو گیا، اب آپ میرے ساتھ خود اپنے پیش کیے ہوئے قول وقرار کے مطابق بھی نہیں رہ سکتے، لہٰذا خدا حافظ، لیکن جانے سے پہلے میں آپ کو ان باتوں کی اصلی غرض اور ان کاموں کے کرنے کا مقصد بتائے دیتا ہوں، جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔

اس کے آگے کی آیتوں میں حضرت خضر علیہ السلام اپنے ان کاموں کی وجہ بتاتے ہیں، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہنے کے زمانے میں انہوں نے کیے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص خاص حکمتوں کی بنا پر حضرت خضر علیہ السلام کو ان کاموں کے کرنے کا حکم دیا انہوں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کیا۔

اہل قریۃ: یہ بستی جس میں حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا گذر ہوا اور اس کے لوگوں نے ان کی مہمانی سے انکار کیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں "انطاکیہ" اور ابن سیرین کی روایت میں "ایکہ" تھی، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ اندلس کی کوئی بستی تھی۔ واللہ اعلم

کشتی کا واقعہ

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِى الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ

ان میں سے کشتی کا حال یہ ہے کہ | وہ تھی | واسطے مسکینوں کے | جو کام کرتے تھے | میں | سمندر | پس چاہا میں نے | کہ

اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿۷۹﴾

عیب دار کر دوں اسکو | اور | تھا | فاصلہ پر ان سے | ایک بادشاہ | جو لیتا تھا | ہر | کشتی کو | زبردستی (۷۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ وہ جو کشتی تھی چند مسکینوں کی تھی جو سمندر میں محنت کرتے تھے، سو! میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈال دوں اور ان کے آگے ایک بادشاہ تھا، جو ہر صحیح سالم کشتی کو چھین لیتا تھا۔(۷۹)

تفسیر

جس طرف کشتی جارہی تھی، اس طرف تھوڑی دور ایک ظالم بادشاہ تھا، جو اچھی کشتی دیکھ کر چھین لیتا تھا، اس آیت میں حضرت خضر علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہہ رہے ہیں کہ اللہ کو یہ منظور تھا کہ یہ کشتی میرے ہاتھ سے توڑی جائے، تاکہ وہ ظالم بادشاہ کے ہاتھ سے محفوظ رہے، اور غریب لوگوں کی کمائی کا ذریعہ ان کے ہاتھ سے ہمیشہ کے لیے نہ نکل جائے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: خضر علیہ السلام کا کشتی کو عیب ناک بنا دینا اس کی ہزار درستگی سے بہتر تھا، کیونکہ مصلحت اس میں تھی اگر یہ کشتی صحیح سلامت رہتی تو پکڑی جاتی اور وہ مسکین آمدنی کے ذریعہ سے محروم ہوجاتے، مفسرین کی روایت کے مطابق جب کشتی پکڑے جانے کی حد سے گذر گئی تو خضر علیہ السلام نے خود اپنے ہاتھ سے ٹوٹے ہوئے تختے کو پھر سے درست کردیا، آپ سے اللہ تعالیٰ نے بطور کرامت کے کروایا، بہرحال! کشتی کو عیب دار بنانے کی یہ وجہ تھی۔

لڑکے کا قتل

وَ اَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَاۤ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا

اور رہا لڑکا سو تھے ماں باپ اسکے ایمان والے پس ڈرے ہم کہ مبتلا کردے ان کو

طُغْيَانًا وَّ كُفْرًاۚ﴿۸۰﴾ فَاَرَدْنَاۤ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ

سرکشی اور کفر میں (۸۰) پس چاہا ہم نے کہ بدلہ دے ان دونوں کو رب ان دونوں کا بہتر سے اس

زَكٰوةً وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا ﴿٨١﴾

پاکیزگی کے لحاظ اور زیادہ قریب ان سے شفقت کے لحاظ سے (۸۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جو لڑکا تھا سو! اس کے ماں باپ ایمان والے تھے پھر ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ انہیں سرکشی اور کفر میں عاجز نہ کر دے۔ (۸۰) پھر ہم نے چاہا کہ انہیں ان کا پروردگار اس لڑکے کے بدلے ایسی اولاد دے جو پاکیزگی میں بھی اس سے بہتر ہو اور حسن سلوک میں بھی زیادہ ہو۔ (۸۱)

تفسیر

ارشاد ہے: حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ اس لڑکے کا قصہ یہ تھا کہ اس کے ماں باپ مؤمن تھے، ان کے ہاں یہ لڑکا پیدا ہوا، جس کے بارے میں ہمیں ڈر ہوا کہ یہ بڑا ہو کر ان کو کفر اور شرک میں مبتلا کر دیگا اس بنا پر میں نے اس کو قتل کر ڈالا اور چاہا کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے ان کو نیک اولاد عطا فرمائے۔

گرتی ہوئی دیوار

وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَ كَانَ

اور رہی دیوار سو وہ تھی دو لڑکوں یتیموں کی میں اس شہر اور تھا

تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ

نیچے اس کے خزانہ ان دونوں کا اور تھا باپ ان دونوں کا نیک پس ارادہ کیا رب آپ کے نے کہ پہنچیں وہ

اَشُدَّهُمَا وَ يَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَ مَا فَعَلْتُهٗ

جوانی اپنی کو اور نکالیں دونوں خزانہ اپنا مہربانی سے رب آپ کی اور نہیں کیا میں نے یہ

عَنْ اَمْرِيْ ۭ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾ ع ۱۲ / ۱

سے حکم اپنے یہ ہے اصل حقیقت اس کی کہ نہ کر سکے آپ پر اس صبر (۸۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور وہ جو دیوار تھی، سو! وہ اس شہر میں دو یتیم لڑکوں کی تھی، اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا، اور ان کا باپ نیک آدمی تھا، پھر آپ کے رب نے چاہا کہ وہ جوان ہوں اور اپنا خزانہ نکالیں، آپ کے رب کی مہربانی سے، اور میں نے یہ اپنی رائے سے نہیں کیا، یہ ہے ان چیزوں کی حقیقت جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔ (۸۲)

تفسیر

اس آیت میں حضرت خضر علیہ السلام تیسرے واقعہ کی وجہ بیان فرما رہے ہیں کہ اس دیوار کو میں نے سیدھا کر کے گرنے سے اس لیے بچالیا کہ اگر یہ گر پڑی تو گاؤں والا کوئی اس کی خبر نہ لے گا، اور وہ رفتہ رفتہ مٹ جائے گی اور اس کی جگہ بھی کسی کو یاد نہیں رہے گی، حالانکہ اس کا یاد رکھنا ضروری ہے، کیونکہ اس کے نیچے ایک خزانہ دفن ہے، اور وہ اسی گاؤں کے دو یتیم بچوں کا ہے، جن کا باپ ایک نیک آدمی اور اپنے گھر والوں کا خیال رکھنے والا تھا، اس نے اپنی اولاد کے لیے اپنی جمع پونجی اس دیوار کے نیچے دفن کر دی کہ بڑے ہو کر ان کے کام آئے گی، یہ دونوں بچے ابھی چھوٹے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و حکمت سے یہ فیصلہ فرما دیا ہے، یہ بخیر و خوبی پل کر جوان ہوں گے، اور اس خزانہ کا پتہ پا کر اسے اپنے استعمال کے لیے نکال لیں اور اسے کام میں لائیں گے، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہے۔

جیسا کہ اس واقعہ میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یتیم بچوں کے خزانہ کی حفاظت کا بندوبست ان کے باپ کی نیکی کے صلہ میں کیا، اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اگر کوئی نیک آدمی ہو، تو اس کی اولاد کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیے، ایک حدیث میں آتا ہے کہ نیک آدمی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے اہل و عیال اور خاندان، بلکہ ارد گرد کہ رہنے والے لوگوں کی بھی حفاظت فرماتے ہیں۔

ذوالقرنین کا حال

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَیْكُمْ مِّنْهُ

اور	پوچھتے ہیں آپ سے	سے	ذوالقرنین	کہہ دیجیے	پڑھتا ہوں میں	پر تم	بابت اس کے

ذِكْرًا ﴿٨٣﴾ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِى الْاَرْضِ وَ اٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ
کچھ حال (۸۳) تحقیق قدرت دی ہم نے اسکو میں زمین اور دیا ہم نے اسے سے ہر چیز کے

سَبَبًا ﴿٨٤﴾ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٥﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ
وسائل (۸۴) پھر وہ چلے ایک راستے پر (۸۵) یہاں تک کہ جب پہنچا وہ ڈوبنے کی جگہ سورج کے

وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِىْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّ وَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ؕ قُلْنَا
پایا اس کو کہ ڈوبتا ہے میں ایک چشمہ کالی کیچڑ کے اور پایا پاس اسکے ایک قوم کو کہا ہم نے

يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴿٨٦﴾
اے ذوالقرنین! یا یہ کہ عذاب دے تو اور یا یہ کہ اختیار کرے میں ان کے اچھا سلوک (۸۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور آپ سے "ذوالقرنین" کی بابت پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے! اب میں تمہارے سامنے اس کا کچھ حال پڑھ کر سناتا ہوں۔(۸۳) ہم نے اسے اقتدار دیا تھا اور اس کو ہر چیز کے وسائل عطا کیے تھے۔ (۸۴) پھر وہ ایک راہ پر چلا۔(۸۵) یہاں تک کہ جب سورج ڈوبنے کی جگہ پر پہنچا دیکھا کہ وہ ایک دلدل کی سیاہ ندی میں ڈوبتا ہے اور اس کے پاس ایک قوم کو پایا، ہم نے کہا اے "ذوالقرنین"! یا تو ان لوگوں کو تکلیف دے اور یا ان کے بارے میں حسن سلوک اختیار کر۔(۸۶)

"ذوالقرنین" کا جواب

قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ
کہا بات یہ ہیکہ جس نے ظلم کیا تو جلد سزا دیں گے ہم اسے پھر لوٹایا جائیگا وہ طرف رب اپنے کے پھر وہ عذاب دے گا اسکو

عَذَابًا نُّكْرًا ﴿٨٧﴾ وَ اَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءً
عذاب برا (۸۷) اور یہ کہ جو ایمان لایا اور عمل کیے اچھے پس لئے اسکے بدلہ ہے

الْحُسْنٰى ۚ وَ سَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿٨٨﴾

اچھا اور حکم کریں گے ہم اس کو سے کام اپنے کا نرمی سے (٨٨)

بامحاورہ ترجمہ:۔ "ذوالقرنین" نے کہا جو کوئی بے انصاف ہوگا سو! اس کو ہم سزا دینگے، پھر وہ اپنے رب کے پاس لوٹایا جائے گا وہ اس کو برا عذاب دے گا۔ (٨٧) اور جو کوئی ایمان لایا اور نیک عمل کیا اس کے لئے اچھا بدلہ ہے اور ہم اپنا حکم دیتے وقت اس کے ساتھ نرمی سے بات کریں گے۔ (٨٨)

"ذوالقرنین" کا پہلا سفر

آپ سے "ذوالقرنین" کا حال پوچھتے ہیں، اس پوچھنے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ ان کی تاریخ قریب قریب گم تھی، اور اسی لئے اس قصہ میں لوگوں کا اختلاف ہے، اسی وجہ سے مکہ کے مشرکوں نے مدینے کے یہودیوں کے مشورے سے اس قصہ کا سوال آپ سے امتحان کے طور پر کیا تھا؛ اس لئے قرآن مجید میں اس قصے کی جو تفصیل ذکر کی گئی، وہ آپ ﷺ کی پیغمبری کی کھلی دلیل ہے، آپ فرما دیجیے کہ! میں اس کا ذکر ابھی تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں آگے حق تعالیٰ کی طرف سے اس قصہ کا بیان شروع ہوا کہ "ذوالقرنین" ایک ایسے عظیم الشان بادشاہ گذرے ہیں کہ ہم نے ان کو پوری دنیا پر حکومت دی تھی اور ہم نے ان کو ہر قسم کا کافی سامان دیا تھا (جس سے وہ اپنے شاہی منصوبوں کو پورا کرسکیں) چنانچہ وہ فتح کے ارادہ سے ایک راہ پر ہو لئے (اور سفر شروع کرلیا) یہاں تک کہ وہ سفر کرتے کرتے درمیانی شہروں کو فتح کرتے ہوئے سورج کے غروب ہونے کی جگہ، یعنی: مغرب کی جانب میں آخری آبادی پر پہنچے تو سورج ان کو ایک سیاہ کیچڑ میں ڈوبتا ہوا دکھائی دیا، اس کے پاس انہوں نے ایک قوم دیکھی (آنے والی آیت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ قوم کافر تھی) ہم نے کہا اے "ذوالقرنین"! اس قوم کے بارے میں آپ کو اختیار ہے) خواہ ان کو ابتدا ہی سے قتل کرو، یا پھر ان کے بارے میں نرمی کا معاملہ اختیار کرو (یعنی: ان کو ایمان کی دعوت دو، نہ مانیں تو پھر قتل کرو، "ذوالقرنین" نے جواب دیا کہ میں ان کو دعوت دوں گا، لیکن دعوت کے بعد جو کافر رہے گا تو ہم اس کو عذاب دیں گے، اور یہ سزا تو دنیا میں ہوگی، پھر وہ مرنے کے بعد اپنے مالک حقیقی کے

پاس پہنچا دیا جائے گا، پھر وہ اس کو دوزخ کا عذاب دے گا، اور جو شخص دعوت کے بعد ایمان لے آئے گا اور نیک عمل کرے گا، اس کے لئے آخرت میں بھی بھلائی ہو گی، اور ہم بھی دنیا میں اپنے برتاؤ میں اس کو آسان اور نرم بات کہیں گے، ہم ان پر جسمانی سختی تو کیا، زبانی بھی نہیں کریں گے۔

"ذوالقرنین" کون تھے؟

کس زمانے اور کس ملک میں تھے؟ اور ان کو ذوالقرنین کہنے کی وجہ؟

"ذوالقرنین" ایک نیک دل اور انصاف پسند بادشاہ تھے، جو مشرق و مغرب میں پہنچے، اور ان کے ملکوں کو فتح کیا اور ان میں انصاف کے ساتھ حکومت کی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ہر طرح کے سامان اپنا مقصد پورا کرنے کے لئے عطا کر دیے گئے تھے، انہوں نے فتح کرتے ہوئے تین طرفوں میں سفر کئے، مغرب میں آخری کنارہ تک اور مشرق میں آخری کنارہ تک، پھر شمال کی جانب میں پہاڑی سلسلے تک، اسی جگہ انہوں نے دو پہاڑوں کے درمیانی درے کو ایک عظیم الشان لوہے کی مضبوط دیوار کے ذریعہ بند کر دیا، جس سے یاجوج ماجوج کی تباہی اور بربادی سے اس علاقہ کے لوگ محفوظ ہو گئے، یہودیوں نے جو سوال پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیغمبری کا امتحان کرنے کے لئے پیش کیا تھا، وہ اس جواب سے مطمئن ہو گئے۔

پوری دنیا پر سلطنت و حکومت کرنے والے چار بادشاہ ہوئے ہیں، دو مؤمن اور دو کافر، مؤمن بادشاہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ذوالقرنین ہیں، اور کافر نمرود اور بخت نصر ہیں، ذوالقرنین کے معاملے میں یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس نام سے دنیا میں کئی آدمی مشہور ہوئے ہیں۔

قرآن کریم نے جس "ذوالقرنین" کا ذکر کیا ہے، ان کے پیغمبر ہونے میں تو علماء کا اختلاف ہے، مگر نیک آدمی ہونے پر سب کا اتفاق ہے، اور خود قرآن کی عبارتیں اس پر گواہ ہیں۔

فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ: لفظ "حمیئة" کے لغوی معنٰی سیاہ دلدل یا کیچڑ کے ہیں، مراد اس سے وہ پانی ہے جس کے نیچے سیاہ کیچڑ ہو، جس سے پانی کا رنگ بھی سیاہ دکھائی دیتا ہو اور سورج کو ایسے چشمے میں ڈوبتے ہوئے دیکھنے کا

مطلب یہ ہے کہ دیکھنے والے کو یہ محسوس ہوتا تھا کہ سورج اس چشمے میں ڈوب رہا ہے، کیونکہ آگے آبادی یا کوئی خشکی سامنے نہیں تھی، جیسے آپ کسی میدان میں غروب کے وقت ہوں، جہاں دور تک مغرب کی جانب میں کوئی پہاڑ درخت، عمارت نہ ہو تو دیکھنے والے کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ سورج زمین کے اندر گھس رہا ہے۔

مشرق کا سفر

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٩﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا
پھر چلا راہ پر ایک دوسری (۸۹) یہاں تک کہ جب پہنچا وہ نکلنے کی جگہ سورج کی پایا اس کو

تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿٩٠﴾ كَذٰلِكَ
کہ نکلتا ہے پر قوم ایسی کہ نہیں کیا ہم نے لیے ان کے آگے اسکے کوئی پردہ (۹۰) اسی طرح ہے بات

وَ قَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿٩١﴾
اور تحقیق ہم نے گھیر لیا جو کچھ پاس ہے اسکے اپنے علم میں (۹۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر ایک دوسری راہ پر ہولیا۔ (۸۹) یہاں تک کے جب سورج نکلے کی جگہ پر پہنچا تو اس کو پایا کہ وہ ایک ایسی قوم پر نکلتا ہے کہ ہم نے ان کے لیے سورج کے آگے کوئی حجاب نہیں بنایا۔ (۹۰) بات اسی طرح ہے، اور البتہ ہم نے اپنے علم میں جو کچھ اس کے پاس ہے، سب کا احاطہ کرلیا ہے۔ (۹۱)

تفسیر

خُبْرًا: تفصیلی علم کو کہتے ہیں، جس میں چھوٹی سے چھوٹی بات کی بھی اطلاع موجود ہو، اس آیت میں "ذوالقرنین" کے دوسرے سفر کا ذکر ہے، اس سفر میں اس نے مشرق کی طرف رُخ کیا، چلتے چلتے یہاں بھی دور جا کر اسے کچھ ایسے لوگ نظر آئے، جو حیوانوں کی طرح رہتے تھے، رہنے کے لیے چھونپڑے تک نہ تھے، نہ دھوپ سے بچنے کا کوئی سامان تھا، سورج کی شعاعیں بے روک ٹوک ان کے بدن پر پڑتی تھیں، یہاں بھی "ذوالقرنین" نے

ان لوگوں کی، جہاں تک ہوسکا مدد کی، اور اپنی دولت، قوت وعظ ونصیحت سے ان کو بھی آدمیوں کی طرح رہنا سکھایا۔
ارشاد ہے کہ: نیک خصلت ”ذوالقرنین“ کے حالات یہ ہیں، جو لوگوں کو معلوم ہونے چاہئیں، کیونکہ اس سے ان کے لیے ایک مفید نصیحت نکلتی ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے کسی بات میں دوسرے سے بڑھایا ہو، وہ اپنے سے کم درجے کے لوگوں کی اپنی قوت، دولت، نصیحت غرض ہر طرح سے جو اس کو حاصل ہو اس سے ان کی مدد کرے، آدمی کو کوئی چیز اس لیے دوسروں سے زیادہ نہیں دی جاتی کہ وہ اس کو فقط اپنے ہی کام میں لائے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یوں تو ہم کو ”ذوالقرنین“ کا ذرہ ذرہ حال معلوم ہے، لیکن تمہیں وہی بتایا گیا ہے، جو تمہارے لیے مفید ہے۔

وسطِ زمین کا سفر

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ وَجَدَ مِنْ

پھر چلا (اور) راہ (۹۲) یہاں تک کہ جب پہنچا درمیان دو پہاڑوں کے پایا سے

دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوْا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ

ورے ان دونوں کے ایک قوم کو نہیں قریب تھے کہ سمجھیں بات (۹۳) بولے اے ذوالقرنین!

اِنَّ یَاْجُوْجَ وَ مَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ

تحقیق یاجوج اور ماجوج فساد کرتے رہتے ہیں میں زمین پس کیا کردیں ہم

لَكَ خَرْجًا عَلٰۤى اَنْ تَجْعَلَ بَیْنَنَا وَ بَیْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾

لیے تیرے خرچ پر اس بات کے کردیں آپ بیچ ہمارے اور بیچ انکے آڑ (۹۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر ایک اور راہ پر چلا۔ (۹۲) یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں کے بیچ میں پہنچا اس کے ورے ایسے لوگ پائے جو کوئی بات نہیں سمجھ سکتے تھے۔ (۹۳) بولے اے ذوالقرنین! یہ یاجوج اور ماجوج ملک میں خرابی پھیلاتے ہیں، سو! اگر آپ کہیں تو ہم آپ کے واسطے آمدنی میں سے کچھ دیں، تاکہ آپ ہمارے

اوران کے درمیان آڑ بنادیں۔(۹۴)

تفسیر

یہاں "سدین" سے مراد اونچا پہاڑ ہے، جس کے بیچ میں راستہ کھلا ہوا تھا اور اس لیے وہ دو پہاڑ معلوم ہوتے تھے۔"ذوالقرنین" جب دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا تو ایسی قوم سے ملاقات ہوئی جو بات نہیں سمجھتی تھی، کسی ترجمان نے ان کا مطلب سمجھایا کہ اس درے کو ایک مضبوط آڑ کھڑی کرکے روک دیجیے" یاجوج ماجوج" اس درے میں سے اچانک نکل آتے ہیں، اگر کسی تدبیر سے اس کو اس طرح بند کردیں کہ وہ اسے توڑ کر ادھر نہ آسکیں تو آپ کی ہمارے حال پر بڑی عنایت ہوگی۔

تفسیری روایات کے مطابق یہ سفر بارہ سال میں مکمل ہوا، واللہ اعلم، اس سے کم یا زیادہ عرصہ بھی ہوسکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے" ذوالقرنین" کو خاص فضیلت دی تھی اور خصوصی قوت بھی عطا کی، آپ سے بعض باتیں معجزانہ طور پر بھی ہوئی؛ اس لیے عین ممکن ہے کہ یہ سفر کم تر عرصہ میں طے ہوگیا ہو، اللہ تعالیٰ نے اس کی توفیق اپنی قدرت حکمت کے مطابق بخشی تھی۔

دو پہاڑوں کے پاس رہنے والوں کی درخواست

ارشاد ہوتا ہے: ان لوگوں نے کہا اے" ذوالقرنین"! بیشک" یاجوج" اور" ماجوج" زمین میں فساد کرنے والے ہیں، دراصل" یاجوج" اور" ماجوج" دو پہاڑوں کے پیچھے آباد تھے اور یہ قوم ادھر تھی،" یاجوج ماجوج" درے سے گذر کر اس قوم کی طرف آجاتے تھے، اور یہاں آکر قتل وغارت گری اور لوٹ مار کرتے، فصلیں تباہ کردیتے اور جو کچھ ہاتھ آتا لے کر اپنے علاقے میں چلے جاتے، یہ قوم کمزور تھی اور" یاجوج" اور" ماجوج" کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ تھی، لہذا یہ ان سے بڑے تنگ تھے، انہوں نے اپنی حفاظت کے لیے" ذوالقرنین" کے سامنے اس طرح درخواست پیش کی، کہنے لگے: اے" ذوالقرنین"! یہ فسادی لوگ ہیں، کیا ہم آپ کے لیے کوئی خراج یا ٹیکس

مقرر کردیں، جو آپ کو باقاعدگی سے ادا کرتے رہیں، اس کام کے عوض کہ آپ ہمارے اور "یاجوج ماجوج" کے درمیان اس پہاڑی درے میں رکاوٹ کھڑی کردیں، تاکہ یہ لوگ ہماری طرف آکر ہمیں تنگ نہ کریں، "ذوالقرنین" نے ان کی یہ درخواست قبول کرلی اور دو پہاڑوں کے درمیان دیوار کھڑی کردی، جس کا ذکر آئے گا۔ان شاء اللہ تعالیٰ

"یاجوج وماجوج"

قرآن پاک میں "یاجوج ماجوج" کا ذکر دو مقام پر آیا ہے، پہلی جگہ یہ "سورۃ الکہف" ہے اور دوسری جگہ "سورۃ انبیاء" میں ہے، جہاں اللہ تعالیٰ نے قیامت کی نشانی کے طور پر "یاجوج ماجوج" کا ذکر کیا ہے، مفسرین اور مورخین نے ان قوموں کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے، مگر صحیح بات وہی ہے جو قرآن پاک میں آگئی ہے، یا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے ملتی ہے، باقی باتیں غیر یقینی ہیں۔"یاجوج ماجوج" اور ان پہاڑوں کی جگہ کے متعلق یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا، صحیح بات یہ ہے کہ یہ قومیں اس وقت نظروں سے اوجھل ہیں، اور ان کا ظہور قیامت کے قریبی زمانے میں ہوگا، اس زمانے میں لوگ کہتے ہیں کہ آج کے سائنسی دور میں دنیا کا کوئی کونہ نظروں سے اوجھل نہیں رہا، مگر "یاجوج ماجوج" کہیں نظر نہیں آئے اگر ہوتے تو ضرور نظر آتے۔

سد ذوالقرنین

قَالَ مَا مَكَّنِّیْ فِیْهِ رَبِّیْ خَیْرٌ فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَیْنَكُمْ

کہا وہ چیز کہ قوت دی مجھے میں اس رب میرے نے بہتر ہے پس مدد کرو میری ساتھ طاقت کے بنادوں میں درمیان تمہارے

وَ بَیْنَهُمْ رَدْمًا ﴿۹۵﴾ اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ

اور درمیان انکے مضبوط دیوار (۹۵) لاؤ میرے پاس تختے لوہے کے یہاں تک کہ جب برابر کردیا درمیان

الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِیْۤ

دو کناروں کے کہا دھونکو یہاں تک کہ جب کردیا اسے آگ کہا لاؤ میرے پاس

اُفۡرِغۡ عَلَيۡهِ قِطۡرًا ﴿٩٦﴾

ڈالوں میں پر اس پگھلا ہوا تانبا (۹۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ "ذوالقرنین" نے کہا جس بارے میں میرے رب نے مجھے قوت بخشی ہے وہ تمہارے (چندے) سے بہتر ہے، تم میں میری مدد کرو تا کہ میں تمہارے اور ان کے درمیان میں ایک موٹی دیوار بنا دوں۔(۹۵) مجھے لوہے کے تختے لا دو یہاں تک کہ جب ان تختوں کو دونوں چوٹیوں کے برابر کر دیا تو کہا آگ دھکاؤ یہاں تک جب اس کو سرخ آگ کر دیا تو کہا میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ کہ میں اس پر ڈال دوں۔(۹۶)

تفسیر

"ذوالقرنین" نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکومت دی ہے، مال واسباب عطا فرمائے ہیں، لہذا مجھے تمہارے مال کی ضرورت نہیں، مجھے کام کرنے کے لئے تمہارے بندوں کی ضرورت ہے، جو مال چاہئے وہ بھی مہیا کر دو، باقی سارا خرچہ میری حکومت برداشت کرے گی اور اگر تم افرادی قوت مہیا کر دو تو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا دوں گا، جس میں وہ قوم نہ سراخ کر سکے گی، اور نہ پار کر سکے گی، اس طرح تم ان کے شر سے محفوظ ہو جاؤ گے۔

"ذوالقرنین" نے دو پہاڑوں کے درمیان لوہے اور تانبے کی دیوار کھڑی کر دی، اس طرح کہ لوہے کے تختوں کو اوپر تلے رکھا، یہاں تک کہ دونوں پہاڑوں کے برابر پہنچ گئے، بیچ بیچ میں بھٹے کی طرح لکڑیاں بھر دیں اور دھونکنیوں سے دھونک کر آگ سلگا دی، جب لوہا گرم ہو گیا تو اس پر تانبا پگھلا کر ڈال دیا، اور وہ ان درزوں میں بھر گیا، جو لکڑیوں کے جلنے کی وجہ سے لوہے کے تختوں کے بیچ میں رہ گئی ہوں گی۔

دو پہاڑوں کے درمیان درے کو پر کرتے رہے، اس بات کی تصریح نہیں ہے کہ لوہے کے تختے انتہائی بلندی تک کس طرح جوڑے گئے؟ کیا ان کے پاس کوئی خاص آلات تھے؟ ہوسکتا ہے کہ "ذوالقرنین" نے کرامت کے طور پر خود اپنے ہاتھوں سے جوڑ دیے ہوں، بہر حال! حاصل وسائل کے ذریعے پورے درے کو

تختوں سے پر کردیا گیا، اور اس کے ساتھ ساتھ ایندھن کا انتظام بھی کیا گیا، لوہے کے گرم کرنے کے لیے لکڑی، تیل کوئلہ، یا گندھک وغیرہ جو کچھ بھی تھا، وہ بھی تختوں کے درمیان رکھ دیا گیا، اور آگ تپانے کے لیے ان کے درمیان پھونکیاں بھی لگائیں، جب یہ سارا سامان تیار ہوگیا تو "ذوالقرنین" نے کہا کہ آگ جلا کر ان کو پھونکو، تاکہ آگ بھڑک اٹھے اور لوہا پگھل کر یکجا ہوجائے، آج کل تو لوہا پگھلانے کے لیے (بھٹیاں) کام کر رہی ہیں، مگر اس زمانے میں "ذوالقرنین" نے کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا اور ایک کھلی جگہ میں لوہے کو اتنی آگ دی کہ اس کے تمام تختے پگھل کر یکجان ہوگئے۔

فرمایا: یہاں تک کہ جب اس لوہے کو بالکل آگ کی طرح کردیا: "ذوالقرنین" نے کہا: میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ، تاکہ میں اس کو لوہے پر ڈال دوں، ظاہر ہے کہ تانبا لوہے سے بھی زیادہ سخت ہے، اور اسے پگھلانے کے لیے درجہ حرارت بھی زیادہ درکار ہوتا ہے، چنانچہ جب لوہا گرم ہوکر پگھل گیا تو پھر اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈال دیا گیا، جس سے لوہے کی وہ دیوار مزید مضبوط ہوگئی، اور اس میں شگاف پڑنے کا اندیشہ تک نہ رہا، جب یہ درہ لوہے کی مضبوط دیوار سے بند ہوگیا تو پھر "یاجوج ماجوج" کے دوسری طرف جانے کا امکان ختم ہوگیا، کیونکہ اس درے کے اطراف میں بڑے دشوار گزار پہاڑ تھے، جنہیں عبور نہیں کیا جاسکتا تھا، سکندر "ذوالقرنین" نے یہ بہت بڑا کارنامہ انجام دے کر درّے سے اس طرف رہنے والے لوگوں کو "یاجوج ماجوج" سے محفوظ کردیا۔

کام کے بعد

فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾ قَالَ هٰذَا

پس نہ کرسکے وہ کہ چڑھیں اس پر اور نہ کرسکے وہ اس میں سوراخ (۹۷) کہا یہ

رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ

مہربانی ہے سے رب میرے کی پس جب آئے گا وعدہ رب میرے کا بنادے گا اسکو ڈھایا ہوا اور ہے

وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴿٩٨﴾

وعدہ رب میرے کا سچا (۹۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر "یاجوج ماجوج" اس پر نہ چڑھ سکے اور نہ اس میں سوراخ کر سکے۔ (۹۷) "ذوالقرنین" نے کہا یہ میرے رب کی مہربانی ہے، پھر جب میرے رب کا وعدہ آئے گا اس کو ڈھا کر گرادے گا، اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے۔ (۹۸)

تفسیر

"ذوالقرنین" نے اپنی سمجھ سے جس طرح اس دیوار کو بنایا وہ تیار ہو جانے کے بعد اس قدر مضبوط ہوگئی کہ "یاجوج ماجوج" اس کی بلندی اور مضبوطی کی وجہ سے نہ اس کے اوپر چڑھ سکے اور نہ اس کو توڑ کر سوراخ کر سکے، جب وہ تیار ہوگئی، "ذوالقرنین" نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھ سے اپنے بندوں کے آرام پہنچانے کا کام لیا، ظاہر ہے کہ میں نے جو اتنی بڑی خدمت سرانجام دی یہ اسی کا فضل و کرم تھا، میرے پاس اپنا کیا رکھا ہے؟ جو کچھ ہے اسی کا دیا ہوا ہے، وہی میرا پالنے والا ہے اور مجھے عقل دینے والا ہے، ظاہر بات ہے کہ دنیا ایک دن فنا ہو کر رہے گی اور جو اس میں ہے سب مٹ جائیگا، اس وقت یہ دیوار بھی جو اس وقت لوہے سے بنی ہوئی ہے ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائے گی اور وہ وقت کبھی نہ کبھی ضرور آ کر رہے گا، کیونکہ میرے رب کا وعدہ بالکل سچ ہے۔

قیامت کی ہولناکی

وَ تَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ

اور چھوڑیں گے ہم بعض کو اس دن موج مارتے میں بعض اور پھونکا جائے گا میں صور

فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿٩٩﴾ وَّ عَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَىِٕذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ

پس جمع کریں گے ہم ان سب کو (۹۹) اور سامنے کردیں گے ہم دوزخ کو اس دن واسطے کافروں کے

عَرْضَا ﴿١٠٠﴾ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَ

بالکل سامنے (١٠٠) وہ لوگ کہ تھیں آنکھیں انکی اندر پردے سے یاد میری اور

كَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿١٠١﴾ ع ١١ ١٩ ٢

تھے وہ کہ نہ طاقت رکھتے تھے سننے کی (١٠١)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور قیامت کے دن ہم ان کو اس طرح بنا چھوڑیں گے کہ بعض ان میں سے بعض دوسروں سے موجوں کی طرح ٹکرائیں گے، اور پھونک ماری جائے گی صور میں، پھر جمع کرلائیں گے ہم ان سب کو۔(٩٩) اور کافروں کو ہم اس دن دوزخ سامنے سامنے دکھلائیں گے۔(١٠٠) جن کی آنکھوں پر میری یاد سے پردہ پڑا تھا اور وہ نہ دیکھتے تھے اور نہ سنتے تھے۔(١٠١)

تفسیر

یہ اس وقت کا ذکر ہے کہ جب صور پھونک دیا جائے گا اور یہ دیوار کیا دنیا کی یہ سب چیزیں فنا ہو جائیں گی، "یاجوج ماجوج" سب ایک دوسرے سے گڈمڈ ہو جائیں گے، اور سمندر کی موجوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں گے اور ایک دوسرے کے اندر گھسنے کی کوشش کریں گے۔ یہی حالت قیامت کی ہولناکی کی وجہ سے عام لوگوں کی بھی ہو سکتی ہے۔

پھر اس کے بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا اور اللہ کے حکم سے سب کے سب حشر کے میدان میں جمع ہو جائیں گے، اس وقت ان لوگوں کے بالکل سامنے جو اللہ کو نہیں مانتے تھے، دوزخ ظاہر کردی جائے گی، یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے دل کی آنکھوں پر دنیا میں پردہ پڑا ہوا تھا، ان کو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں نظر ہی نہ آتی تھیں، اور ان کے کان بھی نصیحت کی باتیں سنتے نہیں تھے، اس دن وہ اپنے سامنے دوزخ کو موجود پائیں گے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس دیوار میں تھوڑا سا سوراخ ہو گیا تھا، ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ پیغمبر نیند سے بیدار ہوئے تو آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ الفاظ تھے "لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ" (صحیح البخاری: ۱۳۸/۴: الناشر: دار طوق النجاۃ) یعنی: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، عربوں کے واسطے ہلاکت ہے ایسے شر سے جو قریب آچکا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: "یاجوج ماجوج" کی دیوار کو تھوڑا سا کھول دیا گیا ہے، ام المومنین نے عرض کیا: اے اللہ کے پیغمبر! کیا ہم ہلاک کردیے جائیں گے؟ جب کہ ہمارے درمیان نیک لوگ بھی ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: لوگ اس وقت ہلاک کردیے جائیں گے، جب فتنہ وفساد بڑھ جائیگا، خواہ اس میں نیک آدمی بھی موجود ہوں، "ترمذی شریف" کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ "یاجوج ماجوج" اس بند کو دن بھر توڑتے رہتے ہیں، مگر جب رات ہوتی ہے تو وہ بند یا دیوار پھر ویسے کی ویسے مکمل ہوجاتی ہے، عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ اترنے پر جب اس قوم کے نکلنے کا وقت آئے گا تو اس وقت ان کی زبان سے نکلے گا کہ ہم "انشاء اللہ" کل اس دیوار کو توڑ دیں گے، اور پھر اگلے دن دیوار میں شگاف پڑ جائے گا، اور "یاجوج ماجوج" وہاں سے نکل کھڑے ہونگے۔

اظہارِ حقیقت

اَ فَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ

کیا پھر بھی خیال ہے ان کا جنہوں نے کفر کیا کہ بنائیں بندوں میرے کو مجھے چھوڑ کر

اَوْلِيَآءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ۝۱۰۲ قُلْ هَلْ

حمایتی تحقیق ہم نے تیار کیا ہے دوزخ کو لیے کافروں کے مہمانی (۱۰۲) کہہ دیجیے کیا

نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝۱۰۳ۭ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي

بتائیں ہم تم کو وہ لوگ جو بڑے خسارے میں ہیں اعمال کے لحاظ سے (۱۰۳) یہ وہ لوگ ہیں کہ بیکار گئی کوشش ان کی میں

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝۱۰۴

زندگانی دنیا کی اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھا کر رہے ہیں کام (۱۰۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اب بھی منکر کیا سمجھتے ہیں کہ میرے سوا میرے بندوں کو اپنا حمایتی بنالیں گے، ہم نے دوزخ کو کافروں کی مہمانی بنایا ہے۔(۱۰۲) آپ کہہ دیجیے! کیا ہم تم کو ان لوگوں کے بارے میں بتائیں جن کا کیا کرایا ضائع ہوا۔(۱۰۳) یہ لوگ جن کی کوشش دنیا کی زندگی میں بیکار گئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھا کام کررہے ہیں۔(۱۰۴)

تفسیر

سب باتیں قرآن مجید میں اچھی طرح سمجھادی گئی ہیں اس کے بعد کافروں کے بارے میں کہا جارہا ہے کہ کیا اب بھی اللہ تعالیٰ کے نہ ماننے والوں کا یہ خیال ہے کہ وہ اسے چھوڑ کر اس کے بندوں سے اپنا حمایتی بناکر اپنے کام درست کرالیں گے، مثلاً: عیسیٰ، عزیر، روح القدس، فرشتوں دیودیوں، دیوتاؤں وغیرہ سے یا قیامت کے دن اللہ کے غضب سے بچنے کے لیے ان کے دامن میں پناہ لے لیں گے اور وہ ان کو بچالیں گے، اگر اس قدر صاف صاف اصل حقیقت سمجھادینے کے بعد بھی اسی خیال میں ہیں کہ اللہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کا ماننا ضروری نہیں، مرنے کے بعد کچھ ہونے والا نہیں ہے، بالفرض! اگر ہو بھی تو یہ ہمارے حمایتی ہمیں بچالیں گے، یہ سب ان کا غلط خیال ہے، ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو مہمانی بنایا ہے۔

کافروں کی سزا

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ

یہ | وہ لوگ ہیں کہ | انکار کیا | ساتھ نشانیوں | رب اپنے کی | اور | اسکی ملاقات کا | پس ضائع ہوگئے

أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ

عمل ان کے | پس نہیں ہم قائم کریں گے | واسطے انکے | دن | قیامت | کوئی وزن(۱۰۵) | یہ لوگ ہیں کہ | بدلہ ان کا

جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَ اتَّخَذُوْۤا اٰيٰتِيْ وَ رُسُلِيْ هُزُوًا ﴿۱۰۶﴾

دوزخ ہے بوجہ اسکے کہ منکر ہوئے وہ اور بنایا انہوں نے آیتوں میری کو اور پیغمبروں میرے کو مزاق (۱۰۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ وہی ہیں جو اپنے رب کی نشانیوں سے اور اس کے ملنے سے منکر ہوئے، سو! ان کا کیا ہوا برباد ہوگیا، پھر ہم ان کے واسطے قیامت کے دن بھی وزن قائم نہ کریں گے۔(۱۰۵) ان لوگوں کا بدلہ دوزخ ہے اس وجہ سے کہ منکر ہوئے اور میری آیتوں کا اور میرے پیغمبروں کا مذاق اڑایا۔(۱۰۶)

تفسیر

بعض نادان لوگ تجربہ سے بھی سبق حاصل نہیں کرتے؛ اس لیے قرآن حکیم ان کو برابر سمجھائے جاتا ہے کہ جائز خواہش اس کے بتائے ہوئے طریقوں سے پوری کرو، دنیا کی زیادہ لالچ نہ کرو، آخرت کی زندگی ہمیشہ کی ہے اور وہاں ان لوگوں کی خواہش جو یہاں پرہیزگاری کی زندگی بسر کرتے ہیں پوری کردی جائیں گی، یاد رکھو! جس نے ہماری آیتوں کو ٹھکرایا اور ہمارے پیغمبروں کی بات نہ مانی اور آخرت میں اپنے رب سے ملنے کا یقین نہ کیا تو ان کے دنیا کے کام سارے ضائع جائیں گے، موت کے بعد ان کے کسی کام کی کوئی وقعت نہ رہے گی، اور ان کا کوئی وزن نہیں کیا جائے۔

کافر اپنی نادانی سے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم دنیا میں بڑے بڑے کام کر رہے ہیں، عقلمندی میں، انتظام میں، اور پیسہ کمانے میں ہماری دھاک بیٹھی ہوئی ہے، لیکن قرآن مجید اسے سمجھاتا ہے کہ مرنے کے بعد ان کاموں کا نہ کوئی وزن ہے نہ قیمت، چنانچہ ایسے لوگوں کو سوا دوزخ کے عذاب کے اور کچھ نہ ملے گا، انہوں نے دنیا میں کفر اختیار کیا، اور اللہ کی آیتوں کی اور پیغمبروں کی ہنسی اڑائی اور پوری توجہ دنیاوی ترقی ہی میں لگادی؛ اس لیے انہیں مرنے کے بعد کامیابی نصیب نہ ہوگی۔

ایمان والوں کے لئے انعامات

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ
تحقیق وہ لوگ جو ایمان لائے اور کام کیے نیک ہیں لیےان کے باغ

الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝١٠٧ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۝١٠٨
فردوس کے بطور مہمانی (١٠٧) ہمیشہ رہیں گے میں ان نہ چاہیں گے سے وہاں منتقل ہوجانا (١٠٩)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے انکی مہمانی کے لئے جنت الفردوس ہے۔(١٠٧) وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، وہاں سے کہیں منتقل ہونا بھی نہیں چاہیں گے۔(١٠٨)

لفظی تحقیق: نُزُل: مہمانی۔آنے والے مہمان کی ضیافت کے لیے کھانے پینے، ٹھہرنے اور آرام کرنے کا جو انتظام کیا جائے، ان سب کو نزول، یعنی: مہمانی کہتے ہیں۔حِوَل: تبدیلی جگہ بدلنا، منتقل ہونا۔

تفسیر

دنیاداروں کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جو آخرت میں کام آئے؛ اس لیے وہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں جلتے رہیں گے، برخلاف اس کے ایمان والے لوگ، جنہوں نے قرآن مجید اور پیغمبر کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق دنیا میں نیک کام کیے، اور دنیا کے ساز وسامان سے اتنی ہی غرض رکھی جتنی کہ ایک عارضی زندگی کے لیے ضروری تھی اور باقی وقت اللہ کی رضامندی کے کام کرنے میں خرچ کیا، ان کی وہاں ایک معزز مہمان کی طرح خاطر کی جائے گی ان کو فردوس کے باغات ملیں گے۔

اور جب ان سے کہا جائے گا کہ یہ باغ تمہارے ہی لیے ہیں، اب ہمیشہ اسی میں رہو گے تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہے گی، اس بات کا وہاں پورا انتظام ہوگا کہ وہاں رہنے سے ان کا دل نہیں اکتائے گا اور وہ یہ جگہ چھوڑ کر کہیں اور جانے کی خواہش نہیں کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا علم

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ

کہہ دیجئے اگر ہو سمندر سیاہی کے لیے باتوں رب میرے کی البتہ ختم ہوجائے سمندر پہلے اس کے

تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾

ختم ہوں باتیں رب میرے کی اگر چہ لے آئیں ہم اس جیسا اور سمندر مدد کے لیے (۱۰۹)

بامحاورہ ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ! اگر سمندر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے سیاہی بن جائے بے شک سمندر ختم ہو جائیں گے اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی، اگر چہ ہم ویسا ہی دوسرا سمندر بھی اس کی مدد کو لے آئیں۔(۱۰۹)

تفسیر

عرب کے لوگوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہ مانی اور لگے آپ سے پرانے قصے پوچھنے۔ ان کے تین سوالوں کا جواب انہیں دے دیا، یعنی: "روح"، "اصحاب کہف" اور "ذوالقرنین" کی باتیں بتادیں، اور سمجھا دیا کہ بس! اتنا ہی جاننا تمہارے لیے کافی ہے، زیادہ جاننے میں تمہارا کوئی فائدہ نہیں، اللہ کا علم تو اتنا وسیع ہے کہ اگر سارا سمندر سیاہی بن جائے، اور اس کی معلومات اس سے لکھنی شروع کی جائیں تو سمندر ختم ہو جائے گا، اور اس کی باتیں ختم نہ ہوگی، اور ایک سمندر کیا؟ اگر اتنا ہی بڑا ایک اور سمندر بھی اس کے ساتھ سیاہی بن جائے تو وہ بھی ختم ہو جائے گا، لیکن اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ نے تمہیں تھوڑا سا علم دیا ہے، لیکن جو کچھ دیا ہے، اگر اس سے ٹھیک کام لو تو تمہاری دونوں جہان کی کامیابی کے لیے بالکل کافی ہے، تم کو اس قرآن میں جو کچھ بتایا گیا ہے، اسے سمجھو، اور اس کے مطابق اپنے سارے کام درست کرلو۔

اسلام کا خلاصہ

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

کہہ دیجیے سوا اسکے کچھ نہیں کہ میں بشر ہوں جیسا تمہارے وحی کی جاتی ہے طرف میری کہ معبود تمہارا معبود ایک ہے

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا

پس جو ہو اُمید رکھتا ملنے کی رب اپنے سے تو وہ کرے کام نیک اور نہ

يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۠﴿۱۱۰﴾ ع ۱۲ ۹ ۳

شریک بنائے میں عبادت رب اپنے کی کسی کو (۱۱۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ آپ کہہ دیجئے کہ! میں بھی تمہارے جیسا ایک آدمی ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے، پھر جس کو مرنے کے بعد اپنے رب سے ملنے کی امید ہو تو وہ نیک کام کرے، اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے۔ (۱۱۰)

تفسیر

آپ کہد یجئے کہ! میں تو تم جیسا ایک انسان ہوں نہ خدائی کا دعوے دار ہوں نہ فرشتہ ہونے کا، میرے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود برحق صرف ایک ہی ہے تو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے اور اس کا محبوب بننا چاہے تو مجھ کو پیغمبر مان کر میری شریعت کے مطابق نیک کام کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

"سورۃ کہف" کی آخری آیت کا شانِ نزول جو حدیث میں آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں شرک سے مراد شرک خفی ہے۔

"سورۃ الکہف" کیا سکھاتی ہے؟

"سورۃ الکہف" ختم ہوئی، یہ انسان کو بتاتی ہے کہ اس پر اللہ کے احسانات میں سے سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے اپنے محبوب بندے حضرت محمد ﷺ کو اپنا پیغمبر بنا کر انسانوں کی ہدایت کے لیے مقرر کیا، اور آپ کو قرآن مجید جیسی کتاب عطا فرمائی، تاکہ آپ کے ذریعے دنیا بھر کے انسانوں کو خبر پہنچا دیں کہ برے کام کرنے والوں کو سخت مصیبتوں کا سامنا کرنا ہوگا، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اچھے کام کرنے والے آرام اور راحت کی زندگی پائیں گے، اور مرنے کے بعد کبھی نہ ختم ہونے والی نعمتیں انہیں ہمیشہ کیلئے نصیب ہوں گی، اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

پیغمبر ﷺ کو ارشاد ہے کہ: یہ پیغام پہنچانے کے بعد تم ان لوگوں کے غم میں اپنی جان ہلکان مت کرو، جو قرآن مجید کے ماننے سے انکار کرتے ہیں، کیوں کہ یہ دنیا چند روز ہے، یہ فنا ہو کر رہے گی، اور وہ سب کے سب حساب کے لئے ہمارے سامنے پیش ہوں گے۔

اس کے بعد "اصحاب کہف" کے قصہ کی ضروری باتیں بتا کر سمجھایا ہے کہ اللہ کے ماننے والے جو اسی کے ہو رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی ضرور مدد کرتا ہے، اس کے بعد سمجھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندوں کو دلی اطمینان حاصل ہوتا ہے، اور محض دنیاوی مال و دولت اور شان و شوکت پر بھروسہ کرنے والے جب اسے اپنی ہٹ دھرمیوں کی سزا میں کھو بیٹھتے ہیں تو ان کو سوا حسرت کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

دیکھو! شیطان کے داؤ گھات سے بچتے رہو وہ تمہارا دشمن ہے، اسے تمہارے یا دنیا کے بنانے میں کچھ دخل ہے، نہ اس کے انتظام میں کچھ ہاتھ ہے، وہ صرف تمہارے کاموں کے بگھاڑنے کیلئے ہے؛ اس لیے اسکے شر سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ ڈھونڈو، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کا حال بیان کر کے سمجھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر کام کوئی مصلحت ہوتی ہے، انسان کو چاہیے کہ اس پر یقین رکھے اور صبر کے ساتھ اللہ کی مقرر کی ہوئی شریعت کے اوپر چلے، "ذوالقرنین" کا قصہ یہ سبق سکھاتا ہے کہ سب کو اللہ تعالیٰ نے جو قوت اور طاقت

دی ہے، وہ اسے اللہ کے ضرورتمند بندوں کی مدد میں خرچ کرے۔

خاتمہ: میں ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے علم کی کوئی حد نہیں، تم فقط اپنے فائدہ کی باتیں سیکھو، جو قرآن مجید میں موجود ہیں، اور اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو۔

سورہ کہف کی فضیلت

"سورۃ الکہف" کی بڑی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے، اگر جمعہ کے دن پوری "سورۃ الکہف" کی تلاوت کی جائے تو اس کا بہت بڑا اجر ہے، اگر یہ نہ ہوسکے تو دس ابتدائی آیتیں اور دس آخری آیتیں تلاوت کرنے والے کو بڑی نورانیت حاصل ہوگی، صرف ابتدائی دس آیتیں یا کم از کم تین ابتدائی آیتیں بھی دجال کے فتنہ سے حفاظت کیلئے کافی ہونگی۔

سورہ مریم کا تعارف

سورتوں کی ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن مجید کی انیسویں سورت ہے، یہ سورت مکہ کے ابتدائی زمانہ میں اتری، مکہ کے کافروں نے جب حضرت محمد ﷺ کو پیغمبر ماننے سے انکار کردیا، اور انکار کرنے کے لیے طرح طرح کے بہانے پیش کیے تو ان کو بہت سی سورتوں میں، جو مکہ میں اتریں، سمجھایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے شروع ہی سے یہ طریقہ مقرر کردیا ہے کہ انہی میں سے کچھ آدمی چن کر وقتاً فوقتاً انہیں اپنا پیغمبر بنا کر انہیں سمجھانے کے لیے بھیجے، اس بات کو واضح کرنے کے لیے پیغمبروں کا ذکر بار بار مختلف طریقوں سے سنایا گیا، تاکہ وہ سمجھ لیں کہ آپ ﷺ کا پیغمبر ہونا کوئی انوکھی بات نہیں ہے، پہلے لوگوں میں بھی آدمیوں کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا۔

پیغمبر کا پیغام یہ ہے کہ انسانوں سمیت ساری کائنات ایک اللہ کی پیدا کی ہوئی ہے، دنیا میں ہر انسان کی زندگی ایک متعین مدت کے لیے ہے، اس کے بعد وہ مرجائے گا اور قیامت کے دن دوبارہ زندہ کیا جائے گا، اور اس کے بعد ہمیشہ زندہ رہے گا، وہ ہمیشہ کی زندگی اس کے لیے تو راحت و آرام کی ہوگی جس نے پیغمبروں کے کہنے

کے مطابق اپنی اس دنیا کی عارضی زندگی بسر کی ہوگی، لیکن جس نے ان کا کہنا نہ مانا ہوگا وہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا ہوگا۔

اس سورت میں پہلے پیغمبروں میں سے زکریا علیہ السلام، یحییٰ علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، اسمٰعیل علیہ السلام اور ادریس علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس کے بعد انسانوں کو آخرت کے حالات سنا کر نصیحت کی گئی ہے کہ اگر اپنے دشمن شیطان سے بچنا ہے اور آخرت میں اپنا بھلا چاہتے ہو تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق چلو، یہ اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر ہیں، اور قرآن مجید اس کی آخری کتاب ہے، جو انسانوں کی ہدایت کے لیے بھیجی گئی ہے۔

آیاتها – ۹۸ | سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتها – ٦

سورۂ مریم مکی ہے، اس میں اٹھانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿١﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿٢﴾ اِذْ نَادٰى

کٓھٰیٰعٓصٓ (۱) یاد کرنا ہے رحمت رب آپ کے کی بندے اپنے زکریا پر (۲) جس وقت پکارا اس نے

رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿٣﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَ اشْتَعَلَ

رب اپنے کو پکارنا آہستہ سے (۳) کہا اے رب میرے! بیشک کمزور ہوگئیں ہڈیاں میری اور پھیل گئی

الرَّاْسُ شَيْبًا وَّ لَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿٤﴾

سر پر سفیدیاں اور نہ رہا میں کبھی پکار کر آپ کو اے رب میرے! محروم (۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ کٓھٰیٰعٓصٓ۔(۱) یہ آپ کے رب کی طرف سے اپنے بندے زکریا پر رحمت کرنے کا قصہ ہے۔(۲) جب اس نے اپنے رب کو آہستہ سے پکارا۔(۳) بولا: اے میرے رب! میری ہڈیاں کمزور ہوگئیں اور سر میں سفیدی پھیل گئی، آپ سے مانگ کر اے میرے رب! میں کبھی محروم نہ رہا۔(۴)

لفظی تحقیق: کٓهٰیٰعٓصٓ: حروف مقطعات کہلاتے ہیں، جن کے معنیٰ اللہ کو معلوم ہیں۔

تفسیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں بہت پیغمبر آئے، ان میں سے ایک حضرت زکریا علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت یحییٰ علیہ السلام ہیں، ان کا ذکر "سورۃ آل عمران" میں گذر چکا، "سورہ مریم" اس سے پہلے مکہ ہی میں اتر چکی تھی، بڑھاپے تک حضرت زکریا علیہ السلام کے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ ان کی آرزو تھی لوگوں کی ہدایت کا کام ان کے بعد ان کے خاندان میں جاری رہا، اللہ تعالیٰ سے تنہائی میں چپکے چپکے دعا کی کہ: اے میرے رب! میں بوڑھا ہو چکا ہوں، ہڈیاں کمزور پڑ گئیں، بال سفید ہو گئے، اے میرے رب! میں تیری بارگاہ میں ایک آرزو لے کر آیا ہوں، پہلے جب کبھی میں نے آپ کو پکارا تو آپ نے میری حاجت پوری کی اور کبھی اپنے در سے محروم نہیں لوٹایا۔

سورۃ کی ابتداء حضرت زکریا علیہ السلام کے واقعہ سے ہوتی ہے، آپ کی رہائش "یروشلم" تھی، جسے بیت المقدس بھی کہا جاتا ہے، اور جہاں مسجد اقصیٰ واقع ہے۔ "بخاری شریف" کی روایت میں آتا ہے کہ زکریا علیہ السلام بڑھئی (کارپینٹر) کا کام کر کے اپنے ہاتھ سے رزق کماتے تھے۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی قبولیت کے لیے اپنے بڑھاپے اور کمزوری کا ذکر کیا، اور پھر عرض کیا پروردگار! مجھے اُمید ہے کہ اس عمر میں اور عاجزی کی حالت میں آپ میری دعا کو قبول فرمائیں گے۔

ایک وجہ امام قرطبی نے "تفسیر" میں یہ بھی بیان فرمائی کہ دعا مانگنے کے وقت اپنے ضعف و بدحالی اور حاجتمندی کا ذکر کرنا دعا کی قبولیت کے زیادہ قریب ہوتا ہے؛ اسی لئے علماء نے فرمایا: انسان کو چاہیے کہ دعا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اپنی حاجتمندی کا ذکر کرے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دُعا

وَ اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَ كَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ

اور البتہ میں | ڈرتا ہوں | اپنے رشتہ داروں | سے | بعد اپنے | اور | ہے | عورت میری | بانجھ | پس عطا کر

لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ﴿٥﴾ يَّرِثُنِيْ وَ يَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَ

مجھے سے پاس اپنے ایک کام سنبھالنے والا (۵) کہ وارث ہو میرا اور وارث ہو سے اولاد یعقوب کا اور

اجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿٦﴾

کر اس کو اے رب میرے! پسندیدہ (٦)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور میں اپنے پیچھے اپنے بھائی بندوں سے ڈرتا ہوں اور میری عورت بانجھ ہے، آپ مجھ کو اپنے پاس سے ایک کام سنبھالنے والا بخش دیں۔ (۵) جو میرا وارث بنے، اور یعقوب کی اولاد کا وارث بنے، اور اس کو اے میرے رب! اپنا پسندیدہ بنائیے۔ (٦)

لفظی تحقیق: عقر: کے معنٰی بانجھ عورت، جس میں اولاد پیدا کرنے کی قابلیت نہ ہو۔

تفسیر

حضرت زکریا علیہ السلام اللہ سے دعا مانگ رہے ہیں کہ اے میرے رب! آپ نے ہمیشہ میری دعا قبول کی ہے، مجھے اپنے رشتہ داروں سے خوف ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ میری آنکھ بند ہوتے ہی یہ اچھے کاموں کی طرف لوگوں کی رہنمائی نہ کرسکیں گے، میں تو بوڑھا ہوں اور میری بیوی بھی بانجھ ہے، سب کچھ آپ کی قدرت میں ہے، مجھے ایک بیٹا عطا فرمادیں، جو لوگوں کو ہدایت کرنے کا کام سنبھال لے، اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کے ہاتھ سے یہ کام نکل نہ جائے، میرے پیچھے یہ کام کرنے والا ان میں نظر نہیں آتا، اے میرے رب! آپ مجھے ایسا بیٹا دیں جو ہر طرح اس کام کو سنبھالنے کا اہل ہو، وہ عادات واخلاق کے لحاظ سے ہر ایک کی نگاہ میں قابل قدر ہو، اور سب اس کو پسند کریں اور آپ کے ہاں بھی مقبول ہو۔

یہاں "وارث" ہونے سے یہی مراد ہے، ورنہ حضرت زکریا کے پاس نہ بادشاہت تھی، نہ مال ودولت، جس کے سنبھالنے کے لیے بیٹا مانگتے، خود بڑھئی کا کام کرتے تھے اور اس کی مزدوری سے اپنا اور اپنی بیوی کا ضروری خرچ چلاتے، وہ فقط اپنی دینی تبلیغ کا وارث چاہتے تھے اور بس!

مَوَالِيَ: جمع ہے مولیٰ کی۔ یہ لفظ عربی زبان میں بہت سے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔" صاحب قاموس" نے اس لفظ کے پچیس (۲۵) معنیٰ لکھے ہیں جن میں غلام، آزاد شدہ غلام، غلام آزاد کرنے والا، رفیق، ساتھی، آقا اور چچازاد بھائی وغیرہ شامل ہیں۔ یہ مشترک لفظ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے، استاد کے لیے اور پیغمبر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، تاہم اس مقام پر "مَوَالِيَ" سے مراد چچازاد بھائی ہیں۔

حدیث میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ ہم پیغمبروں کا گروہ روپے پیسے کا وارث نہیں بنایا کرتے، بلکہ علم کا وارث بناتے ہیں، جس نے یہ چیز لے لی، اس نے وراثت کا بڑا حصہ حاصل کرلیا۔ گو! پیغمبر کا مال واسباب تو صدقہ ہوتا ہے، البتہ علم کی وراثت میں جو کوئی جتنا چاہے، حصہ حاصل کرے۔

جہاں تک اس آیت میں زکریا علیہ السلام کی دُعا کا تعلق ہے کہ آپ نے درخواست کی کہ اے اللہ! مجھے جانشین عطا فرما، ان کا مطلب یہ تھا کہ کوئی ایسا جانشین عطا فرما جو ان کے بعد دین کو پھیلانے کا کام کر سکے۔ مال و دولت کا وارث تو قریبی رشتہ دار ہی ہوسکتا ہے، نہ کہ کوئی اور شخص، جس کے لیے زکریا علیہ السلام دعا کر رہے ہیں۔ یہ بھی علامت تھی اس بات کی کہ زکریا علیہ السلام کی مراد جائیداد کے وارث کی نہیں تھی، بلکہ یعقوب کی اولاد کی علمی وراثت مراد تھی۔

قرآن پاک میں "وراثت" کا لفظ کتاب کے لیے بھی استعمال ہوا ہے، جیسے "وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ" (سورۃ الشوریٰ: آیت۔ ۱۴)، ترجمہ: پھر ہم نے کتاب کا وارث بنایا ان لوگوں کو جو ان کے بعد تھے۔

دوسری جگہ ہے "ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا" (سورۃ الاعراف۔ آیت: ۳۲)، ترجمہ: پھر وارث بنایا ہم نے کتاب کا ان لوگوں کو جن کو رہنمائی کے لئے چن لیا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! حج کے شعار پر کھڑے ہو جاؤ، کیونکہ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وراثت پر ہو، ابراہیم علیہ السلام حج کے لیے منیٰ، مزدلفہ اور عرفات میں گئے، انہوں نے قربانی کی اور طواف کیا۔ چونکہ تم ان کی وراثت پر ہو، لہٰذا تم بھی یہی کام کرو۔ یہاں پر وراثت سے مراد مال و دولت کی وراثت نہیں، بلکہ دینی وراثت مراد ہے، عربوں کے محاورے میں وراثت کا لفظ بزرگی پانے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا

ہے، جیسے: عرب کہتے ہیں: یعنی ہم اپنے باپ دادا کی بزرگی کے وارث بنے ہیں، مقصد یہ کہ وراثت کا لفظ مال کے علاوہ دوسری چیزوں پر بھی بولا جاتا ہے۔

زکریا علیہ السلام نے دُعا میں یہ بھی عرض کیا: اے میرے رب! میرے جانشین کو پسندیدہ بھی بنا دے، کیونکہ اچھے اخلاق والے لوگ ہی دنیا میں مفید ثابت ہوسکتے ہیں اور اپنے مشن کو آگے چلا سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بلند ترین اخلاق والا قرار دیا، پیغمبر کا اخلاق ہمیشہ اعلیٰ ہوتا ہے، ان کی بات، کام، فعل ہر لحاظ سے پسندیدہ ہوتا ہے تو زکریا علیہ السلام نے اچھے اخلاق والا جانشین عطا کرنے کی دعا کی۔

خوشخبری اور تعجب

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ اِۨسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ

اے زکریا! تحقیق ہم خوشخبری دیتے ہیں تجھے ایک لڑکے کی نام اس کا یحییٰ ہے نہیں کیا ہم نے اس کا

مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ كَانَتِ

سے پہلے اس کوئی ہم نام (٧) کہا اے رب میرے! کیونکر ہوگا میرے لڑکا اور ہے

امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝

عورت میری بانجھ اور تحقیق پہنچ گیا ہوں میں کی بڑھاپے آخری حد کو (٨)

با محاورہ ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے زکریا! ہم تجھ کو ایک لڑکے کی خوشخبری سناتے ہیں، جس کا نام یحییٰ ہے، اس سے پہلے ہم نے اس نام کا کوئی نہیں بنایا۔ (٧) زکریا نے کہا: اے میرے رب! لڑکا کیسے ہوگا؟ کیونکہ میری عورت بانجھ ہے، اور میں بڑھاپے کی انتہائی حد تک پہنچ چکا ہوں۔ (٨)

تفسیر

حضرت زکریا علیہ السلام کی مراد پوری ہوئی، آپ کی دعا کے جواب میں اللہ نے آپ کے پاس خوشخبری بھیجی کہ اے زکریا! ہم تجھے خوشخبری دیتے ہیں کہ تیرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا، اور اس کا نام ہم نے یحییٰ رکھ دیا ہے، اور

یہ نام انوکھا ہے، کیونکہ آج تک اس نام کا آدمی کوئی نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ زکریا علیہ السلام کے ذریعے سے جو اللہ تعالیٰ کے بہت سے بندوں کی ہدیت کا کام جاری ہے، ان کے بعد بھی جاری رہے، ان کی دعا قبول فرمائی، ایک نیک بخت لڑکے کی خوشخبری دی، خوشخبری سنتے ہی ان کی نظر اپنی اور اپنی بیوی کی حالت پر آ گئی، اور حیرت اور تعجب کی حد نہ رہی، عرض کیا: اے میرے رب! آپ کی قدرت میں شک نہیں، لیکن بڑے تعجب کی بات ہے کہ میرے ہاں بیٹا کیسے ہوگا؟ بظاہر تو کوئی سامان نظر نہیں آتا، میری بیوی بانجھ ہے، میرا یہ حال یہ کہ بڑھاپے سے سر چمک رہا ہے۔

حمل کی نشانی

قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّ قَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ

کہا ایسا ہی ہوگا فرمایا آپ کے رب نے وہ پر مجھ آسان ہے اور تحقیق پیدا کیا میں نے تجھے سے پہلے اس

وَ لَمْ تَكُ شَيْـًٔا ۝۹ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا

حالانکہ نہ تھا تو کوئی چیز (۹) کہا اے رب میرے! کر دے میرے لیے کوئی نشانی فرمایا نشانی تیری یہ کہ نہ

تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝۱۰

بات کرے تو لوگوں سے تین رات برابر (۱۰)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ فرشتے نے کہا یوں ہی ہوگا، تیرے رب نے فرمایا: وہ مجھے آسان ہے اور تجھ کو میں نے پہلے پیدا کیا اور تو کوئی چیز نہ تھا۔ (۹) زکریا نے عرض کیا: اے میرے رب! میرے لیے کوئی نشانی ٹھہرا دے، فرمایا: تیری نشانی یہ ہے کہ تو لوگوں سے بات نہ کر سکے گا تین رات تک صحیح تندرست ہوتے ہوئے۔ (۱۰)

تفسیر

زکریا علیہ السلام کے تعجب ظاہر کرنے پر فرشتہ نے کہا کہ اللہ کا حکم ہو چکا ہے کہ آپ کے ہاں اسی حال میں بیٹا ہو

گا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اسباب سب ہماری مٹھی میں ہیں، دیکھو! ایک زمانہ ایسا تھا کہ تمہارا نام ونشان تک نہ تھا، اسی سے سمجھ لو کہ! جس نے یحییٰ سے پہلے تمہیں پیدا کیا، وہی یحییٰ کو بھی پیدا کرے گا۔ زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ: میری بیوی کو حمل ٹھہرنے کی کیا نشانی ہوگی؟

ارشاد ہوا کہ: حمل قرار پانے کی علامت یہ ہے کہ تین دن رات تمہاری زبان بولنے سے بند رہے گی، اور ہر طرح تندرست ہونے کے باوجود تم کسی سے بات چیت نہ کرسکو گے، جب یہ علامت ظاہر ہو تو سمجھ جانا کہ حمل قرار پا گیا، اب بچہ پیدا ہونے میں فقط حمل کی مدت گذرنے کی دیر ہے۔

یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا

پس نکلا پر قوم اپنی سے محراب پس اشارہ کیا طرف ان کی کہ اللہ کی پاکی بیان کرو

بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا ﴿١١﴾ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ

صبح اور شام (١١) اے یحییٰ! پکڑ کتاب کو مضبوطی سے

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر زکریا لوگوں کے پاس اپنے حجرہ سے نکل کر آئے اور ان کو اشارہ کیا کہ تسبیح کرو صبح اور شام۔(١١) اے یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے پکڑ۔

تفسیر

آخر کار وہ وقت آیا، وہ نشانی ظاہر ہوئی، لوگوں کو روزانہ وعظ و نصیحت کرنے کی عادت تھی، عادت کے مطابق وعظ کے لئے نکلے تو بولا نہ گیا، بیماری وغیرہ کوئی نہ تھی، ہر طرح تندرست تھے، سمجھ گئے کہ حمل ٹھہرنے کی نشانی آ گئی، لوگوں کو اشارہ سے سمجھایا کہ تم اس کی تسبیح کرتے رہو، غرض تین رات دن تک زبان تو چل نہ سکی، لیکن اشاروں سے انہیں جو کچھ بتا سکتے تھے، وہ بتاتے رہے۔

آخر حمل کی مدت پوری ہونے کے بعد حضرت یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، اور نیک لوگوں کے درمیان پرورش پائی، ہوش سنبھالا تو جوان ہوکر نیک بنے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتہ پیغام لایا کہ اے یحییٰ! تمہارے والد کمزور ہوگئے، تمہیں اللہ تعالیٰ نے قوت اور طاقت عطا فرمائی ہے، آپ کی جوانی کی عمر ہے، یہ سارا زور اللہ تعالیٰ کی کتاب، یعنی: "تورات" پر خود عمل کرنے میں اور لوگوں کو اس پر عمل کی ترغیب دینے میں لگادو، اب اپنے باپ کی جگہ تم پوری ہمت کے ساتھ سنبھالو۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے اوصاف

وَ اٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿۱۲﴾ وَّ حَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ زَكٰوةً ؕ وَ كَانَ
اور دی ہم نے اسے قوت فیصلہ لڑکپن ہی میں (۱۲) اور رحم دلی اپنی طرف سے اور پاکیزگی اور تھے

تَقِيًّا ﴿۱۳﴾ وَّ بَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَ لَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿۱۴﴾ وَ سَلٰمٌ
پرہیزگار (۱۳) اور نیک ساتھ اپنے ماں باپ اور نہ تھے سرکش نافرمان (۱۴) اور سلامتی ہے

عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَ يَوْمَ يَمُوْتُ وَ يَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿۱۵﴾ ع ۱۵/۴
پر اس دن جب پیدا ہوئے، اور جس دن مریں گے اور جس دن اٹھائیں گے زندہ کرکے (۱۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے بچپن ہی میں ان کو فیصلہ کرنے کی قوت عطا فرمائی۔ (۱۲) اور ہم نے ان کو اپنی طرف سے رحم دلی اور پاکیزگی عطا فرمائی۔ (۱۳) اور اس کو اپنے ماں باپ سے نیکی کرنے والا بنایا، اور نہ تھے وہ متکبر۔ (۱۴) اور سلام اس پر ہے جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن مریں اور جس دن وہ زندہ کھڑے کیے جائیں۔ (۱۵)

تفسیر

حضرت یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو شروع ہی سے بڑے سمجھ دار تھے، فضول باتوں اور کھیل کود سے دور رہتے

تھے، بھلی اور بری باتوں میں تمیز کرتے تھے برے کاموں سے بچتے تھے، بڑے نرم دل تھے، سب کے ساتھ مہربانی اور شفقت سے پیش آتے تھے، ان کا دل پیدائشی طور پر اللہ کی محبت اور اس کے خوف سے بھرا ہوا تھا، وہ اللہ کی کتاب "تورات" کو پڑھ کر اس کا مطلب خوب سمجھتے تھے، جن باتوں سے بچنے کو کہا گیا ان سے بچتے تھے، اور جن باتوں کے کرنے کی ہدایت تھی، انہیں کرتے تھے، ماں باپ کے بڑے فرمانبردار تھے، شرارت اور گستاخی سے پاک اور ان کو پیدائش سے لے کر مرتے دم تک اور مرنے کے بعد قیامت تک پریشانی اور بے اطمینانی سے محفوظ رکھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد آنے والے تمام پیغمبر "تورات" پر عمل کرتے تھے اور اس کو لوگوں تک پہنچاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کو بھی "تورات" پر عمل کرنے کا حکم دیا۔

مریم علیہا السلام کا قصّہ

وقف لازم

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا

اور ذکر کر میں کتاب مریم کا جب علیحدہ ہوئی وہ سے لوگوں اپنے ایک جگہ

شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۚ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا

مشرق کی جانب (١٦) پس ڈال لیا سے ورے انکے پردہ پس بھیجا ہم نے طرف اسکی

رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿١٧﴾

فرشتہ اپنا پس بن گیا وہ لیے اسکے آدمی پورا (١٧)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور کتاب میں مریم کا ذکر کیجیے، جب وہ ایک مشرقی مکان میں اپنے لوگوں سے جدا ہوئی۔ (١٦) اور ان کے سامنے پردہ ڈال لیا، پس ہم نے اپنا فرشتہ بھیجا، پھر وہ اس کے سامنے پورا آدمی بن کر آیا۔ (١٧)

تفسیر

حضرت مریم علیہاالسلام کا ذکر اس سے پہلے "سورۃ آل عمران" میں گذ چکا ہے، ان کا کام سوا اللہ کی عبادت کے کچھ نہ تھا، کیونکہ ان کی والدہ نے یہی منت مانی تھی، بچپن سے اس وقت کے قاعدے کے مطابق اللہ کے ذکر میں مشغول رہتی تھیں، اللہ تعالیٰ کے حکم سے بغیر کسی مرد سے ملے حاملہ ہوئیں، اور مدت مقررہ گذرنے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔

حضرت مریم علیہاالسلام کا ذکر اس کتاب میں ہونا ضروری ہے، تاکہ لوگ غلط فہمی سے بچیں، حضرت مریم علیہاالسلام جوان ہونے کے بعد غسل کرنے کے لیے لوگوں سے الگ ایک جگہ میں گئیں، اپنے اور اپنے گھر والوں کے درمیان پردہ ڈال لیا، اس وقت اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا فرشتہ ایک پوری انسانی شکل میں ان کے سامنے ظاہر ہوا۔

فرشتے سے کلام

قَالَتْ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِیًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا

مریم نے کہا میں پناہ مانگتی ہوں رحمٰن کی سے تجھ اگر ہے تو اللہ سے ڈرنے والا (۱۸) بولا کچھ نہیں میں تو

رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا ﴿۱۹﴾ قَالَتْ اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ

بھیجا ہوا ہوں، رب تیرے کا تاکہ عطا کروں تجھ کو ایک لڑکا پاک صاف (۱۹) بولی کیسے ہوگا لیے میرے

غُلٰمٌ وَّ لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّ لَمْ اَكُ بَغِیًّا ﴿۲۰﴾ ربع

لڑکا حالانکہ نہیں چھوا مجھے کسی بشر نے اور نہ میں ہوں بدکار (۲۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ مریم بولی میں تجھ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ (۱۸) بولا میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں؛ اس لیے کہ تجھ کو ایک پاکیزہ لڑکا عطا کروں۔ (۱۹) بولی میرے لڑکا کیسے ہوگا مجھ کو کسی آدمی نے چھوا تک نہیں اور نہ میں بدکار ہوں۔ (۲۰)

تفسیر

مریم علیہا السلام نے جب اپنے سامنے اللہ تعالیٰ کے فرشتے کو اجنبی مرد کی شکل میں دیکھا تو کہا میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے؟ فرشتے نے کہا میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تا کہ تجھے ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروں۔

حضرت مریم علیہا السلام کو اس سے تو اطمینان ہو گیا کہ یہ کوئی انسان نہیں ہے، جس کی طرف سے کوئی برائی ہو گی، جس کا دل میں وہم گذر رہا ہے، لیکن خوف جاتے ہی کہا کہ میرے لیے بیٹے کا کیا امکان ہے؟ میرا نہ تو کوئی شوہر اور نہ میں کسی سے ناجائز تعلق رکھنے والی ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت

قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَ لِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ

فرشتہ نے کہا اسی طرح ہوگا فرمادیا رب تیرے نے وہ پر مجھ آسان ہے اور تاکہ کریں ہم اسکو نشانی کیلئے لوگوں

وَ رَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَ كَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿٢١﴾ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ

اور رحمت سے طرف ہماری اور ہے وہ ایک بات فیصلہ شدہ (۲۱) پس اٹھایا مریم نے اس کو پھر چلی گئی اسے لیکر

مَكَانًا قَصِيًّا ﴿٢٢﴾

ایک جگہ دور کی (۲۲)

بامحاورہ ترجمہ: فرشتے نے کہا اسی طرح ہوگا تیرے رب نے فرمادیا کہ وہ مجھ پر آسان ہے اور اس کو ہم لوگوں کے لیے نشانی بنائیں گے، اور اپنی طرف سے رحمت بنائیں اور اس بات کا فیصلہ ہو چکا۔ (۲۱) پس وہ حاملہ ہو گئی، پھر اس کو لے کر ایک دور جگہ میں چلی گئی۔ (۲۲)

تفسیر

حضرت مریم علیہا السلام کے تعجب کے جواب میں فرشتے نے مختصر جواب دیا اور کہا کہ اللہ کے کام ظاہری اسباب کے پابند نہیں، اصل سبب اس کا ارادہ ہے، اس لڑکے کو تجھ سے پیدا کرنے کا ارادہ ہو چکا ہے، اور اس میں ایک حکمت ہے کہ لوگ اس کی پیدائش کو دیکھ کر ہماری قدرت کا ٹھیک اندازہ کرلیں اور پھر خود وہ لڑکا ہماری طرف سے دنیا کے لیے ایک رحمت ثابت ہو۔

غرض! فرشتے نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت مریم علیہا السلام کے اندر روح پھونک دی، آپ حاملہ ہوگئیں، پھر جب ولادت کا وقت قریب آیا تو لوگوں کی نگاہ سے مصلحتاً بچ کر کہیں دور کسی مقام پر چلی گئیں، جس کا نام مفسرین نے "بیت اللحم" بتایا ہے، اور جو بیت المقدس سے، جہاں وہ رہتی تھیں، آٹھ میل کے فاصلہ پر تھا۔

یہاں سے اور اس کے علاوہ دوسری آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کو حمل رہنا اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے تحت تھا۔

کتاب سے مراد یہاں قرآن پاک ہے جو کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر اتر رہا تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اسی کتاب میں حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ نازل فرمایا اور اپنے پیغمبر کو اس کا ذکر کرنے کے لیے کہا۔

حضرت مریم علیہا السلام علیحدہ ہوئیں اپنے گھر والوں سے ایک مشرقی مکان میں، یہ واقعہ "یروشلم" شہر میں ہی پیش آیا، مفسرین کہتے ہیں کہ: حضرت مریم علیہا السلام کی عمر "١٣" یا "١٤" سال کی تھی، جب آپ کو پہلی دفعہ حیض آیا، آپ کو بڑی تشویش لاحق ہوئی، حضرت زکریا علیہ السلام نے ان کے لیے بیت المقدس میں الگ کمرہ مخصوص کر رکھا تھا، جہاں وہ عبادت میں مصروف رہتیں، جب انہیں حیض کی شکایت پیدا ہوئی تو ان کو وہاں رہنا ممکن نہ رہا، چنانچہ وہ بیت المقدس کے مشرق جانب "بیت اللحم" میں منتقل ہوگئیں، جہاں عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی۔

مشرقی مکان کی مختلف تاویلات کی گئی ہیں، اس سے بیت المقدس بھی مراد ہوسکتا ہے کہ یہ حضرت مریم کے اپنے گھر سے مشرقی جانب تھا، اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ بیت المقدس ہی میں مشرقی کمرے میں چلی

گئی ہوں، یا پھر بیت المقدس سے باہر ذرا فاصلے پر بھی مشرق کی طرف کوئی جگہ ہوسکتی ہے، جہاں حضرت مریم چلی گئیں، کیونکہ انہیں ایام ماہواری شروع ہو چکے تھے، اور انہوں نے غسل بھی کرنا تھا، انہوں نے گھر والوں سے ورے ایک پردہ لگایا، تاکہ غسل کرسکیں، قرآن میں تو صرف گھر والوں سے علیحدگی ہی کا ذکر ہے، تاہم مفسرین فرماتے ہیں کہ: انہوں نے غسل کرنے کے لیے پردہ لگالیا۔

جب حضرت مریم علیہاالسلام بالکل تنہائی میں چلی گئیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے اس کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا، وہ سامنے آکھڑا ہوا، وہ شکل وصورت، رنگ ڈھنگ غرضیکہ ہر لحاظ سے ایک خوبصورت انسانی شکل میں آئے۔

جب حضرت مریم علیہاالسلام نے اس تنہائی میں ایک اجنبی شخص کو اپنے سامنے موجود پایا تو سخت گھبرائیں، یہ ان کے لیے بڑی آزمائش کا وقت تھا، اور آپ کو اپنی پاکدامنی کا خیال تھا، فوراً بولیں میں تجھ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو متقی ہے، یہ محاورہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی کہے کہ یہ کام نہ کر، اگر تو مؤمن ہے تو مریم نے بھی یہی کہا کہ اگر تو متقی ہے تو میں اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتی ہوں، بھلا! تو اس تنہائی میں کیسے یہاں آگیا؟ اگر تیرے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہے تو فوراً یہاں سے چلا جا، اللہ تعالیٰ مجھے اپنی امان میں رکھے، حضرت مریم علیہاالسلام گھبراہٹ کی حالت میں تھی اور اسی حالت میں ان کی زبان سے یہ کلمات ادا ہوئے۔

اس کے جواب میں فرشتے نے کہا: گھبراؤ نہیں! میں تو تیرے پروردگار کا بھیجا ہوا ہوں، اور میرے یہاں آنے کا مقصد یہ ہے کہ میں تجھے ایک پاکیزہ بچہ عطا کروں، مجھے اللہ نے اس کام پر مقرر کیا ہے۔ اس پر حضرت مریم علیہاالسلام نے کہا میرا بچہ کیسے ہوگا؟ مجھے تو آج تک کسی مرد نے نہیں چھوا، اور نہ ہی میں بدکار ہوں؟ بچہ پیدا ہونے کی دو (۲) ہی صورتیں ہوسکتیں ہیں کہ یا تو عورت کسی مرد کی منکوحہ ہوا، اور پھر دونوں کے ملاپ کے نتیجے میں حمل قرار پائے، یا پھر دوسری صورت یہ ہے کہ یہ بدکاری کا نتیجہ ہو، مگر مریم علیہاالسلام تو دونوں چیزوں سے پاک تھیں، لہذا انہیں بچے کی خوشخبری پر سخت حیرانگی ہوئی کہ میرے ہاں کیسے بچہ پیدا ہوگا؟ جب کہ اس کے لیے ظاہری اسباب تو موجود ہی نہیں ہیں۔ تب فرشتے نے جواب دیا کہ: یونہی ہوگا، اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہی ہے کہ بغیر مرد کے ہی تمہیں بچہ عطا کرے، تیرے پروردگار نے فرمایا ہے کہ: ایسا کرنا میرے لیے بالکل آسان ہے،

میری قدرت سے کوئی چیز دور نہیں، میں ہر چیز کرنے پر قادر ہوں، لہذا بغیر مرد کے بھی بچہ پیدا کرسکتا ہوں۔

فرمایا: بچہ عطا کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے تا کہ ہم اسے لوگوں کے لیے ایک نشان بنادیں، ہم نے عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو تمام جہان کے لیے ایک نشانی بنادیا۔

مریم علیہا السلام کو تو اللہ تعالیٰ نے اس طرح اپنی قدرت کی نشانی بنایا کہ بغیر مرد کی ملاپ کے ان کو حمل ٹھہر گیا، اور عیسیٰ علیہ السلام کو اس طرح اپنی قدرت کی نشانی بنایا کہ اللہ تعالیٰ بغیر باپ کے صرف عورت سے اولاد پیدا کرسکتا ہے، صرف نشان نہیں، بلکہ ہماری جانب سے مہربانی بھی ہے، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ پر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی تھی کہ انہیں نیک بنایا اور ان پر طرح طرح کے انعامات کیے، اللہ تعالیٰ کی حکمت میں یہ طے شدہ بات تھی کہ حضرت مریم علیہا السلام کو اس طریقے سے بغیر شوہر کے بیٹا عطا کرنا ہے جو کہ اللہ کا عظیم الشان پیغمبر ہوگا۔

اس میں بچہ کے دینے کو جبرئیل علیہ السلام نے اپنی طرف اس لئے منسوب کیا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے بھیجا تھا کہ گریبان میں پھونک ماردیں، یہ پھونک بچہ کے دینے کا ذریعہ بن جائے گی، اگر چہ یہ دینا دراصل اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ

پس لے آیا اس کو درد زہ طرف تنے ایک کھجور کی بولی کاش! میں مرچکی ہوتی پہلے

هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿٢٣﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِیْ

اس کے اور ہوجاتی بھولی بسری (۲۳) پس پکارا اس کو سے نیچے اس کے کہ نہ غمگین ہو

قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿٢٤﴾

تحقیق کردیا ہے رب تیرے نے نیچے تیرے چشمہ (۲۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر دردِزہ کے مارے ایک کھجور کے درخت کے تنے کی طرف آئیں کہنے لگی کاش! میں اس سے پہلے مرجاتی اور بھولی بسری ہوجاتی۔(۲۳) پس آواز دی اس کو اس کے نیچے سے کہ غمگین مت ہو، تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ جاری کردیا ہے۔(۲۴)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: دردِزہ شروع ہوا تو حضرت مریم علیہا السلام ایک کھجور کے درخت کے پاس آئی جو کسی قدر اونچے ٹیلے پر اُگا ہوا تھا، سہارا لیا، ایک طرف تو درد کی مصیبت، دوسری طرف تنہائی، پھر بدنامی اور رسوائی کا خیال، بے ساختہ منہ سے نکلا، کاش! میں اس سے پہلے ہی مرگئی ہوتی اور لوگ بالکل مجھے بھول بھال گئے ہوتے، اتنے میں ٹیلے کے نیچے سے آواز آئی، غمگین مت ہو، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے آرام کا سامان تیرے لیے مہیا کردیا ہے، اُسے جب کوئی کام کرنا ہوتا ہے تو اس کا مناسب انتظام بھی کردیتا ہے، تیرے ٹیلے کے نیچے صاف پانی کا چشمہ پھوٹ نکلا ہے، اور اللہ نے اپنی قدرت سے تیرے نیچے اس کو جاری کردیا ہے، یہ تو پانی کا انتظام ہوا، جو سخت ضرورت کی چیز ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام کی طرف سے یہ موت کی تمنا تھی جو کہ عام حالات میں جائز نہیں ہے، تاہم حضرت مریم علیہا السلام کے لیے پریشانی کی بات یہ تھی کہ لوگ طعنہ ماریں گے کہ کنواری مریم کے ہاں بچہ کیسے پیدا ہوگیا؟ حضرت مریم علیہا السلام کا خیال تھا کہ وہ لوگوں کی طعنوں پر صبر نہیں کرسکیں گی، اور بے صبری خود ایک مصیبت ہے، لہٰذا اس مصیبت در مصیبت سے بہتر ہے کہ اسے موت ہی آجائے، کیونکہ موت واقع ہونے سے ہر قسم کی دنیا کی تکلیفیں ختم ہوجاتی ہیں۔

احکام ومسائل

موت کی تمنا کا حکم:۔ حضرت مریم علیہا السلام کی طرف سے یہ موت کی تمنّا تھی جو کہ عام حالات میں جائز

نہیں ہے لیکن دنیاوی غم کی وجہ سے سخت پریشانی کی حالت میں ایسی بات کا نکل جانا معاف ہے۔

ضروری سامان

وَ هُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿٢٥﴾
اور ہلا طرف اپنی تنا کھجور کا گرائے گا وہ پر تجھ تازہ پکی کھجوریں (٢٥)

فَكُلِيْ وَ اشْرَبِيْ وَ قَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ
پس کھا اور پی اور ٹھنڈی کر آنکھ کو پس اگر دیکھ ہی لے تو سے آدمی کوئی

فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿٢٦﴾
تو کہہ دے تحقیق میں نے نذر مانی ہے کے لیے رحمٰن روزہ (چپ کا) پس ہرگز نہ بولوں گی آج کسی آدمی سے (٢٦)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہلا اپنی طرف کھجور کا تناوہ تجھ پر پکی کھجوریں گرائے گا۔(٢٥) انہیں کھا اور پی اور آنکھ ٹھنڈی رکھ بچے کو دیکھ کر، پھر اگر تو کوئی آدمی دیکھے تو کہنا کہ میں نے رحمٰن کے لئے چپ کے روزہ کی نذر مانی ہے، میں آج کسی آدمی سے بات نہ کروں گی۔(٢٦)

تفسیر

فرشتے نے آواز دی کہ ٹھنڈے پانی کا چشمہ تیرے نیچے جاری کر دیا گیا ہے، اور جس کھجور کے نیچے تو ہے، اسے ہلا، یہ تجھ پر پکی تازی کھجوریں گرائے گا، یہ تیرے کھانے پینے کا بندوبست ہے، کھا اور پی، اور بچے کو محبت سے دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کر، اگر کوئی آدمی آ ہی نکلے اور تجھ سے کچھ پوچھنا چاہے تو اسے اشارے سے سمجھا دینا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے چپ کے روزہ کی نذر مانی ہے، میں آج کسی آدمی سے نہ بولوں گی۔

درخت کو ہلانے کا حکم دے کر اللہ نے یہ بات سمجھائی کہ حرکت میں برکت ہے، تم تھوڑی سی کوشش کر کے درخت کو ہلاؤ وہ تمہارے اوپر تازہ پکی کھجوریں گرائے گا۔

لوگوں کا تعجب

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا

پس آئی لیکر اسے قوم میں اپنی اٹھائے ہوئے اس کو انہوں نے کہا اے مریم! البتہ تحقیق لائی تو ایک چیز

فَرِيًّا ﴿۲۷﴾ يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ

انوکھی (۲۷) اے بہن ہارون کی! نہ تھا باپ تیرا آدمی برا اور نہ تھی

اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿۲۸﴾

ماں تیری بدکار (۲۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر اس کو گود میں لیے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئی تو وہ کہنے لگے اے مریم! تو ایک انوکھی چیز لائی (یعنی: بغیر شوہر کے بیٹا)۔ (۲۷) اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی۔ (۲۸)

لفظی تحقیق: يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ: (ہارون کی بہن)، ہوسکتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کا بھائی ہارون نام کا ہو، یا اس لیے کہ وہ حضرت ہارون کے رشتہ داروں میں تھیں، ان کو ہارون کی بہن کہہ دیا۔

تفسیر

حضرت مریم علیہا السلام جب اپنے بچہ کو گود میں اٹھائے ہوئے اپنے رشتہ دار واقف کار لوگوں کے پاس اپنے شہر میں آئیں تو انہوں نے بڑا تعجب کیا اور کہنے لگے کہ یہ کیا غضب ہے کہ! کنواری لڑکی کے ہاں بچہ پیدا ہوا، یہ تو تو نے ایسی بات کی ہے جو کہ بالکل خلاف ہے، اور اپنوں غیروں میں سخت بدنامی کا ذریعہ ہے، تیرے خاندان کو ہم سب جانتے ہیں، تیرا باپ کوئی بدنام آدمی نہ تھا، تیری ماں بھی کوئی بدکار عورت نہ تھی، اس سے کوئی ایسا کام سرزد نہیں ہوا، جو اس کے نام یا اس کے خاندان کے نام پر دھبہ لگائے، ایسے پاکباز، نیک نام لوگوں میں یہ تو کہاں

سے پیدا ہوگئی کہ نیا گل کھلایا، غرض! اسی طرح کی باتیں لوگوں کے منہ سے نکلتی ہوں گی، جن کا حضرت مریم علیہا السلام کے دل میں پہلے سے ہی کھٹکا لگا ہوا تھا اور جن کو سوچ سوچ کر وہ اپنی جان ہلکان کر رہی تھیں، لیکن ان کا ضمیر بالکل پاک صاف تھا۔

حضرت مریم علیہا السلام کی پاک دامنی

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ۗ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿٢٩﴾

پس اشارہ کیا مریم نے طرف اس کی کہنے لگے کیسے بات کریں ہم اس سے جو ہے میں گود بچہ (٢٩)

قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۛ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِيْ نَبِيًّا ﴿٣٠﴾ وَّ

بچہ بولا تحقیق میں بندہ ہوں اللہ کا اس نے دی ہے مجھے کتاب اور اس نے بنایا مجھے پیغمبر (٣٠) اور

جَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۖ وَ اَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ

بنایا ہے اس نے مجھے برکت والا جہاں کہیں میں ہوں اور اس نے حکم دیا مجھے نماز کا اور زکوٰۃ کا

مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿٣١﴾ وَّ بَرًّا بِوَالِدَتِيْ ۫ وَ لَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿٣٢﴾

جب تک رہوں میں زندہ (٣١) اور نیکی کرنے والا سے ماں اپنی اور نہیں کیا مجھے سرکش بدنصیب (٣٢)

وَ السَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَ يَوْمَ اَمُوْتُ وَ يَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ﴿٣٣﴾

اور سلامتی ہے پر مجھ جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں اور جس دن اٹھایا جاؤں زندہ کر کے (٣٣)

با محاورہ ترجمہ:۔ پس! مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے پوچھ لو، قوم کے لوگ بولے ہم اس سے کیسے بات کریں؟ جو ابھی گود میں بچہ ہی ہے۔(٢٩) وہ بچہ بولا: میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور اس نے مجھے پیغمبر بنایا۔(٣٠) اور مجھ کو برکت والا بنایا جس جگہ بھی میں ہوں، اور اس نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا، جب تک میں زندہ ہوں۔(٣١) اور مجھے اپنی والدہ کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا بنایا، اور مجھ کو سرکش اور بدنصیب نہیں بنایا۔(٣٢) اور مجھ پر سلامتی ہے جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں اور جس دن

زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔(۳۳)

تفسیر

آخر حضرت مریم علیہا السلام کو وہ مرحلہ پیش آیا، جس سے وہ ڈرتی تھیں، یہ ہو نہ سکتا تھا کہ بچہ کو لے کر اپنے کنبہ والوں، رشتہ داروں اور وطن کے لوگوں سے علیحدہ چھپ کر رہیں، آخر اس بچہ کو لے کر اپنے شہر میں اپنے کنبہ قبیلہ والوں کے پاس آئیں تو لوگوں نے ملامت اور طعنوں کے لیے زبان کھولی، اب آخر حضرت مریم علیہا السلام کہیں تو کیا کہیں بچے کی طرف اشارہ کر دیا (یعنی: اس سے پوچھ لو) لوگوں نے کہا: ہم گود کے بچے سے کیسے بات کریں؟ اس پر بچے نے کہا "میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے پیغمبر بنایا ہے اور میں جہاں کہیں بھی رہوں مجھے بابرکت بنایا"۔

حضرت مریم علیہا السلام کے والد "عمران" بیت المقدس کے امام اور نہایت نیک آدمی تھے، وہ اگرچہ پیغمبر نہیں تھے، مگر ان کی نیکی لوگوں میں مشہور تھی، ان کی والدہ بھی کرامت والی تھیں، لوگوں نے ان نیک ماں باپ کا ذکر کر کے حضرت مریم علیہا السلام کو ملامت کی، یہاں پر حضرت مریم علیہا السلام کو ہارون کی بہن کہہ کر خطاب کیا گیا ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہارون کون ہیں؟ حضرت مغیرہ بن شعبہ یمن گئے تو وہاں کے لوگوں نے آپ سے کہا کہ تمہارے قرآن میں مریم کو ہارون کی بہن کہا گیا ہے، حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کے درمیان تو ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے، اس وقت حضرت مغیرہ کو اس کا جواب چونکہ معلوم نہیں تھا؛ اس لیے انہوں نے کہا کہ اس کا جواب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر بتاؤں گا، صحیح روایت میں آتا ہے کہ جب اس بات کا ذکر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ اس وقت اپنے بزرگوں کے نام پر نام رکھتے تھے۔ مطلب یہ کہ حضرت مریم کے بھائی ہارون وہ نہیں تھے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی اور پیغمبر تھے، بلکہ یہ کوئی دوسرے ہارون تھے، جن کا نام حضرت ہارون علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا ہے۔

اس موقع پر آپ نے چوتھی بات یہ فرمائی: اللہ نے مجھے برکت والا بنایا ہے، اور مبارک سے مراد ایسی ہستی

ہے، جس سے اللہ کی مخلوق کو بہت زیادہ فائدہ پہنچے، مجھے اللہ تعالیٰ نے نماز کا اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک زندہ ہوں اور اپنی والدہ کا فرمان بردار اور خدمت گذار بنایا ہے، میرا مزاج سخت نہیں بنایا، ہر شخص کے ساتھ نرمی اور مہربانی اور شفقت کا برتاؤ کرنا میری طبیعت میں داخل ہے، اللہ کی طرف سے مجھ پر سلامتی اور رحم وکرم پیدائش کے دن بھی اور مرنے کے دن بھی، اور اس دن بھی جب میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔

اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ: اللہ تعالیٰ نے مجھے کتاب، یعنی: "انجیل" عطا فرمائی ہے، اور مجھے پیغمبر بنایا ہے، اگرچہ پیغمبری کا ظہور اپنے مقررہ وقت پر جا کر ہوگا، کتاب بھی اللہ تعالیٰ نے اسی وقت آپ کو نہیں دے دی تھی، مگر پیغمبری اور کتاب کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں ہو چکا تھا، جس کو اللہ نے بچپن میں ہی عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے کہلوا دیا، اللہ تعالیٰ کے دو پیغمبر ایسے ہوئے ہیں، جنہیں بچپن میں پیغمبری عطا ہوئی، ایک یحییٰ علیہ السلام، جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، اور دوسرے عیسیٰ علیہ السلام۔

عیسیٰ علیہ السلام نے بچپنے میں چھٹی بات یہ فرمائی: مجھے اپنی والدہ کے ساتھ نیکی کرنے والا بنایا، پہلے یحییٰ علیہ السلام کے واقعہ میں گزر چکا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ دونوں کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے، اور یہاں پر صرف والدہ کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم سے بغیر باپ کے مریم علیہا السلام کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے، چنانچہ یہ آیت اس بات کو واضح کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا۔

سچی بات

ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿٣٤﴾

یہ ہے | عیسیٰ | بیٹا | مریم کا | کہہ دی | اصلی بات | وہ کہ | جس کے اندر | وہ جھگڑتے ہیں (۳۴)

مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ ۖ سُبْحَانَهُ ۚ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا

نہیں | ہے | کے لیے اللہ | کہ | بنا دے | کوئی | بیٹا | پاک ہے وہ | جب | فیصلہ کرتا ہے | ایک کام کا

فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۳۵﴾

تو یہی ہوتا ہے کہ کہتا ہے سے اس ہوجا پس وہ ہوجاتا ہے(۳۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یہ ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا سچی بات کہہ رہا ہوں جس میں یہ لوگ جھگڑتے ہیں۔(۳۴) اللہ تعالیٰ ایسا نہیں جو اولاد رکھے، وہ پاک ذات ہے، جب کسی کام کے کرنے کا فیصلہ کردیتا ہے تو اس کے لیے فقط یہی کہتا ہے کہ ہو، پس وہ ہوجاتا ہے۔(۳۵)

تفسیر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا قصہ تفصیل کے ساتھ بیان کرکے ارشاد ہے کہ: یہی وہ عیسیٰ ابن مریم ہے، جس کے متعلق ہم نے سچی حقیقت بیان کردی، عیسائی ان کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں، کسی نے کوشش کی کہ حضرت مریم کی شادی یوسف نجار سے ہونا ثابت کرے، سیدھی بات یہ ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کی شادی کسی سے نہیں ہوئی، اور نہ وہ (نعوذ باللہ) بدکار تھیں، خود حضرت مریم علیہا السلام نے اس کا اظہار کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو اپنے متعلق کہا اس سے صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور اس میں اللہ کی کوئی حکمت پوشیدہ تھی کہ اس نے انہیں معجزہ کے طور پر باپ کے بغیر پیدا کیا، وہ خود بھی صاف اور ان کی والدہ بھی بالکل پاک صاف ہے۔

آگے ارشاد: ہے اللہ کو بیٹے کی ضرورت نہیں، اسے اپنا کام کرنے میں مددگار نہیں چاہئے، جب اس کا ارادہ ہوجاتا ہے کہ کوئی کام ہو، وہ براہِ راست اسے حکم دیتا ہے کہ ہوجا! یہ کہتے ہی وہ ہوجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سچی بات یہی ہے، جس میں لوگ جھگڑا کرتے ہیں، جھگڑا کرنے والے دو گروہ ہیں۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور حضرت مریم علیہا السلام دونوں پر الزام لگایا، اس کے برخلاف عیسائیوں نے آپ کی تعریف میں مبالغہ کرکے خدائی کے درجے تک پہنچادیا، نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں گروہ گمراہ ہوکر دوزخ کے حقدار ہوئے، اللہ نے فرمایا کہ: عیسیٰ نہ تو قابل ملامت ہیں اور نہ وہ خود خدا ہیں، بلکہ انہوں نے خود اقرار کیا کہ میں اللہ کا

بندہ ہوں، خود اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کو یہی خطاب دیا، وہ ایک بندے تھے جن پر ہم نے انعام کیا، غرضیکہ عیسیٰ علیہ السلام کی صحیح حیثیت یہی ہے کہ وہ اللہ کے بندے تھے، اس سے ان دونوں انتہا پسند فرقوں کا رد بھی ہو گیا۔

اختلاف مت کرو

وَ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۳۶﴾

اور تحقیق اللہ رب میرا اور رب تمہارا ہے سو! عبادت کرو اس کی یہ راستہ سیدھا ہے (۳۶)

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

پس الگ الگ ہو گئے فرقے سے ان میں سو! خرابی ہے کے لیے ان جو کافر ہوئے سے

مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۳۷﴾

سامنے آجانے ایک دن بڑے کے (۳۷)

با محاورہ ترجمہ:۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا رب ہے، سو! اس کی بندگی کرو یہ ہے سیدھی راہ۔ (۳۶) پھر ان میں سے فرقوں نے جدا جدا راہ اختیار کی، سو! کافروں کے لیے ہلاکت ہے جس وقت ایک بڑا دن دیکھیں گے۔ (۳۷)

تفسیر

عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں سے کہا کہ میرا اور تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے، اسی کی عبادت کرنی چاہیے، انسان کے لیے سیدھی راہ یہی ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کئی گروہ اور فرقے بن گئے، جنہوں نے آپس میں عیسیٰ علیہ السلام کی ذات اور حیثیت کے بارے میں اختلاف کیا، چار فرقے تو بڑے مشہور ہیں، جن کا ذکر اکثر مفسرین کرتے ہیں، ان کے علاوہ بھی بہت فرقے بنے، فرمایا: پس ہلاکت ہے کفر کرنے والوں کے لیے بڑے دن کی حاضری کے وقت،

بڑے دن سے مراد قیامت کا دن ہے، جب کافروں کا بہت برا حال ہوگا۔

جن مختلف فرقوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں سے اکثر گمراہ فرقے ہوئے، جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی محبت میں ان کو خدا کا بیٹا بنالیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق صحیح عقیدے کی بات "صحیح بخاری وصحیح مسلم" میں حضرت صامت بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے یہ گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ حدہ لاشریک ہے، اور یہ کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے پیغمبر ہیں، اور عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے پیغمبر ہیں، اور اس کا حکم ہیں، اور مریم سے اس کے حکم سے پیدا ہوئے، نیز: جنت برحق ہے، اور دوزخ بھی برحق ہے، ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ ہر حال جنت میں داخل کرے گا، اگر چہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں۔

غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے سارے پیغمبر اس کے بندے ہیں، نہ ان کی حیثیت کو کم کرنا چاہیے، جیسا کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر الزام لگایا، اور نہ ان کو ان کی حیثیت سے بڑھانا چاہیے، جیسا کہ عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بنادیا۔

انسان کی غفلت

اَسْمِعْ بِهِمْ وَ اَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ

کیا خوب سنتے ہوں گے اور دیکھتے ہوں گے جس دن آئیں گے پاس ہمارے لیکن بے انصاف آج کے دن

وقف لازم

فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ وَ اَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ

میں ہیں غلطی کھلی (۳۸) اور ڈرادے ان کو دن حسرت کے سے جب فیصلہ کردیا جائیگا کام کا

وَ هُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّ هُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ

اور وہ میں ہیں غفلت اور وہ نہیں ایمان لاتے (۳۹) بے شک ہم وارث ہوگے زمین کے

ع ۲ ۲۵ ۵

وَ مَنْ عَلَيْهَا وَ اِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۴۰﴾

اور جو ہے پر اس اور طرف ہماری ہی وہ لوٹائے جائیں گے (۴۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جس دن ہمارے پاس آئیں گے کیا خوب سنتے اور دیکھتے ہوں گے، لیکن بے انصاف لوگ آج کے دن غلطی میں ہیں۔ (٣٨) اور ان کو اس پچھتاوے کے دن کا ڈر سنا دے جب کام کا فیصلہ ہو چکے گا اور وہ بھول رہے ہیں اور وہ یقین نہیں لاتے۔ (٣٩) اور ہم زمین کے اور جو کوئی اس میں ہے، وارث ہوں گے اور وہ ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے۔ (٤٠)

تفسیر

قرآن مجید آج بھی دنیا میں انسان کو اس غلطی سے آگاہ کرنا چاہتا ہے، اگر اپنے باپ دادا اور قوم کے طور طریقوں کی وجہ سے وہ قرآن مجید کی باتوں پر یقین نہ کر سکے تو قیامت کے دن وہ بڑی حسرت میں مبتلا ہوں گے کیوں کہ اس دن اس کی آنکھوں کے سامنے ساری حقیقت آجائے گی اور اس کے کان میں حق کی آوازیں گونجیں گی، آج دنیا میں پھنس کر لوگ حق کو نہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں، وہ غفلت میں پھنسے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے لیکن ایک دن ایسا آئے گا، اپنے دنیا کے رشتہ داروں اور ساتھیوں کو یہیں چھوڑ کر ہمارے پاس چلے آئیں گے، اور ان کے مالک اور وارث ہم ہوں گے، یہ لوگ وہاں ان کے کچھ کام نہ آئیں گے، نہ یہ ان کا رنج و غم اور پچھتاوا کچھ ان سے دور کر سکیں گے، اور نہ جانی اور مالی کسی قسم کی مدد پہنچا کر ان کو عذاب سے بچا سکیں گے۔

اللہ نے فرمایا: اے پیغمبر! آپ ان کو حسرت کے دن سے ڈرا دیں، جس دن کہ معاملے کا فیصلہ کیا جائے گا، وہ حسرت کا دن قیامت کا دن ہوگا، اس دن حساب کتاب ہونے کے بعد ایمان والے جنت میں جائیں گے، اور کافر و مشرک دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔

اور پیغمبروں کا ذکر

وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿٤١﴾ اِذْ

اور | یاد کر | میں | کتاب | ابراہیم کو | تحقیق وہ | تھا | نہایت سچا | پیغمبر (٤١) | جب

قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَ لَا يُبْصِرُ وَ لَا
کہا اس نے واسطے باپ اپنے اے میرے باپ! کیوں پوجتا ہے تو اسے جو نہ سنے اور نہ دیکھے اور نہ

يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿۴۲﴾ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا
فائدہ دے تجھے کچھ (۴۲) اے میرے باپ! بیشک میں تحقیق آیا ہے میرے پاس سے علم جو

يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾
نہیں آیا تیرے پاس پس پیروی کر میری دکھاؤں میں تجھ کو راستہ سیدھا (۴۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور کتاب میں ابراہیم کا ذکر کر، بے شک وہ نہایت سچے پیغمبر تھے۔ (۴۱) جب کہا اس نے اپنے باپ سے اے میرے باپ! کیوں پوجتا ہے تو اس کو جو نہ سنے اور نہ دیکھے اور نہ تیرے کچھ کام آئے۔ (۴۲) اے میرے باپ! مجھے ایسا علم دیا گیا ہے جو آپ کے پاس نہیں ہے، پس! میرے پیچھے چل، تجھے سیدھی راہ دکھاؤں۔ (۴۳)

تفسیر

یہاں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر شروع ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نہایت سچے پیغمبر تھے، جو باتیں وہ کہتے تھے، بالکل سچی ہوتی تھیں، ان کا باپ جس کا نام "سورۃ الاعراف" میں "آزر" بیان کیا گیا ہے، وہ مٹی یا پتھر کے بت بنا بنا کر لوگوں کے ہاتھ بیچتا تھا، اور وہ لوگ اور "آزر" خود بھی ان کے سامنے ماتھا ٹیکتے تھے، اور عبادت کی ساری رسمیں ادا کرتے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے کہا: کیوں ان بے جان گونگے، بہرے بتوں کی عبادت کرتے ہو؟ یہ تو تمہارے کام نہیں آسکتے، ابا جان! انہیں چھوڑیے، اور میری بات سنیے، میرے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا، میں آپ سے یہ کہتا ہوں کہ آپ میری پیروی کریں میں آپ کو بالکل سیدھے راستے کی رہنمائی کروں گا۔

صدیق کی تعریف

"صدیق" کے معنیٰ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، بعض نے فرمایا کہ: جس شخص نے عمر میں کبھی جھوٹ نہ بولا ہو، وہ "صدیق" ہے، بعض نے فرمایا کہ: جو شخص اعتقاد اور عمل میں سچا ہو، یعنی: جو عقیدہ دل میں ہو، ٹھیک وہی زبان پر ہو۔

پھر "صدیقیت" کے درجات مختلف ہیں، اصل "صدیق" تو پیغمبر ہی ہوسکتا ہے، اور ہر پیغمبر کے لئے "صدیق" ہونا لازم ہے، مگر اس کا اُلٹ نہیں کہ جو "صدیق" ہو، وہ پیغمبر بھی ہو،، بلکہ امتی بھی اپنے پیغمبر کی اتباع میں اگر "صدق" کا یہ مرتبہ حاصل کرلے، وہ بھی "صدیق" کہلائے گا، اسی معنیٰ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے بارے میں کہا گیا: وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ (سورۃ المائدہ: آیت۔٧٥)۔

باپ کو نصیحت

يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿٤٤﴾

اے میرے باپ! مت پوجا کر شیطان کی تحقیق شیطان ہے رحمٰن کا نافرمان (٤٤)

يٰٓاَبَتِ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿٤٥﴾

اے میرے باپ! تحقیق میں ڈرتا ہوں کہ آلگے تجھے ایک عذاب طرف سے رحمٰن کی پس ہوجائے تو شیطان کا ساتھی (٤٥)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے میرے باپ! شیطان کو مت پوج، بے شک شیطان رحمٰن کا نافرمان ہے۔ (٤٤) اے میرے باپ! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تجھے کوئی عذاب رحمٰن کی طرف سے پہنچے، پھر تو شیطان کا ساتھی ہوجائے۔ (٤٥)

تفسیر

باپ کی بت پرستی کو دیکھ کر اس کو سمجھا رہے ہیں کہ بتوں کی پوجا اصل میں شیطان کی پوجا ہے، شیطان رحمٰن کا نافرمان ہے، پھر اس کی پوجا کرنی کس نے بتائی ہے؟ اس بات سے یقیناً رحمٰن تجھ سے ناراض ہو جائے گا، اور اس نے تجھے اگر کسی عذاب میں مبتلا کر دیا تو تو کہیں کا نہ رہے گا اور کھلم کھلا شیطان کا ساتھی اور دوست ہو جائے گا۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بطور خاص ذکر فرمایا، ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا: آپ ان کی کیوں عبادت کرتے ہیں، جو نہ دیکھتے ہیں، نہ سنتے ہیں اور نہ آپ کے کسی کام آسکتے ہیں؟ یہ تو بڑی بے عقلی کی بات ہے کہ خود اپنے ہاتھوں سے تراش کر انہیں کو معبود بنالیں، اور ان سے حاجتیں مانگنے لگیں، حقیقت یہ ہے کہ کوئی سننے اور دیکھنے والا بھی معبود نہیں بن سکتا، فرشتے اللہ کی مقرب مخلوق ہیں، جو دیکھتے اور سنتے ہیں اور وہ معبود نہیں بن سکتے، کیونکہ معبود ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ خالق ہو، ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہے اور کسی کا محتاج نہ ہو، اور اصل بات یہ ہے کہ ساری کی ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے، ابراہیم علیہ السلام نے پہلی بات تو یہ کی کہ باپ کو بتوں کی پوجا سے منع کیا، اور دوسری بات یہ کی اے میرے باپ! تحقیق میرے پاس ایک ایسا علم آیا ہے، جو تیرے پاس نہیں ہے، لہٰذا میں تجھے کہتا ہوں کہ میری اطاعت کر، میں تجھے سیدھا راستہ دکھاؤں گا، اس سے پہلی بات یہ معلوم ہوئی کہ تبلیغ دین کے لیے نہایت ہی نرم رویہ، بلکہ محبت کا سا انداز اختیار کرنا چاہیے، تمام پیغمبروں نے یہی طریقہ اختیار کیا، حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے واقعہ میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو فرعون کے پاس تبلیغ کے لیے بھیجا، اور ساتھ نصیحت کی کہ اس سے نرم لہجے میں بات کرنا، بہرحال! تبلیغ دین کے لیے نرم رویے کی ضرورت ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ پیغمبر علیہم السلام کے پاس قطعی اور یقینی علم ہوتا ہے، جو باقی مخلوق کے پاس نہیں ہوتا، اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی وحی ہے۔

اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ علم والوں کا اتباع ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو چیز تم خود نہیں جانتے، اسے جاننے والوں سے پوچھ لو، لہذا عوام کا فرض ہے کہ وہ علم والوں سے پوچھ پوچھ کر چلیں۔

باپ کا جواب

قَالَ اَ رَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ

کہا کیا پھرا ہوا ہے تو سے معبودوں میرے اے ابراہیم! البتہ اگر نہ باز آیا

لَاَرْجُمَنَّكَ وَ اهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿۴۶﴾ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ

البتہ تجھے پتھراؤ کرکے مار ڈالوں گا اور چھوڑ دے مجھے کچھ مدت (۴۶) کہا سلام پر تجھ استغفار کروں گا میں

لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿۴۷﴾

لئے تیرے رب اپنے سے تحقیق وہ ہے پر مجھ مہربان (۴۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ باپ نے جواب میں کہا اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے پھرا ہوا ہے؟ اگر تو باز نہ آیا تو تجھ کو پتھراؤ کر کے مار ڈالوں گا، اور دور ہو جا، میرے پاس سے ایک مدت تک۔ (۴۶) ابراہیم نے کہا تیری سلامتی رہے، میں اپنے رب سے تیرے لئے استغفار کروں گا، بے شک! وہ مجھ پر مہربان ہے۔ (۴۷)

تفسیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ساری باتیں سن کر باپ نے تعجب کرتے ہوئے کہا اے ابراہیم! کیا تو میرے خداؤں سے پھر گیا ہے؟ پھر ناراض ہو کر کہا کہ میں تجھے پتھر مار مار کر ہلاک کر دونگا، بہتر یہی ہے کہ عرصہ دراز تک میرے پاس سے چلا جا۔

اس قدر سخت اور دوٹوک جواب سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باپ سے کہا اچھا! پھر میرا اسلام ہے، اب تو میرے لیے فقط یہی راستہ رہ گیا ہے کہ اپنے رب سے آپ کے لئے استغفار کرونگا میرا رب مجھ پر بڑا مہربان ہے۔

یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ مشرک کے لئے بخشش کی دعا کرنا جائز نہیں تو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے یہ کیسے کہا کہ میں تیرے لیے بخشش کی دعا کروں گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ کے لیے مغفرت کی دعا ایک وعدے کی بناء پر تھی جو انہوں نے کر رکھا تھا، لیکن جب بعد میں واضح ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے، یعنی: اس کا خاتمہ کفر پر ہی ہوگا تو آپ نے بیزاری کا اظہار کر دیا۔

ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت

وَ اَعْتَزِلُكُمْ وَ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ اَدْعُوْا رَبِّیْ ۖ

اور کنارہ کرتا ہوں میں تم سے اور جن کو کہ پکارتے ہو تم سے سوا اللہ کے اور میں پکاروں گا رب کو اپنے

عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا ﴿۴۸﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَ مَا

امید ہے کہ نہ ہوں گا میں پکار کے رب اپنے کو محروم (۴۸) پھر جب کنارہ کیا ان سے اور جن کو

یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ ؕ وَ كُلًّا

وہ پوجتے تھے سے سوا اللہ کے بخشے ہم نے اس کو اسحاق اور یعقوب اور ہر ایک کو

جَعَلْنَا نَبِیًّا ﴿۴۹﴾ وَ وَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَ جَعَلْنَا لَهُمْ

بنایا ہم نے پیغمبر (۴۹) اور دیا ہم نے انہیں سے رحمت اپنی اور کر دیا ہم نے واسطے ان کے

لِسَانَ صِدْقٍ عَلِیًّا ﴿۵۰﴾ ع ۱۰/۳ ۶

ذکر پکا اونچا (۵۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور میں تم کو اور جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو چھوڑتا ہوں اور میں اپنے رب کو پکاروں گا، امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر محروم نہ ہوں گا۔(۴۸) پھر جب وہ ان سے اور ان کے بتوں سے جن کی وہ عبادت کرتے تھے جدا ہوئے تو ہم نے اسے اسحٰق اور یعقوب عطا کیے اور دونوں کو پیغمبر بنایا۔(۴۹) اور ہم نے

ان کو اپنی رحمت سے سب کچھ دیا اور ان کو شہرت اور نیک نامی عطا کی اور ان کا بول بالا کیا۔(۵۰)

تفسیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بت پرست باپ اور وطن عراق کو چھوڑ کر شام چلے آئے اور کہا میں تمہیں اور تمہارے بتوں کو چھوڑ کر جاتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں وہ ضرور میری سنے گا، اللہ نے انہیں بیٹا "اسحاق" اور پوتا "یعقوب" عطا کیے، دونوں پیغمبر اور نیک نام ہوئے۔

موسیٰ علیہ السلام

وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّ كَانَ رَسُوْلًا

اور ذکر کر میں کتاب موسیٰ کا، تحقیق وہ تھا چناہوا اور تھا رسول

نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾ وَ نَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَ قَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾

نبی (۵۱) اور ہم نے پکارا اسے سے جانب طور کی دائیں اور قریب کیا ہم نے اسے راز بتانے کو (۵۲)

وَ وَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾

اور بخشا ہم نے اسے سے رحمت اپنی بھائی اس کا ہارون پیغمبر بنا کر (۵۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور کتاب میں موسیٰ کا ذکر کیجیے، بے شک وہ چنے ہوئے تھے اور تھے رسول نبی۔ (۵۱) اور ہم نے اس کو طور پہاڑ کی دائیں جانب سے پکارا اور اسے بھید کہنے کے لیے نزدیک بلایا۔(۵۲) اور ہم نے اپنی مہربانی سے اسے اس کا بھائی ہارون پیغمبر بنا کر عطا کیا۔(۵۳)

تفسیر

ان آیتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حال ہے جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے، حضرت

یعقوب علیہ السلام کا ذکر پہلے گذرا، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے تھے۔

ارشاد ہے کہ: موسیٰ علیہ السلام کو یاد کرو، یہ ہمارے چنے ہوئے پیغمبر تھے، ہم نے انہیں طور کی دائیں جانب پکارا، (طور ملک شام میں ایک مشہور پہاڑ ہے) اور انہیں قریب بلا کر راز کی باتیں بتائیں، اور ان کی مدد کے لیے اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون کو بھی پیغمبر بنا کر ان کے ساتھ کر دیا۔

اسمٰعیل اور ادریس علیہما السلام

وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَ كَانَ

اور ذکر کر میں کتاب اسمٰعیل کا تحقیق وہ تھے سچے وعدہ کے اور تھے

رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾ وَ كَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ وَ كَانَ

رسول نبی (۵۴) اور تھا حکم دیتا اپنے گھر والوں کو نماز کا اور زکوٰۃ کا اور تھے

عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾ وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ

نزدیک رب اپنے کے پسندیدہ (۵۵) اور ذکر کر میں کتاب ادریس کا تحقیق وہ تھے

صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ وَّ رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾

سچے پیغمبر (۵۶) اور بلند کیا ہم نے اسے جگہ اُونچے پر (۵۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور کتاب میں اسمٰعیل کا ذکر کیجئے، وہ تھے وعدہ کے سچے، اور رسول نبی تھے۔ (۵۴) اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم کرتے تھے، اور اپنے رب کے ہاں پسندیدہ تھے۔ (۵۵) اور ذکر کیجیے کتاب میں ادریس کا، وہ سچے پیغمبر تھے۔ (۵۶) اور ہم نے اس کو اونچی جگہ پر اٹھالیا۔ (۵۷)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: کتاب میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکر کیجیے، آپ بڑے بلند اخلاق والے تھے، جس کسی

سے وعدہ کر لیتے ، اسے پورا کر کے رہتے ، خواہ اس کے لیے کتنی ہی تکلیف برداشت کرنی پڑے ، اور ہم نے اسے اپنا پیغمبر بنایا ، آپ ہمیشہ اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے کی تاکید فرماتے رہتے تھے ، تا کہ ان کی دیکھا دیکھی دوسرے بھی یہی کام کریں ، آپ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندے تھے۔

اس کے بعد فرمایا کہ کتاب میں ادریس کا ذکر کریں نہایت سچے تھے اور پیغمبر تھے اور ان کا دنیا و آخرت میں مرتبہ بلند ہے ، آپ کا زمانہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کے درمیان تھا۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر مستقل عنوان کے تحت کیا ہے ، ارشاد ہوتا ہے : اور آپ کتاب ، یعنی : قرآن حکیم میں اسماعیل علیہ السلام کا ذکر بھی کریں ، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ہاجرہ تھیں ، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ہجرت کر کے مصر پہنچے تو مصر کے بادشاہ نے حضرت ہاجرہ کو بطور خادمہ حضرت سارہ کی خدمت کے لیے دیا ، آپ نے یہ خادمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بخش دی جنہوں نے ان سے نکاح کر لیا ، اور اللہ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام جیسا عظیم بیٹا عطا کیا ، البتہ حضرت اسماعیل علیہ السلام پہلے پیدا ہوئے ، اور حضرت اسحاق علیہ السلام اس کے چودہ سال بعد پیدا ہوئے ، عرب کے لوگ حضرت اسماعیل کی اولاد ہونے پر فخر کرتے تھے ، اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر کر کے عرب کے مشرکوں کو خبردار کیا کہ دیکھو! تمہارے باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام تو اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف بلاتے تھے تم شرک میں کیوں پڑ گئے؟

فرمایا: اور اسماعیل اپنے پروردگار کے ہاں پسندیدہ شخصیت تھے ، ظاہر ہے کہ آپ اللہ کے پیغمبر تھے ، وعدے کے سچے اور اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے ، صرف اللہ کی عبادت کرتے تھے اور لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کی طرف بلاتے تھے ، نماز اور زکوۃ کی پابندی کی تعلیم دیتے تھے ، یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا ذریعہ ہیں ، مراد یہ ہے کہ عربوں کو بھی لازم ہے کہ وہ انہی کا طریقہ اختیار کریں ، جن کی وہ اولاد ہیں۔

ادریس علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے اور آپ پر کئی صحیفے بھی اترے ، یہ وہ ہستی ہیں جنہوں نے انسانوں کی سہولت کے لیے کئی چیزیں ایجاد کیں ، مثلاً : سب سے پہلے قلم کے ساتھ لکھنا انہوں نے شروع کیا ، کپڑے سینے کی سوئی اور جنگی اوزار انہی کی ایجاد ہیں ، انہوں نے ترازو بھی بنایا۔

ارشاد ہوتا ہے: ہم نے ادریس علیہ السلام کو بڑا بلند مقام عطا فرمایا: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ: ''بلند مقام'' سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ ہی آسمان پر اٹھا لیا تھا، معراج والی حدیث میں آتا ہے کہ شب معراج میں چوتھے آسمان پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ادریس علیہ السلام سے بھی ہوئی تھی۔

یہاں جتنے پیغمبروں کا ذکر کیا گیا ہے، ان کے زمانے میں ترتیب نہیں رکھی گئی، کیونکہ ادریس علیہ السلام جن کا ذکر ان سب کے بعد آرہا ہے، وہ زمانے کے لحاظ سے ان سب سے پہلے ہیں۔

وعدہ پورا کرنا ایک ایسا اخلاقی وصف ہے کہ ہر شریف آدمی اس کو ضروری سمجھتا ہے، اور اس کے خلاف کرنے کو ایک گھٹیا حرکت قرار دیا جاتا ہے، حدیث میں وعدہ خلافی کو نفاق کی علامت بتلایا ہے؛ اسی لئے اللہ کا کوئی پیغمبر ایسا نہیں جو وعدے کا سچا نہ ہو، مگر اس سلسلہ کلام میں خاص خاص پیغمبر علیہم السلام کے ذکر کرنے کیساتھ کوئی خاص وصف بھی ذکر کیا گیا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ وصف دوسرے میں نہیں، بلکہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ان میں یہ خاص صفت ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے، جیسے ابھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ ان کا مخلص ہونا ذکر فرمایا ہے، حالانکہ یہ صفت بھی پیغمبروں میں عام ہے، مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس میں ایک خاص امتیاز حاصل تھا، اس لئے ان کے ذکر میں اس خاص وصف کا ذکر فرمایا گیا۔

اصلاح کا کام کرنے والے کو چاہئے کہ اصلاح کی ابتدا اپنے اہل وعیال سے کرے، جیسا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے اہل وعیال کو نماز و زکوۃ کا حکم دیتے تھے۔

پیغمبروں کا اخلاق

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ

یہ ہیں وہ لوگ کہ انعام کیا اللہ نے پر ان سے پیغمبروں سے اولاد آدم

وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ

اور سے ان جنہیں سوار کیا ہم نے ساتھ نوح کے اور سے اولاد میں ابراہیم کی اور اسرائیل کی

وَ مِمَّنْ هَدَيْنَا وَ اجْتَبَيْنَا ؕ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ

اور ان میں کہ ہدایت کی ہم نے اور چنا ہم نے جب پڑھی جاتی ہیں پر ان آیتیں رحمٰن کی

خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُكِيًّا ۩ (۵۸)

گر پڑتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے (۵۸)

السجدۃ ۱۵

بامحاورہ ترجمہ:۔ آدم کی اولاد میں سے یہ وہ پیغمبر ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا اور ان میں سے کچھ ان لوگوں کی اولاد میں سے جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا، اور کچھ ابرہیم اور اسرائیل، یعنی: یعقوب کی اولاد میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت دی اور اپنے دین کے لئے چن لیا، جب ان کے سامنے خدائے رحمٰن کی آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے ہیں۔ (۵۸)

تفسیر

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے پیغمبر بنایا اور جن پر ہم نے اپنا خاص انعام کیا، آدم علیہ السلام کی اور ان لوگوں کی اولاد میں سے ہیں جو نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں بیٹھ کر طوفان سے بچ گئے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے ہیں، یہ سب ان لوگوں میں سے ہیں، جنہیں ہم نے سیدھے راستے پر چلایا، اور مخلوق کی ہدایت کے لیے ان کا انتخاب کیا، ان کے درجے ہم نے بلند کیے ہیں، لیکن باجود بلندی شان اور بلندی مرتبہ کے وہ ہمارے سامنے عاجز بندوں کی طرح جھک کر رہتے ہیں، اور جب انہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ روتے ہوئے سجدے میں گر پڑتے ہیں، ان سے یہ سبق سیکھنا ہے کہ جتنا کوئی بلند مرتبہ ہو، اتنا ہی اسے اللہ کے سامنے عاجزی سے جھکنا چاہئے، یہ آیت سجدہ ہے پڑھنے اور سننے والے کو اس کے بعد سجدہ کرنا واجب ہے۔

مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ: اس سے مراد صرف حضرت ادریس علیہ السلام ہیں، وَ مِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ: اس سے مراد صرف ابراہیم علیہ السلام ہیں، وَمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ: اس سے مراد اسمٰعیل واسحاق ویعقوب علیہم السلام ہیں، وَ اِسْرَآءِيْلَ: اس سے مراد حضرت موسیٰ وہارون وحضرت زکریا ویحییٰ وعیسیٰ علیہم السلام ہیں۔

بعد کے آنے والے

فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ

پھر آئے سے بعد ان کے نالائق ضائع کردی جنہوں نے نماز اور پیچھے پڑ گئے خواہشوں کے

فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا

پس عنقریب ملیں گے وہ گمراہی سے (۵۹) مگر جو لوٹا اور ایمان لایا اور کیا عمل نیک

فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ﴿۶۰﴾

پس وہ لوگ داخل ہوں گے جنت میں اور نہ کمی کی جائے گی ان سے کچھ بھی (۶۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر ان کی جگہ نالائق آئے جو نماز کھو بیٹھے اور خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے، پس وہ گمراہی کا نتیجہ پا کر رہیں گے۔ (۵۹) مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیکی کی، پس وہ لوگ جنت میں جائیں گے اور ان کا کچھ عمل ضائع نہ ہوگا۔ (۶۰)

تفسیر

یہاں انسان کی حالت پر افسوس کا اظہار ہے کہ پیغمبروں کے پیچھے دنیا میں جو لوگ رہے، انہوں نے ان کا راستہ چھوڑ دیا اور نماز کو ضائع کیا اور اس کے بجائے اپنی بے جا خواہشوں کے پورا کرنے میں لگ گئے، انہیں اب بھی سمجھ لینا چاہیے کہ یہ خواہشوں کے غلام بن کر سیدھے راستے پر قائم نہیں رہ سکتے، ضرور! انہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ غلط راستے پر چل رہے تھے، اگر دنیا ہی میں معلوم ہو جائے تو اچھا ہے، کیونکہ شاید وہ غلط راستہ چھوڑ دیں اور سیدھے راستہ پر واپس آ جائیں، اپنے اعمال درست کرلیں، اگر ایسا کریں گے تو وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے، اور جو دنیا میں نیک کام انہوں نے کیے تھے، ان کا پورا پورا اچھا بدلہ انہیں ملے گا، ان کے بدلے میں ذرا بھی کمی نہ کی جائے گی، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اتنا کچھ دے گا کہ انہیں اس کے سامنے اپنے اعمال بے حقیقت معلوم

ہونے لگیں گے، لیکن اس کے لیے شرط یہی ہے کہ وہ توبہ کر کے ایمان اور نیکی کا راستہ اختیار کرلیں۔

جنت کا بیان

جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ
باغات ہمیشہ کے جن کا وعدہ کیا ہے رحمٰن نے بندوں سے اپنے غائبانہ تحقیق ہے

وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿٦١﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَ لَهُمْ
وعدہ اس کا آکر رہنے والا (٦١) نہ سنیں گے وہ میں اس بیکار باتیں مگر سلام اور ہے لیے انکے

رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا ﴿٦٢﴾
روزی ان کی میں اس صبح اور شام (٦٢)

بامحاورہ ترجمہ:۔ وہ ہمیشہ رہنے والے باغوں میں داخل ہوں گے جن کا رحمٰن نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ کیا ہے، بیشک اس کا وعدہ آکر رہے گا۔(٦١) وہ اس میں بیہودہ بات نہ سنیں گے سلام سلام کے علاوہ، اور ان کے لیے وہاں ان کی روزی ہے صبح اور شام۔(٦٢)

تفسیر

یہ ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں محض تھوڑی دیر کی سیر وتفریح کے لیے نہیں، انہیں کسی نے ابھی تک دیکھا نہیں، لیکن جب دیکھے گا تو انہیں امید سے زیادہ آرام واطمینان کی جگہ پائے گا، ایک خوبی ان باغوں میں یہ ہوگی کہ یہ پریشان کن شور شغب، ہاہو سے پاک ہوں گے، بیکار باتیں وہاں سننے میں نہ آئیں گی، ہر طرف مبارک سلامت کا زور ہوگا، ہر طرف سے ایسی سہانی آوازیں آرہی ہوں گی، جن کو سن کر دل باغ باغ ہوجائے، اور پھر ہر وقت سماں بدلنے کے ساتھ ہی اس وقت کے مناسب کھانا پینا میوے، شربت پھل پھلواری تمام نعمتیں ایک اشارے پر موجود ہوجائیں گی، اور سب سے بڑی بات یہ ہوگی کہ جی بھر کر کھاؤ، اور یہ نہیں جیسے دنیا میں ایک دن کھالیا، اور

سات دن ترستے رہے، اور اگر زیادہ کھا گئے تو اسپتال پہنچ گئے۔

فرمایا: جنت والوں کے لیے صبح وشام بہترین روزی کا انتظام ہوگا، عام طور پر لوگ دنیا میں بھی صبح اور شام کھانا کھاتے ہیں، جنت میں بھی نیک آدمیوں کو انہی اوقات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بغیر محنت ومشقت بہترین روزی حاصل ہوگی، دنیا میں تو گزر اوقات کے لیے ہزار جتن کرنے پڑتے ہیں، پریشانیاں اٹھانا پڑتی ہیں، اور پھر کہیں دو وقت کی روٹی میسر آتی ہے، مگر جنت میں اللہ تعالیٰ بغیر محنت کے باعزت روزی عطا فرمائیگا، جنت والوں کی خواہش کے مطابق ان کی من پسند مہمان نوازی کی جائیگی۔

اِلَّا سَلٰمًا: یہ استثناء منقطع ہے، مراد اس سے یہ ہے کہ جنتی ایک دوسرے کو کوئی لغو بات کہنے کے بجائے سلام ہی سلام کہیں گے اور اللہ کے فرشتے ان سب کو سلام کریں گے۔

جنت ملنے کی شرط

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿٦٣﴾ وَ مَا
یہ وہ جنت ہے جس کا وارث بنائیں گے ہم سے بندوں اپنے اسے جو ہوگا پرہیزگار (۶۳) اور نہیں

نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَ مَا خَلْفَنَا وَ مَا
اترتے ہم مگر حکم ساتھ رب آپکے اسی کا ہے جو درمیان ہاتھوں تمہارے اور جو پیچھے ہمارے ہے اور جو

بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَ مَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿٦٤﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ
درمیان ہے ان کے اور نہیں ہے رب آپکا بھولنے والا (۶۴) رب آسمانوں کا اور زمین کا اور

مَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَ اصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾ ع ۱۵/۴ ۷
جو ان کے بیچ میں ہے پس بندگی کر اسکی اور جم جا پر بندگی اس کی کیا جانتا ہے تو اس کا کوئی ہم نام (۶۵)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ یہ وہ جنت ہے، جسے ہم اس کی میراث بنائیں گے، جو کوئی ہمارے بندوں میں پرہیزگار ہوگا۔ (۶۳) اور جبرائیل نے کہا! ہم آپ کے رب کے حکم بغیر نہیں اترتے، جو ہمارے آگے ہے اور

ہمارے پیچھے اور جو بیچ میں ہے، سب اسی کا ہے آپ کا رب بھولنے والا نہیں۔ (۶۴) وہ رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو ان کے بیچ میں ہے، پس! اس کی بندگی پر قائم رہئے کیا تو اس کا کوئی ہم نام جانتا ہے۔ (۶۵)

تفسیر

جنت کا بیان کر کے ارشاد ہوتا ہے کہ یہی وہ جنت ہے جس کا ہم نے اپنے ایمان والے بندوں سے وعدہ کر رکھا ہے، ہم اپنے بندوں کو اس کا وارث بنا دیں گے جو ہمارے ڈر سے برے کام چھوڑ دیں گے۔

آگے فرشتوں کا قول ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں اترتے، وہ ہمارے اگلے اور پچھلے حالات سے اور جو ان کے درمیان ہے واقف ہے، وہ بھولتا نہیں، آسمان اور زمین کا اور ان کی درمیانی سب چیزوں کا رب ہے، اسی کی عبادت میں لگے رہو، اس کے نام میں بھی کوئی شریک نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور دوسرے مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ: متقی سے مراد ایسا شخص ہے، جو کفر وشرک سے بچنے والا ہو، اس درجے کا تقویٰ ہر ایک کے لیے لازم ہے، ورنہ جنت کا داخلہ ممکن نہیں ہوگا، اس کے بعد چھوٹے بڑے گناہوں سے اور شکوک وشبہات سے بچنا اعلیٰ درجہ کا متقی ہونے کی دلیل ہے۔

اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبرائیل علیہ السلام کی آمد کا بڑا شوق رہتا تھا، اور جب کبھی ان کے آنے میں دیر ہو جاتی تو آپ کا شوق اور بڑھ جاتا، بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی نے سوال کیا جس کا جواب آپ کو وحی کے ذریعہ چاہیئے ہوتا تھا تو جبھی آپ جبرائیل علیہ السلام کے انتظار میں رہتے تھے۔

ایسے موقعوں پر جب جبرائیل علیہ السلام کے آنے میں دیر ہو جاتی تھی تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پریشان ہو جاتے، ایسے ہی ایک موقع پر آپ نے دریافت فرمایا: جبرائیل! آپ جتنا ہمارے پاس آتے ہیں اس سے زیادہ کیوں نہیں آتے؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار کر حضرت جبرائیل اور دوسرے فرشتوں کا یہ جواب دیا کہ ہم آپ کے پروردگار کے حکم کے بغیر نہیں اترتے، مطلب یہ کہ ہم اپنی مرضی سے نہیں اترتے، بلکہ جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے تو اس کا پیغام لے کر حاضر ہو جاتے ہیں۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ مشرکوں اور بت پرستوں نے اگرچہ عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ بہت سے انسانوں، فرشتوں، پتھروں اور بتوں کو شریک کر ڈالا تھا، اور ان سب کو الہٰ، یعنی: معبود کہتے تھے، مگر کسی نے لفظ "اللہ" معبود باطل کا نام کبھی نہیں رکھا؛ اس لئے اس معنٰی کے اعتبار سے بھی آیت واضح ہے کہ دنیا میں "اللہ" کا کوئی ہمنام نہیں۔

مر کر اٹھنا

وَ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَ اِذَا مَامِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾ اَوَ لَا

اور کہتا ہے انسان کیا جب میں مرگیا تو پھر نکالا جاؤں گا زندہ (٦٦) کیا نہیں

يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾

یاد رکھتا آدمی کہ ہم نے پیدا کیا اسے اس سے قبل اور نہ تھا وہ کوئی چیز (٦٧)

فَوَ رَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَ الشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ

پس قسم رب آپ کی البتہ ہم ضرور جمع کریں گے انکو اور شیطانوں کو پھر ضرور حاضر کریں گے انہیں گرد

جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾

دوزخ کے گھٹنوں کے بل گرے ہوئے (٦٨)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور انسان کہتا ہے کہ جب میں مرجاؤں گا تو کیا پھر زندہ کر کے نکالا جاؤں گا۔ (٦٦) کیا انسان یاد نہیں رکھتا کہ ہم نے اسے بنایا حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔ (٦٧) سو! قسم آپ کے رب کی ہم ان کو اور شیطانوں کو گھیر کر لائیں گے دوزخ کے گرد گھٹنوں کے بل گرے ہوئے۔ (٦٨)

تفسیر

ان باتوں کو سن کر بعض لوگوں نے تعجب سے کہا: کیا مرنے کے بعد ہم پھر زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے؟

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ انسان کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ اس دنیا میں پہلی دفعہ ہم ہی نے اسے پیدا کیا، اس کا ظاہر میں کہیں نام ونشان بھی نہ تھا، ہم نے اسے اپنی قدرت سے جیتا جاگتا انسان بنا دیا، اور پھر اسے پال کر بڑا کیا، اور اس کی ضرورت کی ساری چیزیں وقت پر مہیا کر دیں، اس رب کی قدرت کو انسان کیوں بھول جاتا ہے؟ ہم قیامت کے دن سب کو زندہ کر کے اٹھائیں گے، اور مشرکوں اور کافروں کو گھیر کر ایک میدان میں لا کر جمع کر دیں گے، اور ان کے ساتھ ان شیطانوں کو بھی اکٹھا کر دیں گے، جو انہیں بہکایا کرتے تھے، خوف ودہشت کے مارے دوزخ کے گرد گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔

قیامت کے واقعات

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿۶۹﴾

پھر الگ کر لیں گے ہم سے ہر فریق جو ان کا زیادہ سخت تھا پر رحمٰن سرکشی کرنے میں (۶۹)

ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿۷۰﴾ وَ اِنْ مِّنْكُمْ

پھر البتہ ہم خوب واقف ہیں ان سے جو ہیں وہ قابل اس میں داخل ہونے کے (۷۰) اور نہیں کوئی میں سے تم

اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿۷۱﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ

مگر آنے والا ہے اس پر ہو چکا ہے یہ پر رب آپ کے لازم مقرر شدہ (۷۱) پھر نجات دیں گے ہم انہیں جو

اتَّقَوْا وَّ نَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿۷۲﴾

ڈرا کرتے تھے اور چھوڑ دیں گے ظالموں کو ہم میں اس گھٹنوں کے بل اوندھے گرے ہوئے (۷۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر ہم ہر ایک فریق میں سے اس کو جدا کر لیں گے، جو رحمٰن سے سخت اکڑ رکھتا تھا۔ (۶۹) پھر ہم کو خوب معلوم ہے، جو اس میں داخل ہونے کے بہت قابل ہیں۔ (۷۰) اور تم میں سے ہر ایک اس پر آنے والا ہے یہ وعدہ آپ کے رب پر لازم ومقرر ہو چکا۔ (۷۱) پھر ہم ان کو جو ڈرتے رہتے تھے، بچا لیں گے اور ظالموں کو اس میں اوندھے گرے ہوئے چھوڑ دیں گے۔ (۷۲)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ہر فریق کے سب سے زیادہ سرکش لوگ الگ کر لیے جائیں گے، اور ہم جانتے ہیں کہ دوزخ میں جانے کا سب سے زیادہ لائق کون ہے؟ پھر ارشاد ہے کہ: ایسا کوئی نہیں جو دوزخ پر سے نہ گذرے، یہ فیصلہ قطعی ہے، پھر جو دنیا میں اللہ سے ڈر کر برے کاموں سے بچتا تھا، اسے اللہ دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کر دے گا، اور منکروں اور کافروں کو دوزخ ہی میں منہ کے بل پڑا ہوا چھوڑ دے گا۔ (معاذ اللہ)

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: اس ورود سے مراد داخلہ نہیں، بلکہ اس پر سے گزر جانا ہے، ایمان والے دوزخ پر سے گزر کر جنت میں جائیں گے، اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی حکمت میں طے ہو چکی ہے، اس بات کی تفصیل "پل صراط" والی احادیث میں موجود ہے، "پل صراط" کا ذکر تو مرفوع حدیث میں موجود ہے، "مسلم شریف" میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا قول ہے کے "پل صراط" تلوار سے تیز اور بال سے باریک ہوگا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سے گزرنے والوں کی کیفیت بھی بیان کی ہے کہ بعض لوگ بجلی کی چمک کی سی تیزی سے گزر جائیں گے، بعض لوگ اونٹ سوار کی مانند، بعض کم تیز سواریوں کی رفتار سے، اور بعض پیدل کی چال چل کر "پل صراط" کو پار کریں گے۔

دنیا کا رویّہ

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ

اور جب پڑھی جائیں پر ان آیتیں ہماری واضح تو کہتے ہیں وہ لوگ جو منکر ہوئے ان لوگوں سے جو

اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّ اَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿٧٣﴾ وَ كَمْ

ایمان لائے کونسا دونوں فریقوں میں سے بہتر ہے مرتبہ کے لحاظ سے اور اچھا ہے محفل کی رو سے (٧٣) اور کتنے

اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّ رِءْيًا ﴿٧٤﴾

ہلاک کر دیئے ہم نے پہلے ان سے گروہ جو ان سے اچھے تھے سامان اور ظاہری شان و شوکت میں (٧٤)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب آپ ان کو ہماری کھلی ہوئی آیتیں سنائیں تو جو لوگ منکر ہوئے، ایمان والوں سے کہتے ہیں، دونوں فرقوں میں کس کا مکان بہتر ہے اور کس کی مجلس اچھی ہے۔(۷۳) حالانکہ ہم ان سے پہلے کتنے گروہ ہلاک کر چکے ہیں جو ان سے بہتر تھے، سامان اور ظاہری شان وشوکت میں۔(۷۴)

تفسیر

کافرلوگ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہم دونوں فریقوں میں سے ہمارے ہی رہنے سہنے کے مکان سب سے زیادہ سجے ہوئے اور بارونق ہیں اور ہمارے ہی ساتھ بیٹھ کر لوگ خوش ہوتے ہیں، ہماری ہی مجلسیں شاندار اور پرلطف ہوتی ہیں، ہمارے ہی مددگار زیادہ ہیں اور تمہارے نہ تو رہنے کے مکان ہی درست اور نہ مجلسوں میں ہماری مجلسوں کی سی چہل پہل اور نہ تمہارا کوئی مددگار، سمجھ میں نہیں آتا کہ مرنے کے بعد ایسی کایا پلٹ جائے گی کہ تم باعزت ہو جاؤ گے، اور ہم ذلیل ہو جائیں گے، جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ: تم سے پہلے بہت سے شاندار لوگ دنیا میں گذرے، جن کے مکان تم سے زیادہ سجے ہوئے اور نام ونمود میں وہ تم سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھے، انہوں نے ہمارے پیغمبروں کا کہنا نہ سنا تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا، آج نہ وہ زندہ ہیں اور نہ ان کی مجلسیں ہیں کوئی ان کا نام تک لینے والا نہیں۔

ان لوگوں نے اپنے غلط خیال کے مطابق اللہ کے ہاں کامیابی کے لیے دو چیزوں کو معیار بنایا ہے، ایک اچھا مکان اور دوسری اچھی مجلس ہے، ظاہر ہے کہ کافروں میں بڑے بڑے دولت مند لوگ تھے، جو عالیشان مکانوں میں رہتے تھے، ان کے پاس نوکر چاکر تھے، ان کے مکانات تمام ضروریات زندگی سے بھرے ہوئے تھے، ان کے برخلاف ایمان والے زیادہ تر وہ لوگ تھے، جن میں سے بعض کو معمولی جھونپڑی بھی نصیب نہیں تھی، چنانچہ کافرلوگ اپنے مکانوں پر فخر کرتے تھے، اسی طرح ان کی مجلس بھی پررونق ہوتی تھی، وہاں ہر طرح کا سامان موجود تھا، ایمان والے بھی مشورے کے لئے مجلسیں قائم کرتے تھے، مگر ان کے پاس نہ تو کوئی اچھا مکان تھا اور نہ اس میں ضرورت کی چیزیں تھیں، مجلس میں بیٹھنے کے لیے کھجور کے پتوں کی چٹائیاں ہوتی تھیں، قالین اور کرسی کا

نام تک نہ تھا، اگر کوئی چار پائی ہے تو اس پر دری تک نہ ہوتی، کافر لوگ اپنی چیزوں کا مقابلہ کر کے ایمان والوں سے کہتے تھے کہ ذرا بتاؤ! تم اور ہم میں کون سا گروہ مکان اور مجلس کے لحاظ سے بہتر ہے؟ ایمان والوں میں غریب غرباء لوگ تھے، کچھ غلام تھے اور کچھ کمزور تھے، جن کی دنیاوی لحاظ سے کوئی اہمیت نہیں تھی، چنانچہ مالدار کافر، غریب مسلمانوں کی مجلس میں بیٹھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی مہلت

قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا

کہہ دیجئے جو ہے میں گمراہی پس دراز کرے کیلئے اس رحمٰن دراز کرنا یہاں تک کہ جب

رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَ اِمَّا السَّاعَةَ ۭ فَسَيَعْلَمُوْنَ

دیکھیں گے وہ جس کا وعدہ کیا جارہا ہے ان سے یا عذاب اور یا قیامت اس وقت جان لیں گے

مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾

کون وہ بدتر مرتبہ کے لحاظ سے اور زیادہ کمزور ہے مددگاروں کے لحاظ سے (۷۵)

بامحاورہ ترجمہ: ۔آپ کہہ دیجئے! جو گمراہی میں ہے رحمٰن ان کو ڈھیل دیتا ہے یہاں تک کہ جب دیکھیں گے وہ چیز جن کا ان سے وعدہ کیا جارہا ہے یا عذاب اور یا قیامت، سو! تب معلوم کرلیں گے کس کا مکان برا ہے اور کس کی فوج کمزور ہے۔ (۷۵)

تفسیر

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا یہی تقاضا ہے کہ گمراہوں کو ڈھیل دے، ممکن ہے کہ وہ سمجھ جائیں، لیکن یہ مہلت ایک مقرر مدت کے لیے دی جاتی ہے، جب وہ مدت ختم ہوجاتی ہے تو جس چیز کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے، عذاب کا یا قیامت کا، اس وقت انہیں معلوم ہوگا کہ وہ درحقیقت سخت دھوکے میں تھے، نہ دنیا کا سامان عیش پائیدار تھا، نہ

وہاں کے یار دوست کسی کام کے تھے، اللہ تعالیٰ کے پیغمبر سچ کہتے تھے کہ دنیا کی خوشحالی پر اترا کر آخرت کو بھول جانا سخت نادانی ہے وہ تمہارے لیے صرف حسرت اور افسوس کا باعث ہوں گے وہاں پتا چلے گا کہ کس کی جگہ بری ہے اور کس کی فوج کمزور ہے۔

منکروں کی اُمیدیں

وَ يَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ وَ الْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ

اور زیادہ کرتا ہے اللہ ان کو جو ہدایت ڈھونڈتے ہیں ہدایت اور باقی رہنے والے نیک کام

خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ مَّرَدًّا ۝٧٦ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ

بہتر ہیں نزدیک رب آپکے ثواب میں اور بہتر ہیں انجام میں (٧٦) کیا آپ نے دیکھا اسکو جس نے انکار کیا

بِاٰيٰتِنَا وَ قَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا ۝٧٧

آیتوں ہماری کا اور کہا ضرور دیا جاؤں گا میں مال اور اولاد (٧٧)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور اللہ تعالیٰ ہدایت ڈھونڈنے والوں کو زیادہ ہدایت دیتا ہے اور باقی رہنے والی نیکیوں کا بدلہ آپ کے رب کے ہاں بہتر ہے، اور ان کا انجام بھی بہتر ہے۔(٧٦) کیا آپ نے دیکھا اس کو جو ہماری آیتوں سے منکر ہوا اور کہا کہ مجھے ضرور مال اور اولاد دی جائے گی۔(٧٧)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جس نے ہدایت کے راستہ کو ڈھونڈا اللہ تعالیٰ اس کی ہدایت میں روز بروز اضافہ فرماتا ہے اس کو صاف نظر آنے لگے گا کہ نیک کام باقی رہنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا ثواب اور انجام بہتر ہے، کافروں کا کہنا تھا کہ اول تو مرنے کے بعد دوبارہ زندگی کا خیال ہی فضول ہے، اور اگر بالفرض دوبارہ زندگی ملی بھی تو وہاں بھی ہمیں اسی طرح مال اور اولاد ملے گا، جیسا یہاں ہے، لکھا ہے کہ ایک مغرور مالدار دنیا کے

نشہ میں مست آدمی نے ایک ایماندار مزدور سے کام لے کر اسے مزدوری نہ دی، اور کہا کہ اسلام سے پھر جا تو مزدوری لے لے، اس نے کا کہ مرکر پھر جی اٹھے، تب بھی اسلام سے نہ پھروں، اس نے کہا: اچھا تو پھر ٹھہر جا تو، تو مرکر جینے کا قائل ہے، تجھے وہاں بھی یہ سب کچھ ملے گا، وہیں اپنی مزدوری لینا۔

نماز، روزہ، حج، زکوۃ، تلاوت، ذکر، درود شریف سب "باقیات الصالحات" ہیں، جن کو اختیار کرنا کامیابی کا ذریعہ ہے۔

"باقیات صالحات" کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں، جسکی تفصیل "سورۃ کہف" میں گزر چکی ہے، اور مختار قول یہی ہے کہ اس سے مراد وہ سارے اطاعت اور نیک کام ہیں، جن کے فائدے ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں۔

اصل حقیقت

أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿٧٨﴾ كَلَّا سَنَكْتُبُ

کیا جھانک لیا ہے غیب کو یا لے رکھا ہے سے رحمٰن عہد کوئی (۷۸) ہرگز نہیں ہم لکھ رکھیں گے

مَا يَقُوْلُ وَ نَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾ وَّ نَرِثُهُ مَا

جو وہ کہہ رہا ہے اور بڑھادینگے اسکے لیے سے عذاب اور بھی زیادہ (۷۹) اور وارث ہوں گے ہم اس چیز کی

يَقُوْلُ وَ يَأْتِيْنَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾ وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً

جو وہ کہتا ہے اور آئے گا وہ ہمارے پاس اکیلا (۸۰) اور کر رکھے ہیں انہوں نے سوا اللہ کے اور معبود

لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَ يَكُوْنُوْنَ

تاکہ ہوں وہ واسطے ان مددگار (۸۱) ہرگز نہیں وہ تو انکار کردیں گے عبادت ان کی کا اور ہوجائیں گے

عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾

ع ۵/۷ ۸

پر ان مخالف (۸۲)

بامحاورہ ترجمہ: کیا اس نے غیب کو جھانک کر دیکھ لیا یا رحمٰن سے عہد لے رکھا ہے؟ (۷۸) یہ ہرگز نہیں

جو کچھ وہ کہتا ہے ہم لکھ رکھیں گے اور اس کو عذاب میں لمبا بڑھائے جائیں گے۔(۷۹) اور ہم لے لیں گے اس کے مرنے کے بعد جو کچھ وہ کہہ رہا ہے اور آئیگا ہمارے پاس اکیلا۔(۸۰) اور انہوں نے اللہ کے سوا اوروں کو معبود بنا رکھا ہے تاکہ وہ ان کی مدد کریں۔(۸۱) ہرگز نہیں! وہ ان کی بندگی کے منکر ہوں گے اور ان کے مخالف ہوجائیں گے۔(۸۲)

تفسیر

کیا اس نے جھانک کر غیب کی باتوں پر اطلاع حاصل کر لی ہے؟ یا اللہ تعالیٰ سے اس کا کوئی عہد و پیمان ہوگیا ہے؟ ہرگز ان دونوں باتوں میں سے کوئی نہیں، ہم اس کی یہ ساری بے بنیاد باتیں لکھتے ہیں، مرنے کے بعد ان کے بدلے اس کے عذاب میں اور اضافہ کیا جائے گا اور جس مال و اولاد کا وہ اترا کر ذکر کیے جا رہا ہے، یہ سب کچھ یہیں چھوڑ جائیگا اور ان سب پر ہمارا قبضہ ہوجائے گا، اور وہ تن تنہا ہمارے سامنے کھڑا ہوگا، وہاں نہ مال ہوگا اور نہ اولاد ہوگی، ان لوگوں نے ایک اور غضب یہ کیا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر اپنے اور خدا بنا لیئے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارے حمایتی ہوں گے، اور اگر مصیبت پڑی تو اس سے ہمیں بچالیں گے، سنو! ایسا ہرگز نہ ہوگا اور ان کے جھوٹے خدا الٹے ان کے دشمن ہوجائیں گے اور انہوں نے جو ان کی بندگیاں کی ہیں، ان سے صاف مکر جائیں گے۔

مشرکوں کے خدا قیامت کے دن کہیں گے ہم نے تو انہیں نہیں کہا کہ ہماری پوجا کرو، انہوں نے خود ہی ہماری نذر و نیاز دینا شروع کر دی اور مشکل میں ہمیں پکارنا شروع کر دیا، یہ خود ہی اس بری حرکت کے ذمہ دار ہیں، فرمایا: قیامت کے دن مشرکوں کے معبود ان کے مخالف ہوجائیں گے، ان کے خلاف گواہی دیں گے اور یہ لعنت کے مستحق ٹھہریں گے۔

منکروں کا حال

اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿۸۳﴾

کیا نہیں دیکھا کہ ہم نے بھیج دیا ہے شیطانوں کو اوپر کافروں کے اُکساتے ہیں ان کو زور سے(۸۳)

فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿۸۴﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ
پس نہ آپ جلدی کریں ان کے لیے بات یہی ہے ہم گن رہے ہیں کے لیےان گنتی (۸۴) جس دن جمع کریں گے ہم

الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾ وَّ نَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى
پرہیزگاروں کو طرف رحمٰن کی بلائے ہوئے مہمان کی طرح (۸۵) اور ہانک دیں گے مجرموں کو طرف

جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ
دوزخ پیاسے (۸۶) نہ مالک ہوں گے شفاعت کے مگر جنہوں نے لیا ہے سے

الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾
رحمٰن وعدہ (۸۷)

وقف لازم

وقف لازم

بامحاورہ ترجمہ: ۔کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ ہم نے منکروں پر شیطان چھوڑ رکھے ہیں جو انہیں خوب اچھی طرح اُکساتے ہیں۔(۸۳) سو! ان کے لیے آپ جلدی نہ کریں ہم تو ان کے لیے گنتی پوری کرتے ہیں۔ (۸۴) جس دن ہم اکٹھا کر لائیں گے پرہیزگاروں کو رحمٰن کے پاس بلائے ہوئے مہمان کی طرح۔(۸۵) اور ہانک دیں گے مجرم لوگوں کو دوزخ کی طرف پیاسے۔(۸۶) سفارش کا اختیار صرف انہی کو ہوگا جنہوں نے رحمٰن سے وعدہ لے لیا ہے۔(۸۷)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جو لوگ اللہ کو نہیں مانتے ان پر شیطان مسلط کر دیئے جاتے ہیں، اور وہ ان کو ہر وقت برے کاموں پر اُبھارتے رہتے ہیں، اللہ نے انہیں مہلت دے رکھی ہے اور مقررہ مدت تک ان کا ایک سانس ایک ایک لمحہ گن گن کر پورا کیا جا رہا ہے، ان کے معاملے میں جلدی کی ضرورت نہیں، ایک نہ ایک دن وہ اپنے عملوں کی سزا بھگتیں گے اور وہ دن ایسا ہوگا کہ دنیا میں اللہ کے خوف سے بچ بچ کر چلنے والوں کو اللہ اپنے پاس مہمانوں کی طرح اکٹھا کرے گا اور گنہگاروں کو دوزخ کی طرف پیاسا ہانک دیا جائے گا۔

سفارش کی اجازت فقط اللہ کے مقبول بندوں کو دی جائے گی اور سفارش فقط ان کی ہوگی جو اللہ کے ماننے والے ہیں۔

اور پھر شیطانوں کا کافروں پر یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ ان کو ابھارتے رہتے ہیں، یعنی: کافروں کو کفر اور شرک پر اُکساتے رہتے ہیں، وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں اور لوگ کفر شرک بدعات اور گناہوں کو اختیار کرنے لگتے ہیں، ایمان والوں کو حقیر سمجھتے ہیں، کمزورں کو گھٹیا سمجھتے ہیں، قیامت کا انکار کرتے ہیں اور شرکیہ رسموں کو بڑے زور شور سے ادا کرتے ہیں اور اسے ثواب کا کام سمجھتے ہیں۔

بعض اوقات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ نافرمانوں کو جلدی سزا ملنی چاہیے، کیونکہ جب تک ان کو موقع ملتا رہے گا وہ دوسروں کو بھی گمراہ کرتے رہیں گے، ایسے لوگوں کے لیے سزا کی خواہش کوئی بری بات نہیں۔

اس کے برخلاف نافرمانوں کے متعلق فرمایا: ہم مجرم لوگوں کو دوزخ کی طرف پیاسے جانوروں کی طرح چلائیں گے۔

فرمایا: مجرم تو شفاعت کے مستحق نہیں ہوں گے، البتہ سفارش کا حقدار وہ ہوگا، جس نے خدائے رحمٰن کے پاس عہد قائم کرلیا، جو شخص توحید ورسالت کے عقیدے پر پختہ یقین رکھے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ضرور جنت میں پہنچائے گا، یہی اس کا عہد ہے، اسی کے حق میں سفارش ہوگی، اور وہی نجات پائے گا۔

نادانوں کی گستاخی

وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا ﴿۸۹﴾ تَكَادُ

اور کہتے ہیں بنا رکھی ہے رحمٰن نے اولاد (۸۸) البتہ تحقیق لائے ہو تم ایک بات بھاری (۸۹) بعید نہیں کہ

السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ

آسمان پھٹ پڑیں سے اس اور پھٹ جائے زمین اور گر پڑیں پہاڑ

هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾

دھڑام سے (۹۰) کہ ٹھہراتے ہیں واسطے رحمٰن کے اولاد (۹۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور مشرک کہتے ہیں کہ رحمٰن نے اولاد بنا رکھی ہے۔ (۸۸) بے شک تم نے ایک بھاری بات کہی ہے۔ (۸۹) اس بات سے ابھی آسمان پھٹ پڑیں اور زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور پہاڑ گر پڑیں۔ (۹۰) کہ ٹھہراتے ہیں رحمٰن کے لیے اولاد۔ (۹۱)

تفسیر

مشرک کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے اور اولاد کا حق ہے کہ باپ کے مرتبہ اور شان میں شریک ہوں، اس غلط فہمی میں پھنس کر وہ کسی بڑے مرتبہ والے آدمی وغیرہ کو اللہ کا بیٹا یا بیٹی کہہ دیتے ہیں اور پھر اس کی عبادت شروع کر دیتے ہیں، اس کے متعلق ارشاد ہے کہ: یہ ایک ایسی ہولناک بات ہے کہ اس کے وبال سے ابھی آسمان پھٹ پڑے، زمین پارہ پارہ ہو جائے، پہاڑ ایک دم دھڑام سے گر پڑیں۔

اللہ تعالیٰ رحمٰن ہے اور ساری کائنات کا تنہا مالک ہے، وہ اولاد اور مددگار سے بالکل بے نیاز ہے، اولاد کی ان حاجت مندوں اور کمزوروں کو ضرورت ہوتی ہے، جو بغیر دوسرے کے سہارے کے کچھ کام نہیں کر سکتے، یا ہر وقت نہ سہی تو بڑھاپے کے وقت دوسروں کے محتاج ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کمزوریوں سے پاک ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ صابر اور کوئی نہیں، دیکھو! لوگ اس کے لیے اولاد جیسا گندا عقیدہ رکھتے ہیں، مگر اس کے باوجود وہ انہیں فوری طور پر پکڑتا نہیں، بلکہ مہلت دیتا رہتا ہے، حالانکہ یہ سخت گستاخی کا کلمہ ہے، اس کلمہ کا اتنا شدید اثر ہو سکتا ہے کہ اللہ کا غضب بھڑک اٹھے اور زمین و آسمان تباہ ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ کا کوئی ہمسر نہیں

وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي

اور نہیں شایانِ شان رحمٰن کے کہ بنائے اولاد (۹۲) نہیں سب جو کوئی میں

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ
آسمانوں اور زمین مگر آنے والا ہے رحمٰن کے پاس بندہ بن کر (۹۳) البتہ تحقیق شمار کرلیا ہے ان کو

وَ عَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾ وَ كُلُّهُمْ اٰتِیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾
اور گن لی ان کی گنتی (۹۴) اور ہر ایک ان کا آئے گا اس کے سامنے دن قیامت کے تنہا (۹۵)

بامحاورہ ترجمہ: رحمٰن کے شایان شان نہیں کہ اولاد رکھے۔ (۹۲) اور جو کوئی آسمان اور زمین میں ہے رحمٰن کے پاس بندہ بن کر آئیگا۔ (۹۳) اللہ تعالیٰ نے ان کا شمار کر رکھا ہے اور خوب اچھی طرح ان کی گنتی گن رکھی ہے۔ (۹۴) اور ہر ایک اس کے سامنے قیامت کے دن تنہا آئے گا۔ (۹۵)

تفسیر

اولاد ہونا حاجت مندی کی دلیل ہے، رحمٰن ہر قسم کی حاجت مندی سے پاک ہے، آسمان اور زمین میں ہر ایک اس کا پیدا کیا ہوا ہے اور اس کا بندہ ہے، وہ ان سب کا مالک ہے۔

وَ مَا یَنْۢبَغِیْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا: باپ بیٹے کا کبھی مالک نہیں ہوتا، بلکہ بیٹا ہر طرح مرتبہ اور شان میں اس کے برابر ہوتا ہے، بلکہ زمانے کے ساتھ قوت اور طاقت یہاں تک کہ علم اور سمجھ بوجھ میں بھی اس سے بڑھتا چلا جاتا ہے، اور ایک زمانہ ایسا آتا ہے کہ باپ ضعیف اور کمزور ہو کر بالکل بیٹے کا محتاج ہو جاتا ہے، اولاد کے ساتھ یہ ساری باتیں لازم ہے، اور اللہ رحمٰن ان سب سے پاک ہے، اس نے تو اپنے تمام بندوں کی عمریں ان کی قوتیں، ضرورتیں، کمزوریاں سب کچھ الگ الگ شمار کر کے رکھی ہوئی ہیں، اور ان کی اپنی تعداد بھی اس کے ہاں ایک ایک کر کے لکھی ہوئی ہے، یہ سب ایک نہ ایک دن ختم ہو جائیں گے اور فقط اللہ تعالیٰ باقی رہے گا۔

اس کے بعد پھر اس کی شان نئے طریقے سے ظاہر ہوگی، سب اس کے حکم سے جی اٹھیں گے، اور ہر ایک الگ اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا ہوگا، اور وہ ہر ایک کو اس کے عملوں کے مطابق بدلہ دے گا، اور کوئی اس کی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتا، پھر اللہ تعالیٰ کو اولاد کی کیا حاجت؟

باقی رہنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ

تحقیق وہ لوگ جو ایمان لائے اور کیے نیک کام عنقریب پیدا کردے گا کیلئے ان رحمٰن

وُدًّا ﴿٩٦﴾ فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِیْنَ وَ

محبت (٩٦) پس یہی بات ہے کہ ہم نے آسان کردیا اس کو پر زبان آپ کی تاکہ بشارت دیں آپ ذریعے اسکے پرہیزگاروں کو اور

تُنْذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا ﴿٩٧﴾ وَ کَمْ اَهْلَکْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ

ڈرادیں آپ سے اس قوم جھگڑالو کو (٩٧) اور کتنی ہی ہلاک کردیں ہم نے پہلے ان سے قومیں کیا

تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِکْزًا ﴿٩٨﴾

آہٹ پاتے ہیں آپ سے ان کسی کی یا سنتے ہیں آپ ان کی سرسراہٹ (٩٨)

ع ٦ (١٦) ٩ النصف

بامحاورہ ترجمہ:۔ البتہ جو لوگ ایمان لائے اور نیکیاں کیں اللہ تعالیٰ ان کو محبت عطا فرمائے گا۔ (٩٦) پس ہم نے آسان کردیا قرآن کو آپ کی زبان پر، تاکہ آپ خوشخبری سنائیں پرہیزگاروں کو اور جھگڑالوؤں کو عذاب سے ڈرائیں۔ (٩٧) اور کتنی ہی ہلاک کردیں ہم نے ان سے پہلے قومیں کیا آہٹ پاتے ہیں آپ ان میں سے کسی کی یا سنتے ہیں ان کی سرسراہٹ۔ (٩٨)

تفسیر

جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کو مانا اور اس پر ایمان لائے اور ان کی باتوں پر یقین کیا تو اللہ ان سے محبت کرے گا، فرشتوں کے دل میں ان کی محبت ڈال دیگا، خود آپس میں ان کے درمیان شفقت اور مروت پیدا کردے گا، اور لوگوں کے دل میں ان کی عظمت اور محبت قائم کردے گا۔

اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کے لیے دوسروں کے دلوں میں محبت ڈال دے گا،

جیسا کہ "بخاری، مسلم، ترمذی" میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث شریف میں آتا ہے کہ: جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل سے فرماتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو، چنانچہ جبرئیل علیہ السلام بھی اُس شخص سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر وہ دوسرے فرشتوں کے سامنے اعلان کرتے ہیں تو وہ بھی ایسے شخص سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر وہی محبت زمین پر آتی ہے تو زمین پر موجود تمام لوگ بھی ایسے شخص سے محبت کرنے لگتے ہیں۔

اس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد ہے کہ: ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے، تاکہ ان لوگوں کو خوشخبری سنادیں، جو اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتے ہیں، اور ان لوگوں کو ڈرا دیں، جو سمجھ کر محض ضد کی وجہ سے آپ سے جھگڑتے ہیں، آپ ان کو سمجھادیں کہ اپنی دولت اور عزت پر مغرور نہ ہوں، ان سے پہلے بہت سی نسلوں کو جو بڑی مال و دولت اور دبدبہ والی تھیں، ان کو ہم تباہ و برباد کر چکے ہیں، کیونکہ وہ ہمارے حکموں کی نافرمانی کرتی تھیں، ان کا نام و نشان تک دنیا سے مٹ چکا۔

سورۃ طٰہٰ کا تعارف

سورتوں کی ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن حکیم کی بیسویں سورت ہے، مکی زندگی کے ابتدائی زمانہ میں اُتری، لکھا ہے کہ ایک دن عمر غصہ میں تلوار ہاتھ میں لے کر نکل کھڑے ہوئے، ارادہ یہ کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر کے اس جھگڑے کو ختم کردوں، جس سے قریش میں اختلاف پیدا ہوگیا ہے، اور ان کے معبودوں کی توہین کی جانے لگی ہے، راستے میں نعیم بن عبداللہ ملے اور انہوں نے انہیں اس ارادے سے روکا اور کہا کہ پہلے اپنے گھر کے لوگوں کی خبر لو، تیری بہن فاطمہ بنت الخطاب اور اس کا شوہر تیرا چچازاد بھائی سعید بن زید دونوں مسلمان ہو چکے ہیں، یہ سن کر عمر اپنی بہن کے گھر کی طرف غضب ناک ہو کر روانہ ہوئے، انکے ہاں اس وقت علاوہ ان کی بہن اور بہنوئی کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی خباب بن ارت بھی موجود تھے، اور "سورۃ طٰہٰ" جو ایک پرچہ پر لکھی ہوئی تھی، انہیں پڑھ کر سنا رہے تھے عمر کے کانوں میں ان کے پڑھنے کی کچھ بھنک پڑی، لیکن انہیں آتے دیکھ کر خباب ایک کونے میں چھپ گئے، اور ان کی بہن نے پرچہ گود میں چھپالیا، عمر نے گھر میں گھستے ہی پوچھا: تم لوگ کیا پڑھ

رہے تھے؟ سنا ہے تم مسلمان ہو گئے ہوئے؟ پھر بہن کو مارنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ ان کے بدن کو زخمی کر دیا، خون نکلتے دیکھ کر عمر رکے اور کہا: جو کچھ تم پڑھ رہے تھے، مجھے دکھاؤ۔

عمر لکھنا پڑھنا جانتے تھے، ان کی بہن نے ان کو وہ پرچہ دیا جس پر "سورۃ طٰہٰ" لکھی ہوئی تھی، اس کے پڑھنے سے عمر کے دل پر بہت بڑا اثر ہوا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اسلام قبول کیا اور دھڑلے سے سب کے سامنے حرم میں جا کر نماز پڑھی، جس کی جرأت ابھی تک مسلمانوں کو نہ ہوئی تھی، اس کے بعد اسلام کی جو خدمات انہوں نے انجام دیں، وہ بیان سے باہر ہیں۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی صفتوں کو بیان کر کے توحید کو ثابت کیا ہے، اور پھر مشرکوں کو پیغمبروں کی مخالفت کا انجام بتایا اور ایمان والوں کو دنیا میں آخرت کے لیے ذخیرہ جمع کرنے کی ترغیب دی ہے۔

آیاتها – ١٣٥ | سُوْرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتها – ٨

سورۃ طٰہٰ مکی ہے، اس میں ایک سو پینتیس آیتیں اور آٹھ رکوع ہیں۔

نزولِ قرآن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰهٰ ۝١ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝٢ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ
طٰہٰ (١) نہیں اتارا ہم نے پر آپ قرآن تاکہ مشقت میں پڑیں آپ (٢) مگر نصیحت واسطے اس شخص کے جو
يَّخْشٰى ۝٣ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَ السَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝٤
ڈرتا ہو (٣) اُتارا گیا طرف سے اسکی جس نے بنایا زمین کو اور آسمانوں میں اُونچے کو (٤)

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴿٥﴾

رحمٰن پر عرش قائم ہوا (۵)

بامحاورہ ترجمہ: طٰہٰ۔(۱) ہم نے قرآن آپ پر اس لیے نہیں اُتارا کہ آپ مشقت میں پڑیں۔(۲) مگر یہ تو اس شخص کے لیے نصیحت کے طور پر اُتارا گیا ہے جو اس سے ڈرے۔(۳) یہ اس نے اُتارا ہے جس نے زمین اور اونچے آسمان بنائے۔(۴) اور رحمٰن عرش پر قائم ہے۔(۵)

تفسیر

"طٰہٰ" حروف مقطعات میں سے ہے، جس کا مطلب اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

اے پیغمبر! ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نہیں اتارا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔"تَشْقٰٓی" کے دو معانی آتے ہیں شقادت: بدبختی۔ اور دوسرا معنی مشقت "تکلیف میں پڑنا" یہاں پر اس سے مراد مشقت اٹھانا ہے۔ اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ پیغمبری کے ابتدائی دور میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تہجد میں لمبی لمبی رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ صحیح احادیثوں کے مطابق بعض اوقات آپ کے پاؤں مبارک پھٹنے کو ہو جاتے تھے تو اللہ نے آپ کو تسلی دی کہ آپ قیام کے دوران لمبی قرأت میں اس قدر محنت نہ کریں، بلکہ جیسا کہ "سورۃ المزمل" میں فرمایا:

"فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ" (پارہ۲۹: آیت ۲۰)

اتنا قرآن پڑھو جتنا آسانی سے پڑھ سکو۔

اسی لیے یہاں فرمایا کہ: قرآن ہم نے اس لیے نہیں اتارا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کافروں اور مشرکوں کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے بھی سخت پریشان رہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ اتنا غمزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے، آپ کا کام تو پہنچانا ہے، آگے قبول کرنا یا نہ کرنا ان کی ذمہ داری ہے، لہٰذا آپ اس کے لیے فکرمند نہ ہوں۔

پیغمبر کی پریشانی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کافر اور مشرک آپ کو مختلف طعنے دیتے تھے، بیہودہ اعتراضات

اور ناجائز نکتہ چینی کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن اس لیے تو نہیں اتارا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں، آپ حوصلہ رکھیں اور اپنا کام کرتے جائیں آخر کامیابی آپ کی ہی ہوگی۔ فرمایا: یہ قرآن مشقت میں ڈالنے والی چیز نہیں ہے، بلکہ یہ تو نصیحت اور یاددہانی ہے اس شخص کے لیے جسے عملوں کے حساب کا خوف ہے۔ البتہ جو شخص بے خوف ہے اسے آگے کی فکر ہی نہیں ہے، وہ نہ تو ایمان لائے گا اور نہ نصیحت حاصل کرے گا تو ان لوگوں کیلئے آپ غمگین نہ ہو۔

فرمایا: اُتارا ہوا ہے اس کا جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا۔ یہ کسی مخلوق کا کلام نہیں، بلکہ اس ذات کا کلام ہے جو نہایت ہی مہربان ہے اور عرش پر قائم ہے اللہ تعالیٰ کی صفت رحمان کا ذکر گذشتہ "سورۃ مریم" میں کم وبیش سولہ (١٦) مرتبہ آیا ہے کہ دیکھو! اللہ تعالیٰ تو اپنی مخلوق پر بڑا ہی مہربان ہے، یہ انسان ہی ہیں جو غلط کام کر کے اپنے آپ کو اس کی رحمت سے محروم کر لیتے ہیں۔

اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ: کے الفاظ بھی کئی سورتوں میں ذکر ہوئے ہیں، اس کو متشابہات میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان الفاظ کا معنی تو معلوم ہے، اللہ تعالیٰ عرش پر قائم ہے، لیکن ان کی حقیقت اور کیفیت انسانی ذہن میں نہیں آسکتی۔

اس جگہ ابن کثیر نے ایک صحیح حدیث دوسری بھی نقل فرمائی ہے، جو علماء کیلئے بڑی بشارت ہے، یہ حدیث طبرانی نے حضرت ثعلبہ سے روایت کی ہے ابن کثیر نے فرمایا کہ اسناد اس کی جید ہے۔

حدیث یہ ہے:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " يَقُولُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ لِلْعُلَمَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، إِذَا قَعَدَ عَلَى كُرْسِيِّهِ لِقَضَاءِ عِبَادِهِ: إِنِّي لَمْ أَجْعَلْ عِلْمِي، وحُكْمِي فِيكُمْ، إِلَّاوَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أَغْفِرَلَكُمْ، عَلَى مَاكَانَ فِيكُمْ، وَلَا أُبَالِي ".

(المعجم الكبير للطبراني :٢/٨٤:مكتبة ابن تيمية،القاهرة)

ترجمہ:۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ بندوں کے عملوں کا فیصلہ کرنے کے لئے اپنی کرسی پر تشریف فرما ہونگے تو علماء سے فرمادینگے کہ میں نے اپنا علم، حکمت تمہارے سینوں میں صرف اسی لئے رکھا تھا کہ میں تمہاری بخشش چاہتا ہوں، باوجود ان خطاؤں کے جو تم سے سرزد ہوئیں اور مجھے کوئی پروانہیں۔

مگر یہ ظاہر ہے یہاں علماء سے مراد وہی علما ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کا خوف موجود ہو، اس آیت میں لفظ "لِمَنْ يَّخْشٰى" اسی طرف اشارہ کرتا ہے جن میں یہ علامت نہ ہو وہ اس کے مستحق نہیں۔ واللہ اعلم

اللہ کی صفتیں

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا وَ مَا تَحْتَ
اسی کا ہے جو میں آسمانوں اور جو میں زمین ہے اور جو درمیان ان دونوں کے اور جو نیچے

الثَّرٰى ۞۶ وَ اِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰى ۞۷
گیلی زمین کے (۶) اور اگر پکار کر کریں آپ بات پس تحقیق وہ جانتا ہے بھید اور اس سے بھی چھپی چیز (۷)

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۞۸
اللہ نہیں کوئی معبود مگر وہ اسکے لیے ہیں سارے نام اچھے اچھے (۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں اور دونوں کے درمیان اور جو گیلی زمین کے نیچے ہے۔ (۶) اور اگر آپ پکار کر بات کہیں تو بے شک وہ پوشیدہ کو بھی جانتا ہے اور اس سے بھی زیادہ چھپی چیز کو جانتا ہے۔ (۷) اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں، اس کے سب نام اچھے ہیں۔ (۸)

تفسیر

اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ جو کچھ زمین کے اوپر اور جو کچھ اس کے اندر اور جو کچھ اس کے نیچے ہے، ان سب کا

وہی مالک ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کے پاس جو کچھ ہے مال، قوت اور جان ان سب کا مالک اللہ ہے اور یہ سب کچھ انسان کے پاس بطور امانت کے ہے اور اسے ان چیزوں کو اس کے حکم کے مطابق کام میں لانا چاہئے۔

آگے اللہ کے علم کا بیان ہے وہ چھپی، کھلی چیزیں، اندر کے بھید اور بھید کے بھید سب کچھ جانتا ہے زبان سے پکار کر یا آہستہ سے جو بات کہی جائے بلکہ جو بات دلوں میں اور خیالوں میں پوشیدہ ہے اور زبان تک آنے کی نوبت ہی نہیں آتی وہ اسے بھی جانتا ہے ظاہر ہے کہ جس کے اندر یہ صفتیں ہوں وہی معبود ہونے کے قابل ہے اور کسی کے آگے عبادت کے لیے جھکنا بڑا ظلم ہے اس کے سبھی نام اچھے ہیں اس کو انہی ناموں سے پکارو۔

وَ مَا تَحْتَ الثَّرٰی: "ثریٰ" نمناک گیلی مٹی کو کہتے ہیں جو زمین کھودنے کے وقت نکلتی ہے مخلوقات کا علم تو صرف "ثریٰ" تک ختم ہو جاتا ہے، آگے اس "ثریٰ" کے نیچے کیا ہے، اسکا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، اس نئی تحقیق وریسرچ اور نئے آلات اور سائنس کی انتہائی ترقی کے باوجود اب سے چند سال پہلے زمین کو برما لگا کر ایک طرف سے دوسری طرف نکل جانے کی کوشش مدتوں تک جاری رہی ان سب تحقیقات اور انتھک کوشش کا نتیجہ آخیر میں سب کے سامنے آچکا ہے کہ صرف چھ میل کی گہرائی تک یہ آلات کام کر سکے، آگے ایک ایسا غلاف ثابت ہوا جہاں کھودنے کے سارے اوزار اور مشینیں سب عاجز ہو گئے یہ صرف چھ میل تک کا علم انسان حاصل کر سکا ہے، جبکہ زمین کا قطر ہزاروں میل کا ہے، اس اقرار کے سوا چارہ نہیں کہ "مَا تَحْتَ الثَّرٰی" کا علم حق تعالیٰ ہی کی مخصوص صفت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدین سے سفر

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝۹ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا وقف لازم

کیا آئی آپ کے پاس بات موسیٰ کی (۹) جب دیکھا اس نے آگ کو پس کہا سے اپنے گھر والوں ٹھہرو!

اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى

تحقیق دیکھی ہے میں نے ایک آگ امید ہے میں لے آؤں تمہارے پاس سے اس لکڑی سلگا کر یا پاؤں پر

النَّارِ هُدًى ⑩

آگ راستہ (کا نشان)(۱۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور کیا آپ کے پاس موسیٰ کی بات پہنچی ہے۔(۹) جب اس نے ایک آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم یہاں ٹھہرو، میں نے ایک آگ دیکھی ہے، شاید اس میں سے تمہارے پاس لکڑی سلگا کر لے آؤں یا آگ پر پہنچ کر راستہ کا پتہ پالوں۔(۱۰)

تفسیر

ہم آپ کو موسیٰ علیہ السلام کا حال سناتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے آتے ہوئے جنگل کے اندر اندھیرے میں راستہ بھول گئے تھے کہ یکا یک ان کو دور سے آگ نظر آئی، اپنی اہلیہ سے کہا تم ذرا یہاں ٹھہرو، مجھے سامنے ایک آگ جلتی نظر آ رہی ہے، میں وہاں سے ایک لکڑی سلگا کر لاتا ہوں، تاکہ اس سردی سے کچھ نجات ملے اور عجب نہیں کہ آگ کے پاس کچھ لوگ بھی ہوں، جن سے راستہ کا پتہ چل جائے، یہ کہہ کر اپنی اہلیہ اور بکریوں کو وہیں چھوڑا اور آگ کی طرف اکیلے روانہ ہوئے۔

طور پر اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ⑪ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ

پس جب آیا آگ کے پاس پکارا گیا اے موسیٰ! (۱۱) تحقیق میں رب ہوں تیرا پس اتار ڈال دونوں جوتیاں اپنی

اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ⑫ وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ

تحقیق تو میدان پاک طویٰ میں ہے(۱۲) اور میں نے چن لیا تجھے پس کان لگا کے سن

لِمَا يُوْحٰى ⑬

اس کو جو وحی کی جائے تجھ پر(۱۳)

بامحاورہ ترجمہ: پس جب آگ کے پاس پہنچا تو آواز آئی اے موسیٰ! (١١) میں تیرا رب ہوں، سو! اپنی جوتیاں اتار ڈال، یقیناً تو پاک میدان طویٰ میں ہے۔ (١٢) اور میں نے تجھے پیغمبری کے لئے چن لیا ہے، سو! آپ غور سے سنیں جو وحی کی جائے۔ (١٣)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جب آگ کے قریب پہنچے تو آواز آئی کہ اے موسیٰ! میں تیرا رب ہوں، اور تو اس وقت ایک پاک میدان میں کھڑا ہے، جس کا نام "طویٰ" ہے۔ میں نے تجھے اپنا پیغمبر بنانے کے لیے چن لیا ہے؛ اس لیے جو کچھ تجھ پر وحی کی جائے پوری توجہ سے سنو اور اس کے مطابق عمل کرو۔

جب موسیٰ علیہ السلام آگ والی جگہ پر پہنچے تو عجیب نظارہ دیکھا، ایک سرسبز وشاداب درخت تھا، جس سے روشنی نکل رہی تھی۔

موسیٰ علیہ السلام نے درخت کے قریب جانے کا ارادہ کیا، اچانک اس میں سے آواز آئی کہ اے موسیٰ! بیشک میں تیرا رب ہوں، اپنے جوتے اتار دو، کیونکہ اس وقت تم ایک پاک "وادی طویٰ" میں ہو، اس کو پاکیزہ وادی اس لئے کہا گیا ہے، ہوسکتا ہے کہ بعض دوسرے مقامات کی طرح اللہ تعالیٰ نے اس خطے کو پہلے سے مقدس بنا رکھا ہو، یا وہ جگہ اس وجہ سے مقدس تھی کہ وہاں اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا نزول ہو رہا تھا، بہر حال! وہ مقدس مقام تھا جہاں جوتا اُتارنے کا حکم ہوا۔

ہدایات

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ
تحقیق میں ہی اللہ ہوں نہیں کوئی معبود سوا میرے پس عبادت کر میری اور قائم کر نماز

لِذِكْرِیْ ⑭ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰی كُلُّ
لیے یاد میری (١٤) تحقیق قیامت آنے والی ہے قریب ہے میں اس کے چھپاؤں تاکہ بدلہ دیا جائے ہر

نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ⑮ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا

شخص کو اس کا جو وہ کوشش کرتا ہے (۱۵) پس ہرگز نہ روکے آپ کو سے اس وہ شخص جو نہیں یقین کرتا اس کا

وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ⑯

اور پیچھے پڑا ہوا ہے خواہشوں اپنی کے پس ہلاک ہو جائے (۱۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ میں بلاشک وشبہ اللہ ہوں، میرے سوا کسی کی بندگی نہیں، سو! میری بندگی کر اور نماز قائم رکھ میری یاد کے لئے۔(۱۴) قیامت بے شک آنے والی ہے میں اس کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تا کہ بدلہ ملے ہر شخص کو اس کا جو اس نے کمایا ہے۔(۱۵) اس سے آپ کو ہرگز وہ شخص نہ روکے (یعنی: آپ اس کے روکنے سے متاثر نہ ہوں) جو اس پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہشوں کے پیچھے لگا ہوا ہے ورنہ تو آپ ہلاک ہو جائیں گے۔(۱۶)

تفسیر

مجھے یاد کرنے کے لیے نماز پڑھا کر، یہ دنیا رہنے کی جگہ نہیں فنا ہو جائے گی اور انسان کے لیے ایک وقت آنے والا ہے جب وہ دوبارہ زندہ ہو کر اپنے عملوں کا حساب دینے کے لیے میرے سامنے حاضر ہوگا، اس گھڑی کا خاص وقت کسی کو نہیں بتلایا گیا، تا کہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے اور ہر وقت اس کے آنے کے انتظار میں رہیں اور کوئی برا کام نہ کریں، کچھ لوگ قیامت کا یقین نہیں کرتے، خبردار! ان کے بہکاوے میں نہ آنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ آپ کو اس کی طرف سے غافل کر دیں، قیامت سے غافل ہونا بربادی کا باعث ہے، اگر ان لوگوں کا کہنا سنا جو اسے نہیں مانتے تو برباد ہو جانے کا خوف ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ⑰ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا

اور کیا ہے یہ ہاتھ میں تیرے دائیں اے موسیٰ! (۱۷) کہا یہ لاٹھی ہے میری میں ٹیک لگاتا ہوں پر اس

وَ اَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِىْ وَ لِىَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴿١٨﴾ قَالَ
اور میں پتے جھاڑتا ہوں سے اس پر بکریوں اپنی اور میرے لیے میں اس چند کام اور بھی ہیں (١٨) فرمایا

اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ﴿١٩﴾ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِىَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿٢٠﴾ قَالَ خُذْهَا
ڈال دے اس کو اے موسیٰ! (١٩) پس ڈال دیا اس کو پس اچانک وہ سانپ بن گیا دوڑتا ہوا (٢٠) فرمایا پکڑ لے اسے

وَ لَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴿٢١﴾
اور مت ڈر ہم لوٹا دیں گے اسے پر حالت اس کی پہلی (٢١)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اے موسیٰ! یہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟(١٧) کہا یہ میری لاٹھی ہے اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں پر درختوں کے پتے جھاڑتا ہوں اور میرے اس میں اور بھی چند کام ہیں۔ (١٨) فرمایا: اے موسیٰ! اس کو ڈال دے۔(١٩) پس موسیٰ نے اس کو ڈال دیا، پھر تو وہ اسی وقت دوڑتا ہوا سانپ ہوگئی۔(٢٠) فرمایا: اس کو پکڑ لے اور مت ڈر ہم اس کو پہلی حالت پر پھر دیں گے۔(یعنی: اس کو پہلے کی طرح لاٹھی بنا دیں گے)۔(٢١)

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے پوچھا: اے موسیٰ! یہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ میری لاٹھی ہے، عام طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے پاس لاٹھی رکھتے تھے، پھر کہا کہ میں اس سے بڑے کام لیتا ہوں، تھک جاتا ہوں تو اس پر سہارا لے کر دم لیتا ہوں، بکریوں کے کھانے کو درختوں کے پتے اس سے مار مار کر جھاڑتا ہوں، اور بھی میرے کئی کام اس سے نکلتے ہیں، مثلاً: موذی جانوروں کو مارنا اور درندوں کو بھگانا، فرمایا: اُسے زمین پر ڈال دے، موسیٰ علیہ السلام نے اسے زمین پر ڈال دیا، زمین پر پڑتے ہی وہ لاٹھی سانپ بن کر تیزی سے اِدھر اُدھر دوڑنے لگا، موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خوف پیدا ہوا، آواز آئی، ڈر مت، اسے ہاتھ میں پکڑ، تیرے پکڑتے ہی ہم اپنی قدرت سے اسے پھر ویسی ہی لاٹھی بنا دیں گے جیسی پہلے تھی۔

موسیٰ علیہ السلام کے پکڑنے کے بعد اب وہ سانپ نہیں تھا بلکہ پہلے کی طرح لاٹھی بن گئی تھی، جو اکثر موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں ہوتی تھی یہ پہلی نشانی یا معجزہ تھا، جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوا۔

احکام ومسائل

لاٹھی یا چھڑی پاس رکھنا سنت ہے، اس کے بہت سے فائدے بھی ہیں، خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی کبھی لاٹھی اور کبھی چھوٹا نیزہ ہوتا تھا، جسے نماز کے وقت سترے کے طور پر بھی گاڑ لیا جاتا تھا، بہر حال! لاٹھی پاس رکھنا کوئی بری بات نہیں ہے، بلکہ اس کا کچھ نہ کچھ فائدہ ہی ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کو یہ سوال کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کہ اے موسیٰ! تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تاکہ موسیٰ علیہ السلام کو اچھی طرح یقین ہو جائے کہ یہ وہی لاٹھی ہے، جسے وہ ہمیشہ اپنے پاس رکھتے ہیں اور یہ کوئی دوسری چیز نہیں ہے، ہو سکتا تھا کہ لاٹھی کی حالت تبدیل ہونے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو شبہ پیدا ہو جاتا کہ انہوں نے لاٹھی کی بجائے رات کے اندھیرے میں کسی اور چیز کو پکڑ رکھا تھا، لہذا اللہ نے اچھی طرح تسلی کرادی کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں لاٹھی ہی ہے۔

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں لاٹھی ہی ہے تو اللہ نے فرمایا: اے موسیٰ! اس لاٹھی کو نیچے پھینک دو، پس موسیٰ علیہ السلام نے وہ لاٹھی اپنے ہاتھ سے نیچے ڈال دی، پس اچانک وہ دوڑتا ہوا سانپ بن گیا۔

قرآن پاک میں لاٹھی کے سانپ بن جانے کے متعلق تین قسم کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اس مقام پر "حَيَّةٌ" کا لفظ ہے، جو بڑے چھوٹے ہر قسم کے سانپ کو کہا جاتا ہے۔ کسی جگہ "جَانٌّ" کا لفظ ہے، جو لمبے اور پتلے سانپ کے لئے استعمال ہوتا ہے، اور کہیں "ثُعْبَانٌ" ہے، جس کا معنیٰ اژدھا، یعنی: بہت بڑا جسم والا سانپ ہوتا ہے، بعض فرماتے ہیں کہ: لاٹھی سے بننے والا سانپ عام طور پر تو چھوٹا سا سانپ ہی ہوتا تھا، لیکن جب کسی دشمن کے مقابلے میں ظاہر کرنا ہوتا تو وہ بہت بڑا اژدھا بن جاتا تھا۔

ید بیضاء

وَ اضۡمُمۡ یَدَكَ اِلٰی جَنَاحِكَ تَخۡرُجۡ بَیۡضَآءَ مِنۡ غَیۡرِ سُوۡٓءٍ

اور ملا ہاتھ اپنا سے بغل اپنی نکلے گا وہ سفید بغیر کسی بیماری کے

اٰیَةً اُخۡرٰی ﴿۲۲﴾ لِنُرِیَكَ مِنۡ اٰیٰتِنَا الۡكُبۡرٰی ﴿۲۳﴾ اِذۡهَبۡ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ

بطور نشانی دوسری کے (۲۲) تا کہ دکھائیں ہم آپکو سے نشانیوں اپنی بڑی (۲۳) جا طرف فرعون کے

اِنَّهٗ طَغٰی ﴿۲۴﴾

تحقیق اس نے سرکشی کی ہے (۲۴)

ع ۲۴ ۱۰

بامحاورہ ترجمہ: ۔ اور اپنا ہاتھ اپنی بغل سے ملالے وہ بغیر کسی بیماری کے سفید ہو کر نکلے گا، یہ دوسری نشانی ہے۔(۲۲) تا کہ ہم آپ کو بڑی نشانیاں دکھائیں۔(۲۳) جائیں فرعون کی طرف کہ اس نے بہت سرکشی کی ہے۔(۲۴)

تفسیر

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ: اپنا ہاتھ بغل میں رکھ لے انہوں نے رکھ لیا، پھر جو نکالا تو سفید ہو کر نکلا، یہ کسی بیماری (برص) کی وجہ سے نہیں بلکہ معجزہ کے طور پر ہے، پھر فرمایا: یہ آپ کو دوسرے نشانی عطا کی گئی، اس کے بعد اور بھی بڑی بڑی نشانیاں دکھائی جائیں گی، پھر ارشاد ہوا کہ: اب فرعون کے پاس جائیں اس نے بہت سرکشی کر رکھی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی درخواست (۱)

قَالَ رَبِّ اشۡرَحۡ لِیۡ صَدۡرِیۡ ﴿۲۵﴾ وَ یَسِّرۡ لِیۡۤ اَمۡرِیۡ ﴿۲۶﴾ وَاحۡلُلۡ

کہنے لگا اے میرے رب! کھول دے لیے میرے سینہ میرا (۲۵) اور آسان کر لیے میرے کام میرے (۲۶) اور کھول دے

عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿۲۷﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴿۲۸﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ

گرہ سے زبان میری (۲۷) تاکہ سمجھ لیں وہ بات میری (۲۸) اور بنادے میرے مددگار سے

اَهْلِيْ ﴿۲۹﴾ هٰرُوْنَ اَخِي ﴿۳۰﴾

گھرانے میرے (۲۹) ہارون بھائی میرا (۳۰)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ موسیٰ نے عرض کیا: اے میرے رب! میرا سینہ کھول دیجئے۔ (۲۵) اور میرا کام آسان فرمادیجئے۔ (۲۶) میری زبان کی گرہ کھول دیجئے۔ (۲۷) تاکہ وہ میری بات سمجھیں۔ (۲۸) اور مجھے میرے گھرانے سے ایک مددگار دیں۔ (۲۹) میرا بھائی ہارون۔ (۳۰)

تفسیر

جب موسیٰ علیہ السلام جان گئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیغمبری عطا فرمائی اور ان کے ذمہ ایک بہت بڑا کام لگایا تو اس راستے کی تمام مشکلیں ان کے سامنے آ گئی، جن سے نمٹنے کے لئے آپ نے اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کی، عرض کیا: اے میرے پروردگار! میرا سینہ کھول دے تاکہ اس میں کوئی گھٹن یا تنگی باقی نہ رہے، اے میرے اللہ! میرے اندر حلم، بردباری، اور برداشت کی قوت پیدا فرما، تاکہ میں اس راستے میں آنے والی تمام مشکلوں پر قابو پاسکوں آپ جان چکے تھے کہ دین کی تبلیغ کے سلسلے میں مختلف قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑیگا اور بہت سی طبیعت کے خلاف چیزیں بھی سامنے آئیں گی جن کو برداشت کرنے کے لئے ہمت اور حوصلے کی ضرورت ہے اور جو کام آپ نے میرے سپرد کیا ہے اس کو میرے لئے آسان فرمادے۔

آگے تیسری دعا کا ذکر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ خاص تھی، آپ کی زبان میں تھوڑی سی اٹکن تھی جسے دور کرنے کے لئے آپ نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! میری زبان کی گرہ کھول دے۔

زبان کی اٹکن کے متعلق مفسرین دو مختلف وجہیں بیان کرتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ: موسیٰ علیہ السلام کی زبان

میں پیدائشی طور پر لکنت تھی جسکی وجہ سے اٹکن پیدا ہوگئی تھی، تاہم عام طور پر مفسرین ایک دوسری وجہ بیان کرتے ہیں کہ فرعون بڑا مغرور تھا، اسے اپنے مال پر بڑا گھمنڈ تھا، زیب وزینت کا ہر سامان استعمال کرتا تھا، ہیرے اور موتی پہنتا تھا اور داڑھی کی خوبصورتی کے لئے اس پر سونے کی افشاں، یعنی: چمکیلی لگا تا تھا، ایک دفعہ موسیٰ علیہ السلام بچپن میں فرعون کے پاس کھیل رہے تھے کہ اچانک انہوں نے فرعون کی داڑھی میں ہاتھ مار دیا، جس سے داڑھی کا بناؤ سنگھار خراب ہوگیا، فرعون نے اس حرکت کو اپنی توہین سمجھا، اور بچے کو قتل کرنا چاہا مگر اس کی ایمان والی بیوی آسیہ نے کہا کہ یہ تو بچہ ہے، بھلا! اس کو کیا پتہ ہے، جب فرعون نے اپنی بات پر زور دیا تو بیوی نے ایک ترکیب نکالی، کہنے لگی اگر بچے کے شعور کا امتحان لینا ہے تو اس کے سامنے ایک تھال میں ہیرے جواہیرات رکھ دو اور دوسرے میں جلتے ہوئے کوئلے ڈال دو، اور پھر دیکھو بچہ کونسی چیز کو پسند کرتا ہے فرعون کو بیوی کی یہ تجویز پسند آئی اور اس نے یہ تجربہ کرنے کا فیصلہ کیا، موسیٰ علیہ السلام کے سامنے دونوں تھال رکھ دیئے، موسیٰ علیہ السلام نے انگارا منہ میں ڈال لیا زبان جل گئی، اور اس میں لکنت آگئی جو آپ کی اٹکن کا باعث بنی، تاہم فرعون کی سمجھ میں بات آگئی اور اس نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ چھوڑ دیا۔

آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! میرا سینہ کھول دے، میری زبان کی لکنت ختم کرے، تاکہ وہ میری بات کو سمجھ سکیں۔

دوسری خاص دعا جو موسیٰ علیہ السلام نے کی وہ یہ تھی میرے گھر والوں میں سے میرا ایک "وزیر" یا معاون بنا دے میرے بھائی ہارون کو، "وزیر" کا لغوی معنیٰ بوجھ اٹھانے والا ہوتا ہے، "وزیر" چونکہ بادشاہ یا امیر کا معاون بن کر اس کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھاتا ہے؛ اس لئے "وزیر" کہلاتا ہے ہر سربراہ مملکت کے لئے وزیر کا ہونا ضروری ہے کیونکہ وہ اکیلے تمام کام انجام نہیں دے سکتا۔

موسیٰ علیہ السلام کی درخواست (ب)

اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ﴿٣١﴾ وَ اَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ﴿٣٢﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ
مضبوط کردیجئے سے اس قوت میری (۳۱) اور شریک کردیجئے اسے میں کام میرے (۳۲) تاکہ تسبیح کریں ہم آپکی

كَثِيْرًا ﴿٣٣﴾ وَّ نَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿٣٤﴾ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿٣٥﴾ قَالَ
زیادہ (۳۳) اور ہم یاد کریں آپ کو بہت زیادہ (۳۴) تحقیق آپ ہیں ہم کو خوب دیکھنے والے (۳۵) فرمایا

قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿٣٦﴾
تحقیق قبول کی گئی درخواست آپکی اے موسیٰ! (۳۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اس سے میری کمر مضبوط کردیجئے۔ (۳۱) اور اس کو میرے کام میں شریک کردیجئے۔ (۳۲) تاکہ ہم آپکی پاک ذات کا بہت بیان کریں۔ (۳۳) اور آپ کو بہت زیادہ یاد کریں۔ (۳۴) آپ ہمیں خوب دیکھنے والے ہیں۔ (۳۵) فرمایا: اے موسیٰ! آپکی درخواست قبول کی گئی۔ (۳۶)

تفسیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام عرض کررہے ہیں کہ: میری کمر بھائی سے مضبوط کردیجئے اور اس کو میرے کام میں شریک کردیجئے کہ ہم دونوں مل کر آپ کا حکم بجالائیں، اور ایک سے جو کمی رہ جائے اسے دوسرا پوری کردے، اس طرح ایک سے دوسرے کو طاقت پہنچے گی، ہمت بڑھے گی، آپکی حمد و ثنا بھی دل لگا کر ہوسکے گی اور اکٹھے ہو کر آپکی تسبیح کثرت سے کرسکیں گے۔

اے رب! آپ ہمارے حال سے اچھی طرح واقف ہیں جو میرے دل میں تھا وہ عرض کردیا، ارشاد ہوا کہ: اچھا اے موسیٰ! آپ کی درخواست منظور ہے۔

پہلے احسانات

وَ لَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰۤى ﴿۳۷﴾ اِذْ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّكَ مَا

اور البتہ تحقیق احسان کیا ہم نے پر تجھ ایک بار اور (۳۷) جب الہام کیا طرف ماں تیری کے جو

يُوْحٰۤى ﴿۳۸﴾ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ

بتایا جاتا ہے (۳۸) کہ ڈال اس کو میں صندوق پھر ڈال اسے میں دریا پھر ڈال دیگا اسے

الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَ عَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَ اَلْقَيْتُ عَلَيْكَ

دریا پر کنارے لے لے گا اسے دشمن میرا اور دشمن اس کا اور ڈال دی میں نے پر تجھ

مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ۬ وَ لِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ﴿۳۹﴾ اِذْ تَمْشِيْۤ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ وقف لازم

محبت طرف اپنی سے اور تاکہ پرورش کیا جائے تو میری آنکھوں کے سامنے (۳۹) جب چلی بہن تیری پس کہا اس نے

هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰۤى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ

کیا بتادوں تم کو پر عورت ایسی کہ جو سنبھالے اسے پس لوٹا دیا ہم نے تجھے طرف ماں تیری کے تاکہ ٹھنڈی ہو

عَيْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ ۬ؕ وَ قَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَ

آنکھ اس کی اور نہ وہ غمزدہ ہو، اور مار ڈالا تو نے ایک جان کو پس نجات دی ہم نے تجھے سے غم اور

فَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۬ۚ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْۤ اَهْلِ مَدْيَنَ ۬ۙ ثُمَّ جِئْتَ

جانچا ہم نے تجھے اچھی طرح جانچنا پس ٹھہرا تو کئی سال میں والوں مدین پھر آیا تو

عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ﴿۴۰﴾ وَ اصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۚ ﴿۴۱﴾

پر وقت مقرر اے موسیٰ! (۴۰) اور بنایا میں نے تجھ کو لئے اپنے خاص (۴۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے تجھ پر ایک بار اور بھی احسان کیا تھا۔ (۳۷) جب ہم نے تیری ماں کے پاس حکم بھیجا، جو آگے آتا ہے۔ (۳۸) کہ اس کو صندوق میں ڈال، پھر ڈال لے صندوق کو دریا میں، پھر دریا اس کو

کنارے پر لا ڈالے گا، پھر اٹھالے گا اس کو میرا دشمن اور اس کا دشمن اور میں نے اپنی طرف سے تجھ پر اپنی محبت ڈالی تا کہ تو میری آنکھوں کے سامنے پرورش پائے۔(۳۹) جب تیری بہن چلتے چلتے فرعون کے لوگوں تک پہنچی تو ان سے کہا کیا میں تم کو ایسی عورت بتاؤں جو اسے پالے؟ پھر ہم نے تجھ کو تیری ماں کے پاس پہنچادیا، تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی رہے، اور وہ غم نہ کھائے، اور تو نے ایک شخص کو مار ڈالا پھر ہم نے تجھے اس غم سے نکالا اور جانچا ہم نے تجھ کو کئی طرح، پھر تو کئی سال مدین والوں میں ٹھہرا رہا، پھر تو تقدیر سے یہاں آیا، اے موسیٰ!(۴۰) اور میں نے تجھ کو خاص اپنے لئے بنالیا۔(۴۱)

تفسیر

جس زمانے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، اس زمانے میں فرعون نے نجومیوں کے کہنے سے یہ حکم دے رکھا تھا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو اسے قتل کر دیا جائے، موسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کے بعد ان کی والدہ کو ڈر ہوا کہ اگر فرعون کے آدمیوں نے انہیں دیکھ لیا تو وہ اسے مار ڈالیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ایک بات ڈالی، جو ان کے دل میں جم گئی کہ موسیٰ علیہ السلام کو ایک صندوق میں لٹا کر دریا میں چھوڑ دیں، اس دریا کا ایک کنارہ فرعون کے باغ کے پاس سے گزرتا تھا، صندوق بہہ کر اسی کنارے کے ذریعے فرعون کے باغ تک چلا جائے گا، اور اس کو میرا اور اس کا دشمن لے لیگا اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام انہی کے ہاتھوں پلیں گے، اس آیت میں مختصر طور پر یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

آگے ارشاد ہے کہ: ہم نے تیری محبت ہر ایک کے دل میں ڈال دی، تاکہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے پرورش پائے، اور اس کے بعد تیری بہن جسے تیری ماں نے تیرے پیچھے روانہ کیا تھا، چلتے چلتے وہاں پہنچی تو اس نے دیکھا کہ فرعون کے محل میں ایک عورت کی تلاش ہو رہی ہے، جو اس بچے کو دودھ پلائے، کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کسی اور عورت کا دودھ نہیں پی رہے تھے تو موقع دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا کہ میں آپ کو ایک ایسی عورت بتاتی ہوں، جو اس بچہ کی پرورش نہایت ہی اچھے طریقے سے کریگی، چنانچہ آپ کی بہن نے آپ کی والدہ کو لا کر حاضر

کردیا، اور یہ اس لئے کی کہ آپ کی ماں آپ کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرے اور آپ کی جدائی سے غمگین نہ ہو۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جوان ہوئے تو ان کے ہاتھ سے اتفاقاً فرعون کا ایک آدمی مارا گیا، آپ کو اس سے بڑی پریشانی ہوئی تو آپ ڈر کے مارے شہر سے نکل گئے، اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس مدین پہنچادیا، اور وہ وہاں پر تمام پریشانیوں سے آزاد ہو کر رہے، حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کی شادی ایک بیٹی سے کردی، دس سال وہاں رہنے کے بعد واپس ہوئے تو راستے میں آپ کو پیغمبری ملی، ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا قصہ "سورۃ القصص" میں آئے گا۔

تبلیغ کے لئے فرعون کے پاس جانے کا حکم

اِذْهَبْ اَنْتَ وَ اَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَ لَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿۴۲﴾ اِذْهَبَآ

جا تو اور بھائی تیرا ساتھ نشانیوں میری کے اور نہ سستی کرنا میں ذکر میرے (۴۲) دونوں جاؤ

اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۴۳﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ

طرف فرعون کی تحقیق وہ سرکش ہوا (۴۳) پس کہو سے اس بات نرم شاید وہ نصیحت حاصل کرے

اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾

یا ڈرے (۴۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ میری نشانیوں کو لے کر تو اور تیرا بھائی دونوں جاؤ اور میری یاد میں سستی نہ کرنا۔ (۴۲) دونوں فرعون کی طرف جاؤ اس نے بہت سر اٹھایا ہے۔ (۴۳) سو! اس سے نرم بات کہو، شاید وہ سوچے یا ڈرے۔ (۴۴)

تفسیر

جس کام کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو چنا گیا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ میں نے تجھے اپنے لئے، یعنی: اپنا

پیغام پہنچانے کے لئے پیغمبر بنایا تھا اب اس کا وقت آ گیا تھا؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: میں نے جو اپنی نشانیاں آپکو عطا کی ہیں انہیں لے کر آپ اور آپکے بھائی دونوں فرعون کی طرف روانہ ہو جاؤ، اور یاد رکھو کہ! دشمن سے مقابلہ کے وقت کامیابی کا راز میری یاد اور میرا ذکر ہے، اس میں ذرا سستی نہ کرنا، اب تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، اس نے سرکشی اور ظلم پر کمر باندھ رکھی ہے، وہ اپنی قوت اور طاقت پر مغرور ہے، اس سے سلیقے کے ساتھ نرم بات کرنا، ممکن ہے کہ وہ کچھ سوچے یا کچھ اللہ تعالیٰ کا خوف اس کے دل میں آجائے۔

اندیشہ کا اظہار

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿٤٥﴾ قَالَ

بولے اے رب ہمارے! تحقیق ہم ڈرتے ہیں کہ زیادتی کر بیٹھے پر ہم یا جوش میں آجائے (٤٥) فرمایا

لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَ اَرٰى ﴿٤٦﴾

مت ڈرو تم تحقیق میں ساتھ ہوں تمہارے سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں (٤٦)

بامحاورہ ترجمہ:۔ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے کہا اے ہمارے رب! ہم ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر کوئی زیادتی کرے یا آگ بگولہ ہو جائے اور ہماری بات ہی نا مانے؟ (٤٥) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مت ڈرو میں تمہارے ساتھ ہوں، میں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔ (٤٦)

تفسیر

موسیٰ علیہ السلام فرعون کے مزاج سے واقف تھے، عرض کیا: ہم دونوں بھائیوں کو اس کا ڈر ہے کہ شاید وہ مغرور آدمی ہمیں بری طرح ستائے یا قتل کرا ڈالے، یا غصے میں آکر ہماری بات ہی نہ سنے؟ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو درحقیقت اپنی جان کا خوف نہیں تھا بلکہ اس بات کا خوف تھا کہ اگر اس نے ہمیں قتل کرا دیا، یا غصہ میں آکر ہماری بات ہی نہ سنی تو دین کی تبلیغ کا کام ہی ختم ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس بات سے مت ڈرو، میں ہر دم

تمہارے ساتھ ہوں، تمہاری ہر بات سنتا ہوں اور ہر کام دیکھتا ہوں، تمہاری اور فرعون کی جو گفتگو ہوگی، وہ سب سن رہا ہوں گا، تمہارے ساتھ جو وہ برتاؤ کرے گا اسے میں دیکھ رہا ہوں گا، تم بے فکر رہو اور بے دھڑک تبلیغ کا کام کرو، اللہ کے نیک بندے اپنی کمزوریوں پر نظر کر کے مشکلوں میں اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرتا ہے۔

بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ

فَأْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۵

سو تم جاؤ اسکے پاس کہو کہ ہم دونوں پیغمبر ہیں رب تیرے کے پس بھیج دے ساتھ ہمارے بنی اسرائیل کو

وَ لَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَ السَّلٰمُ عَلٰى

اور مت دکھ دے انہیں تحقیق آئے ہیں ہم تیرے پاس نشانی لے کر سے رب تیرے کی اور سلامتی پر

مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾

اس جو پیروی کرے سیدھی بات کی (۴۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ سو! اس کے پاس جاؤ اور کہو ہم دونوں تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں، سو! ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے اور ان کو مت ستا، ہم تیرے پاس تیرے رب کی نشانی لے کر آئے ہیں اور سلامتی ہو اس کی جو سیدھی راہ پر چلے۔ (۴۷)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: دل سے خوف اور خطرہ دور کرو، فرعون کے پاس بے دھڑک جاؤ وہ تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتا، میں تمہارے ساتھ ہوں، اور اس سے کہو کہ ہم دونوں تیرے رب کے بھیجے ہوئے پیغمبر ہیں بنی اسرئیل پر ظلم وستم نہ کر ان کو تو نے بدترین غلامی میں مبتلا کر رکھا ہے انہیں آزاد کر، یاد رکھ کہ! سلامت وہی بچیں گے جو سیدھی اور

صاف بات کو سنکر مان لیں گے۔

سوال وجواب

اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ﴿٤٨﴾

تحقیق وحی کی گئی ہے طرف ہماری کہ عذاب پر اس جو جھٹلائے اور منہ پھیرے (۴۸)

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿٤٩﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ

کہا پھر کون ہے رب تمہارا اے موسیٰ! (۴۹) کہا رب ہمارا وہ ہے جس نے عطا کی ہر

شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿٥٠﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿٥١﴾

چیز کو بناوٹ اسکی پھر راہ سجھائی (۵۰) بولا پس کیا حال ہے امتوں پہلی کا (۵۱)

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَ لَا يَنْسَى ﴿٥٢﴾

کہا علم ان کا پاس رب میرے میں کتاب نہیں غلطی کرتا رب میرا اور نہ بھولتا ہے (۵۲)

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ سَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا

وہ جس نے بنادیا لیے تمہارے زمین کو بچھونا اور چلادیا لیے تمہارے میں اس راستے

بامحاورہ ترجمہ: ہمیں وحی کی گئی ہے کہ عذاب اس پر ہے جو جھٹلائے اور منہ پھیرے۔ (۴۸) فرعون بولا: اے موسیٰ! پھر تم دونوں کا رب کون ہے؟ (۴۹) موسیٰ نے کہا: ہمارا رب وہ ہے، جس نے ہر چیز کو اس کی صورت دی، پھر راہ سجھائی۔ (۵۰) فرعون بولا: پھر کیا حال ہے ان پہلی جماعتوں کا؟ (۵۱) موسیٰ نے کہا: ان کا علم میرے رب کے پاس لکھا ہوا موجود ہے، میرا رب نہ بہکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔ (۵۲) میرا رب وہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنادیا اور اس میں تمہارے لیے راستے چلائے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ہمیں وحی کے ذریعہ بتادیا گیا ہے کہ جس شخص نے ہمارا کہنا نہ مانا اور ہماری طرف سے منہ

پھیر لیا، اس کے لیے عذاب، دکھ اور درد ہے، یہ پیغام لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام فرعون کے پاس گئے اور اس سے یہ سب کچھ کہہ دیا، باتیں ایسی تھیں، جنہیں ہر سمجھ دار سن کر مان لے گا، لیکن اسے دھن یہ تھی کہ لوگ مجھے ہی اپنا رب سمجھیں، اس نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تم اپنا رب کسے کہتے ہو؟ جس کے بھیجے ہوئے تم میرے پاس آئے ہو، رب تو میں ہوں (معاذ اللہ) کہ ان سب پر پورا اختیار رکھتا ہوں، فرمانبر داروں کو خوش کرتا ہوں، نافرمانوں کو کڑی سزا دیتا ہوں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا، ہمارا رب وہی ہے، جس نے ہر چیز کو اس کے مناسب الگ الگ شکل صورت اور سمجھ عطا فرمائی، اور پھر اس کو بتایا کہ وہ اپنی روزی اور اپنے فائدہ کی چیزیں کیسے حاصل کرے؟ اور کہاں سے حاصل کرے؟ اور ان کا کس طرح استعمال کرے؟ ہر ایک کو رہنے سہنے، کھانے پینے کا طریقہ سکھایا۔

انسان کے علاوہ دوسرے جانداروں، چرند پرند، کیڑے مکوڑے غرضیکہ ہر جاندار کے لئے ایک مکمل نظام حیات اس کے جسم کے اندر ہی موجود ہے، جب یہ نظام بگڑ جاتا ہے تو اس کی زندگی ختم ہو جاتی ہے، اسی طرح نباتات کی بھی اپنی زندگی ہے، اللہ تعالیٰ نے درختوں اور پودوں کو کیسی کیسی شکل وصورت عطا کی ہے، پھلوں اور پھولوں کے لاتعداد رنگ ان کی مختلف خوشبوئیں اور ذائقے، ان کی مختلف خاصتیں اور تاثیریں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عجیب نمونہ ہیں، اللہ نے ان تمام چیزوں کو پیدا کیا، اور انسانوں کو ان سے فائدے حاصل کرنے کا راستہ بھی بتلا دیا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ تعارف اور اس کی صفات سن کر فرعون سے اور تو کچھ نہ بن پڑی، تاہم اس نے بات کو بدلتے ہوئے سوال کیا: اے موسیٰ! بھلا! یہ تو بتاؤ کہ جو پہلی قومیں تمہارے پروردگار پر یقین نہیں رکھتی تھیں، ان کا کیا حال ہوا؟ کیا وہ سارے کے سارے بیوقوف تھے؟ جو تمہارے نظریے پر یقین نہیں رکھتے تھے، موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: اس سوال کا جواب تو میرے رب کے پاس کتاب میں موجود ہے، کتاب سے مراد "لوح محفوظ" ہے کہ ہر چیز وہاں لکھی ہوئی موجود ہے۔

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے اللہ تعالیٰ کی کچھ اور صفتیں بیان کیں اور فرمایا کہ: میرا پروردگار وہ ہے جو نہ بھٹکتا ہے اور نہ بھولتا ہے اللہ تعالیٰ بھٹکنے اور بھولنے سے پاک ہے وہ اپنے ارادہ کے مطابق جو کام جس وقت کرنا پسند کرتا ہے کر لیتا ہے نہ تو اس کو کوئی اس راستے سے بہکا سکتا ہے اور نہ اس پر بھول کا اثر ہوتا ہے کہ وہ ارادہ کر کے بھول جائے، لہٰذا اس کے تمام کام اس کی حکمت کے مطابق اپنے وقت پر ہوتے ہیں۔

پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو گہوارہ بنایا، جس طرح بچہ گہوارہ میں آرام کرتا ہے اسی طرح زمینی مخلوق زمین پر سکون حاصل کرتی ہے۔

اللہ کی نشانیاں

وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ

اور اتارا سے آسمان پانی پس نکالی ہم نے سے اس قسمیں کی سبزی

شَتّٰى ﴿۵۳﴾ كُلُوْا وَ ارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي

مختلف (۵۳) کھاؤ اور چراؤ مویشیوں اپنے کو تحقیق میں اس ضرور نشانیاں ہیں لیے والوں

النُّهٰى ﴿۵۴﴾ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ ع ۲ ۱۱

عقل کے (۵۴) سے اسی پیدا کیا ہم نے تمہیں اور میں اسی لوٹاتے ہیں تمہیں اور سے اسی نکالیں گے تم کو

تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۵﴾

بار دوسری (۵۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور آسمان سے پانی اتارا، پھر اس سے ہم نے طرح طرح کی سبزی نکالی۔ (۵۳) کھاؤ اور چراؤ اپنے مویشیوں کو، البتہ اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے۔ (۵۴) اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا، اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے اور اسی سے تم کو دوسری بار نکالیں گے۔ (۵۵)

تفسیر

انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کا اقرار کرنا اور اس کو اپنا رب مان لینا کچھ زیادہ مشکل نہیں، سیدھی سادھی سمجھ والا انسان ذرا سے غور سے سمجھ لے گا کہ آخر یہ سب چیزیں کس نے بنائیں اور انسان کو ان سے کام لینے کی طاقت کس نے دی؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون سے کہہ رہے ہیں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، زمین کو فرش کی طرح بچھایا، چلنے پھرنے کے لیے راستے بنادیئے، اور پھر آسمان سے پانی برسایا، اور اس کے ذریعے زمین سے غلے سبزیاں وغیرہ پیدا کیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یہ سب چیزیں ہم نے پیدا کیں، اور اس لیے پیدا کیں کہ تم ان کو کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ عقلمندوں کے لیے ان باتوں میں نشانیاں موجود ہیں، جنہیں دیکھ کر وہ ہمیں پہچان سکتے ہیں، یادرکھو! تمہیں زمین ہی سے ہم نے بنایا، پھر اسی میں مرنے کے بعد پہنچادیں گے، اور دوبارہ اسی میں سے زندہ کر کے اٹھادیں گے۔

فرعون کی ہٹ دھرمی

وَ لَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَ اَبٰى ﴿٥٦﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا

اور البتہ تحقیق دکھادیں ہم نے اسکو نشانیاں اپنی سب پس جھٹلایا اس نے اور انکار کردیا (۵٦) بولا کیا آیا تو ہمارے پاس

لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٥٧﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ

کہ نکالے تو ہم کو سے ملک ہمارے ساتھ جادو اپنے اے موسیٰ! (۵۷) پس لائیں گے ہم بھی تیرے سامنے ایک جادو

مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَ

اسی جیسا پس ٹھہرالے تو درمیان ہمارے اور درمیان اپنے ایک وقت ملنے کا کہ نہ خلاف کریں اس کے ہم اور

لَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿٥٨﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَ

نہ تو ایک جگہ ہموار میں (۵۸) کہا وعدہ تمہارا دن جشن کا ہے اور

اَنْ یُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًی﴿۵۹﴾ فَتَوَلّٰی فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ کَیْدَہٗ

یہ کہ اکٹھے کیے جائیں گے　لوگ　دن چڑھے (۵۹)　پس منہ موڑا　فرعون نے　پھر اکٹھا کیا　داؤ اپنے کو

ثُمَّ اَتٰی﴿۶۰﴾ قَالَ لَہُمْ مُّوْسٰی وَیْلَکُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَی اللّٰہِ

پھر　آیا (۶۰)　کہا　سے ان　موسیٰ نے　شامت تمہاری　نہ　گھڑو　پر　اللہ کے

کَذِبًا فَیُسْحِتَکُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَ قَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰی﴿۶۱﴾

جھوٹ　پس ہلاک کردے گا تم کو　سے عذاب　اور بے شک　ناکام رہا　وہ جس نے　جھوٹ باندھا (۶۱)

فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَہُمْ بَیْنَہُمْ وَ اَسَرُّوا النَّجْوٰی﴿۶۲﴾ قَالُوْٓا اِنْ ہٰذٰنِ

پس جھگڑے کیے جائیں گے　میں کام اپنے　آپس میں　اور چھپ کر کیا　مشورہ　(۶۲)　بولے　تحقیق　یہ دونوں

لَسٰحِرٰنِ یُرِیْدٰنِ اَنْ یُّخْرِجٰکُمْ مِّنْ اَرْضِکُمْ بِسِحْرِہِمَا وَ

جادوگر ہیں　چاہتے ہیں　کہ　نکال دیں تمہیں　سے　سرزمین تمہاری　سے جادو اپنے　اور

یَذْہَبَا بِطَرِیْقَتِکُمُ الْمُثْلٰی﴿۶۳﴾ فَاَجْمِعُوْا کَیْدَکُمْ ثُمَّ ائْتُوْا

چلتا کردیں　طریقہ تمہارا　بہترین　(۶۳)　پس اکٹھا کرو　داؤں کو اپنے　پھر　آگے آؤ

صَفًّا ۚ وَ قَدْ اَفْلَحَ الْیَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰی﴿۶۴﴾

صف باندھ کر　اور　بیشک　کامیاب ہوگا　آج　جو　غالب ہوگا (۶۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے فرعون کو اپنی سب نشانیاں دکھادیں، پھر اس نے جھٹلایا اور نہ مانا۔ (۵۶) فرعون بولا: اے موسیٰ! کیا ہم کو تو ہمارے ملک سے جادو کے زور سے نکالنے آیا ہے۔ (۵۷) سو! ہم بھی تیرے مقابلہ میں ایک ایسا ہی جادو لائیں گے، سو! ہمارے اور اپنے بیچ میں ایک وعدہ ٹھہرالے، نہ اس کے خلاف ہم کریں، اور نہ تو، ایک صاف میدان میں ہم سب جمع ہوجائیں۔ (۵۸) موسیٰ نے کہا تمہارا وعدہ جشن کا دن ہے، اور یہ کہ لوگ دن چڑھے جمع ہوں۔ (۵۹) پھر فرعون الٹا پھرا اور اپنے سارے داؤ جمع کیے، پھر آیا۔ (۶۰) موسیٰ نے ان سے کہا: کم بختو! اللہ پر جھوٹ نہ بولو، پھر تم کو کسی عذاب سے تباہ و برباد کردے، اور جس نے جھوٹ باندھا، وہ برباد

ہوا۔(٦١) پھر آپس میں اپنے کام پر جھگڑنے لگے اور چھپ کر مشورہ کیا۔(٦٢) بولے یہ دونوں جادوگر ہیں، چاہتے ہیں کہ تمہیں اپنے جادو کے زور سے تمہارے ملک سے باہر نکال دیں، اور تمہارے اچھے خاصے طریقے کو ختم کر دیں۔(٦٣) پھر اپنی تدبیر مقرر کرلو اور قطار باندھ کر آؤ اور آج وہ جیتے گا جو اپنے داؤ میں اونچا رہے گا۔(٦٤)

تفسیر

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ: ہم نے فرعون کو موسیٰ علیہ السلام کے معجزے اور سب قسم کی نشانیاں دکھادیں، لیکن وہ ان سب کو کھیل تماشا سمجھتا رہا، اور ہماری بات ماننے سے انکار کر دیا، کہا تو یہ دکھا کر چاہتا ہے کہ لوگ ہماری طرف سے منہ موڑ کر تیری طرف جھک جائیں، اور تو ہمیں نکال کر خود بادشاہ بن بیٹھے، ہم بھی تیرے مقابلے میں جادو کا انتظام کرتے ہیں، ہمارے تیرے درمیان ایک وعدہ ٹھہر جائے کہ فلاں وقت کھلے میدان میں سب کے سامنے ہمارا اور تیرا مقابلہ ہوگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے کہ یہ نادان اللہ کے مقابلہ میں کچھ نہیں کرسکتا، بے ساختہ جواب دیا کہ تمہارے جشن کا دن آنے والا ہے، اسی دن صبح جب سورج خوب روشن ہوجائے، مقابلہ ٹھیک رہے گا، فرعون یہ سن کر مجلس سے اٹھ گیا، اور مقابلہ کی تیاری کرنے لگا، اپنے ملک کے سارے جادوگروں کو جمع کرنے کا حکم دیا، اور پھر ان کو لے کر مقرر وقت پر آ پہنچا، اپنی طرف سے تیاری میں کوئی کسر نہ چھوڑی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا: دیکھو! اللہ کی باتوں کو جھوٹ مت سمجھو، اللہ کے حکم کے خلاف چلنا، اس پر جھوٹ کا الزام لگانا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی سزا میں وہ عذاب بھیج کر تمہیں ہلاک کر دے، جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ اللہ کی باتیں جھوٹی ہیں (نعوذ باللہ) وہ آخرکار ناکام ہوتا ہے اور منہ کی کھاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت سن کر لوگوں میں اختلاف پیدا ہوگیا، کسی نے کہا: یہ جادوگر ہے، کسی نے کہا: جادوگر ایسے نہیں ہوسکتے، آخر تنہائی میں مشورہ کیا، فرعون کی رائے ماننے پر مجبور ہوئے، طے پایا کہ یقیناً یہ دونوں

جادوگر ہی ہیں، اور تمہیں نکال کر خود بادشاہ بن کر بیٹھنا چاہتے ہیں، اور تمہارا طریقہ جو سب سے اچھا ہے، مٹا کر اپنا نیا طریقہ قائم کرنا چاہتے ہیں، تمہارے لیے یہی راستہ ہے کہ اپنا انتظام کرو، اور سارے کرتب داؤ اور تدبیریں اکٹھی کرلو اور سب اتفاق کر کے اس کا مقابلہ کرو، آج کا مقابلہ سخت ہے، جو غالب رہیگا، اس کا بول بالا رہیگا۔

مقابلہ

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِیَ وَ اِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى﴿۶۵﴾

بولے اے موسیٰ یاتو یہ کہ توڈالے اور یا یہ کہ ہم ہوں پہلے جو ڈالیں(٦٥)

قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِیُّهُمْ یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ

کہا بلکہ تم ہی ڈالو پس اچانک رسیاں ان کی اور لاٹھیاں ان کی خیال میں آئیں اس کے سے

سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى﴿۶۶﴾

جادوان کے کہ وہ دوڑ رہی ہیں(٦٦)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جادوگروں نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ یا تو آپ پہلے اپنی لاٹھی ڈال دیں یا پھر ہم پہل کریں۔(٦٥) موسیٰ نے کہا: نہیں! بلکہ تم ہی ڈالو، پھر اچانک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو سے اس کے خیال میں آئیں کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔(٦٦)

تفسیر

فرعون نے جادوگروں کی ہمت بڑھائی تو وہ آ گئے چونکہ معلوم ہو چکا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی لاٹھی زمین پر پھینک دیتے ہیں اور وہ زمین پر گرتے ہی "اژدہا" بن جاتی ہے؛ اس لیے وہ بھی رسیاں اور لاٹھیاں لے کر ہی مقابلے میں آئے تھے، موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ: بولو! تم پہلے لاٹھی ڈالتے ہو یا ہم پہلے ڈالیں، مطلب یہ تھا کہ مقابلہ کی ابتدا کس کی طرف سے ہو، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ تم ہی پہلے ڈالو، اس پر انہوں نے اپنی لاٹھیاں

اور رسیاں زمین پر پھینکیں تو موسیٰ علیہ السلام کو ایسا خیال ہونے لگا کہ زمین سانپوں سے بھر گئی ہے اور وہ اِدھر اُدھر دوڑتے پھر رہے ہیں، لیکن یہ صرف نظر بندی کا کھیل تھا واقعہ میں سانپ وغیرہ کچھ نہ تھے، لیکن جادوگروں نے خیال کو تھوڑی دیر کے لیے دوسروں پر غالب کرنے کی مشق کر رکھی تھی۔

موسیٰ علیہ السلام کا اندیشہ

فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿٦٧﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ

پس! پایا میں جی اپنے ڈر موسیٰ نے (٦٧) کہا ہم نے مت ڈر بے شک آپ ہی

الْاَعْلٰى ﴿٦٨﴾ وَ اَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا

اونچے رہیں گے (٦٨) اور ڈال دے جو میں تیرے دائیں ہاتھ نگل جائیگا وہ جو انہوں نے بنایا تحقیق جو بنایا انہوں نے

كَيْدُ سٰحِرٍ ؕ وَ لَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿٦٩﴾

فریب ہے جادوگر کا اور نہیں کامیاب ہوتا جادوگر جہاں آئے (٦٩)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر موسیٰ نے اپنے جی میں ڈر محسوس کیا۔(٦٧) ہم نے کہا: مت ڈریے، یقیناً آپ ہی غالب رہیں گے۔(٦٨) اور ڈال دیجیے جو آپ کے دائیں ہاتھ میں ہے کہ نگل جائے گا جو کچھ انہوں نے بنایا، ان کا بنایا ہوتو جادوگر کا فریب ہے اور جادوگر جہاں بھی حق کے مقابلے میں آئے کامیاب نہیں ہوگا۔(٦٩)

تفسیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ عطا فرمایا تھا کہ لاٹھی زمین پر پھینکتے تھے تو وہ "اژدہا"، یعنی: ناگ بن جاتا تھا، اس وقت جو جادوگروں کی نظر بندی سے ہر طرف سانپ ہی سانپ نظر آنے لگے تو انہیں اندیشہ یہ ہوا کہ میں لاٹھی پھینکوں گا تو وہ سانپ بن جائے گی، لوگ کیسے فرق کریں گے کہ یہ معجزہ کا سانپ ہے اور وہ جادو کے سانپ ہیں تو موسیٰ علیہ السلام کو دل میں اس بات کا خوف ہوا کہ اس طرح حق واضح نہیں ہوگا، اس وقت حضرت موسیٰ

علیہ السلام کی طرف وحی ہوئی کہ اس اندیشہ کو دور کر دیجئے آپکی لاٹھی فقط سانپ ہی نہ بنے گی، بلکہ اس سے بہت زیادہ کرشمہ دکھائے گی، اور آپ یقیناً ان سب پر غالب رہیں گے، وہ لاٹھی ان سب سانپوں کو نگل جائے گی یہ سانپ نہیں ہیں فقط جادو کا ایک کرتب ہے، جادو سے چیز کی اصلیت نہیں بدلتی، بلکہ اس کی ایک خیالی صورت کچھ اور بن جاتی ہے آپ کی لاٹھی تو خیالی سانپ نہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزہ ہے، جادوگروں کے فریب تو تھوڑی دیر میں مٹ جایا کرتے ہیں اور ان کو آخری کامیابی نصیب نہیں ہوا کرتی، آپ ڈریئے نہیں! یہ آپ سے جیت نہیں سکتے بلکہ آپ ہی اوپر رہیں گے۔

جادوگر مان گئے

فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰى ﴿٧٠﴾

پس ڈال دیئے گئے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے بولے ایمان لائے ہم پر رب ہارون اور موسیٰ کے (۷۰)

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ

بولا ایمان لائے تم پر اس پہلے اس کے کہ میں اجازت دوں تمہیں بے شک یہی بڑا تمہارا جس نے سکھایا تمہیں جادو

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر جادوگر سجدہ میں گر پڑے، بولے: ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لائے۔

(۷۰) فرعون بولا: تم نے میرے حکم دینے سے پہلے ہی اسے مان لیا، پس معلوم ہوا یہی تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو جادو سکھایا۔

تفسیر

اللہ کا حکم پاتے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل سے سارے اندیشے جاتے رہے اور انہوں نے اپنی لاٹھی

زمین پر ڈال دی، وہ "اژدہا" بن کر سب لاٹھیوں اور رسیوں کو جو جادوگروں نے زمین پر ڈالیں تھیں نگل گیا، جادوگروں نے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تقریر سن کر پہلے ہی دل میں فیصلہ کرلیا تھا کہ یہ شخص جادوگر نہیں ہوسکتا، اس کے خیالات بالکل نرالے ہیں، اب جو اتنا بڑا کرشمہ دیکھا تو سب کے سب سجدہ میں گر پڑے اور انہوں نے کہا کہ ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لائے۔

فرعون نے دیکھا یہ تو کام ہی بگڑ گیا، جھلا کر کہا: میری اجازت سے پہلے ایمان لانے کے کیا معنیٰ، ضرور تم موسیٰ کے ساتھ سازش میں شریک ہو، اور یہ تمہارا بڑا معلوم ہوتا ہے، جس سے تم نے جادو سیکھا ہے، اور تم نے سازش کر کے اس کے سامنے اپنی ہار مان لی ہے، اب تم اس سے مل کر میرے خلاف بغاوت کرنا چاہتے ہو، دوسرے لوگوں پر اثر ڈال کر انہیں بھی ورغلانا چاہتے ہو۔

سزا کی دھمکی

فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيۡدِيَكُمۡ وَ اَرۡجُلَكُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ وَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمۡ

پس ضرور کٹواؤں گا | ہاتھ تمہارے | اور | پاؤں تمہارے | سے | مخالف طرف | اور | البتہ سولی دوں گا تمہیں

فِىۡ جُذُوۡعِ النَّخۡلِ ۡ وَ لَتَعۡلَمُنَّ اَيُّنَاۤ اَشَدُّ عَذَابًا وَّ اَبۡقٰى ﴿۷۱﴾

میں | تنوں | کھجور کے | اور | البتہ جان لوگے تم | کون سا ہم میں | زیادہ سخت ہے | عذاب دینے میں | اور دیر تک باقی رکھنے میں (۷۱)

قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الۡبَيِّنٰتِ وَ الَّذِىۡ فَطَرَنَا

بولے | ہرگز نہ ترجیح دیں گے ہم تجھے | پر | اس جو آئی ہمارے پاس | سے | دلیلوں | اور | اس پر جس نے | بنایا ہمیں

فَاقۡضِ مَاۤ اَنۡتَ قَاضٍ ؕ

پس فیصلہ کر | جو | تو | فیصلہ کرنے والا ہے

بامحاورہ ترجمہ: سو! اب کٹواؤں گا تمہارے ہاتھ اور دوسرے طرف کے پاؤں، اور سولی دوں گا تم کو کھجوروں کے تنوں پر اور جان لوگے ہم میں کس کا عذاب سخت اور دیر تک رہنے والا ہے۔ (۷۱) وہ بولے ہم تجھ کو

اس صاف دلیل سے جو پہنچی اور اس سے جس نے ہمیں پیدا کیا زیادہ نہ سمجھیں گے، سو! تجھے جو کرنا ہے کر گزر۔

تفسیر

فرعون جادوگروں کے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے سخت جھلا یا اور کہا کہ تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کٹوا کر گلے میں پھندا ڈال کر کھجوروں کے درختوں پر لٹکا دونگا اور تمہیں اچھی طرح ابھی معلوم ہو جائے گا کہ میرا عذاب زیادہ سخت اور دیر پا ہے، یا موسیٰ کے رب کا جس پر تم ایمان لائے ہو، جادوگروں کو یقین ہو چکا تھا کہ یہ جادو کا کھیل نہیں ہو سکتا، بے شک موسیٰ علیہ السلام بھی سچے اور ان کا رب بھی سچا، فرعون گمراہ اور نادان ہے، ایک زبان ہو کر بولے کہ ہم تو صاف اور روشن نشانی دیکھ چکے۔

حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ: جب جادوگر سجدہ میں گرے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے بلند مقامات اور نعمتیں آنکھوں سے دکھائیں جو ان کو ملنے والی تھی، انہوں نے اس کو دیکھ کر فرعون کو کہا کہ ہم کھلی نشانیوں کے ہوتے ہوئے تیری بات نہیں مان سکتے۔

ہمارا رب تو وہی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کا رب ہے ایسی صاف نشانی اور ایسے زبردست رب کے سامنے ہم تیری نہیں سن سکتے، ہم تیری دھمکیوں میں آنے والے نہیں، ہمارا فیصلہ اٹل ہے جو تیرا جی چاہے کر اور جو سزا چاہے دے ہمیں پروا نہیں۔

صاف جواب

اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٧٢﴾ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ

اس کے سوا کچھ نہیں کہ تو خاتمہ کردے گا اسی زندگی دنیا کی کا (۷۲) تحقیق ہم ایمان لائے پر رب اپنے کہ بخشے وہ

لَنَا خَطٰيٰنَا وَ مَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَ اللّٰهُ

لیے ہمارے خطائیں ہماری اور جو زبردستی کی تو نے پر اس کے سے جادو سے اور اللہ

خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴿۷۳﴾

بہتر ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا (۷۳)

بامحاورہ ترجمہ: تو جو کچھ کرے گا اس دنیا کی زندگی میں ہی کرے گا۔ (۷۲) ہم تو اپنے رب پر ایمان لائے تا کہ وہ ہمارے گناہ اور وہ جو تو نے زبردستی ہم سے جادو کرایا بخش دے اور اللہ بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ (۷۳)

تفسیر

فرعون کے بلائے ہوئے جادوگر فرعون کی دھمکیوں کا جواب دلیری کے ساتھ دے رہے ہیں اور حقیقت میں جس کے دل میں ایمان بیٹھ جاتا ہے، وہ کسی دھمکی کی کیا سخت سزا کی بھی پروا نہیں کرتا، جادوگروں نے فرعون سے کہا کہ تمہیں ایک زبردست نشانی دکھا کر ہم پر پوری طرح واضح کر دیا کہ بے شک ہمارا اور سب کا رب اللہ ہے اب تو جو چاہے کر ہم اس سے ہٹنے والے نہیں، تیرا فیصلہ جو بھی ہوگا وہ اسی دنیا کی زندگی تک محدود رہے گا۔

اس کے بعد ہمارا اور سب کا واسطہ فقط اللہ سے ہے؛ اس لیے ہم تجھے کچھ نہیں سمجھتے ہم اسی سے توبہ کرتے ہیں کہ ہم نے اس وقت تک جو گناہ کئے ہیں وہ اپنی مہربانی سے بخش دے، اور تو نے جو ہمیں زبردستی موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں جادو کرنے پر آمادہ کیا، اسے بھی وہ اپنے رحم وکرم سے معاف فرمادے، ہم تو موسیٰ علیہ السلام کی باتیں سنکر ہی سمجھ گئے تھے کہ یہ جادوگر نہیں، اس کے مقابلہ میں جادو نہ چلے گا، اب ہمیں یقین ہوگیا کہ تو کچھ نہیں، اللہ تجھ سے کہیں بڑھ کر ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

دل کی آواز

اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا

بات یہی ہے کہ جو آیا پاس رب اپنے کے گنہگار بن کر پس تحقیق کیلئے اس دوزخ ہے نہ مرے گا میں اس

وَ لَا يَحْيٰى ﴿۷۴﴾ وَ مَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ
اور نہ جیئے گا (۷۴) اور جو آیااس کے پاس مومن بن کر تحقیق کرتا ہو نیک کام

فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿۷۵﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ
پس یہ لوگ کیلئے ان مرتبے ہیں بلند (۷۵) باغ رہنے کے چلتی ہیں سے

ع ۳ ۲۲ ۱۲ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿۷۶﴾
نیچے ان کے نہریں رہا کریں گے میں ان اور یہ ہے بدلہ اس کا جو پاک ہے (۷۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بات یہی ہے کہ جو اپنے رب کے پاس شرک کا گناہ لے کر آیا اس کے لئے دوزخ ہے نہ اس میں مریگا اور نہ جیئے گا۔(۷۴) اور جو اس کے پاس ایمان لے کر آیا نیکیاں کر کے، سو! ان لوگوں کے لیے بلند درجے ہیں۔(۷۵) باغ ہیں بسنے کے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں انہی میں ہمیشہ رہا کریں گے اور یہ اس کا بدلہ ہے جو پاک رہا۔(۷۶)

تفسیر

جادوگر کہہ رہے ہیں: ہم اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ تیرا کہا ماننا حقیقی رب کے سامنے مجرم بننے کے برابر ہے، تیرا انعام یا عذاب ڈھلتی چھاؤں ہے، لیکن اصلی رب کے پاس مجرم کی حیثیت سے جانا ہمیشہ کی تباہی کا ذریعہ ہے، اس کے مجرموں کی سزا دوزخ ہے، جس میں مجرم کو نہ تو موت ہی آئے گی کہ جان عذاب سے چھوٹے، اور نہ ہی زندگی ہوگی کہ جینے کا لطف اٹھائے، دنیا میں جو شخص اپنے اصلی رب کو پہچان لے گا اور اس پر ایمان لے آئے گا، اور نیک کام کرے گا، اس کے مرتبے آخرت میں بہت اونچے ہیں، اس کو ہمیشہ رہنے کے باغ ملیں گے، جن میں نہریں جاری ہوں گی، یہ اس شخص کا بدلہ ہے جو دنیا میں کفر و شرک سے پاک صاف رہا۔

بنی اسرائیل کی فرعون سے نجات

وَ لَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ۬ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ
اور البتہ تحقیق وحی کی ہم نے طرف موسیٰ کی کہ لیکر نکلیں رات کو بندوں میرے کو پس بنا واسطے انکے

طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّ لَا تَخْشٰى ﴿۷۷﴾
راستہ میں سمندر خشک نہ ڈرتے ہوئے پکڑے جانے سے اور نہ خوف کرتے ہوئے (۷۷)

فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾
پس پیچھا کیا ان کا فرعون نے ساتھ لشکروں اپنے کے پس ڈھانپ لیا ان کو سے سمندر جس چیز نے ڈھانپ لیا ان کو (۷۸)

وَ اَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَ مَا هَدٰى ﴿۷۹﴾
اور بہکایا فرعون نے قوم اپنی کو اور نہ راہ سجھائی (۷۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے موسیٰ کو حکم بھیجا کہ میرے بندوں کو رات کو لے نکلیں، پھر ان کے لئے دریا میں خشک راستہ اختیار کریں، نہ خطرہ کریں پکڑے جانے کا اور نہ ڈریں ڈوبنے سے۔ (۷۷) پھر فرعون نے اپنا لشکر لے کر پیچھا کیا، پھر ڈھانپ لیا ان کو پانی نے جیسا کہ ڈھانپ لیا۔ (۷۸) اور فرعون نے اپنی قوم کو بہکایا اور نہیں سمجھایا۔ (۷۹)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ہم نے پھر موسیٰ علیہ السلام کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو راتوں رات لے نکلو، اور مصر سے باہر لے جاؤ، راستہ میں "بحرِ قلزم" آئے گا، اس پر اپنی لاٹھی مارنا پانی پھٹ جائے گا، اور تمہارے گزرنے کے لئے سوکھا راستہ بن جائے گا، اور دل سے یہ بات نکال دو کہ فرعون پیچھا کر کے پکڑ لے گا یا ڈبو دے گا، دیکھو! اللہ کی قدرت سے یہ ہوا کہ سمندر نے راستہ دے دیا، فرعون نے بھی راستہ دیکھ کر اپنے لشکروں سمیت ان کا پیچھا

کیا اور سمندر میں اتر گیا، بنی اسرائیل تو نکل گئے، لیکن فرعون کے لئے سمندر پھر اسی حالت میں آ گیا، اور موجوں کے تھپیڑوں نے فرعون سمیت سب کو ڈبو دیا اور سب ہلاک ہو گئے، آگے ارشاد ہے کہ: فرعون نے اپنے لوگوں کو گمراہ کیا اور ہدایت نہ کی، آخر خود بھی ڈوبا اور ان کو بھی لے ڈوبا۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ میرے بندوں، یعنی: اسرائیلیوں کو لیکر رات کے وقت نکل چلو، اسرائیلیوں کا کسی تہوار میں جانے کا پروگرام پہلے سے طے شدہ تھا، جس کے لئے وہ شہر سے باہر اکٹھے ہوتے تھے، اس پروگرام میں شامل ہونے کے لئے انہوں نے فرعونیوں سے اجازت بھی لے رکھی تھی، اور بعد میں اس موقع کے لئے فرعونیوں سے زیورات بھی عارضی طور پر استعمال کے لئے لے لئے تھے، بنی اسرائیل اپنے تہوار میں شریک ہوئے، اور وہیں پر موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ راتوں رات ان کو لیکر مصر سے نکل جائیں، ان سب کو لیکر موسیٰ علیہ السلام مصر سے چلے گئے، جب بنی اسرائیل سمندر کے کنارے پر پہنچے تو آگے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تسلّی دی کہ دشمن کی طرف سے مت ڈرو، اور نہ پانی میں ڈوب جانے کا خوف کھاؤ (ظاہر ہے کہ اگر پانی میں اترتے ہیں تو ڈوبتے ہیں اور اگر کھڑے رہتے ہیں تو فرعون کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں) لیکن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرئیل کو بچانا تھا اور فرعونیوں کو ڈبونا تھا، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی کو سمندر پر مارو، میں تمہارے لئے سمندر میں راستہ بنادے گا، چنانچہ جونہی موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی ماری، سمندر میں خشک راستہ بن گیا، راستے کے دونوں طرف پانی پہاڑوں کی طرح کھڑا ہو گیا، بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے، اس لحاظ سے بارہ رستوں کا ذکر بھی آتا ہے، اور ہر قبیلہ اپنے اپنے راستے پر چل رہا تھا، لاٹھی کے سانپ بن جانے کی طرح سمندر میں لاٹھی مارنے سے خشک راستہ کا بن جانا بھی ایک معجزہ تھا، جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ظاہر فرمایا۔

بنی اسرائیل ان خشک راستوں پر چل پڑے، جب فرعون کا لشکر پیچھا کرتا ہوا سمندر کے کنارے پر پہنچا، تو اس نے اسرائیلیوں کو سمندر کے بیچوں بیچ چلتے ہوئے پایا، چنانچہ فرعون بھی اپنے لشکروں کو لیکر ان کے پیچھے چل پڑا، یہ لشکر گھوڑوں اور بیل گاڑیوں پر سوار تھا، اس میں شاہی خاندان کے افراد، حکومت کے بڑے لوگ اور باقی عہدیدار بھی شامل تھے، اور لشکر کی تعداد کے متعلق مختلف روایتیں ہیں، تاہم فرعونیوں کی تعداد دس، بارہ لاکھ سے کم

نہ تھی، اس کو ذکر کر کے آپ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کو تسلی دلانا مقصود ہے کہ وہ دشمن سے خوف نہ کھائیں، تکلیف ضرور آئے گی، مگر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے اسی طرح کامیابی عطا کرے گا، جس طرح سخت مصیبتیں جھیلنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو کامیابی حاصل ہوئی۔

جب فرعونی لشکر سمندر کے درمیان میں پہنچا تو اس دوران موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل سمندر پار کر چکے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے پانی کو حکم دیا تو سمندر بہہ پڑا، فرعون اور اس کی قوم ڈوب کر ہلاک ہوگئی، لاکھوں کے لشکر میں ایک شخص بھی زندہ نہ بچا، اس ساری خرابی کا ذمہ دار خود فرعون تھا، وہ ان سے کہتا تھا کہ میں تمہیں ٹھیک راستے پر چلا رہا ہوں، اسی پر چلتے رہو، اور موسیٰ کی بات نہ ماننا، وہ تمہارے طریقے کو مٹانا چاہتا ہے، اور تمہارے باپ دادا کے دین کو ختم کرنا چاہتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا، اور ان کو سیدھی راہ نہ دکھائی، یعنی: نہ خود موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا اور نہ اپنی قوم کو ایمان لانے دیا۔

بنی اسرائیل پر بڑے بڑے احسانات

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ قَدْ اَنْجَیْنٰکُمْ مِّنْ عَدُوِّکُمْ وَ وٰعَدْنٰکُمْ
اے بیٹو　اسرائیل کے!　تحقیق　نجات دی ہم نے تمہیں　سے　دشمن تمہارے　اور وعدہ ٹھہرایا ہم نے تم سے

جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَیْمَنَ وَ نَزَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰی ﴿۸۰﴾
طرف طور　پہاڑ کے　دائیں　اور اتارا ہم نے　پر تم　من　اور　سلویٰ　(۸۰)

کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَ لَا تَطْغَوْا فِیْهِ فَیَحِلَّ
کھاؤ تم　سے　پاکیزہ چیزوں　جو　دیں ہم نے تمہیں　اور　نہ　حد سے بڑھو　میں اس　پس اترے

عَلَیْکُمْ غَضَبِیْ ۚ وَ مَنْ یَّحْلِلْ عَلَیْهِ غَضَبِیْ فَقَدْ هَوٰی ﴿۸۱﴾
پر تم　غضب میرا　اور　وہ　کہ اترا　پر اس　غضب میرا　پس تحقیق　وہ گرا　(۸۱)

بامحاورہ ترجمہ: اے اسرئیل کی اولاد! (اسرائیل یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے جس کے معنی ہیں اللہ کا

بندہ بنی اسرائیل کی پوری قوم حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد تھی اس لئے وہ بنی اسرائیل کہلائی) ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے چھڑایا اور تم پر منّ اور سلوٰی اتارا۔(٨٠) کھاؤ صاف ستھری چیزیں جو روزی ہم نے تمھیں دی اور اس میں زیادتی نہ کرو (اگر زیادتی کروگے) پھر تو تم پر میرا غضب اُتریگا اور جس پر میرا غضب اترا، سو! وہ دوزخ میں گرا۔(٨١)

تفسیر

ان آیتوں میں بنی اسرائیل کو سمجھایا جارہا ہے کہ ہم نے تم پر بڑے بڑے احسان کیے، اول تمہارے جانی دشمن فرعون سے تمہیں چھڑایا، پھر موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور کی دائیں جانب بلایا، تاکہ تمہاری ہدایت کے لیے انہیں "تورات" عطا کریں اور جب تم جنگل بیابان میں بھٹکتے پھر رہے تھے تو تمہارے کھانے کے لیے آسمان سے "منّ وسلویٰ" اتارا، ("مَنّ" ایک قسم کا پتلا حلوہ تھا جو آسمان سے اترتا تھا یہ لوگ اس کو اکٹھا کر کے کھالیتے، جو ان کی بہترین خوراک بنتا تھا، "سلویٰ" بٹیر کی قسم کا ایک پرندہ تھا جو لاکھوں کی تعداد میں ان کے خیموں کے قریب آجاتا تھا اور یہ لوگ اس کو آسانی سے پکڑ کر کھالیتے تھے) اور کہا کہ اب تم ان نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤ، اور اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حد سے آگے نہ بڑھو ذخیرہ مت کرو۔ حرص اور لالچ میں مت پھنسو، ورنہ تم نافرمان لکھے جاؤ گے اور تم پر میرا غضب اترے گا اور جس پر میرا غضب اترا، وہ دوزخ میں گرا۔

وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ: خوارک کا بندوبست کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ، جو ہم نے تمہیں روزی دی ہے، اور اس معاملہ میں سرکشی اختیار نہ کرو، اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدود سے آگے نہ بڑھو، کیونکہ اگر ایسا کروگے تو تم پر میرا غضب اترے گا، یہ نہ سمجھنا کہ خدا کی نعمتوں کی ناقدری کر کے خدا کی کتاب کی توہین کر کے اور بدعملی کا مظاہرہ کر کے تم بچ جاؤ گے نہیں، بلکہ ایسا کر کے میرے غضب کو دعوت دینا ہے اور جس پر میرا غضب اترا، وہ ہلاکت کے گڑھے میں جا گرا، ایسا شخص ذلت اور عذاب سے بچ نہ سکے گا۔

وعدہ کی تشریح

وَ اِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ
اور تحقیق میں بڑا بخشش والا ہوں واسطے اسکے جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور کام کرے نیک پھر

اهْتَدٰی ﴿۸۲﴾ وَ مَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ یٰمُوْسٰی ﴿۸۳﴾ قَالَ هُمْ
وہ ہدایت پر رہے (۸۲) اور کیا چیز جلدی لائی تجھے سے قوم تیری اے موسیٰ! (۸۳) کہا وہ

اُولَآءِ عَلٰٓی اَثَرِیْ وَ عَجِلْتُ اِلَیْكَ رَبِّ لِتَرْضٰی ﴿۸۴﴾
یہ ہے میرے پیچھے اور جلدی کی میں نے طرف آپکی اے رب! تاکہ آپ راضی ہوں (۸۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اس پر میری بڑی بخشش ہے جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک کام کرے پھر راہ پر رہے۔(۸۲) اے موسیٰ! کونسی چیز تجھے اپنی قوم سے جلدی لے آئی۔(۸۳) موسیٰ نے کہا وہ یہ میرے پیچھے آرہے ہیں اور میں اے رب! جلدی آیا آپکی طرف تاکہ آپ رضی ہوں۔(۸۴)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: میری بخشش بھی بہت بڑی ہے مجرم اپنے کیے پر پشیمان ہو، توبہ کرے مجھے سچے دل سے اپنا رب مانے، نیک کام کرے اور پھر اسی سیدھی راہ پر قائم رہے تو میں اس کا قصور معاف کر دیتا ہوں میری رحمت میں کمی نہیں، اس کے بعد اس وعدہ کے پورا کرنے کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور ان کے ذریعہ بنی اسرائیل سے کیا تھا کہ کوہِ طور پر آؤ! ہم تمہاری ہدایت کے لیے کتاب "تورات" عطا کریں گے، اس وعدہ کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل سمیت کوہِ طور پہاڑ کی طرف راونہ ہوئے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے شوق میں ساتھیوں کو پیچھے چھوڑ کر آپ جلدی سے کوہِ طور پر پہنچ گئے۔

ارشاد ہوا کہ: اتنی جلدی کیوں کی کہ ساتھیوں کو پیچھے چھوڑ آئے، عرض کیا کہ میں آپ کی زیادہ رضامندی

حاصل کرنے کے لیے جلدی آگے بڑھ آیا، وہ لوگ بھی میرے پیچھے آرہے ہیں۔

قوم کی گمراہی

قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَ اَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿٨٥﴾

کہا پس تحقیق ہم نے مبتلا کر دیا قوم تیری کو سے بعد تیرے اور بہکایا ان کو سامری نے (٨٥)

فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ

پس لوٹے موسیٰ طرف قوم اپنی کے غضب ناک افسوس کرتے ہوئے کہا اے قوم میری! کیا نہیں

يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۭ

وعدہ کیا تھا تم سے رب تمہارے نے وعدہ اچھا

بامحاورہ ترجمہ:۔ فرمایا: ہم نے تو تیری قوم کو تیرے پیچھے ایک مصیبت میں مبتلا کر دیا اور اور وہ مصیبت یہ ہے کہ سامری نے ان کو بہکا دیا۔(٨٥) پس! موسیٰ اپنی قوم کے پاس غصہ میں بھرے ہوئے افسوس ہوئے کرتے واپس لوٹے، اور کہا اے میری قوم! کیا تم سے تمہارے رب نے اچھا وعدہ نہ کیا تھا۔

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ پر اپنی مقررہ مدت پوری کر چکے اور ”تورات“ انہیں مل گئی، تب اللہ تعالیٰ نے ان کو بتلایا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو تیرے پیچھے ایک آزمائش میں ڈال دیا اور وہ سامری کے بہکاوے میں آ گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام غصہ اور افسوس کی حالت میں قوم کی طرف ”تورات“ لے کر واپس ہوئے اور ان کے حال پر انہیں ملامت کی، اور ان سے کہا کہ کیا تم نہیں جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ”تورات“ دینے کا وعدہ کیا ہے اور میں اس کا بلایا ہوا اسی غرض سے پہاڑ پر گیا ہوا تھا، پھر کیا ایسے مہربان رب کے ایسے اچھے وعدہ پر تمہیں

اعتبار نہیں ہوا۔

غصہ کا اظہار

اَ فَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ
کیا پس لمبی ہوئی پر تمہارے مدت یا ارادہ کیا تم نے کہ اترے پر تمہارے غضب سے
رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿٨٦﴾ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا
رب تمہارے پس خلاف کیا تم نے وعدے میرے کا (٨٦) بولے نہیں خلاف کیا ہم نے وعدے تیرے کے سے اختیار اپنے

بامحاورہ ترجمہ:۔ کیا تم پر جدائی کی مدت لمبی ہوگئی یا تم نے چاہا کہ تمہارے اوپر تمہارے رب کا غضب اترے اس لیے تم نے مجھ سے وعدہ خلافی کی۔(٨٦) بولے ہم نے اپنے اختیار سے وعدہ خلافی نہیں کی۔

تفسیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو سمجھاتے رہتے تھے کہ میرے کہنے پر چلو، تمہیں دین ودنیا کی دولت نصیب ہوگی، عنقریب اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی کتاب عطا فرمائے گا۔ جس کے مطابق چلو گے، تو کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔ خود بنی اسرائیل بھی دیکھ چکے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کہنے پر چلنے سے وہ غلامی جیسی مصیبت سے چھوٹ گئے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو گائے کی پوجا پر ڈانٹ رہے ہیں کہ کیا کوئی بڑی لمبی مدت گذر گئی تھی، جو تم میری نصیحتوں کو بھول گئے، اور اس وعدے کو بھی بھول گئے جو تم نے مجھ سے کیا تھا کہ آپ کی واپسی تک کوئی نیا کام نہیں کریں گے، اور آپکے نائب حضرت ہارون علیہ السلام کا کہنا مانیں گے، تم نے میرے وعدہ کا اعتبار نہ کیا، یا جان بوجھ کر سرکشی پر کمر باندھی اور ایسا خطرناک کام کر بیٹھے کہ جس سے اللہ تعالیٰ کا غضب تم پر نازل ہونے کا اندیشہ ہے، ابھی کوئی مہینہ بھر پہلے تمہیں سمجھا کر گیا ہوں، اللہ تعالیٰ سے تورات لینے طور پہاڑ پر اس کا بلایا ہوا جا رہا ہوں، اتنے سے دنوں میں تم نے میرا کہا بالکل بھلا دیا اور شرک جیسی آفت میں مبتلا ہو گئے۔

اس ڈانٹ سے بنی اسرائیل کی آنکھیں کھلیں اور انہیں اس بات کا احساس ہوا کہ ہاں! ہم سے بڑی غلطی ہوئی، موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہم نے جان بوجھ کر کوئی منصوبہ ایسا نہیں بنایا کہ آپکی باتوں کو رد کر کے اپنا الگ مذہب یا طریقہ بنالیا۔

گناہ کا عذر

وَ لٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ

اور لیکن ہم پر لادا گیا بوجھ سے زینت قوم کی پس ڈال دیا ہم نے اسے پھر اس طرح

اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿٨٧﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا

ڈالا سامری نے (٨٧) پس نکالا واسطے انکے ایک بچھڑا ایک جسم جس کیلئے گائے کی آواز تھی پس کہنے لگے

هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَ اِلٰهُ مُوْسٰى ۬ فَنَسِيَ ﴿٨٨﴾

یہ خدا ہے تمہارا اور خدا ہے موسیٰ کا پس وہ بھول گیا (٨٨)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور لیکن لادا گیا ہم پر فرعون کی قوم کے زیور کا بھاری بوجھ، سو! ہم نے اس کو ہارون کے کہنے پر ایک گڑھے میں ڈال دیا، پھر اسی طرح سامری نے بھی ڈالا۔ (٨٧) پھر بنا کر کھڑا کیا ان کے واسطے ایک بچھڑا جس میں گائے کی آواز تھی، پھر کہنے لگے: یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا معبود ہے، سو! وہ بھول گیا۔ (٨٨)

تفسیر

حضرت ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے رخصت ہونے کے بعد اپنی قوم میں ایک نصیحت کی کہ فرعون کی قوم کی بہت سی چیزیں تم نے عارضی طور پر استعمال کے لئے مانگ کر لی تھی یا انہوں نے تمہارے پاس امانت رکھوادی تھی وہ سب تم اپنے ساتھ لے آئے ہو اگر چہ تمہاری بھی بہت سی چیزیں فرعون کی قوم کے پاس رہ گئیں ہیں اور آپ لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ان کی چیزیں ہماری چیزوں کے بدلے میں ہم نے رکھ لی ہیں، مگر میں اس کو حلال نہیں سمجھتا کہ ان سے مانگ کر لی ہوئی چیزیں تم اپنے استعمال میں لاؤ، اور فرعون کی قوم کے غرق ہونے کی وجہ

سے ہم ان کو واپس بھی نہیں کر سکتے؛ اس لئے ایک گڑھا کھدوا کر سب کو حکم دیا کہ یہ چیزیں خواہ زیورات ہوں یا دوسری استعمال کی چیزیں اس گڑھے میں ڈال دو، سامری سمیت سب نے ان کی بات پر عمل کیا، ہارون علیہ السلام نے اس سارے سامان کے اوپر آگ جلوادی جس سے یہ سب سامان جل گیا اور فرمایا: اب یہ نہ ہمارا رہا نہ ان کا۔

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ یہ سب کچھ سامری کا بنایا ہوا منصوبہ ہے، ہم نے تو فقط اتنا کیا کہ فرعون کی قوم سے مانگا ہوا زیور ہمارے پاس بہت تھا، اور ایک بوجھ کی طرح ہم پر لادا ہوا تھا، ہم نے اسے اپنے پاس سے نکال کر جلتی آگ والے گڑھے میں پھینک دیا، اُسے دیکھ کر سامری نے ایک منصوبہ گھڑا اور سارے زیور کو گلا کر بچھڑے کی شکل کا ایک بت بنایا، جس کے بدن کے اندر سے گائے کی آوز نکلتی تھی، اور اسے ہمارے سامنے لا کر رکھ دیا اور ہمیں کہا کہ یہ تمہارا خدا ہے، اس کی پوجا کرو، کہنے لگا: موسیٰ کا خدا بھی اصل میں یہی ہے، مگر وہ بھول گئے اور طور پر چلے گئے، اور سب لوگ بھی وہی کی سی بات کہنے گے، سامری کی بابت لکھا ہے کہ یہ ایک چالاک آدمی تھا، ادھر بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی میں اسی طرح کی پوجا پاٹ کی عادت پہلے ہی پڑی ہوئی تھی، سامری کا داؤان پر آسانی سے چل گیا۔

سامری کی شخصیت کے متعلق مفسرین کرام نے مختلف باتیں بیان کی ہیں۔ بعض کہتے ہیں: یہ شخص شمال کی طرف سے آنے والے قبائل "سمیری" قبیلے کا ایک فرد تھا، اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ایران کے صوبہ "کرمان" کا رہنے والا تھا۔ بعض مفسرین کا خیال یہ ہے کہ سامری شام کی ایک بستی "سامرہ" کا رہنے والا تھا اور اسی نسبت سے سامری کہلاتا تھا، لیکن بعض مفسرین کا قول تو اسے موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد، خالہ زاد بھائی بتلاتے ہیں، مگر یہ آپ پر ایمان نہیں رکھتا تھا، اگرچہ اپنی قوم میں ملا جلا ہوا تھا، مگر منافق آدمی تھا۔

سیدھی بات

اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّ لَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّ لَا

کیا پس نہیں دیکھتے کہ وہ نہیں لوٹاتا طرف ان کی بات اور نہیں مالک واسطے انکے نقصان کا اور نہ

ع ۱۳
۱۳

نَفْعًا﴿۸۹﴾ وَ لَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ یٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ
فائدہ کا (۸۹) اور البتہ تحقیق کہا تھا ان سے ہارون نے سے پہلے اس اے میری قوم! تم غلطی میں پڑے

بِهٖ ۚ وَ اِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَ اَطِیْعُوْۤا اَمْرِیْ﴿۹۰﴾
اسکی وجہ سے اور تحقیق رب تمہارا رحمٰن ہے پس پیچھے چلو میرے اور اطاعت کرو بات میری کی (۹۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ وہ ان کو کسی بات کا جواب تک نہیں دیتا اور وہ ان کے لئے کسی نقصان اور نفع دینے کا اختیار نہیں رکھتا۔ (۸۹) اور ہارون نے اس سے پہلے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اے میری قوم! تم اس بچھڑے کے سبب بہک گئے ہو اور تمہارا رب تو رحمٰن ہے، سو! میری راہ پر چلو اور میری بات مانو۔ (۹۰)

تفسیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر حاضری میں بنی اسرائیل نے گائے کا بت پوجنا شروع کر دیا، جب وہ واپس آئے اور انہیں ان کی اس بے وقوفی پر ڈانٹا تو بہانہ یہ کیا کہ سامری نے سونے کا بچھڑا ان زیورات کو گلا کر جو ہم نے پھینک دیئے تھے، بنا دیا اور اس میں سے گائے کی سی آواز بھی نکلنے لگی، اور ہم سے کہا کہ اس کی عبادت کرو، ہم اس کی عبادت کرنے لگے، حضرت موسیٰ نے کہا اگر تمہیں خود اتنا بھی نہ سوجھا تھا تو کم سے کم ہارون علیہ السلام کے سمجھانے ہی سے مان لیا ہوتا، حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں کئی بار منع کیا کہ بچھڑے کو خدا مان لینا گمراہی ہے، تمہارا رب تو رحمٰن ہے اور میں بھی موسیٰ علیہ السلام کی طرح اس کا پیغمبر ہوں، میری بات مانو اور جو میں کہوں وہ کرو۔

بے تکا سا جواب

قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَیْهِ عٰكِفِیْنَ حَتّٰى یَرْجِعَ اِلَیْنَا مُوْسٰى﴿۹۱﴾
بولے ہرگز نہ ٹلیں گے ہم پر اس بیٹھے ہوئے یہاں تک کہ لوٹے طرف ہماری موسیٰ (۹۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بولے ہم برابر اسی پر لگے بیٹھے رہیں گے یہاں تک کہ موسیٰ ہمارے پاس

لوٹ کر آئے۔(۹۱)

تفسیر

حضرت ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو سمجھایا کہ یہ نادانی کر رہے ہو یہ بچھڑا بھی کوئی ایسی چیز ہے جسے پوجا جائے، پوجا کے لائق فقط "رحمٰن" ہے، لیکن ان کو تو اس پوجا پاٹ میں مزہ آنے لگا تھا، کیوں کہ مصر میں رہ کر وہ اس قسم کی پوجا کرتے تھے، سامری کی بات ان کے دل میں بیٹھ چکی تھی، بنی اسرائیل سامری کی ان بیہودہ باتوں کو ایسے ماننے لگیں کہ حضرت ہارن علیہ السلام کی بات کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ہم تو اسی بچھڑے کی عبادت پر جمے رہیں گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آنے پر دیکھا جائے گا جو ہونا ہوگا اسی وقت ہوگا، اس وقت ہم اپنے طریقہ میں کوئی تبدیلی نہیں کریں گے۔

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ کسی کے کہنے میں بے سوچے سمجھے آجانا بے وقوفی کی نشانی ہے، آدمی کو چاہیے کہ کسی کی چکنی چپڑی باتوں میں نہ آئے، پہلے اس کی بات کو عقل اور شریعت کی ترازو میں تولے اور دیکھے کہ اس میں کچھ وزن ہے یا نہیں، اندھا دھند کسی کی بات مان لینا یا کسی کے ٹوٹکے یا شعبدے پر فدا ہو جانا بے وقوفوں کا کام ہے، عقل مند ضرور اپنی عقل سے کام لے گا اور ہر کسی کے پھندے میں کبھی نہ پھنسے گا۔

ہارون علیہ السلام سے باز پرس

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿۹۲﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ

موسیٰ نے کہا اے ہارون! کس نے منع کیا تجھے جب دیکھا تو نے انہیں گمراہ ہوئے وہ (۹۲) کہ نہ پیروی کی تو نے میری

اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿۹۳﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَ لَا

کیا پس نافرمانی کی تو نے حکم میرے کی (۹۳) بولا اے بیٹے میری ماں کے! مت پکڑ داڑھی میری اور نہ

بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

سر میرا تحقیق میں ڈرا اس سے کہ آپ کہیں گے پھوٹ ڈالدی تونے درمیان بنی اسرائیل کے

وَ لَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾

اور نہ خیال رکھا بات میری کا (۹۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ موسیٰ نے کہا اے ہارون! جب تو نے دیکھا تھا کہ وہ بہک گئے۔(۹۲) تو تجھے کس چیز نے میرے پیچھے چلنے سے روکا؟ کیا تو نے میرے حکم کی نافرمانی کی؟ (۹۳) ہارون نے کہا: اے میرے ماں جائے! میری داڑھی اور سر نہ پکڑ، میں ڈرا کہ آپ کہیں گے کہ تو نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میری بات کا خیال نہ رکھا۔ (۹۴)

تفسیر

جب بنی اسرائیل نے اپنے گناہ کا سارا الزام سامری پر رکھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام دینی جوش میں اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف بڑھے، دینی غیرت سے بے قابو ہو رہے تھے، ان کے سر کے بال اور داڑھی پکڑ کر اپنی طرف کھینچا، اور غصہ میں کہا کہ تم نے ان لوگوں کو گمراہ ہوتے دیکھ کر ان کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کیوں نہ کیا، جیسا میں کرتا، میں تمہیں اپنا خلیفہ بنا کر گیا تھا، تم نے میرے حکم کی خلاف ورزی کیوں کی؟ حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا کہ اے میرے ماں جائے! مجھ سے خفا نہ ہو (ہارون نے موسیٰ علیہ السلام کو ماں جائے کہہ کر پکارا تا کہ ان میں رحم دلی کا جذبہ پیدا ہو اور غصہ ٹھنڈا ہو جائے) کہا کہ میرے سر کے بال اور داڑھی نہ کھینچ، میں ان کو بہت سمجھا چکا، لڑا اس لیے نہیں کہ آپ کہہ گئے تھے کہ بنی اسرائیل میں فرقہ بندی نہ ہونے پائے، میں اس بات سے ڈرا کہ لڑائی میں تو دو فریق بننے ضروری ہیں، کہیں آپ خفا نہ ہوں کہ میری بات کیوں نہ مانی، اور بنی اسرائیل کے دو فریق کیوں بنا دیئے۔

بہر حال! ہارون علیہ السلام نے یہ عذر پیش کیا کہ میں نے قوم میں فرقہ بندی کے خوف سے ان سے علیحدہ ہونا پسند نہ کیا، اب ایک طرف شرک ہو رہا تھا کہ اکٹھے رہ کر ان کو سمجھاتے بجھاتے رہیں گے تو معاملہ درست ہو جائے گا۔

اس جگہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ: تمہیں میرا اتباع کرنے سے کس چیز نے روکا، اس کا ایک مفہوم یہ ہے کہ اتباع سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے طور پر چلے جانا تھا اور بعض مفسرین نے اتباع کی مراد یہ قرار دی کہ جب یہ لوگ گمراہ ہو گئے تو آپ نے ان کا مقابلہ کیوں نہ کیا، کیونکہ میری موجودگی میں ایسا ہوتا تو میں یقیناً اس شرک و کفر پر قائم رہنے والوں سے لڑائی کرتا تو نے میری اتباع میں ایسا کیوں نہ کیا۔

سامری سے جواب طلبی

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا
کہا موسیٰ نے پس کیا حال ہے تیرا اے سامری! (۹۵) بولا دیکھا میں نے وہ کہ نہ دیکھا انہوں نے

بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَ كَذٰلِكَ
اس کو پس مٹھی بھر لی میں نے ایک مٹھی سے نشان اس کے بھیجے ہوئے کے پس ڈال دی میں نے وہ اور اسی طرح

سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ
بات بنائی لیے میرے جی میرے نے (۹۶) کہا (موسیٰ نے) جا! دور ہو پس تحقیق لئے تیرے میں اس زندگی یہ ہے کہ

تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۪ وَ اِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَ انْظُرْ
کہے تو مت چھونا اور تحقیق لئے تیرے ایک مقرر وقت ہے جو ٹلایا نہ جائے گا تجھ سے اور دیکھ

اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ
طرف معبود اپنے کے کہ رہتا تھا تو پر اس جما ہوا البتہ جلائیں گے ہم اسے پھر بکھیر دیں گے ہم اس کو

فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿٩٧﴾

میں دریا اُڑا کر (۹۷)

بامحاورہ ترجمہ: ۔موسیٰ نے کہا کہ اے سامری! تیری کیا بات ہے؟ (۹۵) سامری نے کہا میں نے وہ چیز دیکھی جو اوروں نے نہ دیکھا، پس میں نے ایک مٹھی اس بھیجے ہوئے فرشتے کے پاؤں کے نیچے سے لے لی، میں نے وہ بچھڑے کے منہ میں ڈال دی اور مجھ کو میرے جی نے یہی صلاح دی۔ (۹۶) موسیٰ نے کہا: دور ہو، تیرے لئے زندگی بھر یہ سزا ہے کہ تو ہر ایک سے کہا کرے "مجھے مت چھونا" اور تیرے لئے ایک وعدہ ہے کہ ہرگز تیرے ساتھ اس کا خلاف نہ ہوگا، اور اپنے معبود کو دیکھ جس پر تو جما بیٹھا ہے، ہم اس کو جلادیں گے پھر بکھیر دیں گے اور اس کی راکھ سمندر میں اڑا دینگے۔ (۹۷)

تفسیر

جب ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اپنا عذر بیان کر چکے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں چھوڑ دیا، اور سامری کی طرف متوجہ ہوئے، اور اس سے کہا کہ اب تو بتا کہ تو نے یہ حرکت کیوں کی؟، اور یہ تجھے کیا سوجھی کہ لوگوں کو غلط راستے پر ڈال دیا؟ وہ بولا کہ جب دریا میں ہمارے لئے راستہ بن گیا، اور ہم اس میں اتر گئے تو میں نے اپنے سامنے ایک عجیب شان کا شخص دیکھا، میں سمجھ گیا کہ ہماری مدد کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا فرشتہ ہے، میں نے چپکے سے اس کے پاؤں کے نیچے کی مٹی اٹھالی، وہی مٹی زیورات سے بنائے ہوئے بچھڑے کے منہ میں ڈال دی، اور اس میں سے جاندار بچھڑے کی طرح آواز نکلنے لگی۔

اس کے بعد میرے دل میں یہی آیا کہ یہ پوجا کے قابل ہے، اور لوگوں سے کہا کہ اس کی پوجا شروع کردو ،سامری کا یہ بیان اس بات کا اقرار ہے کہ شرک پھیلانے کا سراسر وہی ذمہ دار ہے۔

جرم بڑا سنگین تھا جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تیری یہ سزا ہے کہ تو زندگی بھر لوگوں سے یہ کہتا پھرے کہ "دیکھو! مجھے مت چھونا" کیوں کہ جو چھوئے گا، اسے اور مجھے دونوں کو بخار چڑھ آئے گا، یہ تو دنیا کی سزا

ہے، اس کے بعد قیامت کے آنے کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا، اور اس میں ہرگز تیرے ساتھ وعدہ خلافی نہ ہوگی، اور یہ بچھڑا تیری آنکھوں کے سامنے توڑ موڑ کر جلا دیتا ہوں، اور پھر اس کی راکھ دریا میں اڑا دیتا ہوں۔

قیامت کی دہشت

اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ

بات یہی ہے کہ معبود تمہارا اللہ ہے وہ کہ نہیں کوئی معبود سوا اس کے گھیرا اس نے ہر چیز

عِلْمًا ۞ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَ

علم میں (۹۸) اس طرح ہم بیان کرتے ہیں پر آپ کے سے خبروں میں اس کی جو تحقیق گزر چکا اور

قَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۞ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ

تحقیق دیا ہم نے آپکو سے پاس اپنے یاد دلانے والا (۹۹) جس نے منہ پھیرا سے اس پس تحقیق وہ

يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۞ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَاۗءَ لَهُمْ

اٹھائے گا دن قیامت کے بھاری بوجھ (۱۰۰) ہمیشہ رہیں گے میں اس اور برا ہے کے لئے ان

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۞ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ

دن قیامت کے وہ بوجھ (۱۰۱) جس دن پھونک ماری جائے گی میں صور اور اکٹھا کریں گے ہم

الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ۞ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ

مجرموں کو اس دن نیلی نیلی آنکھوں والے (۱۰۲) سرگوشیاں کریں گے آپس میں نہیں ٹھہرے تم

اِلَّا عَشْرًا ۞ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ

مگر دس روز (۱۰۳) ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں جب کہے گا سب سے اچھی طرح

طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ۞

سوچنے والا نہیں ٹھہرے تم مگر ایک دن (۱۰۴)

ع ۵ ۱۵ ۱۴

بامحاورہ ترجمہ:۔ تمہارا معبود تو وہی ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں، سب چیز اس کے علم میں ہیں۔ (۹۸) یوں ہم آپ کو ان کی خبریں سناتے ہیں جو پہلے گزر چکے اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے پڑھنے کی کتاب دی۔ (۹۹) جو کوئی اس سے منہ پھیرے گا تو وہ قیامت کے دن ایک بوجھ اٹھائے گا۔ (۱۰۰) جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور قیامت میں وہ بوجھ ان کے لئے برا ہے۔ (۱۰۱) جس دن پھونکیں گے صور میں اور اس دن ہم مجرموں کو گھیر لائیں گے نیلی نیلی آنکھوں والے۔ (۱۰۲) چپکے چپکے آپس میں کہیں گے تم صرف دس دن ہی رہے۔ (۱۰۳) ہم کو خوب معلوم ہے وہ جو کچھ کہتے ہیں جب ان میں سے بہتر سوچ والا کہے گا کہ تم ایک دن رہے۔ (۱۰۴)

تفسیر

حضرت ہارون علیہ السلام سے جواب طلبی کرنے اور سامری کو اس کی سزا سنانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی نادان قوم بنی اسرائیل سے خطاب فرماتے ہیں کہ: تم کو کیا ہو گیا ہے، جو بے کار چیزوں کی پوجا کرتے ہو؟ تم تو پیغمبروں کی اولاد ہو، جو ہمیشہ شرک سے دور رہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے اور میرے بھائی ہارون کو تمہارے پاس پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، سنو! تمہارا معبود فقط ایک ہے، اور ہر چیز اس کے علم میں ہے۔

آگے ارشاد ہے: جس طرح ہم نے اس مقام پر موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا حال بیان کیا، اسی طرح ہم آپ پر ان لوگوں کی خبریں بیان کرتے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں، موسیٰ کا زمانہ تو نسبتاً قریبی ہے زمانہ ہے، ہم تو ان سے پہلی قوموں کے حالات بھی آپ کو سناتے ہیں اور ہم نے آپ کو نصیحت والی کتاب عطا کی ہے۔

ارشاد ہے کہ: جو شخص دنیا میں قرآن مجید سے منہ پھیرے گا، اور اس کے بتائے ہوئے طریقے پر اپنی زندگی نہیں گزارے گا، بلکہ اپنی غلط کاریوں میں پڑا رہے گا، وہ قیامت کے دن اپنی غلط کاریوں کا بڑا بھاری بوجھ اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے ہوگا، یہ بوجھ ان کے لئے بہت ہی برا ہوگا۔

جس دن صور میں پھونک ماری جائے گی، اور اس کی آواز سے سب مُردے اٹھ کھڑے ہوں گے اور خوف کے مارے ان کی آنکھیں نیلی ہو جائیں گی، جو انتہائی خوف زدہ ہونے کی علامت ہے۔

جس دن صور میں پھونکا جائے گا، یعنی: جب قیامت کا بگل بجے گا، اور حساب کا عمل شروع ہوگا تو اس دن مجرموں کو اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھانا پڑے گا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے صور کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: یہ سینگ کی شکل وصورت کی چیز ہے، جس میں قیامت کے دن پھونک ماری جائے گی، اس کا باریک حصہ اسرافیل نے منہ میں لے رکھا ہے کہ اور منتظر ہیں کہ کب اللہ کا حکم ہو تو وہ اس میں پھونک ماریں، فرمایا: یہ اس دن کا واقعہ بیان ہو رہا ہے، جس دن ہم مجرموں کو ایسے جمع کریں گے کہ خوف کے مارے ان کی آنکھیں نیلی پڑ جائیں گی۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نافرمان سب گھیر کے ایک جگہ جمع کر دیے جائیں گے، مارے خوف کے ان کی آنکھوں کا رنگ نیلا پڑ جائے گا، وہ ایک دوسرے سے چپکے چپکے کہیں گے کہ دنیا تو اتنی جلدی ختم ہوگئی، گویا ہم وہاں دس دن سے زیادہ نہیں رہے، لیکن ان کے عقل مند لوگ کہیں گے کہ دس دن کس طرح؟ ہم تو صرف ایک دن ہی رہے۔

پہاڑوں کا حال

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًاۙ﴿۱۰۵﴾

اور پوچھتے ہیں آپ سے بارے میں پہاڑوں کے پس کہہ اکھاڑ پھینکے گا انہیں رب میرا ریزہ ریزہ کرکے (۱۰۵)

فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًاۙ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّ لَاۤ اَمْتًاؕ﴿۱۰۷﴾

پس بنا چھوڑے گا زمین کو میدان چٹیل (۱۰٦) نہ دیکھیں آپ میں اس پیچ اور نہ اونچ (۱۰۷)

يَوْمَىِٕذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ

اس دن پیچھے ہولیں گے پکارنے والے کے نہیں ٹیڑھ اس کے لیے

بامحاورہ ترجمہ: اور آپ سے پہاڑوں کا حال پوچھتے ہیں، کہہ دے! ان کو بکھیر دے گا میرا رب اڑا کر۔ (۱۰۵) پھر کر دے گا زمین کو صاف میدان۔ (۱۰٦) جس میں نہیں دیکھیں گے آپ اونچ نیچ۔ (۱۰۷) جس دن پکارنے والے کے پیچھے دوڑیں گے جس کے لئے کوئی کجی نہیں۔

تفسیر

جب لوگوں سے کہا گیا کہ اللہ کے نافرمان لوگ مرنے کے بعد زندہ ہو کر اس کے حضور میں اکٹھے ہو کر حاضر ہوں گے تو ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ دنیا کی اتنی مضبوط بھاری بھرکم چیزیں سب فنا ہو جائیں گی اور جو مر چکے ہیں ان کو زندہ کر کے ان سے ان کے عملوں کا حساب لیا جائیگا، بعض لوگ تعجب سے کہنے لگے، بھلا! یہ اونچے اونچے پہاڑ کس طرح غائب ہو جائیں گے؟ اس کا جواب ان آیتوں میں دیا گیا ہے کہ اللہ کی قدرت اور قوت کے آگے ان پہاڑ کی کیا حقیقت ہے ان کو تو وہ جڑ سے اکھیڑ کر ذرّہ ذرّہ کر کے ہوا میں اڑا دیگا اور زمین بالکل ایک صاف چٹیل میدان ہو جائے گی جس میں نہ کوئی غار یا گڑھا رہے گا اور نہ کوئی ٹیلہ اور ابھار نظر آئے گا، اسرافیل کے صور کی آواز سنتے ہی سارے مردے جہاں اور جس حالت میں ہوگے اٹھ کر اس آواز کے پیچھے دوڑیں گے۔

قیامت کے حالات

وَ خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾ يَوْمَئِذٍ

اور پست ہو جائیں گی آوازیں آگے رحمٰن کے پس نہ سنیں آپ مگر ہلکی آہٹ (۱۰۸) اس دن

لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِيَ لَهٗ

نہ فائدہ دے گی سفارش مگر اس کی کہ اجازت ہو جس کیلئے رحمٰن کی اور پسند کرے وہ اس کی

قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يُحِيْطُوْنَ

بات (۱۰۹) جانتا ہے وہ جو سامنے ہے ہاتھوں ان کے اور جو ان کے پیٹھ پیچھے ہے اور نہیں احاطہ کرتے وہ

بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾

اس کا علم کے اندر (۱۱۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور رحمٰن کے ڈر سے آوازیں دب جائیں گی، سو! سوا پاؤں کی ہلکی آہٹ کے آپ

کچھ نہ سنیں گے۔(۱۰۸) اس دن کسی کی سفارش کام نہ آئے گی سوا اس جس کو رحمٰن اجازت دے اور اس کی بات پسند کرے۔(۱۰۹) وہ ان کے سب اگلے پچھلے حالات جانتا ہے اور ان کا علم اس کا احاطہ نہیں کرسکتا۔(۱۱۰)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اس دن رحمٰن کے ڈر سے کسی کے منہ سے اونچی آواز نہ نکلے گی، فقط ہونٹ ہلیں گے، یا قدموں کی ہلکی آہٹ ہوگی، اس کے سوا کوئی آواز سننے میں نہ آئیگی، کسی کی سفارش وہاں نہ چلے گی کہ لوگوں کو اس دہشت اور خوف سے چھڑائے، ہاں! جس کو رحمٰن اجازت دے گا، اور اس کی بات سننا پسند کرے گا وہ بول سکے گا اور سفارش کر سکے گا، اللہ تعالیٰ ہر ایک کے اگلے پچھلے حالات سے واقف ہے، اور لوگ تو اپنی بابت بھی پورا علم نہیں رکھتے وہ کیا جانیں کہ سفارش کے قابل کون ہے، اللہ ہی اپنے علم سے ایک شخص کو چن کر اسے اجازت دے گا کہ لوگوں کی اس مصیبت کے وقت سفارش کرے اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔

اس دنیا میں تو لوگوں نے کجی اختیار کی اور اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت کا انکار کیا اور طرح طرح کی تاویلیں کر کے اس کو ٹالنے کی کوشش کی، مگر اس دن ایسی کوئی بات نہیں ہوگی، بلکہ سب کے سب بلا چون و چرا دوڑے چلے جائیں گے۔

سفارش کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی پیشگی اجازت کے ساتھ حتیٰ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہی شفاعت کر سکیں گے، فرمایا: انسان علم کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ کا فیصلہ

وَ عَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ؕ وَ قَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ

اور پست ہوجائیں گے | چہرے | سامنے حی | قیوم کے | اور | تحقیق | ناکام ہوا | جس نے | اٹھایا

ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ

بوجھ ظلم کا (۱۱۱) اور جو کرے اچھے کام سے نیکیوں اور وہ مومن ہو پس وہ نہ ڈرے گا

ظُلْمًا وَّ لَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾

بے انصافی سے اور نہ کمی سے (۱۱۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور "حی وقیوم" کے سامنے چہرے جھک جائیں گے اور نا کام ہوا جس نے ظلم کا بوجھ اٹھایا۔(۱۱۱) اور جو کوئی کچھ بھلائیاں کرے اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو، سو! اسے ڈر نہیں بے انصافی کا اور نہ نقصان پہنچنے کا۔(۱۱۲)

تفسیر

قیامت کے دن سب کو اللہ تعالیٰ کی عظمت صاف نظر آئے گی، اور بڑے بڑے سرکشوں کے سر اس کے آگے جھکے ہوئے ہوں گے، وہاں کسی کی اکڑفو نہ چلے گی، کوئی اس کے سامنے دم نہ مار سکے گا، وہاں اللہ تعالیٰ خود آخری فیصلے سنائے گا، جس نے اپنی جان پر اللہ کا انکار کر کے ظلم کیا ہوگا وہ نا کام و نامراد ہوگا، اور جو شخص دنیا میں اللہ کو پہچان کر اس پر ایمان لایا ہوگا، اور نیک کام کیے ہوں گے، اس کو اس کے کیے کا بہت اچھا پھل ملے گا، اس کی نہ تو کوئی نیکی ضائع کی جائے گی، اور نہ کسی نیکی کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے گی۔

فرمایا: اس دن چہرے پست ہو جائیں گے، آج دنیا میں بڑے بڑے متکبر لوگ موجود ہیں، مگر قیامت کے دن جب اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے تو ان کے چہرے ذلت کے مارے جھکے ہوئے ہوں گے، اور آوازیں پست ہو جائیں گی اور ساری اکڑ نکل جائے گی۔

"تکبر" ایک ایسا مرض ہے کہ انسان پہلے اس کا اظہار انسانوں کے سامنے کرتا ہے، اور پھر جب اس میں پختہ ہو جاتا ہے تو خدا کے سامنے بھی کرنے لگتا ہے، اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اکڑ دکھانے لگتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا ہے کہ وہ آخرت میں ذلیل وخوار ہوگا ہے۔

فرمایا: چہروں کی یہ پستی اس ذات کے سامنے ہوگی، جو"حی" اور" قیوم" ہے۔"حی" سے مراد وہ ذات ہے، جو خود زندہ ہے، اور دوسروں کو زندگی بخشنے والا ہے، زندگی اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے، اس کے برخلاف پوری مخلوق کی زندگی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے، جب اللہ تعالیٰ یہ صفت اپنی کسی مخلوق سے چھین لیتا ہے تو اس مخلوق پر موت آجاتی ہے۔

اسی طرح" قیوم" اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، جو خود قائم ہے، اور اس نے دوسری مخلوق کو قائم رکھا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ دوسروں کا سہارا ہے، مگر اسے کسی کے سہارے کی ضرورت نہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی انہی صفتوں کا ورد بھی بتایا ہے، "یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ نَسْتَغِیْثُ"۔ اے زندہ اور قائم و دائم خدا! میں تیری رحمت کا سوالی ہوں، اپنی رحمت کو ہمیشہ میرے شامل حال رکھ۔

قرآن کا طرز

وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّ صَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ
اور　اسی طرح　اتارا ہم نے اسکو　قرآن　عربی میں　اور طرح طرح سے بیان کیں ہم نے　اس میں　سے　ڈرانے کی باتیں

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ
تاکہ وہ　ڈریں　یا　ڈالے　ان کے دل میں　سوچ (۱۱۳)　سو! بلند ہے　اللہ

الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ
بادشاہ　سچا

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اسی طرح، یعنی: نصیحت کی باتوں کیساتھ ہم نے قرآن عربی زبان میں اتارا، اور اس میں ڈرانے کی باتیں پھیر پھیر کر سنائیں تاکہ وہ ڈریں یا قرآن ان کے دل میں سوچ ڈالے۔ (۱۱۳) سو! اللہ تعالیٰ سچا اور بلند بادشاہ ہے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ہم نے اس نصیحت کی کتاب قرآن مجید کو عربی زبان میں اتار، اور اس میں انسان کو اس کے برے اعمال کے نتیجوں سے عبارتیں بدل کر مختلف طریقوں سے ڈرایا، اس سے مقصد یہ ہے کہ وہ اسے پڑھیں اور اس کے بتائے ہوئے قاعدوں کے مطابق زندگی بسر کریں، جس کی اجازت اس میں ہو وہ کریں، جس سے منع کیا اس سے باز رہیں، اسی کا نام تقویٰ ہے، اگر تقویٰ حاصل نہ ہو تو کم سے کم اس کے پڑھنے سے اس کے دل میں ایک سوچ تو پیدا ہو ہی جائے، اور آئندہ کبھی بھی اس کے سدھرنے کی امید ہو جائے۔

یاد رکھو کہ! اس قرآن کا اتارنے والا اللہ ہے، وہی سارے جہاں کا مالک اور بلند بادشاہ ہے، حقیقت میں بڑائی وعظمت اسی کے لیے ہے۔

آدم علیہ السلام کی بھول

وَ لَا تَعۡجَلۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يُّقۡضٰۤى اِلَيۡكَ وَحۡيُهٗ ۫

اور نہ جلدی کر قرآن میں اس سے پہلے کہ پوری کی جائے طرف آپ کی وحی اس کی

وَ قُلۡ رَّبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡمًا ﴿۱۱۴﴾ وَ لَقَدۡ عَهِدۡنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنۡ قَبۡلُ

اور کہہ اے رب میرے! زیادہ کر مجھے علم میں (۱۱۴) اور البتہ تحقیق حکم کیا ہم نے طرف آدم کے اس سے پہلے

فَنَسِیَ وَ لَمۡ نَجِدۡ لَهٗ عَزۡمًا ﴿۱۱۵﴾ ع ٦ ١١ ١٥

پس بھولا وہ اور نہ پایا ہم نے اس میں پختہ ارادہ (۱۱۵)

با محاورہ ترجمہ:۔ اور آپ قرآن کی وحی اترتے وقت پڑھنے میں جلدی نہ کریں اس سے پہلے کہ وحی پوری ہو جائے، اور آپ کہیں اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔ (۱۱۴) اور ہم نے اس سے پہلے آدم کو تاکید کر دی تھی، پھر وہ بھول گیا، اور ہم نے اس میں پختہ ارادہ نہ پایا۔ (۱۱۵)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: اے ہمارے پیغمبر! جب ہم نے یہ قرآن آپ کے ذریعے تمام انسانوں تک پہنچانا ہے تو ہم اسے اچھی طرح آپ کو یاد کروادیں گے، جب جبرئیل آپ کے پاس کسی آیت یا سورت کی وحی لیکر آئے تو غور سے سنیں، یہاں تک کہ وہ ساری آیت یا سورت جو آپ پر اتار جارہی ہے، پوری سن لیں، جبرئیل کے ساتھ ساتھ جلدی جلدی پڑھنے کی کوشش نہ کریں، صرف سن لیں، یاد کروانا ہمارے ذمہ ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ پڑھنے کی کوشش کرتے کہ کہیں ذہن سے نہ اُتر جائے؛ اس لئے یہ ہدایت کی گئی کہ ساتھ ساتھ جلدی جلدی پڑھنے کی ضرورت نہیں، سنتے ہی یاد ہوجائے گا، کیونکہ اسے آگے پہنچانا ہے، یہ ضائع نہیں ہوگا تو آپ اپنے رب سے یہ دعا مانگا کریں کہ اے میرے رب! "میرے علم میں اضافہ فرما"۔

آدم علیہ السلام کا قصہ

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ

اور جب حکم دیا ہم نے فرشتوں کو سجدہ کرو تم آدم کو پس انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس

اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا یٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَ لِزَوْجِكَ فَلَا

نہ مانا اس نے (۱۱۶) پھر ہم نے کہہ دیا اے آدم! تحقیق یہ دشمن ہے تیرا اور تیری بیوی کا پس نہ

یُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾

یہ نکال دے تم دونوں کو سے جنت پھر تو مصیبت میں پڑ جائے (۱۱۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو وہ سجدہ میں گر پڑے، مگر ابلیس نہ مانا۔ (۱۱۶) پھر ہم نے کہہ دیا: اے آدم! یہ آپ کا اور آپ کی بیوی کا دشمن ہے، سو! کہیں آپ کو جنت سے نہ

نکلوادے، (یعنی: اس کے کہنے سے کوئی ایسا کام مت کر بیٹھنا کہ جنت سے نکال دیے جاؤ،) پھر آپ مشقت میں پڑ جائیں گے۔ (۱۱۷)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو شیطان سے خبردار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے، کہیں تجھے اور تیری بیوی کو جنت سے نہ نکلوادے اور تو مشقت میں پڑ جائے، یعنی: رہنے کے لئے مکان بنانا پڑیگا، اور زندگی گزارنے کے لئے کھانے پینے کا بندوبست خود کرنا پڑیگا، آپ دوہری مشقت میں پڑ جائیں گے۔

آخر میں "فَتَشْقٰى" کو مفرد ذکر فرمایا، اس سے امام قرطبی نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ بیوی کی ضروریات زندگی مرد کے ذمہ ہے، ان کے حاصل کرنے میں محنت اور مشقت اٹھانا مرد کے ذمہ ہے، اس لئے "فَتَشْقٰى" کا صیغہ لاکر بتایا کہ دنیا میں رزق حاصل کرنے کے لئے جو مشقت اٹھانا پڑے گی، حضرت آدم علیہ السلام اس کے تنہا ذمہ دار ہیں، کیونکہ حوا کو کھانا پینا اور لباس مہیا کرنا ان کے ذمہ ہے۔

امام قرطبی نے اس سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ عورت کا جو نفقہ مرد کے ذمہ ہے، اس میں چار چیزیں ہیں:

(۱)....کھانا، (۲)....پینا، (۳)....لباس، (۴)....رہنے کا گھر۔

شیطانی وسوسہ

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَ لَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَ اَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا

تحقیق لئے تیرے یہ ہے کہ نہ تو بھوکا رہے گا میں اس اور نہ ننگا رہے گا (۱۱۸) اور یہ کہ تو نہ پیاسا ہوگا

فِيْهَا وَ لَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ

میں اس اور نہ دھوپ میں تپے گا (۱۱۹) پس وسوسہ ڈالا طرف اس کی شیطان نے کہا اے آدم! کیا

اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿١٢٠﴾

نشان دوں تجھے درخت کا ہمیشگی کے اور بادشاہی کا جو نہ پرانی ہوگی (١٢٠)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جنت میں تجھے یہ ملا ہے کہ نہ تو اس میں بھوکا ہو اور نہ ننگا۔(١١٨) نہ تو اس میں پیاسا ہوگا اور نہ تجھے اس میں دھوپ لگے گی۔(١١٩) پھر شیطان نے اس کے دل میں وسوسہ ڈالا اور کہا کہ اے آدم! میں تجھ کو بتاؤں ہمیشہ رہنے کا درخت اور بادشاہی جو پرانی نہ ہو۔(١٢٠)

تفسیر

حضرت آدم علیہ السلام کو ارشاد ہو رہا ہے کہ: تم جنت میں رہو، یہاں تمہیں پورا آرام نصیب ہے، یہاں تمہیں کھانے، کپڑا بنانے، موسمی تکلیفوں سے بچنے کے لیے مکان، خود محنت کر کے مہیا کرنے کی مشقت برداشت نہیں کرنی پڑیگی۔

آگے ارشاد ہے کہ: شیطان سے آدم وحوا کا ایسے آرام سے رہنا نہ دیکھا گیا، اس نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا اور کہا کہ یہ حالت ہمیشہ رہنے والی نہیں، تم کہو تو میں تمہیں ایسا درخت بتاؤں جس کا پھل کھا کر تمہیں ہمیشہ کی زندگی اور ایسی بادشاہت نصیب ہوگی جو کبھی بھی پرانی نہیں ہوگی۔

آدم کی فرشتوں پر برتری

ارشاد ہوتا ہے: ذرا اس واقعہ کو یاد کرو! جب کہ ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو، سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، یہ سجدہ ان کی فضیلت اور برتری کے لیے تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین پر اپنا خلیفہ بنانا تھا، چونکہ اس خلافت کے اہل فرشتے نہیں، بلکہ انسان تھے؛ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کروایا، تا کہ اس تعظیم کی وجہ سے آدم علیہ السلام کی فرشتوں پر برتری ثابت ہو جائے۔

سجدہ کی قسمیں

"سجدہ" دو قسم کا ہوتا ہے: ایک عبادت کا اور دوسرا تعظیم کا۔ "سجدہ عبادت" تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، البتہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو "تعظیمی سجدہ" کیا جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا۔

بھول کا نتیجہ

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا

پس کھالیاان دونوں نے سے اس پس ظاہر ہوگئیں واسطے ان دونوں شرم گاہیں ان کی اور لگے جوڑنے پر اپنے

مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَ عَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ

سے پتے جنت کے اور ٹالا آدم نے حکم رب اپنے کا پس وہ بہک گیا (۱۲۱) پھر پسندیدہ بنایا اسے

رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَ هَدٰى ﴿۱۲۲﴾

رب اس کے نے پس توجہ کی پر اس اور راہ دکھائی اسے (۱۲۲)

بامحاورہ ترجمہ: پس ان دونوں نے اس میں سے کھالیا، پھر ان پر ان کی شرم گاہیں ظاہر ہوگئیں اور دونوں اپنے بدن کو جنت کے پتوں سے چھپانے لگے، اور آدم نے اپنے رب کا حکم ٹالا، پھر راہ سے بہکا۔ (۱۲۱) پھر اس کو اس کے رب نے نوازا، پھر اس پر متوجہ ہوا اور اسے راہ پر لایا۔ (۱۲۲)

تفسیر

جس درخت کے قریب جانے سے انہیں منع کیا گیا تھا اس درخت کا پھل کھاتے ہی جنت کا لباس ان کے بدن سے اتر گیا، ان کی شرمگاہیں ان پر ظاہر ہوگئیں تو جنت کے درختوں کے پتے بدن ڈھانپنے کے لیے ملا ملا کر بدن پر سینے لگے۔

ارشاد ہے کہ: آدم جان بوجھ کر تو نہیں، مگر شیطان کی قسم سے دھوکے میں آ کر اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کر بیٹھے، نتیجہ یہ ہوا کہ سیدھے راستے سے ہٹ گئے لیکن یہ نافرمانی جان بوجھ کر نہ تھی، اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کیا، ان کو توبہ کرنے کا طریقہ سکھایا، اپنی رحمت میں لیا اور انہیں بتادیا کہ اس کے بعد کیا کرنا چاہئے۔

جنت چھوڑنی پڑی

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا
فرمایا | اترو دونوں | سے اس | اکٹھے | ایک تم میں سے | ایک کا | دشمن ہے | پس اگر

يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَاىَ فَلَا يَضِلُّ
آئے تم تک | سے پاس میرے | ہدایت | تو جو | چلے گا | راستہ میرے | پس نہ | گمراہ ہوگا

وَ لَا يَشْقٰى ﴿١٢٣﴾
اور | نہ | محروم ہوگا (١٢٣)

با محاورہ ترجمہ:۔ فرمایا: اکٹھے دونوں یہاں سے اتر و، تم دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہو، پھر اگر میری طرف سے تم کو ہدایت پہنچے تو جو میرے راستے پر چلے گا پس وہ گمراہ نہ ہوگا اور نہ وہ محروم ہوگا۔ (١٢٣)

تفسیر

آدم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ تم اور تمہاری زوجہ دونوں جنت سے نیچے جاؤ۔ دوسری تفسیر کے مطابق جنت سے نکلنے کا حکم آدم علیہ السلام اور ابلیس دونوں کو ہوا، فرمایا: میں تمہارے پاس اپنا ہدایت نامہ بھیجوں گا، اس کی صاف باتوں پر جو عمل کرے گا، وہ نہ بھٹکے گا اور نہ محروم رہے گا۔

نافرمانوں کا حشر

وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ

اور جو منہ پھیرے گا سے یادمیری پس تحقیق واسطے اسکے گذارا تنگ اور اٹھائیں گے ہم اسکو

یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی۝۱۲۴

دن قیامت کے اندھا(۱۲۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جس نے میری یاد سے منہ موڑا، اس کی معیشت تنگ ہوگی، اس کو اصل خوشی نصیب نہ ہوگی، اور اسے قیامت کے دن ہم اندھا اٹھائیں گے۔(۱۲۴)

تفسیر

اس مقام پر معیشت کی تنگی سے مراد روزی کی تنگی والی زندگی بھی ہو سکتی ہے اور بے اطمینانی اور بے سکونی والی زندگی بھی ہو سکتی ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی یاد اور اس کے نصیحت نامے سے منہ موڑتا ہے، اس کو اطمینان اور سکون نصیب نہیں ہوگا، خواہ اس کے پاس آرام وراحت کے کتنے ہی سامان موجود ہوں۔

اندھے پن کی وجہ

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْۤ اَعْمٰی وَ قَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا۝۱۲۵ قَالَ

وہ کہے گا اے میرے رب! کیوں اٹھایا تو نے مجھے اندھا حالانکہ تحقیق تھا میں دیکھنے والا(۱۲۵) فرمائے گا

كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا ۚ وَ كَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰی۝۱۲۶ وَ

اسی طرح آئیں تیرے پاس آیتیں ہماری پس تو نے بھلا دیا انکو اور اسی طرح آج تو بھلایا جائے گا(۱۲٦)اور

كَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ اَسْرَفَ وَ لَمْ یُؤْمِنْۢ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ؕ

اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ہم اس کو جو حد سے نکل جائے اور نہ ایمان لائے پر نشانیوں رب اپنے کی

بامحاورہ ترجمہ:۔ وہ کہے گا اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا، حالانکہ میں تو دیکھنے والا تھا۔(١٢٥) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اسی طرح تیرے پاس پہنچی تھیں ہماری آیتیں پھر تو نے انہیں بھلا دیا اور اسی طرح آج تجھ کو بھی بھلا دیا جائے گا۔(١٢٦) اور اسی طرح ہم بدلہ دیں گے اسے جو حد سے نکلا اور اپنے رب کی باتوں پر یقین نہ لایا۔

تفسیر

دنیا میں اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والے یا اس کی طرف سے غفلت برتنے والے مرنے کے بعد جب دوبارہ زندہ ہوں گے تو انہیں کچھ نہ سوجھے گا، کیونکہ آنکھیں بغیر روشنی کے کسی کام کی نہیں اور وہاں کی روشنی صرف اللہ پر ایمان رکھنے والوں کو حاصل ہوگی، ان کے پاس ایمان نہیں تو روشنی بھی نہیں، جب وہ حیرت سے کہیں گے کہ ہماری آنکھوں کو کیا ہوا؟ کچھ سوجھتا ہی نہیں؟ تو یہ جواب ملے گا۔ تیری آنکھیں اس لیے اندھی ہوگئیں کہ تو نے ہماری آیتوں کو جو تیرے پاس آئی تھی بھلا دیا، اسی طرح آج تجھے بھی بھلا دیا جائے گا، وہ آیتیں یہاں کی روشنی کا سامان تھیں، یہ تیری اپنی غفلت کا نتیجہ ہے کہ آج تو آنکھیں ہوتے ہوئے بھی اندھا ہے، ہمارے ہاں دنیا میں ہماری آیتوں سے غفلت کرنے والوں کی یہی سزا مقرر ہے، دنیا میں اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر دل سے یقین نہ کرنے والوں کو اس دن دکھ اور تکلیف ہی سے واسطہ پڑے گا، ان کے لیے اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا۔

عبرت کا سامان

وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَ اَبْقٰى ﴿١٢٧﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ

اور البتہ عذاب آخرت کا سخت ترین اور دیرپا ہے(١٢٧) کیا پس نہیں راہ سجھائی انہیں کہ کتنی ہی

اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ

ہلاک کر ڈالیں ہم نے پہلے ان سے میں سے قوموں چلتے ہیں یہ میں رہائش گاہوں ان کی

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور آخرت کا عذاب سخت ہے اور بہت باقی رہنے والا ہے۔(١٢٧) سو! کیا انہیں اس بات سے سمجھ نہ آئی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قومیں غارت کردیں جن کی رہنے کی جگہوں میں یہ چلتے پھرتے ہیں۔

تفسیر

جو تکلیفیں اللہ تعالیٰ کے لئے برداشت کی جائیں، تھوڑے دن کی ہیں اور ان کا انجام بہت اچھا ہے، اس کو اس دنیا کی زندگی میں برداشت کر لینے سے مرنے کے بعد آرام ہی آرام ہے، جو وہاں کبھی ختم نہ ہونے والی زندگی کے ساتھ ہمیشہ رہے گا، لیکن اگر یہاں غفلت برتی تو پھر آخرت کا عذاب بہت سخت اور دیر پا ہوگا اور دنیا میں بھی زندگی چین سے نہ کٹے گی، لوگوں کو پچھلی قوموں کے حالات سے سبق لینا چاہیے، آخر وہ پہلے انہی جگہوں میں بستے تھے، جہاں یہ لوگ آج کل چلتے پھرتے ہیں، ان کی سرکشی کا نتیجہ ہم نے انہیں دنیا میں بھی دکھا دیا، ان کے حال سے نصیحت حاصل کرو۔

تاریخ سے سبق

ع ١٦ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهَىٰ ﴿١٢٨﴾ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن

تحقیق میں اس البتہ نشانیاں ہیں واسطے والوں عقل (١٢٨) اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو پہلے ہی ہو چکی ہے طرف سے

رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَأَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿١٢٩﴾

رب تیرے کی تو ہو جاتی سزا اور اگر نہ ہوتا وقت مقرر (١٢٩)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اس میں عقل والوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں۔(١٢٨) اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو تیرے رب کی طرف سے نکل چکی اور نہ ہوتی میعاد مقرر تو ضرور سزا مل جاتی۔(١٢٩)

تفسیر

اللہ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ دنیا میں مہلت دی جائے گی اور پوری سزا کے لیے قیامت کا دن مقرر کر دیا ہے،

اگر یہ دونوں باتیں نہ ہو چکی ہوتیں تو برے کام کرتے ہی اس کا برا نتیجہ اسی وقت مل جاتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اس کے نافرمانوں کی ہلاکت وتباہی تو یقینی ہے، مگر اللہ تعالیٰ ان کو خاص وقت تک مہلت بھی دیتا ہے، تاکہ لوگ توبہ کر کے کفر شرک سے باز آجائیں، اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت نہ ہوتی تو یہ لوگ فوری طور پر سزا میں پکڑے جاتے، مگر اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے مجرموں کو مہلت دیتا ہے تاکہ وہ کفر و شرک سے توبہ کریں۔

پانچوں نمازوں کے اوقات

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ

پس صبر کر پر اس جو وہ کہتے ہیں اور پاکی بیان کر ساتھ خوبیاں رب اپنے کی پہلے نکلنے

الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَ مِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَ

سورج اور پہلے غروب ہونے اس کے اور کچھ گھڑیوں میں رات کی پس پاکی بیان کر اور

اَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿١٣٠﴾

کناروں میں دن کے تاکہ آپ راضی ہوں (۱۳۰)

بامحاورہ ترجمہ: سو! آپ ان باتوں پر صبر کریں جو وہ کہتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح پڑھتے رہیں سورج کے نکلنے اور غروب ہونے سے پہلے اور کچھ رات کی گھڑیوں میں اور کچھ دن کے کناروں میں پڑھا کریں، تاکہ آپ راضی ہوں۔ (۱۳۰)

تفسیر

کافر اور مشرک لوگوں کی باتوں سے آپ کو رنج ہوگا، انہیں کہنے دو، ہوگا وہی جو ہم کہتے ہیں، ان کی باتوں پر صبر کرو، اور مقرر وقت پر اپنے رب کی بندگی کیے جاؤ، سورج نکلنے سے پہلے (فجر) سورج چھپنے سے پہلے (عصر)

رات کی گھڑیوں (مغرب، عشا) اور دن کے دونوں حصوں کے ملنے کا وقت (ظہر) کے وقت اللہ کی حمد وثنا کرو۔
اس کی تسبیح اور حمد بیان کرو، اور اس سے ملتی جلتی خوبیاں اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرو۔

پیغمبر ﷺ کی تسلی کیلئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر کافر اور مشرک آپ کو تکلیفیں پہنچاتے ہیں اور زبان سے برا بھلا کہتے ہیں تو آپ پریشان نہ ہوں، بلکہ جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کریں، آخر کامیابی آپ کی ہی ہوگی جس سے آپ کا جی خوش ہوجائے گا۔

مال و دولت کچھ نہیں

وَ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ
اور مت دراز کر دونوں آنکھیں اپنی طرف اس کے جو برتنے کو دی ہم نے جو طرح طرح لوگوں کو سے ان میں رونق

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ
زندگی دنیا کی تاکہ جانچیں ہم ان کو میں اس

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اپنی آنکھیں اس چیز کی طرف مت اٹھایئے جو ہم نے ان میں سے طرح طرح کے لوگوں کو فائدہ اٹھانے کے لئے دیں، (یعنی: مشرک بھی کئی قسم کے تھے بعض یہودی، بعض عیسائی، بعض بتوں کے پجاری، بعض آگ کے پجاری، بعض ستاروں کے پجاری تھے) ہم نے ان کے امتحان کے لئے دنیا کی رونق کی چیزیں دیں۔

تفسیر

پہلے بتلادیا کہ دنیا میں اصل چیز انسان کے عمل ہیں، جن کے اوپر اس کے انجام کی بھلائی اور برائی کا دارومدار ہے، اور اس قاعدے کے مطابق انسان کو وہ کام بھی بتادیئے، جو اسے اپنے اپنے وقت پر اسے اس دنیا میں کرنے چاہئیں، اب اس کے بعد ان آیتوں میں ارشاد ہے کہ: یہ جو ہم نے مختلف قسم کے کافروں کو دنیا کی رونق کا

ساز وسامان دے رکھا ہے، اور انہیں ان سے فائدہ اٹھانے کا موقع واختیار عطا کیا ہوا ہے، اس کی خود کوئی اہمیت نہیں، یہ مال ودولت، ساز وسامان تو ان کی آزمائش کا ایک ذریعہ ہے، اسے ہم نے دنیا کی رونق بنا دیا ہے، تاکہ یہ دیکھیں کہ کہیں اس کی ظاہری صورت پر لٹو ہو کر یہ اپنے عملوں کو خراب تو نہیں کر لیتے۔

اے پیغمبر! اس کی طرف آپ کو اور آپ کے ماننے والوں کو رشک کی نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھنا چاہیے، کیونکہ اس دنیا کی محبت میں پھنس کر آخرت سے غافل ہو جانے کا اندیشہ ہے، ہم نے آپ کو پچھلے لوگوں کا حال سنا دیا ہے، وہ اسی دنیا کی خوشحالی میں مست ہو کر آخرت کو بھول بیٹھے، اللہ کی حمد وثنا کرنے میں اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے میں مشغول ہونے کی بجائے کھیل کود میں اور خواہشوں کو بے جا طور پر پورا کرنے میں لگ گئے، پھر دیکھو! ان کا انجام کیا ہوا، ان کے برے عمل کی نحوست اپنا رنگ لائی، یہاں تک کہ اس کا برا نتیجہ اس دنیا میں بھی ان کے اوپر آپڑا، اور آخرت میں بھی عذاب کے حقدار ہوئے، تم دنیا کی حرص وہوس سے بچو، اور اپنے اعمال واخلاق درست کرنے میں لگ جاؤ۔

نماز کی اہمیت

وَ رِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴿١٣١﴾ وَ اْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ

اور عطیہ رب تیرے کا بہتر اور زیادہ پائیدار (١٣١) اور حکم کر گھر والوں کو اپنے نماز کا اور

اصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَ

خود جمارہ پر اس نہیں مانگتے ہم آپ سے روزی ہم روزی دیتے ہیں آپ کو اور

الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿١٣٢﴾

اچھا انجام تقویٰ کا ہے (١٣٢)

بامحاورہ ترجمہ: اور آپ کے رب کی روزی بہتر اور بہت باقی رہنے والی ہے۔ (١٣١) اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرو اور خود بھی اس پر قائم رہو، ہم آپ سے روزی نہیں مانگتے، ہم آپ کو روزی دیتے ہیں اور

پرہیزگاری کا انجام بھلا ہے۔ (۱۳۲)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اللہ کے بتائے ہوئے کاموں کا نتیجہ یقیناً دنیا کے کاموں کے نتیجے سے بہت بہتر ہے، اور اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق تمہارے لیے اس کمائی سے زیادہ فائدہ منداور پائیدار ہوگا، جو تم اللہ کے حکم سے منہ موڑ کر کرتے ہو، کیونکہ دنیا کا نفع تو آنی جانی چیز ہے، اور مرنے کے بعد تو کسی کام کا ہی نہیں ہے۔

انسان کے لیے بہتر یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کو پورا کرنے میں لگ جائے اور دنیا کی کمائی میں بس اتنا ہی وقت لگائے، جتنا اللہ کے مقرر کیے ہوئے کاموں کی ادائیگی بچ جائے، اللہ کے مقرر کردہ فرائض کے ادا کرنے میں دنیا کے کام اگر رہ جائیں، سو! رہ جائیں، لیکن دنیا کے کاموں میں پھنس کر اللہ کے حکموں کو پورا کرنے میں خلل پڑنا کم بختی کی نشانی ہے، اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے کا حکم دو اور خود بھی اس کی پابندی کرو، آپ کو پابندی کے ساتھ نماز پڑھتے دیکھ کر آپ کے گھر والے بھی نماز پڑھیں گے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے فرماتے ہیں کہ: ہم آپ سے کسی قسم کا سوال نہیں کرتے بلکہ ہم ہی آپ کو روزی دیتے ہیں اور اچھا انجام پرہیزگاری کا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ: تم ہمارے بندے ہو، ہم اپنے بندوں سے یہ مطالبہ نہیں کرتے کہ ہماری ذات کیلئے اور تمہارے ذمے فقط یہ کام مقرر کرتے ہیں کہ ہماری یاد قائم رکھنے کے لیے نماز کو مکمل طور پر قائم رکھو، نماز کو پابندی کے ساتھ قائم رکھنے سے پرہیزگاری کی زندگی بسر کرنے میں مدد ملے گی، یاد رکھو کہ! انجام پرہیزگاری ہی کا اچھا ہوگا۔

سچائی کی دلیل

وَ قَالُوْا لَوْ لَا یَاْتِیْنَا بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَ لَمْ تَاْتِهِمْ بَیِّنَةُ

اور کہا انہوں نے کیوں نہیں لے آتا ہمارے پاس کوئی نشانی طرف سے رب اپنے کی اور کیا نہیں آچکی پاس انکے وضاحت

مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولٰى ﴿۱۳۳﴾

اس کی جو میں ہے کتابوں پہلے کی (۱۳۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ اپنے رب سے ہماری منہ مانگی کوئی نشانی ہمارے پاس کیوں نہیں لے آتا کیا ان کو پہلے صحیفوں کی شہادتیں نہیں پہنچی؟ (۱۳۳)

تفسیر

اکثر کافر لوگ سیدھی اور سچی بات کو آسانی سے قبول نہیں کرتے، دنیا کی عیش وعشرت میں پڑ کر سمجھتے ہی نہیں، ٹیڑھی طرح سوچنے لگتے ہیں، اس زمانے کے مکہ کے سرکش لوگ نہ ماننے کے لئے طرح طرح کے بہانے نکالتے تھے، اور پیچھا چھڑانے کے لیے اکثر لوگ کہہ دیتے تھے کہ اگر پیغمبری کا دعوی کرنے والا اپنی سچائی کی کوئی ہماری منہ مانگی نشانی اپنے رب کے پاس سے لائے، تو ہم جانیں کہ یہ سچا پیغمبر ہے، مثلاً: ٹھوکر مار کر زمین سے چشمہ نکال دے، یا فوراً ایک ہرا بھرا پودوں سے لدا ہوا باغ لگادے یا آسمان کو گرادے وغیرہ وغیرہ، اس کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے۔

ارشاد ہے کہ: یہ بہانہ بازیاں چھوڑ کر سچے دل سے توجہ کرو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تمہارے پاس حضرت محمد ﷺ کی سچائی کی ایک زبردست شہادت آچکی ہے، اور وہ قرآن ہے، جو وہ تمہیں پڑھ کر سناتے ہیں، تم دیکھتے نہیں کہ اس میں ساری پہلی کتابوں کا خلاصہ آ گیا ہے، کوئی بات ایسی نہیں رہی کہ جس میں انسان کی بھلائی ہو، اور وہ اس میں نہ ہو، کیا یہ ساری نیکیوں اور بھلائیوں کا مجموعہ آپ کے پیغمبر ہونے کی زبردست نشانی نہیں ہے، جو تم بے کار نشانیاں طلب کرتے ہو؟ ایسی کتاب کے ہوتے ہوئے اور کسی نشانی کی ضرورت نہیں۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ جتنی اگلی پچھلی انسان کے فائدے کی باتیں دنیا میں تھیں، یا ہیں، یا ہوں گی، وہ سب قرآن کے اندر جمع کردی گئی ہیں، ان کے اصول وکلیات کو اب کہیں اور ڈھونڈنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔

بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولٰى: یعنی: پہلی آسمانی کتابیں، "تورات وانجیل" اور ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے

وغیرہ سب کے سب آخری پیغمبر ﷺ کی پیغمبری کی شہادت دیتے آئے ہیں، کیا یہ شہادت کافروں کے لئے کافی زیادہ ثبوت نہیں ہے۔

بہانہ بازی

وَ لَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْ لَاۤ
اور اگر ہم ہلاک کردیتے انکو سے عذاب سے پہلے اس توضرور کہتے اے رب ہمارے! کیوں نہ
اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿١٣٤﴾
بھیجا آپ نے طرف ہماری ایک پیغمبر تاکہ پیروی کرتے آیتوں آپ کی کے سے پہلے اس کے ہم ذلیل ہوتے اور رسوا ہوتے (١٣٤)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اگر ہم ان کو کسی آفت میں اس سے پہلے ہلاک کر دیتے تو کہنے لگتے اے رب! ہم تک کسی کو پیغام دے کر کیوں نہ بھیجا کہ ہم ذلیل و رسوا ہونے سے پہلے آپ کی کتاب پر عمل کرتے۔ (١٣٤)

تفسیر

پچھلی آیت میں بتایا گیا کہ قرآن مجید جو حضرت محمد ﷺ کے ذریعے دنیا میں بھیج دیا گیا، یہ ان کے پیغمبر ہونے کی سب سے زبردست نشانی ہے کیونکہ اس میں پہلی ساری آسمانی کتابوں کا خلاصہ درج ہے، جو باتیں انسان کی بھلائی کے لیے ضروری تھیں، وہ سب اس میں آ گئی ہیں، اتنی بڑی نشانی کے ہوتے ہوئے یہ اور کیا نشانی پیغمبر کی سچائی کی چاہتے ہیں؟ درحقیقت ان کا جی دنیا کے مشغلوں میں پھنسے ہوئے ہونے کی وجہ سے حق بات کے قبول نہ کرنے کے بہانے ڈھونڈتا ہے۔

خلاصہ: یہ کہ ان لوگوں کو دنیا کے مزوں نے آخرت سے غافل کر رکھا ہے، پیغمبر سے قرآن کے بعد اور نشانی طلب کرتے ہیں، اور اگر عذاب آجاتا تو کہتے کہ پہلے پیغمبر کیوں نہ بھیجا جو ہم کو ڈراتا، ہم اس کا کہنا ضرور مانتے اور اس تباہ کن عذاب سے بچ جاتے۔

انتظار کرو

قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ

کہہ دیں کہ ہر ایک انتظار میں ہے سو! تم بھی انتظار کرو پس عنقریب جان لوگے تم کون والے راستہ

ع ٨ ١٧ السَّوِيِّ وَ مَنِ اهْتَدٰى ﴿١٣٥﴾

سیدھا اور کون ہدایت پر چلا (١٣٥)

بامحاورہ ترجمہ:۔ آپ کہہ دیں کہ! ہر ایک راہ دیکھ رہا ہے، سو! تم بھی راہ دیکھو، آئندہ جان لوگے کہ سیدھی راہ والے کون ہیں اور کس نے راہ پائی۔ (١٣٥)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: یہ لوگ قرآن مجید کو ماننے والے نہیں، اس کی طرف سے پھرے بیٹھے ہیں، نہ آتا تو مصیبت میں پھنس کر کہتے کہ پہلے پیغمبر بھیج کر ہمیں بتادیا ہوتا کہ یہ راستہ جس پر ہم چل رہے ہیں غلط ہے، ہم پیغمبر کے کہتے ہی اسے چھوڑ دیتے اور سیدھے راستہ پر چل پڑتے، اصل یہ ہے کہ یہ اس انتظار میں ہیں کہ مسلمانوں کی راہ دیکھ رہے ہیں کہ کب یہ لوگ سامنے سے ہٹیں اور کب ہمارا راستہ صاف ہو، ان سے کہہ دو کہ! تم چونکہ قرآن حکیم کے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے، تاکہ اس کی عظمت کو مان لو اور جان لو کہ سراسر انسان کے لیے خیر و خوبی کا خزانہ ہے؛ اس لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم دونوں صبر کے ساتھ انتظار کریں کہ آئندہ کیا ہوگا؟ ہم غالب رہتے ہیں کہ تم، پس عنقریب تم لوگ جان لوگے کہ کون سیدھے راستے والے، اور ہدایت والے ہیں تم یا ہم؟

سورۃ الانبیاء کا تعارف

اس سورۃ مبارکہ کا نام "سورۃ الانبیاء" ہے۔ اس میں بہت سے پیغمبروں کا ذکر ہے، مثلاً: حضرت نوح، حضرت ادریس، حضرت یونس، حضرت ایوب، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور آخر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے، اس لئے اس سورۃ کو "سورۃ الانبیاء" کہا گیا۔ بعض سورتیں جیسے "سورۃ مزمل، مدثر، نٓ، فاتحہ، وغیرہ" تو مکی زندگی کے ابتدائی دور میں اتریں، مگر یہ سورۃ مکی دور کے بیچ میں اتری۔

"بخاری شریف" میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے "سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ کہف، سورۃ مریم اور سورۃ الانبیاء" کے متعلق ارشاد فرمایا:

"إِنَّهُنَّ مِنَ العِتَاقِ الأُوَلِ، وَهُنَّ مِنْ تِلاَدِي"

(صحيح البخاري: ٦/١٨٥: دار طوق النجاة)

"یعنی یہ سورتیں میرا قدیم مال ہیں جن کی میں حفاظت کرتا ہوں یعنی ان کو دہراتا رہتا ہوں"۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ: لوگوں کے لئے حساب کتاب کی منزل قریب آچکی ہے۔ "وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ" اور وہ غفلت میں پڑے ہوئے منہ پھیرے ہوئے ہیں، گویا اللہ تعالیٰ نے موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور عملوں کے حساب کتاب کی طرف اشارہ فرمادیا، حساب کتاب کے قریب آنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی آخری کتاب قرآن مجید آچکے ہیں، تو اب قیامت آنے میں کیا دیر رہ گئی ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ علامتیں آنے کے بعد بھی صدیاں گزر چکی ہیں، مگر ابھی تک تو حساب کتاب کی منزل نہیں آئی، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد موجود ہے:

اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۝ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ۝ (پارہ ۲۹: سورۃ المعارج)

یعنی لوگ قیامت کو دور سمجھ رہے ہیں لیکن ہمارے حساب سے وہ قریب آچکی ہے، اللہ تعالیٰ کا آخری پیغمبر آچکا ہے اور آخری کتاب آچکی ہے، اب نہ کوئی پیغمبر آئے گا اور نہ کوئی نئی کتاب، صرف حساب کی منزل باقی ہے،

جو قریب آ چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں نے یہ عادت بنا رکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے کسی حکم یا نصیحت کی طرف توجہ نہیں کرتے وہ اس کو سنتے تو ضرور ہیں مگر نہ اس پر غور کرتے ہیں اور نہ عمل کی نوبت آتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ آخرت کی تیاری سے بالکل ہی غافل ہیں۔

فرمایا: نہ صرف ان کا ظاہر کھیل کود میں مشغول ہے بلکہ فرمایا: ان کے دل بھی کھیل کود میں مشغول ہیں، ان کے دل دماغ میں کوئی اچھی بات آتی ہی نہیں۔

مکہ کے مشرکوں نے نہ تو قرآن پاک جیسی نصیحت کی طرف توجہ کی اور نہ ہی اس نصیحت لانے والے آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، بلکہ یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ تو تمہارے جیسا آدمی ہے بھلا اس معمولی سے آدمی کو ہم کیسے پیغمبر مان لیں؟ مشرک اور پرانے نافرمان اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں پر ہمیشہ سے یہی اعتراض کرتے چلے آرہے ہیں کہ ان کی مالی حالت اچھی نہیں، ان کے پاس مال و دولت نہیں، لہٰذا ہم ان کو کیسے پیغمبر مان لیں؟

ایاتھا — ۱۱۲ | سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآءِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتھا — ۷

سورۃ الانبیاء مکی ہے، اس میں ایک سو بارہ آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

لوگوں کی غفلت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَ هُمْ فِیْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۱﴾ مَا

قریب آگیا ہے | لوگوں کے | حساب ان کا | اور | وہ | میں | بے خبری | ٹلائے جارہے ہیں (۱) | نہیں

يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَ هُمْ
آتا ان تک کوئی ذکر سے پاس رب ان کے کے نیا مگر وہ سنتے ہیں اسے اس حال میں کہ وہ ہیں

يَلْعَبُوْنَ ۝٢ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ؕ
کھیل میں لگے ہوئے (٢) پھرے ہوتے ہیں دل ان کے

بامحاورہ ترجمہ: لوگوں کے حساب کا وقت ان کے نزدیک آ گیا اور وہ غفلت میں ٹلا رہے ہیں۔ (١) ان کے رب کے پاس سے انہیں جب کوئی نئی نصیحت پہنچتی ہے تو وہ اسے سنتے ہیں کھیل میں لگے ہوئے۔ (٢) اور دل ان کے غافل ہوتے ہیں۔

تفسیر

انسان دنیا کے دھندوں میں اس طرح پھنسا ہوا ہے کہ گویا اسے ہمیشہ یہیں رہنا ہے، وہ دوسروں کو مرتے دیکھتا ہے اور شاید کچھ خیال آتا ہو کہ مجھے بھی ایک دن مرنا پڑیگا، اور دنیا کے مزے، مال و دولت، قوت، طاقت، کنبے، قبیلے والے، یار دوست سب کچھ اس کی آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں، اور وہ کہنے لگتا ہے، خیر جب مریں گے دیکھا جائے گا، اِس وقت تو عیش و عشرت کا سامان موجود ہے، دل کھول کر مزے اڑانے چاہئیں، اسے یہ سوجھتا نہیں، کہ جو سیکنڈ بھی گذرتا ہے، اسے موت کے زیادہ قریب کر دیتا ہے، یہ آیت انوکھے انداز سے لوگوں کو جھنجوڑتی ہے کہ ہر لحہ قیامت لوگوں سے قریب ہوتی جارہی ہے، لیکن وہ ادھر سے منہ پھیرے ہوئے، اپنے اپنے کام میں ہنسی خوشی لگے ہوئے ہیں، ذرا خیال نہیں آتا کہ ان کاموں کا عنقریب حساب دینا پڑے گا، جب انہیں کوئی نئی آیت سنائی جاتی ہے تو بظاہر کان لگا کر سنتے معلوم ہوتے ہیں، لیکن ان کا دھیان روزمرہ کے دنیاوی کھیل کود میں لگا ہوتا ہے، ان کے دل سے آخرت کا دھیان بالکل نکل چکا ہے، موت اور اس کے بعد کو بالکل بھولے بیٹھے ہیں۔

خفیہ مشورے

وَ اَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ
اور چپکے چپکے کی صلاح ان لوگوں نے جنہوں نے شرک کیا نہیں یہ کوئی اور مگر آدمی تم ہی جیسا

اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝٣ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ
کیا پس آؤ گے تم جادو کے پاس حالانکہ تم دیکھتے ہو (٣) کہا پیغمبر نے رب میرا جانتا ہے بات

فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ۫ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝٤
میں آسمان اور زمین اور وہ سننے والا جاننے والا ہے (٤)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور چھپا کر بات چیت کی مشرکوں نے، اس لئے کہ اگر مسلمان سن لیں گے تو ان کی سازش کا پول کھل جائیگا اور انہوں نے آپس میں کہا یہ شخص کون ہے؟ ایک تم ہی جیسا آدمی ہے، کوئی فرشتہ تو نہیں، پھر اس کے جادو میں آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کیوں پھنستے ہو؟ (٣) پیغمبر نے کہا میرے رب کو بات کی خبر ہے، آسمان میں ہو یا زمین میں اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ (٤)

تفسیر

جن لوگوں کو پہلے پہل قرآن سنایا گیا وہ اس کی زبان اور طرز بیان سے حیرت میں رہ گئے، جو ان میں زیادہ ماہر تھے، ان کے منہ سے اسے سن کر بے ساختہ نکلا کہ یہ بشر کا کلام نہیں ہوسکتا، جو ان میں سے ہٹ دھرم اور ضدی تھے، انہوں نے جب دیکھا کہ یہ کلام سننے والے کا دل موہ لیتا ہے تو انہیں اپنی جماعت اور جتھے کے ٹوٹ جانے کا پورا پورا اندیشہ ہو گیا اور انہوں نے لوگوں سے کہنا شروع کیا کہ اس کو سنو ہی مت، اس آیت میں ان ہٹ دھرموں کا حال بیان کیا گیا ہے۔

ارشاد ہے کہ: ان ضدی اور بے انصاف لوگوں نے ایک خفیہ مجلس کی اور لوگوں کو چپکے چپکے سمجھایا کہ یہ جو

تمہیں نیا کلام سناتے ہیں وہ بھی تم ہی جیسا آدمی ہے، اس کلام میں جو اثر ہے، وہ جادو کا زور ہے، کیا تم جان بوجھ کر ایک جادوگر کے پاس جاؤ گے؟ وہ اپنی بات کا اثر ڈال کر تمہیں اپنا بنالے گا، عقل مند آدمی تو ایسا نہیں کر سکتا، وہ تو اس کے سایہ سے بھی بچے گا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب اس خفیہ مجلس کی خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خفیہ صلاح و مشورے سب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں، آسمان اور زمین دونوں میں جو بات ہوتی ہے اسے معلوم ہے، وہ سب کچھ سنتا ہے اور سب کچھ جانتا ہے، چنانچہ دیکھو اس نے تمہارا راز مجھ پہ کھول دیا۔

جادوگری کا الزام

کہتے تھے: یہ ہے تو معمولی حیثیت کا آدمی مگر اس کی بات میں اثر ضرور ہے، ہو نہ ہو یہ جادو کا اثر ہے، پھر دوسرے لوگوں سے کہنے لگے: کیا تم جادو میں پھنستے ہو؟ حالانکہ تم دیکھ رہے ہو کہ یہ ایک معمولی حیثیت کا آدمی ہے، گویا مکہ کے مشرکوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو جادو کہا (العیاذ باللہ) اور بعض دوسرے بیکار اعتراضات بھی کیئے، ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے فرمایا:

میرا اللہ خوب جانتا ہے اس بات کو جو آسمان میں ہو یا زمین میں، مطلب یہ کہ ایسی بات کرنے والا کوئی آسمان پر ہو یا زمین پر ہو، اللہ تعالیٰ ان سب کی باتوں کو جانتے ہیں اور یہ بھی جانتا ہے کہ یہ لوگ محض ضد اور دشمنی کی وجہ سے جادوگری کا الزام لگا رہے ہیں وہ ہر بات کو سننے والا اور جاننے والا ہے، ان منکروں کی باتیں اور حالات اللہ تعالیٰ سے چھپے ہوئے نہیں ہیں، وہ ایک مقررہ وقت پر انکو ان کے ظلم کی سزا دیگا۔

مشرکوں کی بوکھلاہٹ

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚۖ فَلْيَاْتِنَا

بلکہ (اسے بھوڑکر) کہا انہوں نے پریشان خواب ہیں بلکہ گھڑ لیا ہے اسکو بلکہ وہ تو شاعر ہے پس لائے ہمارے پاس

بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ

کوئی معجزہ جیسے بھیجے گئے پہلے پیغمبر معجزہ دے کر(۵) نہ ایمان لائی پہلے ان سے کوئی بستی

اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَ مَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا

جسے ہم نے تباہ کیا کیاپس یہ ایمان لے آئیں گے(٦) اور نہیں بھیجے ہم نے پیغمبر سے پہلے آپ مگر مرد

نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا

وحی کی ہم نے طرف انکی پس پوچھ لوتم والوں سے یادرکھنے اگر ہوتم نہیں جانتے (۷) اور نہ

جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ مَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝

بنائے تھے ہم نے انکے ایسے بدن کہ نہ کھائیں وہ کھانا اور نہ تھے وہ ہمیشہ رہنے والے(۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بلکہ ان لوگوں نے کہا کہ یہ تو پریشان خواب ہیں (جو یہ پیش کرتا) بلکہ اس کو گھڑ لیا ہے اس نے بلکہ یہ تو شاعر ہے شاعروں جیسی خیالی باتیں پیش کرتا ہے پس لائے ہمارے پاس نشانیاں ایسی جیسے پہلے پیغمبر نشانیاں دے کے بھیجے گئے۔(۵) نہیں ایمان لائے اس سے پہلے بستیوں والے جن کو ہم نے ہلاک کیا ہے، کیا یہ ایمان لائیں گے؟(٦) اور ہم نے آپ سے پہلے پیغمبر صرف مرد بھیجے اور ان کی طرف وحی بھیجتے تھے، سو جاننے والوں سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے۔(۷) سو ہم نے ان کے ایسے بدن نہ بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ تھے وہ ہمیشہ رہنے والے۔(۸)

تفسیر

حقیقت میں مکہ کے بااثر لوگ قرآن مجید سن کر پریشان ہو گئے تھے، جب انہوں نے اس میں شرک کی برائی سنی تو گھبرائے کہ یہ تو ہماری سرداری کے لئے موت ہے، ہمارا زور، ہماری آمدنی، ہماری بات، ہماری عزت سب کچھ ماری گئی، کبھی تو لوگوں سے کہتے اسے مت سنو یہ تو جادو کا منتر ہے، کبھی کہتے پریشان خوابوں کا ڈھیر ہے، کبھی کہتے جھوٹی کہانیاں ہیں، اِدھر اُدھر سے جوڑ کر ان کا نام قرآن رکھ دیا ہے، کبھی آپ کو شاعر بتلاتے، جو عرب

کے نزدیک کسی جن کے زیر اثر ہوتا تھا، غرض یہ تھی کہ لوگ اس کی طرف توجہ نہ کریں، آخر میں کہتے کہ یہ پیغمبر بنتے ہیں تو پہلے پیغمبروں کی طرح کوئی صاف نشانی لے کر آئیں، جسے دیکھتے ہی یقین آجائے، یہ سب نہ ماننے کے بہانے ہیں ورنہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تو بہت ساری نشانیاں پیش کر سکتے تھے، اور سب سے بڑی نشانی خود قرآن تھا پہلی کتابوں نے اسکی پیشین گوئی خود کی تھی کہ یہ بھی انہی کی طرح پیغمبر ہیں، پہلے لوگوں کو ان کے پیغمبروں نے بڑے بڑے معجزے دکھائے، جب اس پر بھی وہ ایمان نہ لائے، تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا، اب اِن لوگوں سے ایمان کی کیا توقع ہے؟

پہلے بیان ہوا کہ منکر لوگ دوسروں کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہہ کہ دور رکھنے کی کوشش کرتے تھے کہ یہ ہم ہی جیسے آدمی ہیں اور آدمی اللہ کا پیغمبر نہیں ہو سکتا، یہ تو ایسے ہی کھاتے پیتے، چلتے پھرتے آدمی ہیں جیسے عام آدمی ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو اپنا پیغمبر بنا کر بھیجنا ہوتا تو وہ کسی فرشتہ کو بھیج سکتا تھا جو ان تمام کاموں سے دور ہوتا، اس آیت میں اس کا جواب ہے کہ اے پیغمبر! ان سے کہہ دیں کہ ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے اور وہ سب کے سب آدمی تھے، تو آخری پیغمبر کا انسان ہونا بھی کوئی انوکھی بات نہیں، بلکہ اس سے پہلے ہم نے جتنے بھی پیغمبر بھیجے، وہ انسان تھے اور مرد تھے، کوئی جن یا فرشتہ یا کوئی اور مخلوق انسانوں کی طرف پیغمبر بنا کر نہیں بھیجی گئی، اس بات کو یہودی اور عیسائی اچھی طرح جانتے اور مانتے ہیں، کیونکہ وہ توراۃ وانجیل میں بہت سے پیغمبروں کا حال پڑھ چکے ہیں اور اس سے واقف ہیں کہ ان کے ایسے ہی بدن تھے جیسے آدمیوں کے ہوتے ہیں اور دنیا میں ایک مقررہ مدت تک ہی رہ سکتے ہیں، ہمیشہ کی زندگی ان کے لئے ایسے بدنوں کے ہوتے ہوئے نہیں ہو سکتی ہے اور جو لوگ پہلی کتابوں اور ان کے لانے والے پیغمبروں سے واقف ہیں، ان سے پوچھ لو، وہ سب کھاتے پیتے، چلتے پھرتے انسان تھے، اپنا اپنا کام کر کے دنیا سے رخصت ہوئے، اسی سلسلے کے آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تعجب ہے کہ ان کو پیغمبر نہ مانا جائے۔

آگے ارشاد ہوتا ہے: "وَ مَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ": پیغمبر کی انسانی ضرورتوں کی

پیشِ نظر ہم نے پیغمبروں کے جسم ایسے نہیں بنائے جو کھانا نہ کھاتے ہوں، بلکہ انسان ہونے کے ناطے سے پیغمبر کو بھوک بھی لگتی تھی اور بعض اوقات بھوک کی وجہ سے بے چین بھی ہو جاتے تھے، حتّٰی کہ بعض اوقات پیٹ پر پتھر بھی باندھنا پڑتے تھے، مطلب یہ ہے کہ کھانا پینا، پیغمبروں کے شان کے خلاف نہیں۔

ایمان والوں سے وعدہ

ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَ مَنْ نَّشَآءُ وَ اَهْلَكْنَا

پھر سچ کر دکھایا ہم نے ان سے وعدہ پس نجات دی ہم نے انہیں اور ان کو جنہیں ہم نے چاہا اور تباہ کیا ہم نے

الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۹﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا

حد سے نکل جانے والوں کو (۹) البتہ تحقیق اتاری ہم نے طرف تمہاری ایک کتاب کہ میں اس شہرت ہے تمہاری کیا

ع ۱ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّ اَنْشَاْنَا

پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے (۱۰) اور کتنی ہی تباہ کر دیں ہم نے بستیاں جو تھیں شرک کرنے والی اور پیدا کر دیں ہم نے

بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا

بعد ان کے اور قوم دوسری (۱۱) پس جب محسوس کیا انہوں نے عذاب ہمارا اچانک وہ سے اس بستی

يَرْكُضُوْنَ ﴿۱۲﴾ ؕ

بھاگنے لگے (۱۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر سچ کر دکھایا ہم نے اپنا وعدہ جو ان سے کیا تھا اور پھر ہم نے ان کو نجات دی اور اس کو بھی جس کو چاہا اور حد سے نکلنے والوں کو تباہ کیا۔(۹) ہم نے تمہاری طرف ایک کتاب اتاری ہے جس میں تمہاری عزت اور نیک نامی کی باتیں ہیں کیا تم سمجھتے نہیں۔(۱۰) اور ہم نے کتنی بستیاں جو گنہگار تھیں تباہ کر ڈالیں اور ان کے پیچھے اور لوگ اٹھا کھڑے کئے۔(۱۱) پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب آتے دیکھا تو وہاں سے بھاگنے لگے۔(۱۲)

تفسیر

اس سے پہلے ارشاد ہوا کہ: انسان کی طرف پیغمبر انسان ہی آسکتا ہے، اور ضروری ہے کہ وہ انہی کی طرف حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو، انہی کی طرح اپنے بدن کے بنائے رکھنے کے لئے کھائے پیئے، انہی کی طرح چلے پھرے، آہستہ آہستہ تمام بدنی قوتوں کے کمزور ہوجانے کی وجہ سے اس دنیا سے رخصت ہوجائے، چنانچہ جتنے پیغمبر دنیا میں آئے سب آدمی تھے، عام آدمیوں اور پیغمبروں میں فرق یہ تھا، جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا پیغمبر بنایا تھا ان کی طرف اپنی وحی بھیجی، ہدایت کا کام ان کے سپرد کیا تھا، جسے انہوں نے پورا کیا، لوگوں پر ان کی نافرمانی اور سرکشی کی وجہ سے عذاب آیا، تو ان کو اور ان کے ساتھ ان کے ساتھیوں کو اس عذاب سے بچالیا۔

آگے ارشاد ہے کہ: اسی طرح ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا آخری پیغمبر بنا کر انسان کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے، اور ان کو ایک بڑی شان والی کتاب دی ہے، جس کے اندر تمہارے لئے نصیحت اور شہرت وعزت کا سارا سامان موجود ہے، اس سے بڑی عزت کیا ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک قریش کی زبان عربی میں اتارا اور ان کو پہلا دین کی دعوت دینے والا بنایا، عقل سے کام لو اور دونوں جہانوں میں سرخ رو ہو، کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ کیا تم اس بات پر غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے کتنی بڑی نعمت تمہیں عطا کی ہے اللہ تعالیٰ کے انعام کا شکریہ ادا کرو اور قرآن مجید اور پیغمبر کی اتباع کرو، اسی میں تمہاری دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے۔

پچھلی آیتوں میں بتایا گیا کہ پہلے لوگوں کو سمجھانے کے لئے بھی ہم نے پیغمبر بھیجے تھے، وہ انہی جیسے آدمی تھے، لیکن ہم نے انہیں اپنا پیغام لوگوں کے پاس پہنچانے کے لئے پسند کیا تھا اور وقت پر ان کی مدد کا وعدہ کیا تھا، چنانچہ جب نافرنوں پر عذاب آیا تو ہم نے پیغمبروں کو بچالیا اور حد سے آگے بڑھ جانے والوں کو تباہ کردیا، اس کے بعد اس آیت میں اسی کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جارہا ہے کہ ہم نے بہت سے لوگوں کو جو تم سے پہلے دنیا میں بستے تھے، ان کے ظلم اور زیادتیوں کی وجہ سے ہلاک کردیا، اور ان کی جگہ اور قوموں کو پیدا کردیا کہ وہ ان کی جگہ

سنبھالیں، وہ لوگ انسانوں کی طرح نہ رہتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کی پوجا کرتے تھے، ہمارے پیغمبران کے پاس آئے اور انہیں سمجھایا، لیکن انہوں نے ان کا کہنا نہ مانا، آخر انہیں عذاب نے آگھیرا، اور جب انہیں علامتوں سے یقین ہوگیا، کہ یہ عذاب ہے تو وہاں سے بھاگنے لگے! کہ یہ اللہ کا عذاب ہے۔

پچھلی قوموں کا حال بیان کر کے خبردار کیا ہے، کہ خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ اگر تم بھی نافرمانی کروگے تو خدا کی پکڑ سے بچ نہیں سکتے، ارشاد ہوتا ہے، ہم نے کتنی ہی بستیوں کو پیس ڈالا جن کے رہنے والے مشرک تھے، زیادتی اور کفر وشرک کرنے والوں کو ہم نے ہلاک کردیا، اور اس کے بعد ہم نے دوسرے لوگوں کو ان کی جگہ کھڑا کردیا، پھر جب انہوں نے بھی ظلم وزیادتی کا بازار گرام کیا تو انہیں بھی ہلاک کردیا گیا، اور ان کی جگہ دوسری قومیں آگئیں، فرمایا تم سمجھو ورنہ تمہارا انجام بھی پچھلی قوموں سے جدا نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے پچھلی قوموں کے متعلق فرمایا: جب انہوں نے ہماری پکڑ اور عذاب کو محسوس کیا، یعنی: جب ان پر ہمارے عذاب کی نشانیاں ظاہر ہونے لگیں تو اچانک وہ ان سے ایڑھ لگا کر بھاگنے لگے۔" رکض" کا معنیٰ گھوڑے کو ایڑھ لگا کر تیز دوڑانا ہوتا ہے، یہاں مطلب یہ ہے کہ عذاب دیکھ کر نافرمانوں نے اس سے بچنے کے لئے گھوڑے کی سی تیزی کے ساتھ ادھر ادھر بھاگنے کی کوشش کی مگر پھر بھی اللہ کے عذاب سے نہ بچ سکے۔

کافروں کی پریشانی

لَا تَرْكُضُوْا وَ ارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَ مَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ

مت بھاگو اور لوٹ جاؤ طرف اس سامان کے کہ خوشحال کئے گئے تم جس میں اور طرف رہائش گاہوں اپنی شاید سے تم

تُسْـَٔلُوْنَ ﴿١٣﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿١٤﴾ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ

سوال کیا جائے (١٣) بولے ہائے خرابی ہماری بیشک تھے ہم ظالم (١٤) پس ہمیشہ رہی یہی

دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿١٥﴾ وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ

پکار ان کی یہاں تک کہ کر ڈالا ہم نے انہیں کٹا ہوا بے حس وحرکت (١٥) اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان کو

وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَيۡنَهُمَا لٰعِبِيۡنَ ۝۱۶ لَوۡ اَرَدۡنَاۤ اَنۡ نَّتَّخِذَ لَهۡوًا

اور زمین کو اور جو درمیان ان کے کھیلتے ہوئے (۱۶) اگر ہم ارادہ کرتے کہ بنائیں ہم کوئی کھلونا

لَّاتَّخَذۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّاۤ ۖ اِنۡ كُنَّا فٰعِلِيۡنَ ۝۱۷

تو بنالیتے ہم اس کو سے پاس اپنے اگر ہوتے ہم کرنے والے (۱۷)

بامحاورہ ترجمہ: مت بھاگو، (تم بھاگ کر کہیں نہیں جاسکتے اس طرح بھاگنے کے بجائے) واپس آؤ اس خوشحالی کی طرف جو تمہیں دی گئی تھی، شاید تم سے پوچھا جائے، کہنے لگے وائے خرابی ہماری ہم بے شک ظالم تھے۔ (۱۴) پس برابر ان کی فریاد یہی رہی یہاں تک ہم نے انکو کٹے ہوئے کھیت اور بجھے ہوئے کوئلے کی طرح کر دیا۔ (۱۵) اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے کھیلتے ہوئے نہیں بنایا۔ (۱۶) اگر ہم کوئی کھلونا بنانا چاہتے تو ہم اپنے پاس سے بنالیتے اگر ہم کو کرنا ہوتا۔ (۱۷)

تفسیر

ارشاد ہے: اے ظالمو! اب بھاگتے کیوں ہو؟ اسی جگہ واپس جاؤ جہاں تم عیش و عشرت کے ساتھ مزے اڑا رہے تھے، آج تمہاری بدعمالیاں تمہارے آگے آئیں تو لگے بھاگنے، آج تم میں بھگ دڑ مچ گئی، وہیں جاؤ، شاید آج بھی تمہارے چیلے چانٹے تم سے مدد مانگیں اور مشورہ طلب کریں کہ پہلے تو تم ہمیں خوب مشورے دیتے تھے، آج بتاؤ کیا کریں؟

ان لوگوں نے بدحواسی میں کہا ہائے ہائے آج ہماری کم بختی آ گئی، واقعی ہم نے بڑا ظلم کیا، جو پیغمبروں کی بات نہ سنی غرض اسی طرح وہ ہائے واویلا مچاتے رہے اور اپنے گناہوں کا اقرار کرتے رہے، لیکن عذاب ان پر آچکا تھا، اس وقت چیخ و پکار تو بے کار تھی، وہ تو یونہی چیختے چلاتے رہے، اور ہم نے انہیں کھیتی کی طرح کاٹ کر ڈال دیا، اور وہ مردہ بے جان، بے حس و حرکت ہو کر گر پڑے اور تباہ ہو گئے۔

نافرمان، گنہگار اور بدکردار لوگوں کا حال پچھلی آیتوں میں بیان ہوا، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کا کہنا نہ

مان کر بہت دن دنیا میں نہ رہ سکے، اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے طرح طرح کی آفتوں میں مبتلا ہوئے، آخرکار مارے گئے، اور اسی جگہ جہاں وہ عیش وعشرت میں بے پروائی کے ساتھ مصروف رہتے تھے، کٹی ہوئی کھیتی اور بجھے ہوئے کوئلوں کی طرح ڈھیر ہوکر رہ گئے، اسکے بعد ان آیتوں میں انسان کو کامیابی کی راہ بتائی گئی ہے، کہ دنیا کی حالت پر غور کرو، ارشاد ہے کہ ہم نے اسے کھیل تماشے کے طور پر نہیں بنایا، اس میں بہت بڑی مصلحت چھپی ہوئی ہے، ارشاد ہے کہ اگر ہم تفریح اور کھیل کے محتاج ہوتے تو ہم اپنے پاس ہی کی چیزوں سے کوئی کھلونا بنالیتے، اس عالم کے بنانے کی ضرورت کیا تھی۔

مفسرین کرام "تُسْـَٔلُوْنَ" کی دوطرح سے تفسیر بیان کرتے ہیں، پہلا نقطہ نظر یہ ہے کہ مجرموں سے ان کی سزا کے متعلق پوچھا جائے گا، کہ اب تمہاری مال اور دولت کہاں گئی؟ تمہارے آرام وآسائش اور کھیل کود کے سامان کا کیا ہوا؟ اب یہ چیز تمہیں اللہ کے عذاب سے کیوں نہیں بچاتیں؟

"تُسْـَٔلُوْنَ" کا دوسرا معنی مفسرین یہ بیان کرتے ہیں، کہ دنیا میں تم اپنی اپنی قوم کے سردار تھے، پورا خاندان اور برادری تمہارے ماتحت تھی، سب تمہارے حکم کے منتظر رہتے تھے، تمہاری مانی جاتی تھی اور لوگ تم سے مشورہ لیتے تھے، اب عذاب کو دیکھ کر کہاں بھاگتے ہو؟ چلو اپنی قوم کے پاس شاید اب بھی وہ تمہارے مشوروں کے انتظار میں ہوں کہ اللہ عذاب سے کیسے بچا جاسکے، اب ان کو مشورہ دو کہ وہ کیا کریں۔

عربی زبان میں حرف "لو" فرضی چیزوں کے لئے بولا جاتا ہے، جسکا کوئی وجود نہ ہو اس جگہ بھی اسی حرف سے مضمون بیان ہوا ہے، کہ بے وقوف آسمان اور زمین کی مخلوقات اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کھیل کود سمجھتے ہیں، کیا وہ اتنی بھی عقل نہیں رکھتے کہ اتنے بڑے بڑے کام بے کار مشغلے کیلئے نہیں ہوا کرتے، یہ کام جس کو کرنا ہو وہ یوں نہیں کیا کرتا، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ کھیل کود کا کوئی کام بھی کسی اچھے عقل مند آدمی کے لئے بھی مناسب نہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات تو سب ان سب کاموں سے بلند وبالا ہے۔

"لَهْوًا" کے اصلی اور مشہور معنی بیکار مشغلہ کے ہیں، اسی کے مطابق تفسیر کی گئی ہے، بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ: لفظ "لَهْوًا" کبھی بیوی کے لئے اور اولاد کے لئے بھی بولا جاتا ہے، اور یہاں یہ مراد لیا جائے تو

مطلب آیت کا یہودیوں اورعیسائیوں پر رد کرنا ہوگا، جو حضرت عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا اور مریم علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ کی بیوی کہتے ہیں، کہ اگر ہمیں بیوی بچے ہی بنانے ہوتے تو انسانی مخلوق کو کیوں بناتے؟ اپنے پاس کی مخلوق میں سے بنا لیتے۔

جنگ کا میدان

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ وَ

بلکہ چھینک مارتے ہیں ہم حق کو پر باطل پس بھیجا نکال دیتا ہے اسکا پس اچانک وہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے اور

لَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿١٨﴾ وَ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ

واسطے تمہارے خرابی ہے سے اس جو تم کہتے پھرتے ہو (١٨) اور اسی کا ہے جو کوئی میں آسمانوں اور زمین

وَ مَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿١٩﴾

اور جو پاس اسکے نہیں سرکشی کرتے سے عبادت اس کی اور نہ سستی کرتے ہیں (١٩)

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿٢٠﴾ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ

ذکر کرتے ہیں رات اور دن نہیں تھکتے وہ (٢٠) کیا بنایا انہوں نے اور معبود سے

الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿٢١﴾

زمین کہ وہ اُٹھا بٹھائیں گے انہیں (٢١)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یوں ہی ہم سچ کو جھوٹ پر پھینک مارتے ہیں پھر وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے (یعنی مغلوب کر دیتا ہے) سو وہ مٹ جاتا ہے اور تمہارے لیے ان باتوں سے جو تم بناتے ہو خرابی ہے۔ (١٨) اور جو کوئی آسمان اور زمین میں ہے اسی کا ہے اور جو اس کے نزدیک رہتے ہیں اس کی عبادت سے سرکشی نہیں کرتے اور نہ سستی کرتے ہیں۔ (١٩) دن رات تسبیح کرتے ہیں ذرا نہیں تھکتے۔ (٢٠) کیا ان لوگوں نے جو زمین میں سے خدا بنا رکھے ہیں وہ انکو دوبارہ زندہ کر کے اٹھائیں گے؟ (٢١)

تفسیر

پہلے ارشاد ہوا کہ یہ دنیا کوئی کھیل نہیں ہے، اور نہ ہمیں کھیل کی ضرورت ہے، اگر ضرورت ہوتی تو اپنے پاس ہی کی چیزوں سے دل بہلانے کا مشغلہ نکال لیتے، اس آیت میں ارشاد ہے کہ انسان کو بھی اس دنیا کی زندگی کھیل کود میں نہ گذرانا چاہیے، یہاں حق وباطل سچ اور جھوٹ دونوں ملے جلے موجود ہیں، ان دونوں کی آپس میں جنگ ہوتی رہتی ہے، تو ہم باطل کو دبانے کیلیے اس کے سر پہ حق کا ہتھوڑا مار دیتے ہیں، اور وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے، اور باطل اسی وقت تباہ وبرباد ہوجاتا ہے، انسان کو چاہئے کہ دنیا میں باطل کا ساتھ نہ دے، ورنہ جب حق کا حملہ ہوگا تو وہ بھی باطل کے ساتھ پست جائے گا۔

دیکھو! یہ جو تم باتیں بناتے پھرتے ہو فضول ہیں، کہ نیکی بدی کوئی چیز نہیں، عملوں کے بدلے کا معنی کچھ نہیں، اللہ تعالیٰ، پیغمبر، کتاب، قیامت، عملوں کا حساب، جنت، دوزخ، (نعوذ باللہ) من گھڑت چیزیں ہیں، جو کچھ ہے دنیا ہی ہے، اپنی طاقت کو کام میں لاؤ اور خوب خوب مزے اڑاؤ۔

ارشاد ہے کہ: اس قسم کی باتیں تمہارا ناس کر کے چھوڑیں گی، یاد رکھو کہ! آسمان اور زمین کی مخلوق ساری کی ساری اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہے بدکار کو کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔

پہلے ارشاد ہوا کہ جتنی بھی مخلوق ہیں آسمان میں ہوں یا زمین میں، وہ ساری اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے، اس آیت میں اس مخلوق کی بابت ارشاد ہے، کہ ان میں سے جو آسمانوں میں ہمارے قریب ہیں، یعنی: فرشتے وہ دن رات ہماری حمد وثناء کرتے رہتے ہیں، نہ وہ اس سے تھکتے ہیں اور نہ کبھی اکتاتے ہیں، ظاہر بات ہے کہ فرشتے زمین کی مخلوق سے کہیں زیادہ قوت والے ہیں، اور ہمارے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے تو زمین کی مخلوق کی کیا حیثیت؟ ظاہر ہے کہ دوبارہ زندہ کرنے کا اختیار تو اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں دیا اور جو دوبارہ زندہ نہیں کرسکتا وہ معبود بھی نہیں ہوسکتا۔

کافروں اور مشرکوں نے زمین سے خدا بنالئے ہیں؟ کیا وہ ان کو ان کی موت کے بعد دوبارہ زندہ کرسکیں

گے؟ ظاہر ہے مشرک لوگ زمینی پتھروں کو خدا بنا لیتے ہیں، پتھروں سے بنائے ہوئے بت تو قرآن مجید کے اترنے کے زمانہ میں بھی عام تھے، یہاں ہندوستان کے مشرک گنگا، جمنا جیسے دریاؤں کی پوجا کرتے ہیں، سانپ کی پوجا کرنے والے ناگ پنچھی بھی موجود ہیں، بعض آگ کے پجاری ہیں، اور بندروں کی پوجا کرنیوالے ہنومان کو مقدس سمجھتے ہیں، گائے درختوں کے پجاری بھی برصغیر میں ملتے ہیں، الغرض! فرمایا کہ: ان لوگوں نے زمینی چیزوں کو خدا بنا رکھا ہے، بعض فرشتوں جیسی آسمانی مخلوق کو بھی خدا مانتے ہیں، بعض جنوں کے پجاری ہیں، بعض دوسری جگہوں پر سورج کے پجاری پائے جاتے ہیں جو ساحل سمندر پر کھڑے ہو کر سورج نکلنے کے وقت اسکی طرف پانی پھینک اس کی تعظیم کرتے ہیں، فرمایا کہ کیا انہوں نے زمین کی مخلوق کو معبود بنا رکھا ہے؟ کیا یہ معبود قیامت کے دن انہیں زندہ کریں گے؟ نہیں، یہ ان کے بس کی بات نہیں ہے، ان میں سے بعض تو مٹی اور پتھر کی بے جان چیزیں ہیں، اور جو جاندار بھی ہیں، ان کو کچھ اختیار حاصل نہیں لہذا وہ کسی کو مرنے کے بعد زندہ نہیں کر سکتے قدرت کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

زمین وآسمان کے مالک صرف اللہ تعالیٰ ہیں

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ

اگر ہوتے میں ان دونوں معبود سوا اللہ کے البتہ مٹ چکے ہوتے دونوں پس پاک ہے اللہ مالک عرش کا،

عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَمِ

سے اس جو وہ بیان کرتے ہیں (۲۲) نہیں پوچھا جاتا وہ بارے میں اس کے جو وہ کرے اور وہ پوچھے جائیں گے (۲۳) کیا

اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ

بنا رکھے ہیں انہوں نے سوا اس کے اور معبود کہہ دیجئے لاؤ دلیل اپنی یہی اقرار ہے

مَنْ مَّعِيَ وَ ذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ

ان کا جو ساتھ ہیں میرے اور اقرار ان کا جو مجھ سے پہلے تھے بلکہ اکثر ان کے نہیں جانتے سچائی کو

فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴿۲۴﴾

پس وہ منہ پھیرے ہوئے ہیں (۲۴)

بامحاورہ ترجمہ: اگر زمین وآسمان میں سوائے اللہ کے اور معبود ہوتے تو دونوں برباد ہوجاتے، پس اللہ تعالیٰ عرش کا مالک ہے پاک ہے ان باتوں سے جو وہ بیان کرتے ہیں۔(۲۲) اس کے کاموں کے بارے میں اس سے پوچھا نہیں جائے گا، اور ان سے پوچھا جائے گا۔(۲۳) کیا انہوں نے اس کے سوا اور معبود ٹھہرا رکھے ہیں کہہ دے اپنے دعوؤں پر پختہ دلیل پیش کرو یہی بات میرے ساتھیوں کی ہے اور یہی بات مجھ سے پہلوں کی ہے بات یہ ہے کہ ان میں سے بہت سے سچی بات کو سمجھتے نہیں سوٹلا رہے ہیں۔(۲۴)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے پر بہت مضبوط دلیل بیان کی گئی ہے کہ معبود وہی ہوسکتا ہے جو کسی بات میں دوسرے کا محتاج نہ ہو، اور کوئی اس کے مقابلے کا نہ ہو، جو اس کے حکم کو ٹال دے، اگر آسمان اور زمین میں ایسے اللہ کے مقابلے کے خدا ہوتے تو زمین وآسمان ان کے آپس کے مقابلے کی وجہ سے برباد ہوجاتے، آسمان وزمین کا ایک طرز وطریقے سے برابر قائم رہنا اس بات کی روشن دلیل ہے، کہ ان پر ایک ہی کا حکم چلتا ہے اور کوئی اس کے برابر کا اس کے حکم کو توڑنے والا نہیں ہے۔

ایسی واضح دلیل کے بعد لوگ دوسروں کو جو معبود بنائے پھرتے ہیں، وہ ہرگز معبود ہونے کے قابل نہیں، وہ اس وہم میں پھنسے ہوئے ہیں کہ ایک اکیلا معبود جہان کو چلانے کے لئے کافی نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سارے جہان کا تنہا مالک ہے اور وہ ہر کمی اور نقصان سے جو یہ لوگ اس کے سر لگاتے ہیں، پاک ہے وہ جو چاہے کرے، اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں، باقی سب سے ان عملوں کی بابت پوچھ ہوگی کہ فلاں کام کیوں کیا اور فلاں کام کیوں نہیں کیا؟

پہلے ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے برابر کا کوئی نہیں، اس لئے صرف وہی معبود برحق ہے، اس آیت میں

ارشاد ہے کہ: بعض لوگوں نے اس کے برابر تو نہیں مگر اس کے ساتھ اور چھوٹے چھوٹے خدا بنا رکھے ہیں، کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ بغیر مددگاروں کے دنیا کا انتظام نہیں چلا سکتا؛ اس لئے اسے مددگاروں کی ضرورت ہے، ان سے مطالبہ ہے کہ اگر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو اسے پیش کرو، کوئی کتاب، کوئی صحیفہ لاؤ کہ جس سے پتہ چلے کہ تم سچے ہو۔

سارے جہانوں کا مالک ایک اللہ تعالیٰ ہے، جو ہوتا ہے اسی کی قدرت اور اس کے حکم سے ہوتا ہے، حکم دیتے وقت نہ اس کو کسی مشورے کی ضرورت ہے، اور نہ کام کرنے میں وہ کسی کی مدد کا محتاج ہے، لوگ دنیا کے حکمرانوں، بادشاہوں پر اللہ تعالیٰ کو قیاس کرتے ہیں، یہ ان کی کھلی غلطی ہے، کیونکہ بادشاہوں کو وزیروں کی، سفیروں کی اور بااثر لوگوں کے مشورے اور مدد کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ کو ان میں سے کسی کی کوئی ضرورت نہیں۔

نقلی دلیل

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ

اور نہیں بھیجا ہم نے سے پہلے آپ کوئی پیغمبر مگر وحی بھیجتے ہم طرف اسکے کہ وہ نہیں کوئی معبود

اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ

سوا میرے پس عبادت کرو میری (۲۵) اور کہتے ہیں بنالی رحمن نے اولاد پاک ہے وہ

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ

نہیں بلکہ وہ بندے ہیں عزت والے (۲٦) نہیں بڑھتے وہ اس سے بولنے میں اور وہ پر حکم اس کے

يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ

کام کرتے ہیں (۲۷) جانتا ہے جو سامنے ان کے اور پیچھے ان کے اور نہیں سفارش کرتے وہ

اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَمَنْ يَّقُلْ

مگر اس کی جس سے اللہ راضی ہو اور وہ سے ڈر اس کے خوف زدہ رہتے ہیں (۲۸) اور جو کوئی کہے

مِنْهُمْ اِنِّیْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ

میں سے ان کہ میں معبود ہوں سوا اس کے پس وہ بدلہ میں دیں گے ہم اس کو دوزخ اسی طرح

ع ١٩ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾

بدلہ دیتے ہیں ہم ظالموں کو (٢٩)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور ہم نے آپ سے پہلے جو پیغمبر بھیجے اسے یہی حکم دیا کہ حقیقت میں میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو میری بندگی کرو۔(٢٥) اور لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنی اولاد بنا رکھا ہے، پاک ہے وہ اس سے وہ تو معزز بندے ہیں۔(٢٦) وہ اس سے بڑھ کر بول نہیں سکتے اور وہ اسی کے حکم پر کام کرتے ہیں۔(٦٧) اس کو معلوم ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ پیچھے ہے اور وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے، مگر اس کی جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔(٢٨) اور جو کوئی ان میں سے کہے کہ میں خدا ہوں تو اس بات کے بدلے میں ہم ان کو دوزخ دیں گے، بے انصافوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔(٢٩)

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ہم نے آپ سے پہلے جو بھی پیغمبر بھیجا اس کی طرف یہی وحی بھیجی کہ بیشک میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا عبادت بھی صرف میری ہی کرو، سب اسکے حکم ماننے والے بندے ہیں، اس کے سامنے زبان نہیں ہلاتے اور جو وہ حکم دیتا ہے اسے بجالاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں عزت عطا فرمائی ہے، اللہ اولاد اور شریک دونوں سے پاک ہے۔

ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں، فرشتوں وغیرہ کو سوا اس کے کوئی کام نہیں کہ اسی کے ذکر وفکر میں مشغول رہیں اور اس کا حکم بجالاتے رہیں، ان کا حال اگلا پچھلا، ظاہر باطن، سب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے، وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے، ہاں یہ معلوم کرتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کس سے راضی ہے، اس کے حق میں دعا کرتے رہتے ہیں، ان کی مجال نہیں کہ کوئی بات اپنی طرف سے کہیں یا کریں، وہ فقط وہی کہتے اور کرتے ہیں جس کے کہنے

یا کرنے کا اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں۔

آگے ارشاد ہے کہ: وہ ہمارے مقرر کردہ جزا سزا کے قانون سے باہر نہیں ہیں، تم تو ان کو اتنا بڑا مرتبہ دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے مددگار اور اس کی اولاد تک بتاتے ہو، لیکن وہ اس کے بندے ہیں، اگر بالفرض کوئی ان میں سے یہ کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر یا اس کے ساتھ میری بندگی بھی کرو، تو اس کو بھی اور ظالموں کی طرح دوزخ میں بھیج دیا جائے گا، لیکن وہ ایسی غلطی کیوں کرنے لگے؟ ہاں شیطان نے ایسی غلطی کی، چنانچہ وہ دوزخی قرار دیا گیا۔

فرمایا: یہ لوگ پیغمبروں، یعنی: عیسیٰ، عزیر اور فرشتوں کو خدا کی اولاد سمجھتے ہیں، حالانکہ وہ تو اس کے عزت والے بندے ہیں، فرشتے ہر وقت اس کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں، اور تھکاوٹ بھی محسوس نہیں کرتے، ان کے لئے بندہ ہونا ہی باعثِ شرف ہے، نہ وہ خدا ہیں اور نہ خدا کی اولاد، ان کی فرمانبرداری کی یہ حالت ہے وہ بات کرنے میں پہل نہیں کرتے، یعنی: اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر بات بھی نہیں کرتے، اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرتے رہتے ہیں، جو حکم ہوتا ہے فوراً اس پر عمل کرتے ہیں۔

فرمایا: "يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ" اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے، وہ ان کی پیدائش سے لے کر اگلے پچھلے تمام حالات سے واقف ہے، فرمایا یہ ایسے بزرگ فرشتے ہیں، وہ تو کسی کی سفارش بھی نہیں کرتے، سوائے اس کے کہ جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے بغیر فرشتے بھی کسی کی سفارش نہیں کرتے، حدیث میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغبر، فرشتے اور ایمان والے بھی گناہگاروں کے حق میں سفارش کریں گے، ایک حدیث میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میری سفارش میری امت کے حق میں کبیرہ گناہوں کے بارے میں ہوگی، صغیرہ گناہ تو اللہ تعالیٰ ویسے ہی معاف فرما دیتا ہے یا انسان کی نیکیوں کے ذریعے معاف ہو جاتے ہیں، لہذا سفارش کبیرہ گناہوں کے بارے میں ہوگی، البتہ کفر اور شرک کے بارے میں کوئی سفارش قبول نہیں ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے حق میں راضی ہوگا، جن کا عقیدہ پاک ہوگا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری سفارش ان کے حق میں

ہوگی جو مشرک نہیں ہونگے، پچھلی سورۃ میں بھی گزر چکا ہے کہ سفارش اس شخص کے حق میں ہوگی، "مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا" (پارہ ۱۶: سورۃ طٰہٰ)، جس کے لئے خدائے رحمٰن اجازت دے گا اور جسکی بات بھی اللہ کو پسند ہوگی، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بات اس شخص کی پسند ہوگی جو توحید والا ہوگا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ" (پارہ ۲۳: سورۃ الزمر)، اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں سے راضی نہیں ہوتا بلکہ اگر شکر کروگے تو وہ راضی ہوگا، اللہ تعالیٰ راضی اس کے حق میں ہوگا، جس کا عقیدہ صحیح ہوگا۔

فرمایا: "وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ" فرشتے اللہ تعالیٰ کے خوف سے ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں ،جس کو اللہ تعالیٰ کا جتنا قرب حاصل ہو، وہ اس کے جلال وعظمت سے اتنا ہی زیادہ ڈرے گا، عرش کو اٹھانے والے فرشتے عرش کے گرد گھومنے والے فرشتے، علیین کے فرشتے اور پیغمبر علیہم السلام: اسی لئے اللہ تعالیٰ کا زیادہ خوف رکھتے ہیں کہ وہ اللہ کے قرب کی جگہوں میں ہوتے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ کی شان اور عظمت کا علم ہوتا ہے۔

خدائی کا دعویٰ

ارشاد ہوتا ہے: ان میں سے جو یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ خدا ہوں، فرشتہ ہوں یا پیغمبر ہوں، یا جو بھی خدائی کا دعویٰ کرے گا، ہم ان کو دوزخ میں ڈالیں گے، اگر چہ کسی فرشتے نے یا پیغمبر نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے اور نہ کرینگے، لیکن بالفرض فرشتے اور پیغمبر اگر خدائی کا دعویٰ کریں تو وہ بھی دوزخ میں جائینگے، جب ان یہ حال ہے تو اوروں کی کیا مجال ہے کہ خدائی کا دعویٰ کرکے وہ دوزخ سے بچ سکیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہی قانون ہے، فرمایا: ہم ظالموں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں، اور ظالم کون ہیں؟ فرمایا: "وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ" (پارہ ۳: سورۃ البقرۃ)، کافر ہی ظالم ہیں، نیز: فرمایا: "اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ" (پارہ ۲۱: سورۃ لقمٰن)، شرک سب سے بڑا ظلم ہے، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے گناہوں سے پاک ہونے کا ذکر کیا ہے کہ وہ تو صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا خدا مانتے ہیں اور اسی کی عبادت کرتے ہیں۔

احکام ومسائل

مسئلہ (۱):..... یعنی: فرشتے اللہ تعالیٰ کی اولاد تو کیا ہوتے وہ تو ایسے ڈرے ہوئے رہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بات کرنے میں بھی پہل نہیں کرتے، نہ کسی عمل میں اسکے خلاف کبھی کچھ کرتے ہیں، بات میں پہل نہ کرنیکا مطلب یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے کوئی حکم نہ ہو خود کوئی بات کرنے کی ہمت نہیں کرتے۔

مسئلہ (۲):..... اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑوں کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ جب مجلس میں کوئی بات آئے تو جو اس مجلس کا بڑا ہے اسکی بات کا انتظار کیا جائے، پہلے ہی کسی چھوٹے کا بول پڑنا خلاف ادب ہے۔

جہان کی پیدائش

اَوَ لَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا

کیا نہیں دیکھا انہوں نے جو کافر ہوئے یہ کہ آسمان اور زمین تھے دونوں جڑے ہوئے

فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۳۰

پس جدا کر دیا ہم نے ان کو اور پیدا کیا سے پانی ہر چیز زندہ کو کیا پس نہیں وہ یقین کرتے (۳۰)

وَ جَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۪ وَ جَعَلْنَا فِيْهَا

اور بنائے ہم نے میں زمین وزنی بوجھ کہ کہیں جھک پڑے لے کر انہیں اور بنادیئے ہم نے میں اس

فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝۳۱ وَ جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚۖ

کشادہ راستے تاکہ وہ راہ پائیں (۳۱) اور بنایا ہم نے آسمان کو چھت مضبوط

وَّ هُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ۝۳۲ وَ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ

اور وہ سے نشانیوں اس کی منہ پھیرنے والے ہیں (۳۲) اور وہی ہے جس نے پیدا کئے رات اور دن

وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ۝۳۳

اور سورج اور چاند ہرایک میں ایک دائرے تیرتے ہیں (۳۳)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ کیاان منکروں نے دیکھانہیں (غورنہیں کیا) کہ آسمان اورزمین آپس میں جڑے ہوئے تھے پھرہم نے ان کوالگ کردیااورہم نے ہرچیزجس میں جان ہے پانی سے بنائی پھرکیایقین نہیں کرتے؟ (۳۰) اورہم نے زمین میں بھاری بوجھ (یعنی پہاڑ) رکھ دیئے کہ وہ لوگوں کو لے کرایک طرف نہ جھک پڑے اور بنادیں ان میں کشادہ راہیں تاکہ لوگ راہ پائیں۔(۳۱) اورہم نے آسمان کومحفوظ چھت بنایااورلوگ آسمان کی نشانیوں کودھیان میں نہیں لاتے۔(۳۲) اوروہی ہے جس نے رات اوردن اورسورج اورچاند بنائے وہ اپنے اپنے دائرے میں تیرتے ہیں۔(۳۳)

تفسیر

ان آیتوں میں کائنات کی پیدائش کاطریقہ بتایاگیاتاکہ اس کوسوچ کراس کے پیداکرنے والے کی قدرت کااندازہ ہواوراس کی پہچان کادروازہ کھلے، ارشادہے کہ جولوگ ہماراانکارکرتے ہیں، ان سے کہہ دوکہ یہ آسمان اورزمین اوران کے درمیان کی چیزیں جوتمہیں الگ الگ نظرآرہی ہیں، پیدائش کے وقت یہ سب ایک دوسرے سے جڑی ہوئی تھیں، ہم نے اپنی قدرت سے انہیں ایک دوسرے سے جداکیااورفضامیں پھیلادیا، پھر سب جانداروں کوپانی سے پیداکیا، آسمان کے مسام کھول دیئےتوان میں سے پانی برسا، زمین کے مسام کھول دیئےتواس میں پانی جذب ہوا، پھراس میں سے نباتات اورپھرحیوانات نکلے، زمین نرم تھی، اس کے جمانے کے لئے وزنی پہاڑاس میں گاڑدیئے، تاکہ انہیں لےکرایک طرف نہ جھک پڑے۔

پہاڑوں کوٹھوس اوراونچی دیواروں کی طرح زمین میں گاڑدیا، تاکہ ان کے وزن سے زمین اپنی جگہ قائم رہے، پھران کے درمیان چوڑے چوڑے درّے اورراستے بھی بنادیئے، تاکہ لوگوں کے لئے آپس میں ملنے جلنےاورایک جگہ کی چیزدوسری جگہ لےجانے میں آسانی ہو، آسمان کومضبوط چھت کی طرح سب پرپھیلادیا، جس

کے ٹوٹنے اور گرنے کا خطرہ نہیں، آسمان کے اندر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کی بے شمار نشانیاں ہیں، لیکن لوگ ان کی طرف سے منہ پھیرے ہوئے ہیں، ورنہ ہر چیز بتارہی ہے کہ اسے کسی بڑی قدرت اور حکمت والے نے پیدا کیا ہے، پھر دن رات کا لگا بندھا چکر، سورج اور چاند کا وقت پر نکلنا اور چھپنا اور ان سیاروں کا اپنے اپنے مدار پر گردش کرنا اور ایک دوسرے سے نہ ٹکرانا، یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کا پتہ دے رہی ہیں۔

"رَتْقٌ" اور "فَتْقٌ" کا دوسرا معنیٰ

فرمایا: کیا ان لوگوں کو اس بات کا علم نہیں؟ اگر معلوم نہیں تو اب معلوم ہو جائے گا، کہ بے شک آسمان اور زمین دونوں بند تھے پھر ہم نے دونوں کو کھول دیا، یہاں پر "رتق" اور "فتق" کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، یعنی: پہلے آسمان اور زمین بند تھے، پھر کھول دیئے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ احسان بھی جتلایا کہ ہم نے زمین میں بوجھل پہاڑ رکھے، کہیں زمین لوگوں کو لے کر ایک طرف جھک نہ پڑے، زمین کا جھکنا دو طرح سے ہو سکتا ہے، ایک یہ کہ زمین جمی رہے اور ہلنے اور تھرتھرانے نہ پائے، یعنی: اس کا بیلنس برقرار رہے، اکثر دیکھا گیا ہے کہ سمندروں اور دریاؤں میں چلنے والے جہازوں اور کشتیوں پر پتھر وغیرہ ڈال کر انہیں بوجھل بنادیا جاتا ہے، تاکہ کشتی یا جہاز پانی کے تند و تیز لہروں میں ہلنے نہ پائے۔

کشادہ راستے

فرمایا: ایک تو ہم نے زمین میں پہاڑ پیدا کئے، اور پھر ان میں کشادہ راستے یعنی درّے بنائے، دنیا میں بڑے بڑے لمبے اور اونچے پہاڑ موجود ہیں کوہ ہمالیہ کھٹمنڈو سے لے کر ایران تک تین ہزار میل لمبا ہے اور اس کی بلند ترین چوٹی "ماؤنٹ ایورسٹ" دنیا کی بلند ترین چوٹی ہے، اگر ایسے پہاڑوں میں راستے، یعنی: درّے نہ ہوتے تو ایک ملک کے لوگ دوسرے ملک میں نہ جاسکتے اور لوگ ایک ہی جگہ میں قید ہو کر رہ جاتے، ان درّوں کی وجہ سے ایک جگہ سے دوسری جگہ آنا جانا ممکن ہوا، آپس کا میل جول اور چیزیں ایک جگہ سے دوسری جگہ لانے لیجانے

میں مدد ملی؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بطور احسان فرمایا کہ: ہم نے درمیان میں کشادہ راستے، یعنی: درّے بنا دیئے تا کہ لوگ راہ پائیں اور آمد و رفت کا سلسلہ آسانی سے جاری رہ سکے، یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی حکمت کی نشانیاں ہیں، ان میں غور و فکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔

محفوظ چھت: قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا آسمان کو زمین کے اوپر ایک قبے کی شکل میں کھڑا کر دیا جس میں کوئی سوراخ نہیں یہ بڑا مضبوط اور بڑا محفوظ ہے۔

بشر کا حال

وَ مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾

اور نہیں کیا ہم نے کیلئے کسی بشر سے پہلے آپ ہمیشہ جینا پس کیا اگر مر گئے آپ تو کیا وہ ہمیشہ جئیں گے (٣٤)

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ

ہر جاندار چکھنے والا ہے مزہ موت کا اور آزماتے ہیں ہم تم کو برائی سے اور بھلائی سے جانچنے کے لئے

وَ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَ اِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ

اور طرف ہمارے لوٹائے جاؤ گے (٣٥) اور دیکھتے ہیں آپ کو وہ لوگ جو کافر ہوئے نہیں سلوک کرتے ہیں آپ سے

اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَ هُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ

مگر ہنسی مزاح کا کیا یہی ہے وہ جو برا کہتا ہے معبودوں کو تمہارے اور وہ سے نام رحمٰن کے

هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ

وہ منکر ہیں (٣٦) پیدا کیا گیا انسان سے جلد بازی عنقریب میں دکھاؤں گا تمہیں نشانیاں اپنی

فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾

سو مت جلدی کرو مجھ سے (٣٧)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے آپ سے پہلے کسی آدمی کو ہمیشہ کی زندگی نہیں دی، پھر کیا اگر آپکو موت آئی تو کیا وہ ہمیشہ زندہ رہ جائیں گے۔ (۳۴) ہر زندہ کو موت چکھنی ہے، اور ہم تم کو جانچتے ہیں برائی سے اور بھلائی سے آزمانے کو، اور ہماری ہی طرف پھر کر آجاؤ گے۔ (۳۵) اور جہاں آپکو منکروں نے دیکھا تو ان کو آپ سے کوئی مذاق اڑانے کے سوا کوئی کام نہیں آپس میں کہتے ہیں کیا یہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا نام برائی سے لیتا ہے اور وہ رحمٰن کے نام سے منکر ہیں۔ (۳۶) آدمی جلدی کا بنا ہوا ہے ابھی تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہوں (یعنی: قہر وغضب کی سزائیں) سو! مجھ سے جلدی مت کرو۔ (۳۷)

تفسیر

کافر اور مشرک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغمبر ہونے پر اعتراض کرتے تھے، بعض یہ بھی کہتے تھے کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہے، تو پھر اس پر موت نہیں آنی چاہیے، یہاں اللہ تعالیٰ نے اس بے ہودہ اعتراض کا جواب دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے ہم نے کسی انسان کے لئے اس دنیا میں ہمیشہ کی زندگی نہیں رکھی، وہ پیغمبر ہو یا کوئی اور، ہر ایک نے دنیا میں اپنا مقررہ وقت پورا کیا اور اگلے جہان چلا گیا، اس دنیا میں کسی کو بھی ہمیشہ نہیں رہنا فرمایا: اے پیغمبر! اگر آپ اس دنیا سے رخصت ہو گئے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ یہیں رہیں گے؟ نہیں بلکہ ان کو بھی مرنا ہے، آپ سے پہلے جتنے بھی پیغمبر گزرے سب اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ گئے اور جس طرح ان کے باپ دادا باقی نہیں رہے یہ لوگ بھی ہمیشہ باقی نہیں رہیں گے، بعض کافر اور مشرک کہتے تھے کہ اسلام پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی تک ہی رہے گا، اور اس کے بعد خود بہ خود ختم ہو جائے گا، یہ محض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ضد، عناد اور دشمنی کی وجہ سے کہتے تھے، ورنہ موت کا مزہ تو ہر ایک نے چکھنا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر آپ کو موت آگئی تو کیا یہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

کسی انسان کے دل میں سچ بات کے دریافت کرنے کا شوق ہو اور وہ علامتیں دیکھ کر حقیقت کا پتہ لگا سکتا ہو تو اس کو اس بات کا پہچان لینا کچھ بھی مشکل نہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔

ان آیتوں میں فرمایا گیا ہے کہ: اے محمد! یہ جب بھی آپ سے ملتے ہیں انہیں سوا اس کے کچھ نہیں سوجھتا

کہ مذاق کریں، جب آپ کو دیکھتے ہیں تو آپس میں کہتے ہیں ذرا دیکھنا یہی ہیں وہ شخص جو تمہارے معبودوں کی برائی کرتے پھرتے ہیں، حالانکہ یہ لوگ رحمٰن کے ذکر سے کتراتے ہیں، جو معبود برحق ہے۔

آگے ارشاد ہے کہ: انسان کی طبیعت میں جلد بازی ہے، کافر کہتے ہیں کہ عذاب آنا ہے تو فوراً آنا چاہئے، ان سے کہہ دو کہ میرے ہاں جلدی نہیں، عنقریب میں اپنی نشانیاں دکھانے والا ہوں مجھے مت کہو کہ جلدی کر۔

انسان کی جلد بازی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: انسان کو فطرۃً جلد باز پیدا کیا گیا ہے، اس سے مراد کافر اور مسلمان دونوں ہوسکتے ہیں، کافروں کی جلد بازی یہ تھی کہ وہ کہتے تھے کہ پیغمبری کا دعویٰ کرنے والا یہ شخص ہمیں جس قیامت اور عذاب سے ڈراتا ہے، وہ آ کیوں نہیں جاتی؟ اگر یہ اپنی بات میں سچا ہے تو پھر ہم سے بدلہ کیوں نہیں لیا جاتا؟ ادھر ایمان والے بھی بعض اوقات خواہش کرتے تھے کہ ان نافرمانوں پر جلدی عذاب کیوں نہیں آتا؟ کہ یہ خود بھی گمراہ ہیں، اور آگے دوسروں کو بھی گمراہ کررہے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: انسان کی پیدائش میں یہ جلد بازی لکھی ہوئی ہے، میں عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھادوں گا، لہٰذا اس معاملے میں جلدی نہ کرو، اللہ تعالیٰ اپنی تمام ضروری نشانیاں ظاہر کردے گا، پھر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بات پوری ہوجائے گی تو مجرموں کو سزا بھی مل جائے گی، اور ایمان والوں کے دل ٹھنڈے ہوجائیں گے، فرمایا کہ: جلدی نہ کرو، اس کا انجام اچھا نہیں۔

احکام و مسائل

وَ مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ: مکہ کے مشرک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی جلد موت کی تمنا کرتے، جیسا کہ ایک آیت میں ہے "نَتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ" (سورۃ الطور: آیت۔ ۳۰) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بیہودہ تمنا کے دو جواب دیئے ہیں، وہ یہ کہ اگر ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی جلد وفات ہوگئی، تو تمہیں کیا فائدہ پہنچے گا، اگر تمہارا مقصد یہ ہے کہ ان کی موت ہوجائے گی تو ہم لوگوں کو بتلائیں گے کہ یہ پیغمبر نہیں تھے، ورنہ

موت نہیں آتی، تو اس کا یہ جواب دیا کہ جن پیغمبروں کی پیغمبری کو تم بھی مانتے ہو کیا ان کو موت نہیں آئی، جب ان کی موت سے ان کی پیغمبری میں کوئی فرق نہیں آیا، تو پیغمبر ﷺ کی وفات سے آپ ﷺ کی پیغمبری کے خلاف کوئی پروپیگنڈا کیسے کیا جا سکتا ہے، اور اگر تمہارا مقصد پیغمبر ﷺ کی جلد وفات سے غصہ ٹھنڈا کرنا ہے تو یاد رکھو کہ! یہ موت کا مرحلہ تمہیں بھی درپیش ہے، آخر تمہیں بھی مرنا ہے، پھر کسی کی موت سے خوش ہونے کے کیا معنیٰ؟

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ: عجل کا معنیٰ عجلت، یعنی: جلدی بازی ہے، جس کی حقیقت کسی چیز کو اس کے وقت سے پہلے طلب کرنا ہے، اور یہ بات پسندیدہ نہیں، قرآن کریم میں دوسری جگہ بھی اس کو انسانی کمزوری کے طور پر ذکر فرمایا ہے: "وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا" یعنی: انسان بڑا جلد باز ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام جب طور پہاڑ پر اپنی قوم سے آگے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو وہاں بھی اس عجلت پر سوال ہوا۔

اور نیک لوگوں کے بارے میں جو اچھے کام میں جلدی کرنے کا ذکر کیا گیا ہے، وہ جلد بازی کے مفہوم میں نہیں، کیونکہ وہ وقت سے پہلے کسی چیز کی طلب نہیں ہے، بلکہ وقت آنے پر زیادہ نیکی کمانے کی کوشش ہے۔

عذاب کا وعدہ

وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ لَوْ يَعْلَمُ

اور کہتے ہیں کہ کب پورا ہوگا یہ وعدہ اگر تم ہو سچے (۳۸) اگر جان لیتے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَ لَا عَنْ

یہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اس وقت کہ نہ روک سکیں گے سے چہروں اپنے آگ کو اور نہ سے

ظُهُوْرِهِمْ وَ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ

پیٹھوں اپنی اور نہ وہ مدد کیے جائیں گے (۳۹) نہیں بلکہ آئے گا پاس ان اچانک پس بدحواس کردے گی انہیں

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ

پھر ان میں طاقت نہ ہوگی لوٹا دینے کی اسے اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے (۴۰) اور البتہ تحقیق ہنسی اڑائی گئی

بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا

پیغمبروں کی سے پہلے آپ پھر گھیر لیا ان لوگوں کو جو مذاق کرتے تھے سے ان اس چیز نے تھے وہ

بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾

ساتھ اس کے مذاق کرتے (۴۱)

ع ۳ ۱۲ ۳

با محاورہ ترجمہ:۔ اور وہ لوگ کہتے تھے اگر تم سچے ہو، یہ وعدہ کب پورا ہوگا۔(۳۸) کاش! یہ منکر لوگ اس وقت کو جان لیں جب نہ اپنے منہ کے سامنے سے آگ کو روک سکیں گے اور نہ اپنی پیٹھ کے پیچھے سے اور نہ ان کو مدد پہنچے گی۔(۳۹) نہیں! بلکہ آئے گی وہ ان پر اچانک، پھر ان کے ہوش کھو دے گی، پھر اس کو پھیر نہ سکیں گے اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی کہ وہ اپنی اصلاح کر سکیں۔(۴۰) اور آپ سے پہلے پیغمبروں کا مذاق اڑایا گیا، پس! ان میں سے مذاق کرنے والوں پر وہ چیز الٹ پڑی جس پر وہ مذاق کرتے تھے۔(۴۱)

تفسیر

کافروں اور مشرکوں کو جب نرمی سے سمجھایا گیا کہ عذاب میں جلدی مت کرو، اگر تمہارا یہی طریقہ رہا تو دیر یا سویر عذاب ضرور آ کر رہے گا، اس پر انہوں نے کہا اگر تم سچ کہتے ہو تو اچھا بتاؤ قیامت کب آئے گی؟ ہمیں تو یہ قیامت کی بات تمہاری اپنی گھڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے، حقیقت میں نہ قیامت ہے، نہ حساب کتاب نہ عذاب نہ ثواب، اس کے جواب میں ان سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ وقت کیسا ہوگا تو تم ہرگز اس کے آنے کی جلدی نہ کرو، اس وقت آگ تمہیں ہر طرف سے گھیر لے گی، اس کی لپٹیں تمہارے چہروں کو جھلس دیں گی اور تم کچھ نہ کر سکو گے، وہ تمہاری پیٹھ پر حملہ کرے گی اور تم اسے روک نہ سکو گے، گھبرا کر چلاؤ گے کہ کوئی تمہاری مدد کو آئے اور اس دہکتی آگ سے تمہیں گھسیٹ کر نکال لے، لیکن کوئی تمہاری مدد کو نہ آئے گا، کیا اسی وقت کے آنے کی جلدی مچا رہے ہو۔

ارشاد ہے کہ: جب اس گھڑی کا آنا ہوگا اچانک آجائے گی اور جب آجائے گی تو دہشت کے مارے

تمہارے اوسان خطا ہو جائیں گے، تم میں سے کسی میں اکیلے یا اکٹھے ہو کر یہ طاقت نہ ہو گی کہ اسے روک دیں یا دفع کر دیں اور نہ اتنی مہلت دی جائے گی کہ سنبھل کر اس کا مقابلہ کریں، افسوس ہے اگر یہ دنیا اور اسکی چہل پہل تمہیں اس کی طرف سے غافل کر دے، مگر ہوتا یوں ہی رہا ہے کہ لوگ پہلے بھی پیغمبروں کی ہنسی اڑاتے رہے ہیں اور ان کی باتوں کو سرسری اور بے وقعت سمجھ کر ٹالتے رہے ہیں، حالانکہ وہ بہت وزنی باتیں تھیں انہوں نے زندگی کا راز کھول کر رکھ دیا تھا، لیکن دنیا والوں نے اس کے سمجھنے کی کوشش نہ کی اور ان کی باتوں کو معمولی باتوں کی طرح سمجھ کر ٹال دیا آخرکار پیغمبروں کی باتیں ہی سچی ہوئیں اور کافروں کو اپنی اپنی گستاخیوں کا مزہ چکھنا پڑا اور مارے گئے۔

آگے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ایمان والوں کے لئے تسلی کا مضمون ہے، اور البتہ تحقیق مذاق کیا گیا پیغمبروں کے ساتھ آپ سے پہلے، ان کافروں نے ہر پیغمبر کے ساتھ اسی طرح مذاق کیا، جس طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیا، یہ تو کافروں کی پرانی رسم اور ان کا پرانا شیوہ ہے کہ وہ پیغمبروں اور ایمان والوں کے ساتھ مذاق کرتے ہیں، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو بھی مذاق سمجھا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر ان میں سے جن لوگوں نے مذاق کیا تھا، ان کو اسی چیز نے گھیر لیا، جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے، یعنی: اللہ تعالیٰ کے جس عذاب کو کافر لوگ دور خیال کرتے تھے وہی عذاب ان پر اترا اور ان کو گھیرے میں لے لیا، اور اس سے بچ نکلنے کے تمام راستے بند ہو گئے اور اس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کے عذاب کے ساتھ مذاق اڑانے کا مزا چکھ لیا۔

اور یہ لوگ جب یہ مضمون سنتے ہیں کہ مقررہ وقت پر عذاب آئے گا تو پیغمبر اور اس کے ماننے والوں سے یوں کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کس وقت آئے گا، اگر تم سچے ہو تو دیر کس بات کی عذاب جلدی کیوں نہیں آجاتا؟ اصل بات یہ ہے کہ ان کو اس مصیبت کی خبر نہیں جو ایسی بے فکری کی باتیں کرتے ہیں، کاش! ان کافروں کو اس وقت کی خبر ہوتی جبکہ ان کو سب طرف سے دوزخ کی آگ گھیرے گی اور یہ لوگ اس آگ کو نہ اپنے اوپر سے روک سکیں گے اور نہ اپنے پیچھے سے اور نہ ان کی کوئی حمایت کرے گا (یعنی: اگر اس مصیبت کا علم ہوتا تو ایسی باتیں نہ بناتے اور یہ جو دنیا ہی میں ہی عذاب مانگ رہے ہیں، سو! یہ ضروری نہیں کہ ان کی جلدی کی وجہ سے عذاب جلدی آجائے۔

اللہ تعالیٰ سے کوئی نہیں بچا سکتا

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ

کہہ دیجئے کون حفاظت کرتا ہے تمہاری رات کو اور دن کو سے رحمٰن نہیں بلکہ وہ ہیں سے

ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٤٢﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ

ذکر رب اپنے کے منہ پھیرنے والے (۴۲) کیا لئے ان کے اور معبود ہیں جو انہیں بچاتے ہیں سوا ہمارے

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَ لَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿٤٣﴾

نہیں طاقت رکھتے مدد کی اپنے آپ کی اور نہ وہ سے ہم بچانے والے ساتھی پائیں گے (۴۳)

بامحاورہ ترجمہ: آپ کہہ دیجئے! کون بچاتا ہے تمہیں رات میں اور دن میں رحمان کے عذاب سے؟ نہیں بلکہ وہ اپنے رب کے ذکر سے منہ پھیرتے ہیں۔(۴۲) کیا ان کے اور معبود ہیں کہ ان کو بچاتے ہیں ہمارے سوا وہ تو اپنی بھی مدد نہیں کر سکتے اور نہ ہم سے بچانے کے لئے کوئی ان کی مدد کرے گا۔(۴۳)

تفسیر

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: تمہاری حفاظت کرنے والا فقط رحمٰن ہے، اگر اس کو راضی رکھو گے اور اس کے پیغمبروں کے کہنے پر چلو گے، وہ ہر آفت سے تمہیں بچالے گا اور ہر ضرورت کے وقت مدد کرے گا، لیکن اگر اس کا انکار کر دیا، یا اس کے ساتھ اور معبود بھی اپنے دل سے بنالئے تو پھر اس کے غضب سے بچانے والا کوئی نہیں، یہ ان کی غفلت ہے کہ رحمٰن کو نہیں پہچانتے، اور جب اس کا ذکر آتا ہے تو منہ پھیر لیتے ہیں، حالانکہ وہ ان کا رب ہے، یاد رکھو کہ! اگر وہ رحمٰن عذاب دینے پر آئے تو تمہارے یہ گھڑے ہوئے معبود تمہیں اس کے ہاتھ سے بچا نہیں سکتے اور تمہیں تو وہ کیا بچاتے، خود اپنے آپ ہی کو نہیں بچا سکتے اور نہ ہمارے مقابلہ میں ان کی کوئی مدد کر سکتا ہے۔

غفلت کی وجہ

بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۗ اَ فَلَا

نہیں بلکہ ہم نے سازوسامان دیا ان کو اور باپ داداانکے کو یہاں تک کہ لمبی ہوگئی پران عمر کیا پس نہیں

يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۗ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾

دیکھتے کہ ہم آرہے ہیں زمین کو گھٹاتے ہوئے اسکو سے کناروں اس کے کیا پھر بھی وہ غالب آنے والے ہیں (۴۴)

بامحاورہ ترجمہ: نہیں بلکہ ہم نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو عیش دیا، یہاں تک کہ وہ لمبی مدت تک جیئے، پھر کیا نہیں دیکھتے کہ ہم یعنی: مسلمانوں کی فتح اور قبیلوں کے خوشی سے اسلام قبول کرنے کے ذریعے انکی زمین کو گھٹاتے چلے آرہے ہیں کیا پھر بھی ان کی جیت ہوگی۔ (۴۴)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: بتوں کی بے بسی اور عاجزی تو ایسی بات نہیں جسے انسان سمجھ نہ سکے، یہ تو جب سوچنے پر آتا ہے تو بڑی بڑی باریک باتیں سمجھ لیتا ہے اور بات بات میں بال کی کھال نکالنے لگتا ہے، اس کے لئے اتنی سی بات سمجھنے میں کیا مشکل ہے کہ یہ بت نہ کچھ سمجھتے ہیں نہ کسی بات کا جواب دیتے ہیں، اٹھا کے پھینک دو تو کچھ نہیں، توڑ پھوڑ ڈالو تو کچھ نہیں، پھر اللہ تعالیٰ پوری قدرت والے رحمٰن و رحیم کا سمجھ لینا بھی مشکل نہیں، کیونکہ ساری دنیا اسی کے رحم و کرم پر چل رہی ہے، اس کے قائم کئے ہوئے نظام کو کوئی بدل نہیں سکتا، رات اور دن کا بدلنا، دنیا کے حالات کا ادلنا بدلنا، انسان کی خوش حالی، بدحالی، موت، زندگی، سب کچھ اسی کے مقرر کیئے ہوئے قاعدہ اور قانون کے مطابق ہو رہا ہے، یہ لوگ اگر غور کریں تو یہ سب کچھ سمجھ سکتے ہیں، کیوں کہ یہ ایسے نادان اور کمزور عقل والے نہیں کہ ایسی آسان بات بھی نہ سمجھ سکیں، بات یہ ہے کہ یہ اور ان کے باپ دادا مدتوں سے ناز و نعمت میں زندگی گزارتے رہے ہیں۔

ارشاد ہے کہ: ہم نے دنیا کے عیش وعشرت کا سامان انہیں دیا اور بڑی بڑی عمریں دیں؛ اس لئے خوش حالی میں بدمست ہو گئے، لیکن اب انہیں آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہئے کہ کیا انہیں سوجھتا نہیں کہ دن بدن زمین ان پر تنگ ہوتی چلی جارہی ہے، اور اسلام کا بول بالا ہوتا جارہا ہے، اب ان کے غالب ہونے اور جیتنے کا کوئی موقع نہیں رہا۔

فرمایا: اس کے آگے اور پیچھے خدائی چوکیدار ہیں، جو خدا کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ (الرعد: ۱۱)، اللہ تعالیٰ نے ایسے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں، جو انسان کو مختلف آفتوں اور مصیبتوں، جنوں اور شیطانوں وغیرہ کے شر سے محفوظ رکھنے کا فریضہ انجام دیتے ہیں، پھر جب اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوتی ہے تو انسان سے حفاظت اٹھالی جاتی ہے، اور وہ کسی حادثے کا شکار ہو جاتا ہے یا کسی تکلیف اور مصیبت میں پھنس جاتا ہے، فرمایا: ذرا غور تو کرو کہ! تمہیں اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے دن رات کون بچاتا ہے؟ اگر اسی معاملہ میں غور فکر کرلو، تو اللہ تعالیٰ کا ایک ہونا آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے، فرمایا: اللہ نے تو ان کی حفاظت کا انتظام کر رکھا ہے، مگر یہ لوگ اپنے پروردگار کے ذکر سے منہ پھیرنے والے ہیں، نہ تو یہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب کی طرف دھیان دیتے ہیں، اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف توجہ دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کیا ان کے کوئی معبود ہیں؟ جو ہمارے سوا ان کو بچاتے ہیں، یعنی: حادثوں سے ان کی حفاظت کرتے ہیں، ایسے معبود نہ تو جنوں میں ہیں اور نہ انسانوں میں، جاندار چیزیں ہوں یا بے جان، کوئی بھی بااختیار نہیں ہیں، بے جان چیزیں تو ویسے ہی بے حس وحرکت پڑی رہتی ہیں، وہ نہ کسی کا کچھ سنوار سکتی ہیں، اور نہ بگاڑ سکتی ہیں، البتہ جو جاندار ہیں، وہ بھی اختیار سے خالی ہیں، ان میں نفع یا نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں پائی جاتی۔

کیونکہ نفع اور نقصان پہنچانے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے؛ اسی لئے فرمایا کہ: کیا ان کے لئے ہمارے سوا کوئی اور معبود بھی ہیں، جو ان کی حفاظت کرتے ہیں؟ پھر خود ہی اس کا جواب بھی دیا: وہ بیچارے تو خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے دوسروں کی کیا مدد کرسکیں۔

فرمایا کہ: جن جھوٹے خداؤں کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں وہ تو کسی نفع نقصان کے مالک نہیں، حقیقت

یہ ہے کہ ہم نے ان مشرکوں اور کافروں اور ان کے باپ دادا کو بھی فائدہ پہنچایا، اور ان کو زندگی کا سامان اور مال و دولت عطا کیا، یہاں تک کہ ان کی عمریں لمبی ہو گئیں، یعنی: ان کو ایک بڑی اور لمبی مدت تک خوشحالی عطا فرمائی۔

فرمایا: کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم مکہ کی زمین کو ہر طرف سے گھٹاتے آرہے ہیں، یعنی وہ زمین کافروں کے قبضے سے نکل رہی ہے، اور ان کے علاقوں پر مسلمانوں کا قبضہ قائم ہو رہا ہے، چنانچہ قبیلۂ غفار اور اسلم کی مثال ہمارے سامنے ہے، یہ بہت بڑی آبادی والے قبیلے مکہ سے لیکر شام تک کے علاقے میں پھیلے ہوئے تھے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے آدھا قبیلہ غفار مسلمان ہو گیا، پھر جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے تو باقی آدھا قبیلہ بھی اسلام لے آیا، پھر جب اسلم قبیلہ والوں نے دیکھا کہ قبیلۂ غفار اسلام لے آیا ہے تو وہ بھی سارے مسلمان ہو گئے، اور اس طرح بہت بڑا علاقہ کافروں کے ہاتھوں سے نکل کر مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا، پہلے یہ دونوں قبیلے لوٹ مار کرتے تھے، اور ڈاکے ڈالتے تھے، جب مسلمان ہو گئے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا کی "غفار غفر اللّٰہ لھا" اللہ تعالیٰ قبیلۂ غفار کی غلطیوں کو معاف فرمائے" و اسلم سالمھا اللّٰہ" اور قبیلۂ اسلم والوں کو اللہ تعالیٰ سلامتی میں رکھے، ان دو قبیلوں کے بعد پھر یمن، خیبر اور دوسرے عرب علاقے بھی مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے، حتی کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک عرب کی ساری زمین کفر سے پاک ہو چکی تھی۔

خطرہ سے خبرداری

قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَ لَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا

کہہ دیجئے بات صرف یہ ہے ڈراتا ہوں میں تم کو وحی کے مطابق اور نہیں سنتے بہرے پکارنے کو جب انہیں

يُنْذَرُوْنَ ۝ ﴿۴۵﴾ وَ لَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ

ڈرایا جائے (۴۵) اور البتہ اگر چھو لے ان کو کوئی لپٹ عذاب کی رب تیرے کی ضرور کہہ اٹھیں گے

يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ ﴿۴۶﴾ وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ

ہائے شامت ہماری تحقیق تھے ہم ظلم کرنے والے (۴۶) اور لگا دیں گے ہم ترازوئیں انصاف کی دن قیامت کے

فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۭ وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ

پس نہ ظلم کیا جائے کوئی نفس کچھ بھی اور اگر ہوگا وزن ایک دانے رائی کے

اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾

لے آئیں گے ہم اسے اور کافی ہیں ہم حساب لینے والے (۴۷)

بامحاورہ ترجمہ: ۔آپ کہہ دیں! میں جو تم کو ڈراتا ہوں، وہ وحی کے ذریعے ڈراتا ہوں، اور بہرے پکار کو نہیں سنتے، جب اللہ کے عذاب سے ڈرایا جائے۔(۴۵) اور اگر ان تک تیرے رب کے عذاب کی ایک لپٹ پہنچ جائے تو وہ اپنے جرم کا اقرار کرتے ہوئے کہیں گے ہائے ہماری کمبختی! یقیناً ہم گنہگار تھے۔(۴۶) (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) اور قیامت میں ہم انصاف کی ترازوئیں لگا دیں گے، پھر کسی جی پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا، اور اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہوگا تو ہم اسے بھی لے آئیں گے اور اس کا بھی وزن کرینگے۔(مثال کے طور پر رائی کے دانے کا ذکر کیا گیا ہے، مطلب یہ کہ چھوٹے سے چھوٹا عمل اگر ہوگا تو وہ بھی ترازو میں رکھ دیا جائے گا) اور حساب کرنے کو ہم کافی ہیں، (یعنی: ہم سے نہ کوئی چھوٹا عمل بچ سکتا ہے اور نہ بڑا)۔(۴۷)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: اے پیغمبر! ان لوگوں سے صاف کہہ دیں کہ میں تمہیں تمہارے برے کاموں کے برے انجام سے ڈراتا ہوں، یہ کوئی میری من گھڑت بات نہیں ہے، تمہارے حقیقی معبود و مالک اور رب نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ اس قرآن مجید کی باتوں کو سرسری طور پر ٹال دینا اور اس کے حکموں کو دل و جان سے قبول نہ کرنا آخر کار تباہی کا سبب ہے، اب اگر تم بہرے بن جاؤ اور میری پکار نہ سنو تو یہ تمہاری بربادی کا سبب ہے، ابھی اگر اس آگ کی تھوڑی سی لپٹ بھی تمہیں لگ جائے تو کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑے، کان، آنکھ سب کھل جائیں اور چلائیں گے کہ ہائے! ہم نے واقعی اپنے اوپر ظلم کیا جو پیغمبروں کا کہنا نہ سنا اور نہ مانا۔

عملوں کا وزن

ارشاد ہوتا ہے:"وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ" اور ہم قیامت والے دن انصاف کے ترازو رکھیں گے، جب عملوں کے تولنے کا وقت آئیگا، عملوں کو تولنے کے لئے ترازو قائم کئے جائیں گے، پس کسی شخص پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا، اگر اچھے عمل ہونگے تو ان کے مطابق درجے بلند ہوں گے اور اگر برے عمل کئے ہونگے تو پھر اس کے مطابق سزا دی جائیگی، کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کی جائے گی، میزان کے متعلق "سورۃ اعراف" میں بھی موجود ہے"وَ الْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ"۔ (سورۃ الاعراف۔آیت۔۸) اس دن عملوں کا وزن برحق ہے۔

قرآن مجید کا مرتبہ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّ ذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾

اور البتہ تحقیق دی ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فیصلہ کرنے والی کتاب اور روشنی اور نصیحت نامہ پرہیزگاروں کے لئے (۴۸)

الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

جو ڈرتے ہیں سے رب اپنے غائبانہ اور وہ سے قیامت ڈرے رہتے ہیں (۴۹)

ع ۹ وَ هٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَ لَقَدْ

اور یہ نصیحت نامہ ہے بہت برکت والا کہ اتارا ہم نے اسے کیا پس تم اس کا انکار کرنے والے ہو (۵۰) اور البتہ تحقیق

اٰتَيْنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ اِذْ قَالَ

دی ہم نے ابراہیم کو ٹھیک سمجھ اسکی سے پہلے اور تھے ہم سے اس خوب واقف (۵۱) جب کہا اس نے

لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْۤ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾

واسطے باپ اپنے اور سے قوم اپنی کیا ہیں یہ مورتیاں کہ تم پر جن جمے ہوئے ہو (۵۲)

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾

بولے پایا ہم نے باپ دادا اپنے کو ان کی پوجا کرنے والے (۵۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فیصلہ کن کتاب اور روشنی اور بچ کر چلنے والوں کے لئے نصیحت نامہ دیا۔ (۴۸) جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور قیامت سے خوف کھاتے ہیں۔ (۴۹) اور یہ ایک نصیحت نامہ ہے برکت والا جو ہم نے اتارا کیا تم اسے نہیں مانتے۔ (۵۰) اور اس سے پہلے ہم نے ابراہیم کو بھلائی کی سمجھ دی تھی اور ہم اس کو خوب جانتے تھے۔ (۵۱) جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا یہ کیسی مورتیاں ہیں جن پر تم جمے بیٹھے ہو۔ (۵۲) بولے ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی کی پوجا کرتے پایا ہے۔ (۵۳)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ہم نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو "تورات" دی، جو حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی اور ایسے کے لئے نصیحت جو بغیر دیکھے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور قیامت کے حساب کتاب کے خوف سے لرزتے رہتے ہیں، ان کے فائدے کی باتیں اور نصیحتیں درج کی گئی ہیں، اس کے بعد اب قرآن مجید ہم ہی نے اتارا ہے جس میں ساری اگلی کتابوں کا خلاصہ درج ہے، یہ لوگ ایسے فائدہ مند نصیحت نامہ کا انکار کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے اور ساری قوم سے پوچھا کہ یہ مورتیاں جو تم نے اپنے ہی ہاتھ سے بنائی ہیں، یہ تمہارے خدا کیسے بن گئے، جن پر تم دھیان جمائے بیٹھے ہو، انہوں نے کہا کہ یہ تو معلوم نہیں کہ کیسے خدا بنے، لیکن ہاں ہمارے باپ دادا انہی کو پوجتے چلے آئے ہیں، لہٰذا ہم بھی ان کی پوجا کر رہے ہیں گویا ہم تو اپنے باپ دادا کے دین پر ہیں جس طرح وہ کرتے آئے ہیں ہم بھی اسی طرح کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور البتہ تحقیق ہم نے ابراہیم سمجھ عطا فرمائی اس سے پہلے، رشد کے معنی ہدایت، نیکی اور سمجھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کمال درجے کی سمجھ اور فہم عطا فرمائی تھی "مِنْ قَبْلُ" سے مراد

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن اور اس کے لانے والے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ سے پہلے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو سمجھ عطا فرمائی، اس سے مراد موسیٰ علیہ السلام پر اترنے والی کتاب "تورات" بھی مراد ہو سکتی ہے کہ "تورات" کے نزول سے پہلے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو خاص سمجھ عطا فرمائی، لہٰذا آپ نے بچپن میں بھی کبھی کوئی شرکیہ بات نہیں کی تھی۔

لوگوں کی حیرت

قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴿۵۴﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا

کہا البتہ تحقیق رہے تم خود اور باپ دادا تمہارے میں گمراہی کھلی (۵۴) بولے کیا تو لایا ہے ہمارے پاس

بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ

سچی بات یا تو میں سے دل لگی کرنے والوں (۵۵) بولا نہیں بلکہ رب تمہارا وہی رب آسمانوں

وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰي ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ﴿۵۶﴾

اور زمین کا ہے جس نے بنایا انہیں اور میں پر اس بات سے گواہی دینے والوں میں ہوں (۵۶)

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ

اور قسم اللہ کی البتہ داؤ کروں گا میں بتوں پر تمہارے بعد اسکے کہ تم چلے جاؤ گے پیٹھ پھیر کر (۵۷) پس کر دیا ان کو

جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ﴿۵۸﴾

ٹکڑے ٹکڑے سوائے ایک بڑا ان کا شاید وہ طرف اسکی لوٹ کر آئیں (۵۸)

با محاورہ ترجمہ:۔ ابراہیم نے کہا تم اور تمہارے باپ دادا بتوں کو خدا سمجھنے میں گمراہی میں رہے۔(۵۴) مشرک کہنے لگے: یہ آپ سچ کہہ رہے ہیں یا ہم سے یوں ہی مذاق کر رہے ہیں۔(۵۵) ابراہیم فرمانے لگے: تمہارا اور آسمان اور زمین کا رب وہی ہے، جس نے ان کو بنایا اور میں اس بات پر گواہ ہوں، یعنی: اس بات کا اقرار

کرتا ہوں۔(۵۶) اور قسم اللہ کی! میں تمہارے بتوں کا علاج کروں گا، جب تم پیٹھ پھیر کر جا چکو گے۔(۵۷) پھر (قوم کے چلے جانے کے بعد) ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے سوائے ایک بڑے بت کے، اس کے ٹکڑے نہیں کئے، تاکہ لوگ لوٹ کر اس کے پاس آئیں۔(۵۸)

تفسیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کا جواب سنکر کہا اس سے تو یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تم اور تمہارے باپ دادا جو کچھ کرتے رہے وہ ٹھیک ہے، مجھے تو یہ دکھائی دے رہا تمہارے بڑے ایک کھلی گمراہی میں ہیں، اب تم بھی ان کی دیکھا دیکھی اسی حماقت میں مبتلا ہو، جس میں وہ تھے، یہ سن کر وہ حیرت سے ان کا منہ تکنے لگے، انہوں نے ایسی سخت بات اپنے اور اپنے بزرگوں کی بابت کبھی نہیں سنی تھی، ایک نوجوان سے ایسی انوکھی بات سنکر ان کا دل دہل گیا، کہنے لگے، کیا سچ مچ تیرا یہی خیال ہے یا ہم سے ہنسی دل لگی کی باتیں کر رہا ہے، جب انہوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: یہ کوئی ہنسی دل لگی کی بات نہیں، حقیقت یہی ہے کہ تمہارا رب یہ پتھر کے بت نہیں ہو سکتے، تمہارا رب تو وہی ہے جو آسمان اور زمین کا رب ہے اور جس نے ان کو پیدا کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بتوں کو پوجنے والی قوم کو جس میں ان کا باپ بھی شامل ہے، سمجھا رہے ہیں کہ یہ بت تم نے خود گھڑے ہیں، ان کے آگے عبادت کے لئے سر کیوں جھکاتے ہو، میں ہنسی نہیں کر رہا حقیقت بیان کر رہا ہوں، میرا اپنا عقیدہ خود یہی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ کچھ نہیں کر سکتے، اس کے بعد جب دیکھا کہ یہ زبان کے کہنے سے نہیں مانتے تو کہا کہ اچھا اب کے جب تم باہر میلے میں جاؤ گے تو ان کی میں گت بناؤں گا، شاید تم اس کے بعد سمجھ جاؤ کہ ان بے بس مورتیوں کی پوجا بیکار ہے، ان کا یہ کہنا کسی نے سنا، کسی نے نہ سنا اور بے پروائی سے ٹال دیا، مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے ارادے کے پکے تھے، وہ بتوں کی بے بسی ان پر واضح کرنا چاہتے تھے، جب وہ اکٹھے ہو کر میلے میں گئے تو ابراہیم علیہ السلام نے کلہاڑا لے کر سب بتوں کو توڑ کر رکھ دیا، مگر ایک جو سب میں بڑا تھا، اسے چھوڑ دیا تا کہ ان کو زبانی دلیل سے بھی بتا دیا جائے کہ اس کی بے بسی دیکھو۔

بتوں کے توڑنے کا موقع

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے ارادے کو پورا کرنے کیلئے موقع کی تلاش میں تھے، بت خانے کے اندر چلے اور بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، سوائے ان کے بڑے بت کے، اور پھر یہ کیا کہ جس کلہاڑے کے ساتھ بتوں کو توڑا تھا، وہ کلہاڑا بڑے بت کے کندھے میں لٹکا دیا، تاکہ جب وہ لوگ واپس آئیں تو اسی کی طرف رجوع کریں، ابراہیم علیہ السلام کا بڑے بت کو صحیح سالم چھوڑنے کی وجہ یہ تھی کہ مشرک لوگ بتوں کی یہ گت دیکھ کر بڑے بت کی طرف رجوع کریں گے جو کہ صحیح سلامت ہے، تاکہ اس سے پوچھیں کہ ان باقیوں کو کیا ہوا، بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ: اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بتوں کی یہ حالت دیکھ کر شاید مشرک لوگ ان سے بیزار ہوجائیں اور اللہ تعالٰی کی طرف رجوع کریں کہ حقیقی معبود وہی ہے۔

جرأت

ظاہر ہے کہ بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا ابراہیم علیہ السلام کا جرأت مندانہ قدم تھا، آپکو کفر و شرک کے خلاف بڑی ہمت اور جرأت عطا کی گئی تھی، اس وقت بادشاہ بڑا ظالم اور جابر تھا، اس کی ساری رعایا ابراہیم علیہ السلام کے والد سمیت سب رشتہ دار بتوں کو پوجنے والے اور مخالف تھے، ان حالات میں بت خانے میں داخل ہو کر بتوں کو توڑ دینا ایک جرأت مندانہ قدم تھا، ابراہیم علیہ السلام کو پورا اندازہ تھا کہ ان کی قوم ان کے ساتھ کیا سلوک کرے گی؛ اس لئے انہوں نے جان پر کھیل کر یہ کام انجام دیا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی میں یہی کام کیا، جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ فاتحانہ انداز میں مکے میں داخل ہوئے تو اس وقت خانہ کعبہ کے اندر اور باہر دیواروں کے ساتھ سینکڑوں بت رکھے ہوئے تھے، مکے کے سارے مشرک ہار چکے تھے اور کسی میں مقابلے کی ہمت نہ تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جو بھی مشرک راستہ روکنے کی کوشش کرے اس کو راستہ سے زبردستی ہٹا دیا جائے، اور جو گردن اٹھا کر

آئے اس کی گردن اڑادی جائے جب آپ ﷺ کو مکہ پر مکمل قبضہ ہوگیا تو آپ ﷺ نے ساری جگہوں پر موجود بت توڑ دیئے اور وہاں پر مسجدیں بنانے کا حکم دیا۔

لوگوں میں کھلبلی

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا

کہنے لگے کس نے کیا یہ ساتھ خداؤں ہمارے کے تحقیق ہے وہ میں سے ظالموں (۵۹) بولے سنا ہم نے

فَتًى یَّذْكُرُهُمْ یُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِیْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤى اَعْیُنِ

ایک جوان کو کہ ذکر کرتا ہے ان کا کہا جاتا ہے اسے ابراہیم! (٦٠) بولے پھر لے آؤ اسے سامنے آنکھوں

النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْۤا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا

لوگوں کی تاکہ وہ دیکھیں (٦١) بولے کیا تو نے کیا ہے یہ ساتھ خداؤں ہمارے کے

یٰۤاِبْرٰهِیْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا

اے ابرہیم! (٦٢) بولا نہیں جی یہ تو کیا بڑے انکے نے جو یہ ہے پوچھ لو ان سے اگر ہیں وہ

یَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْۤا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

بولتے (٦٣) پس لوٹے طرف جیوں اپنے کی پس کہنے لگے تحقیق تم آپ ہی ظالم ہو (٦٤)

بامحاورہ ترجمہ:۔ کہنے لگے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کام کس نے کیا وہ تو بڑا ظالم ہے۔(۵۹) وہ آپس میں کہنے لگے ہم نے سنا ایک جوان ان کو برا بھلا کہتا ہے، اسے ابراہیم کہتے ہیں۔(٦٠) بولے تو اس کو لوگوں کے سامنے لے آؤ، تاکہ وہ دیکھے اس کا کیا حشر ہوتا ہے۔(٦١) بولے اے ابراہیم! تو نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کیا ہے؟ (٦٢) ابرہیم نے کہا نہیں! یہ تو ان کے اس بڑے نے کیا ہے، سو! ان سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہیں۔(٦٣) پھر اپنے دل میں سوچنے لگے، پھر وہ آپس میں بولے لوگوں تم ہی بے انصاف ہو۔(٦٤)

تفسیر

لوگ میلے سے واپس آئے تو دیکھا ادھر سے ادھر تک سارے بت ٹوٹے پڑے ہیں، صرف بڑا بت باقی ہے اور اس کے کندھے پر کلہاڑا رکھا ہوا ہے سارے شہر میں کھلبلی مچ گئی یہ بتوں کے ساتھ کس نے کیا؟ بڑا ظلم کیا، ایک سرے سے سب کا صفایا کر دیا، ایسا ظالم ہمارے اندر کون ہوسکتا تھا؟ جن لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ کہتا سنا تھا کہ جب سب لوگ شہر کے باہر میلے میں چلیں جائیں گے تو میں ان بتوں کی خبر لوں گا تو وہ بولے ایک نوجوان ان بتوں کی بابت کچھ کہہ رہا تھا، ہم نے اس کے منہ سے یہ سنا تھا کہ وہ ان کی گت بنائے گا یہ سنکر کہنے لگے، جاؤ! اسے پکڑ کے لاؤ جب لوگوں کے سامنے آئے گا ساری حقیقت کھل جائے گی، یہ تو بڑا غضب ہے کہ ہم سب کے ہوتے ہوئے وہ ایسی جرأت کر بیٹھے، غرض! ابراہیم علیہ السلام پر ہر شخص غصہ اتارنے لگا اور جو منہ میں آیا کہنے لگا، کچھ من چلے لوگ دوڑے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لے آئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ: انہی سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہیں یہ بڑا بت صحیح سلامت موجود ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اسی نے ناراض ہو کر یہ ساری کاروائی کی ہے، یہ کلہاڑا بھی اسی کے پاس ہے، لہٰذا مجھ سے پوچھنے کے بجائے اسی سے اس واردات کے متعلق پوچھ لو، جب ابراہیم علیہ السلام نے مشرکوں کو یہ لاجواب دلیل پیش کی کہ اس واقعہ کے متعلق خود ان بتوں سے پوچھ لو، اگر یہ بولتے ہیں تو وہ سخت پریشان ہوئے انہوں نے اپنے دلوں میں سوچا اور اپنے لوگوں سے کہا کہ تم ہی ظالم ہو، اس ظالم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تم ایسی چیزوں کو خدا بناتے ہو جو بالکل بے اختیار ہیں، ابراہیم علیہ السلام بالکل درست فرما رہے ہیں، حقیقت میں اس معاملہ میں زیادتی کرنے والے تم ہی ہو، اس کا دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم کتنے بے انصاف ہو کہ ان خداؤں کو بے یارو مددگار چھوڑ کر سب کے سب چلے گئے اور ان کی حفاظت کا کوئی انتظام ہی نہ کیا، تاہم پہلا معنی زیادہ واضح ہے، انہوں نے پہلے تو اپنے آپ کو ملامت کیا کہ ابراہیم علیہ السلام ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں۔

ہٹ دھرمی

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰۤؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٥﴾

پھر اُلٹ دیے گئے وہ پر سروں اپنے البتہ تحقیق تو جان چکا ہے نہیں یہ بولتے (۶۵)

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾

کہا کیا پھر پوجتے ہو تم سوا اللہ کے اسے جو نہیں نفع دیتا تمہیں کچھ اور نہ نقصان دے سکتا ہے تمہیں (۶۶)

اُفٍّ لَّكُمْ وَ لِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾

تُف ہو پر تم اور پر اس جسے پوجتے ہو تم سوا اللہ کے کیا پس نہیں سمجھتے (۶۷)

با محاورہ ترجمہ:۔ پھر وہ ندامت سے اوندھے منہ ہو گئے، اور کہا تو تو جان چکا ہے کہ یہ بولتے نہیں۔ پھر ہم ان سے کیا پوچھیں؟ (۶۵) ابراہیم نے کہا: کیا پھر تم اللہ کے سوا ایسوں کو پوجتے ہو جو تمہیں نہ نفع دیں نہ نقصان۔ (۶۶) بے زار ہوں میں تم سے اور ان سے جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، کیا تم میں سمجھ نہیں؟ (۶۷)

تفسیر

اس خیال کے آتے ہی شرمندہ ہو کر سر جھکا لئے، پھر کہا کہ تمہیں تو معلوم ہے کہ یہ نہیں بولتے، پھر ہم سے کیوں کہتا ہے کہ ان سے پوچھ لو، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ پتھر کیا خاک بولیں گے، لیکن تم پر بھی حقیقت واضح کرنا چاہتا ہوں کہ تم جان بوجھ کر یہ کیا نادانی کر رہے ہو کہ ان بہرے، گونگے، بے جان، بے بس بتوں کے سامنے سر جھکاتے ہو اور ان کی عبادت کرتے ہو، تف ہے! تم پر اور تمہارے ان معبودوں پر، یہ تو پتھر تھے ہی مگر تمہاری عقل پر بھی پتھر پڑ گئے کہ ایسی چیزوں کو جو کہ تمہیں نہ نفع پہنچا سکیں نہ نقصان، پوجنے بیٹھ گئے، آخر آدمی کو کچھ تو عقل سے کام لینا چاہئے۔

سزا اور نجات

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَ انْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْنَا

وہ بولے جلا ڈالو اس کو اور مدد کرو خداؤں اپنے کی اگر ہو تم کرنے والے (۶۸) ہم نے حکم دیا

يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ وَ اَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا

اے آگ ہو جا تو ٹھنڈی اور آرام والی پر ابراہیم (۶۹) اور ارادہ کیا انہوں نے ساتھ اسکے بری تدبیر کی،

فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿۷۰﴾

پس کر دیا ہم نے انہی کو خسارہ اٹھانے والے (۷۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بولے جلا ڈالو اس کو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو، اگر تمہیں کچھ کرنا ہے۔ (۶۸) (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) ہم نے کہا اے آگ! ٹھنڈی اور آرام دہ ہو جا، ابراہیم کے لئے۔ (۶۹) انہوں نے تو اس کا برا چاہا تھا، پھر ہم نے انہی کو نقصان میں ڈال دیا۔ (۷۰)

تفسیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کھری کھری باتیں سن کر لوگ ایک دم چلائے کہ اس نڈر اور دلیر شخص نے تو ہم پر خوب ہاتھ صاف کیا، ادھر تو ہمارے معبودوں کی گت بنائی، اور ادھر اپنی بے دھڑک لعن طعن سے ہمارے دل جلا کر خاک کر دیئے، اب بولو! تمہیں کچھ کرنا ہے یا نہیں؟ چپ چاپ دیکھتے رہنے سے کام نہیں چلے گا، اپنے خداؤں کی مدد کرو، اور اس کو آگ میں جلا ڈالو، تاکہ لوگوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور انہیں معلوم ہو جائے کہ ہم اپنے دلپسند خداؤں کی بے حرمتی کرنے والوں کو کیسی سزا دے سکتے ہیں، چنانچہ انہوں نے لکڑیوں کا انبار جمع کیا اور اس میں آگ لگا دی، جب وہ سلگ کر خوب تیز ہو گئی تو انہوں نے اپنا دل ٹھنڈا کرنے کے لئے ابراہیم علیہ السلام کو خوب جلتی ہوئی آگ میں پھینک دیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے پیغمبر کی مدد کی اور معجزانہ طور پر آگ میں جلنے سے بچا لیا۔

آگ کو حکم دیا کہ خبردار! ابراہیم کو کچھ ضرر نہ پہنچنے پائے، اتنی ٹھنڈی ہوجا کہ وہ تیرے اندر آرام سے صحیح سلامت رہیں، انہوں نے چاہا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھ پہنچانا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ہم نے انہیں کو ذلیل وخوار کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دشمنوں نے ان کو جلا ڈالنے کے لئے ایندھن اکٹھا کرلیا، لیکن اللہ تعالیٰ کو انہیں صحیح سلامت رکھنا تھا، اس لئے آگ کو حکم ہوا کہ اے آگ! ابراہیم جلنے نہ پائے، تیری گرم لپٹیں ان کے لئے خوشگوار ٹھنڈی ہوا بن جائیں، تیری جلانے کی قوت ان کے لئے آبِ حیات بن جائے، چنانچہ بظاہر آگ آگ ہی رہی، لیکن ابراہیم علیہ السلام کے لئے اس کی گرمی ٹھنڈک بن گئی، اور اس کی لپٹوں نے صبح کی خوشگوار ہوا کا کام دیا، کافروں کے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے، سمجھانا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، جسے وہ رکھے اسے کون چکھے۔

جس آگ میں ابراہیم علیہ السلام کو ڈالا گیا تھا وہ آگ ابراہیم علیہ السلام کے اردگرد کی چیزوں کو جلاتی رہی، یہاں تک کہ ابراہیم علیہ السلام کو جن رسیوں سے باندھا گیا تھا ان کو بھی جلا ڈالا، مگر ابراہیم علیہ السلام کو معجزانہ طور پر کوئی نقصان نہیں پہنچا۔

اللہ تعالیٰ کا فضل

وَ نَجَّيْنٰهُ وَ لُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾

اور نجات دی ہم نے اسے اور لوط کو طرف اس زمین کی کہ برکت دی ہم نے میں اس کے لئے جہان (۷۱)

وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَ يَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَ كُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿۷۲﴾

اور عطا کیا ہم نے اسے اسحٰق اور یعقوب عطیہ کے طور پر اور سب کو کیا ہم نے نیکوکار (۷۲)

وَ جَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ

اور بنایا ہم نے انہیں پیشوا راہ دکھاتے ہیں ساتھ حکم ہمارے کے اور وحی بھیجی ہم نے طرف ان کی کرنے کی نیک کام

وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿٧٣﴾ وَ لُوْطًا

اور قائم کرنے نماز کی، اور دینے زکوٰۃ اور تھے وہ ہماری بندگی کرنے والے (۷۳) اور لوط

اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا وَّ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ

دیا ہم نے اس کو سمجھ اور علم اور بچایا ہم نے اس کو سے اس بستی جو تھی کرتی

الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿٧٤﴾ وَ اَدْخَلْنٰهُ فِيْ

گندے کام، تحقیق وہ تھے لوگ برائی والے حکم سے باہر جانیوالے (۷۴) اور داخل کیا ہم نے لوط کو میں

رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٧٥﴾ ع ٥

رحمت اپنی تحقیق وہ ہے سے نیک بختوں (۷۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور ہم نے ابراہیم کو اور لوط کو (جو آپ کا بھتیجا تھا، بچپن سے آپ کے ساتھ رہتا تھا، اور ایماندار تھا اور ہجرت میں بھی آپ کے ساتھ تھا) اس سرزمین کی طرف بچا نکالا، جس میں ہم نے جہان کے لئے برکت رکھی۔ (اس سے مراد شام اور فلسطین کی سرزمین ہے)۔(۷۱) اور ہم نے اسے (بیٹا) اسحٰق اور (پوتا) یعقوب دیا اور سب کو نیک بنایا۔(۷۲) اور ہم نے انہیں رہبر بنایا کہ ہمارے حکم سے راہ بتاتے ہیں، اور ہم نے انہیں نیکیاں کرنے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا اور وہ ہماری ہی بندگی میں لگے ہوئے تھے۔ (۷۳) اور لوط کو ہم نے سمجھ دی اور علم عطا فرمایا، اور اس کو اس بستی سے بچا نکالا جو گندے کام کرتی تھی، وہ لوگ برے اور نافرمان تھے۔(۷۴) اور ہم نے اسے اپنی رحمت میں لے لیا وہ نیک بختوں میں سے ہیں۔(۷۵)

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے آگ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ٹھنڈا اور خوشگوار کر دیا اور اس آفت سے بچا کر انہیں ان کے وطن عراق سے شام میں پہنچا دیا، جہاں اللہ تعالیٰ نے دنیا والوں کے لئے خیر و خوبی کا

سامان جمع کر دیا تھا اور جہان والوں کو ان سے بہت سے ظاہری اور باطنی فائدے پہنچے، اور ان کے ساتھ ان کے بھتیجے لوط علیہ السلام بھی وہاں سے نکل آئے جو پھر "شام" سے "سدوم" کی طرف پیغمبر بنا کر وہاں کے لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹا ملا، جس کی انہوں نے خواہش کی تھی جس کا نام اسحٰق ہوا، پھر اسحٰق کو یعقوب جیسا بیٹا بن مانگے ملا، جس سے پیغمبروں کا سلسلہ چلا، یہ سب کے سب نیک بخت ونیکوکار تھے، پھر اللہ نے انہیں لوگوں کا رہنما بنا دیا، کہ اس کے حکم سے لوگوں کو ٹھیک راستے پر چلائیں۔

ارشاد ہے کہ: ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ پابندی کے ساتھ نماز پڑھو اور ہمیشہ پڑھتے رہو، پھر اپنی کمائی میں سے محتاجوں اور غریبوں کی مدد کے لئے ایک حصہ الگ رکھ دو، اور اس سے ضرورتمندوں کی حسبِ ضرورت مدد کرو، یہ لوگ فقط ہماری ہی بندگی اور عبادت میں لگے رہتے تھے۔

حضرت لوط علیہ السلام کو ہم نے عقل وسمجھ عطا کی، اور ان خبیث اور گندے کام کرنے والوں کی بستی سے صحیح سالم بچا کر نکالا، جو ایک نافرمان اور سرکش لوگوں کا جتھہ تھا، ان پر عذاب آیا اور لوط کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل کیا وہ نیکوکار اور نیک بخت لوگوں میں سے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام

وَ نُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ

اور (یادکر) نوح کو جب پکارا اس نے سے پہلے اس پس پکار سنی ہم نے اس کی پس بچایا اسے اور ساتھیوں اسکے کو

مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٦﴾ وَ نَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

سے بے چینی بڑی (۷۶) اور مدد کی ہم نے اس کی سے ان لوگوں جنہوں نے جھٹلایا

بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٧٧﴾

آیتوں ہماری کو، تحقیق وہ تھے لوگ برائی والے پس غرق کر دیا ہم نے ان سب کے سب کو (۷۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور نوح کو یاد کر! جب اس نے اس سے پہلے پکارا (''پہلے'' سے مراد یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہزار سال پہلے کا ہے'') سو! ہم نے اس کی دعا قبول کر لی، پھر اس کو اور اس کے گھر والوں کو بڑی گھبراہٹ سے بچایا۔(۷۶) اور اسے اس قوم سے نجات دی جو ہماری آیتیں جھٹلاتی تھی، درحقیقت وہ برے لوگ تھے، سو! ہم نے ان سب کو ڈبو دیا۔(بڑی گھبراہٹ سے مراد یا تو طوفان میں غرق ہونا ہے، جس میں پوری قوم گرفتار ہوئی، یا اس قوم کی تکلیفیں اور اذیتیں مراد ہیں، جو طوفان سے پہلے ان کو اور ان کے ماننے والوں کو پہنچاتے تھے۔(۷۷)

تفسیر

ان آیتوں میں بیان کیا جا رہا ہے کہ سرکشوں کو سمجھانے کے لئے ہم نے وقتاً فوقتاً اپنے پیغمبر بھیجے، انہوں نے اپنی قوم کو سمجھایا اور بتایا کہ انسان کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہئے، اسی کے آگے جھکنا چاہئے، اور اسی کے حکموں کی پیروی کرنی چاہئے، ان کی قوم نے ان کا کہنا نہ مانا تو ہم نے اپنے پیغمبروں کو بچا کر نافرمانوں کو تباہ کر دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ بیان ہو چکا تو آگے حضرت نوح علیہ السلام کے قصے کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ ان سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کے نافرمانوں سے عاجز آکر ہمیں پکارا تھا، اور ہم نے ان کی دعا قبول کی تھی، اور ان کے ماننے والوں کو زبردست مصیبتوں سے جو ان کی قوم کے ہاتھوں انہیں پہنچ رہی تھیں بچا لیا تھا، ان کی قوم نے ہماری کھلی نشانیوں کو جھٹلایا، اور برے کام دھڑلے سے کرتے رہے، آخر پانی کا بڑا بھاری طوفان آیا اور وہ اس میں سب کے سب غرق ہو گئے، حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ماننے والوں کو کشتی میں سوار کر کے ڈوبنے سے بچا لیا۔

پیغمبروں کا کام

لوط علیہ السلام کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے سفر میں ہی لوط علیہ السلام کو پیغمبری عطا فرمادی اور دین کی تبلیغ کے لئے مشرقی اُردن کی طرف کے علاقے میں بھیجا، وہاں پر انہوں نے لمبا عرصہ گزارا، شادی بھی وہیں ہوئی، مگر وہ لوگ مشرک تھے، اور نہایت غلط اور گندے کام کرتے تھے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے بیٹیاں بھی عطا فرمائیں، جو ایمان لے آئیں، مگر بیوی مشرک ہی رہی، جب اس بستی والوں کے ظلم لوط علیہ السلام پر بہت بڑھ گئے تو اللہ نے فرمایا: ہم نے لوط کو ان بستی والوں سے نجات دلائی، جس کے لوگ خبیث کام کرتے تھے۔

ان تمام واقعات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ماننے والوں کے لئے تسلی کا مضمون ہے کہ دیکھو کہ! اللہ تعالیٰ کے پہلے پیغمبروں کے ساتھ بھی بڑی بڑی بدسلوکیاں کی گئیں اور کافروں اور مشرکوں کی طرف سے انہیں اذیتیں پہنچائی گئیں اور کافر اور مشرک تباہ و برباد ہوئے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین بھی تباہ ہوں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اطمینان رکھیں اور اپنا کام جاری رکھیں۔

عراق کی زمین سے جس پر نمرود کا غلبہ تھا، نجات دیکر ایک ایسی زمین میں پہنچا دیا جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لئے برکتیں رکھی ہیں، مراد اس سے ملک شام کی زمین ہے، کہ وہ اپنی ظاہری اور باطنی حیثیت سے بڑی برکتوں والی ہے، باطنی برکت تو یہ ہے کہ زیادہ تر پیغمبر علیہم السلام اس زمین میں پیدا ہوئے، اور ظاہری برکتوں سے مراد اس زمین میں بہت سارے پیغمبر دفن ہیں، جن کی وجہ سے اس سرزمین پر اللہ تعالیٰ کی برکتیں اور رحمتیں برستی ہیں، موسم کا خوش گوار ہونا، نہروں اور چشموں کی زیادتی، پھل پھول اور ہر طرح کی زمینی پیداوار کا ہونا یہ سب اس زمین کی برکتیں ہیں، جس کے فائدے صرف اس زمین کے رہنے والوں کو نہیں بلکہ عام دنیا کے لوگوں تک پہنچتے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کو جس بستی سے نجات دینے کا ذکر ان آیتوں میں آیا ہے، اس بستی کا نام "سدوم" تھا، اس کے اردگرد سات بستیاں اور تھیں، جن کو جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُلٹ دیا تھا، صرف ایک بستی باقی چھوڑ دی تھی، جس میں لوط علیہ السلام اپنے ساتھیوں سمیت رہ سکیں۔

داؤد اور سلیمان علیہما السلام

وَ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ

اور (یادکرو) داؤد اور سلیمان کو جب فیصلہ کرنے لگے میں کھیتی جب چر گئیں رات کو میں اس بکریاں

الْقَوْمِ ۚ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿٧٨﴾ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَ كُلًّا

ایک قوم کی اور تھے ہم فیصلہ ان کا دیکھنے والے (٧٨) پس سمجھا دیا ہم نے فیصلہ سلیمان کو اور ہر ایک کو

اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا ۫ وَّ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَ

دیا تھا ہم نے سمجھداری اور علم، اور تابع کیا ہم نے ساتھ داؤد کے پہاڑوں کو تسبیح کیا کرتے تھے اور

الطَّيْرَ ؕ وَ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿٧٩﴾ وَ عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ

پرندے اور تھے ہم کرنے والے (٧٩) اور سکھایا ہم نے اسے بنانا ایک لباس کا واسطے تمہارے تاکہ بچائے تم کو

مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿٨٠﴾

سے لڑائی تمہاری پس کیا تم شکر کرنے والے ہو (٨٠)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور داؤد اور سلیمان کا واقعہ یاد کیجئے، جب وہ کھیتی کے جھگڑے کا فیصلہ کرنے لگے جس وقت رات کو ایک قوم کی بکریاں چر گئیں اور ان کا فیصلہ ہمارے سامنے تھا۔ (٧٨) پھر ہم نے فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو گہری سمجھ اور دانائی عطا کی تھی، اور ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو حضرت داؤد کے تابع کر دیا، جو ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے اور یہ سب کچھ ہم نے کیا۔ (٧٩) اور ہم نے اسے تمہارے لئے ایک لباس بنانا سکھایا تاکہ تم کو تمہاری لڑائی میں بچائے، تو کیا تم شکر ادا کرتے ہو؟ (٨٠)

تفسیر

حضرت داوٗد علیہ السلام کو بنی اسرائیل نے اپنا بادشاہ بنایا تھا، حضرت سلیمان علیہ السلام ان کے بیٹے تھے، حضرت داوٗد علیہ السلام سمجھ دار حاکم تھے ہی، لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی بچپن ہی میں اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ درجے کی سمجھداری اور دانائی عطا فرمائی تھی، اس آیت میں اس مقدمہ کا ذکر ہے، جس کا فیصلہ جب حضرت داوٗد علیہ السلام کر چکے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس میں ایک باریک بات نکالی، اور حضرت داوٗد علیہ السلام نے اپنا فیصلہ واپس لے کر ان کا فیصلہ نافذ کیا، ایک شخص کے کھیت میں دوسرے کی بکریاں رات میں گھس آئیں تھیں، اور کھیت کو اُجاڑ ڈالا تھا، کھیت والے نے حضرت داوٗد علیہ السلام کے سامنے فریاد کی، حضرت داوٗد علیہ السلام نے فیصلہ کیا، بکریوں والے کی بکریاں لیکر کھیت والے کو دے دی جائیں۔

سلمان علیہ السلام نے فرمایا: کھیت والا بکریاں اپنے پاس ہی رکھے، اوران سے فائدہ اٹھائے، اور بکریوں والا اس کا کھیت دوبارہ بوئے، اور جب کھیت تیار ہوجائے تو کھیت والے کو کھیت دیکر اپنی بکریاں واپس لے لے، حضرت داوٗد علیہ السلام نے یہ فیصلہ پسند فرمایا اور اپنا فیصلہ واپس لے کر یہی جاری کر دیا۔

حضرت داوٗد علیہ السلام پیغمبر تھے اور بہت خوش آواز تھے، ان کو زبور عطا ہوئی، پہاڑ اور پرندے آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے لگتے تھے۔

ارشاد ہے کہ: اس میں تعجب کی بات نہیں، ان سب باتوں کے کرنے والے ہم ہیں اور ہماری قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں جاتی، اس کے علاوہ ہم نے حضرت داوٗد علیہ السلام کو لوہے سے زرہ بنانا سکھائی، تاکہ لڑائی کی حالت میں آدمی کے بدن کی حفاظت کے کام آئے، ان کے ہاتھ میں لوہا موم کی طرح نرم ہوجاتا تھا، جس سے وہ زرہ بنالیتے، تو کیا تم ہماری اس نعمت کا شکر کروگے؟ یاد رکھو! تمہارے فائدے کی ساری چیزیں ہم ہی نے بنائی ہیں؛ اس لئے تمہیں ہر وقت شکر گزار رہنا چاہئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام پر انعامات

وَ لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ

اور واسطے سلیمان کے ہوا تیز چلنے والی چلتی تھی، سے حکم اس کے طرف زمین کی کہ

بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَ كُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَ مِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ

برکت دی ہم نے میں اس اور ہیں ہم ہر چیز کے جاننے والے (۸۱) اور میں سے شیطانوں جو

يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَ يَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَ كُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾

غوطے لگاتے تھے لئے اسکے اور کرتے تھے کام سوا اس کے اور تھے ہم ان کے سنبھالنے والے (۸۲)

وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾ ۚ

اور ایوب کو جب پکارا اس نے رب اپنے کو کہ پہنچی ہے مجھے تکلیف اور آپ زیادہ مہربان ہے سارے مہربانوں سے (۸۳)

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ

پس قبول کی ہم نے دعا اسکے واسطے پھر دور کردی ہم نے جو تھی اسے تکلیف اور دیا ہم نے اسکو خاندان اسکا اور اتنے ہی اور

مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾

ساتھ ان کے مہربانی کے طور پر سے طرف اپنی اور یاد دلانے کے لئے فرمانبرداروں کو (۸۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور سلیمان کے لئے زور سے چلنے والی ہوا تابع کردی کہ اس کے حکم سے اس زمین کی طرف چلتی جہاں ہم نے برکت دی اور ہم کو سب چیز کی خبر ہے۔(۸۱) اور کتنے ہی شیطان تابع کردیئے جو اس کے لئے غوطہ لگاتے اور اس کے سوا اور بہت سے کام بناتے اور ہم نے ان کو تھام رکھا تھا۔(۸۲) اور ایوب کو یاد کر جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھ پر تکلیف پڑی ہے، اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔(۸۳) پس ہم نے اس کی فریاد سن لی اور اس کی جو تکلیف تھی وہ دور کردی، ہم نے اپنی رحمت سے ان کو ان کے گھر والے اور ان کے ساتھ اتنے ہی دوسرے افراد عطا کردیئے اور یہ نصیحت ہے بندگی کرنے والوں کے لئے۔(۸۴)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ہم نے ہوا کو سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا جو بہت زور سے چلتی تھی، اور آگے "سورۃ ص" میں آئے گا جو نرمی سے آہستہ آہستہ چلتی تھی، دونوں کو ملانے سے خلاصہ یہ نکلا وہ حسب ضرورت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے کبھی زور سے اور کبھی آہستہ آہستہ چلتی تھی، اور ان کے تخت کو اٹھا کر لیجاتی تھی اور پھر اسے ملک شام کی طرف لے آتی تھی، جسے اللہ تعالیٰ نے برکتوں سے بھر دیا ہے، آگے ارشاد ہے کہ ہم کو ہوا کی قوت اور اس سے کام لینے کے طریقے کا پورا علم ہے، ہم نے بعض شیطانی طاقتوں کو بھی حضرت سلیمان کے تابع کر دیا تھا، وہ ان کے حکم سے سمندر میں غوطہ لگا کر موتی نکال لاتے، اور اس کے علاوہ سلیمان کے لئے اور بہت سے کام بھی کرتے تھے، یعنی: حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے پتھر کی محرابیں اور شاندار اونچے مکانات وغیرہ بناتے تھے، وہ کسی چیز کو خراب اور تباہ نہ کر سکتے تھے، سب ہماری نگرانی میں تھے۔

حضرت ایوب علیہ السلام پر تندرستی اور بیماری، خوشحالی اور تنگی دونوں حالتیں گزریں، آخر اپنے رب سے التجا کی کہ انہیں اس مرض سے نجات دے، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی، اور تندرستی عطا فرمائی، گھر، اولاد، مال و دولت سب کچھ دوبارہ عطا فرمایا، یعنی: جب اللہ تعالیٰ نے ان کو تندرستی دی تو ان کی جو اولاد مر چکی تھی وہ دوبارہ زندہ کر دی، اور ان کی اہلیہ سے اتنی ہی نئی اولاد عطا کر دی۔

ایک موقع پر ابلیس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ سوال اٹھایا کہ تیرا بندہ ایوب خوشحالی میں تیرا شکر اس لئے ادا کرتا ہے کہ تو نے اسے مال و دولت عطا کر رکھا ہے، اگر وہ خوشحال نہ ہو تو کبھی تیرا شکر ادا نہ کرے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آزمائش میں ڈالنے کا فیصلہ کیا، ایک موقع پر ایسا ہوا کہ ایوب علیہ السلام اور آپ کی بیوی کے سوا آپ کی ساری اولاد کسی دعوت میں شریک تھی کہ اچانک مکان کی چھت گر گئی، اور آپ کی ساری اولاد ہلاک ہوگئی، ادھر دشمنوں نے حملہ کر کے آپ کے بہت سے مویشی ہلاک کر دیئے اور کچھ ہانک کر لے گئے، اس کشمکش میں نوکر چاکر بھی مارے گئے، پھر ایسا طوفان آیا کہ ساری فصل بھی ضائع ہوگئی، اور اس طرح آپ بالکل خالی ہاتھ رہ گئے،

اس وقت آپ نے اللہ کی بارگاہ میں سجدہ کیا اور عرض کیا کہ اے اللہ! میں ماں کے پیٹ سے خالی ہاتھ پیدا ہوا تھا، حتی کہ جسم بھی ننگا تھا، آپ نے اپنی رحمت سے سب کچھ دیا اور میں آپ کا شکر ادا کرتا رہا، اب آپ نے ہر چیز واپس لے لی ہے تو یہ آپ کی رضا ہے اور میں اس پر بھی راضی ہوں، جوں جوں آپ پر مصیبتیں بڑھتی رہیں، آپ کی روح کا یقین، دل کا صبر، اور زبان کا شکر بڑھتا رہا۔

یہ تو بیرونی تکلیف تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو جسمانی طور پر بھی مصیبت میں ڈال دیا، آپ کے سارے جسم پر چھالے نکل آئے، جن سے پورا بدن زخمی ہوگیا، اس دوران نیک دل بیوی نے آپ کا ساتھ نہ چھوڑا، بلکہ آپ کی خدمت میں ہر وقت مصروف رہیں، اس دوران لوگ طعنہ دینے لگے کہ ایوب علیہ السلام سے کوئی بڑا گناہ ہوگیا ہے، جس کی سزا میں آپ پر یہ مصیبت آئی ہے، ایوب علیہ السلام کو کھانے پینے میں بھی تنگی پیش آئی، روزمرہ کی ضرورتوں کے لئے آپ کے پاس کچھ نہیں بچا تھا، حتی کہ آپ کی بیوی کام کاج کر کے تھوڑی بہت اجرت حاصل کرتی، جس سے دو وقت کا کھانا میسر آتا، آپ کی بیوی نے عرض کیا کہ اس بیماری کو دور کرنے کے لئے اللہ سے دعا کریں، کیونکہ اللہ سے دعا کرنا صبر کے خلاف نہیں تو آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! اے میرے رب! مجھے بیماری نے پکڑ لیا ہے، اور آپ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ہم نے ایوب علیہ السلام کی دعا کو قبول کیا اور ہم نے ان کی بیماری دور کر دی۔

جسمانی تندرستی کے بعد اللہ تعالیٰ نے مالی اور جانی نقصان کی تلافی بھی فرمائی، ارشاد ہوتا ہے کہ: ہم نے ان کو ان کے گھر والے بھی عطا کر دیے، مفسرین فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے آپ کی فوت شدہ اولاد کو دوبارہ زندہ کر دیا، تاہم بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے پہلی اولاد کے عوض میں اس سے دگنی اولاد عطا کر دی؛ اس لئے فرمایا کہ: ہم نے ان کے گھر والے بھی دیے اور ان کے ساتھ اتنے ہی اور بھی دیے، گویا آپ کی اولاد پہلے سے دگنی ہوئی، فرمایا: یہ ہماری طرف سے خاص مہربانی تھی، اور تمام عبادت گزاروں کے لئے نصیحت اور یاد دہانی تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہان بھر کے لئے نمونہ بنا دیا کہ مصیبت کے وقت اس طرح صبر کیا جاتا ہے، آپ نے آزمائش کے پورے عرصے میں شکایت کا ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکالا، چنانچہ دنیا میں

حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر ضرب المثل بن چکا ہے۔

"تفسیر ابن کثیر" میں سلیمان علیہ السلام کے تخت کے بارے میں جو ہوا پر چلتا تھا، اس کی کیفیت یہ بیان کی ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے لکڑی کا ایک بہت بڑا وسیع تخت بنوایا تھا، جس پر خود اور حکومتی عہدیدار اور جنگی سامان سمیت سب سوار ہو جاتے، پھر وہ ہوا کو تخت اڑا کر لے چلنے کا حکم دیتے تو اس عظیم الشان، لمبے چوڑے تخت کو جہاں کا حکم ہوتا وہاں جا کر اتار دیتی تھی، یہ ہوائی تخت صبح سے دوپہر تک ایک مہینے کا فاصلہ طے کرتا تھا، اور دوپہر سے شام تک ایک مہینے کا، یعنی: ایک دن میں دو مہینوں کا فاصلہ ہوا کے ذریعے طے ہو جاتا تھا، ابن ابی حاتم نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اس تخت سلیمانی پر چھ لاکھ کرسیاں رکھی جاتی تھیں، جس میں سلیمان علیہ السلام کے ساتھ ایمان والے مسلمان سوار ہوتے تھے، اور ان کے پیچھے ایمان والے جن بیٹھتے تھے، پھر پرندوں کو حکم ہوتا کہ وہ اس پورے تخت پر سایہ کرلیں، تاکہ سورج کی دھوپ سے تکلیف نہ ہو، پھر ہوا کو حکم دیا جاتا تھا، وہ اس عظیم الشان تخت کو اٹھا کر جہاں کا حکم ہوتا، پہنچا دیتی تھی۔

سلیمان علیہ السلام کے لئے جن اور شیطان تابع کر دیئے گئے تھے

فرمایا: یعنی ہم نے سلیمان کے لئے تابع کر دیا شیطان، جن میں سے ایسے لوگوں کو جو سمندروں میں غوطہ لگا کر سلیمان علیہ السلام کے لئے جواہرات نکال کر لاتے تھے، اور اس کے علاوہ دوسرے کام بھی کرتے تھے، جن میں سے بعض کا ذکر دوسری آیتوں میں آیا ہے۔

فرمایا: بناتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے محرابیں اور شاندار مکانات، اور مورتیں اور پتھر کے بڑے بڑے پیالے، جو حوض کی طرح کام دیں، ان سے سلیمان علیہ السلام بڑی مشقت کے کام بھی لیتے تھے، اور عجیب وغریب صنعتوں کے بھی اور ہم ہی ان کی حفاظت کرنے والے تھے۔

جنوں میں سے صرف شیطانوں کو تابع کرنے کا ذکر کیوں فرمایا؟

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے تابع تو سب ہی جن تھے، خواہ مؤمن ہوں یا کافر، مگر مؤمنین تو تابع کئے

جانے کے بغیر بھی سلیمان علیہ السلام کے حکموں کی تعمیل ایک مذہبی فریضے کی حیثیت سے کرتے تھے؛ اس لئے ان کے تابع کئے جانے کے ذکر کی ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اور نیک بندے

وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِدْرِيْسَ وَ ذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَ

اور (یاد کرو) اسمٰعیل کو اور ادریس اور ذوالکفل کو سب صبر کرنے والوں میں سے ہیں (۸۵) اور

اَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَ ذَا النُّوْنِ اِذْ

داخل کیا ہم نے انہیں میں رحمت اپنی بے شک وہ ہیں میں سے نیکوکاروں (۸۶) اور (یاد کرو) مچھلی والے کو جب

ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ

چلا گیا وہ غصے میں بھر کر پس گمان کیا کہ ہم نہ قدرت رکھیں گے پر اس پس پکارا میں اندھیروں کہ

لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاسْتَجَبْنَا

نہیں کوئی معبود سوا آپ کے پاک ہیں آپ بیشک میں ہی تھا سے قصورواروں میں (۸۷) پس سنی ہم نے فریاد

لَهٗ ۙ وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَ كَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

اس کی اور نجات دی ہم نے اسے سے غم اور اسی طرح بچاتے ہیں ہم ایمان والوں کو (۸۸)

با محاورہ ترجمہ: اور یاد کرو اسمٰعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو یہ سب صبر کرنے والوں میں سے ہیں۔ (۸۵) اور ہم نے سب کو اپنی رحمت میں داخل کیا، وہ نیک لوگوں میں سے ہیں۔ (۸۶) اور یاد کرو مچھلی والے (یعنی: یونس) کو جب غصہ ہو کر چلا گیا اور یہ گمان کیا کہ ہم اس پر تنگی نہیں کریں گے، پس پکارا اندھیروں میں کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں آپ کی ذات پاک ہے، میں ہی گنہگاروں میں سے تھا۔ (۸۷) پس ہم نے اس کی فریاد سن لی اور بچا لیا اس کو گھٹن سے، ایمان والوں کو ہم اسی طرح بچا دیتے ہیں۔ (۸۸)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں میں حضرت اسمٰعیل، حضرت ادریس اور حضرت ذوالکفل علیہم السلام بھی تھے، اور ان لوگوں نے ہماری فرمانبرداری میں تکلیفیں برداشت کیں اور صبر کیا، ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کیا، یہ سب لوگ ایسے تھے کہ ان کا مزاج اچھی باتوں کو فوراً قبول کر لیتا تھا، اس کے بعد ذوالنون کا ذکر ہے، جو حضرت یونس علیہ السلام کا لقب ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور عبادت گزار بندے تھے، اپنی قوم کو بتوں کو پوجنے سے روکا، انہوں نے نہ مانا تو خفا ہو کر اور یہ کہہ کر چل دیئے کہ تین دن میں تم پر عذاب آجائے گا، اور یہ انہوں نے غصے میں کہہ دیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کئے بغیر شہر سے نکل پڑے، اور یہ سوچا ہوگا کہ اس معاملے میں ہم ان پر تنگی نہ کریں گے۔

حضرت یونس علیہ السلام شہر سے باہر آکر دریا کے پار جانے کے لئے کشتی میں بیٹھے، کشتی بیچ دریا میں ڈوبنے لگی، لوگوں نے کہا کہ کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگا ہوا اس کشتی میں ہے، اگر وہ خود کو اس دریا میں ڈال دے، تب کشتی چلے گی تو تین مرتبہ قرعہ ڈالا، اور تینوں مرتبہ یونس علیہ السلام کا نام نکلا، کشتی والوں نے ان کو دریا میں پھینک دیا، اور بڑی مچھلی نے ان کو نگل لیا، اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ اس کو اپنے پیٹ میں امانت کی طرح رکھو، یہ تیری غذا نہیں ہے، ہم نے انہیں تیرے پیٹ میں قید کیا ہے، یونس علیہ السلام نے اندھیروں میں، یعنی: ایک تو رات کا اندھیرا، دوسرا سمندر کے پانی کا اندھیرا، تیسرا مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا، ان تین اندھیروں میں یونس علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو پکارا کہ آپ کی ذات پاک ہے، قصوروار میں ہی ہوں کہ میں نے آپ کے حکم کے بغیر ان پر عذاب آنے کے لئے تین دن مقرر کردیئے، اور پھر بغیر آپ کے حکم کے قوم کو چھوڑ کر نکل آیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ہم نے اس کی پکار سنی اور غم سے نجات دی، جو ہم پر یقین رکھتے ہیں، ہم اس کو اسی طرح مصیبتوں سے نجات دیتے ہیں۔

زکریا علیہ السلام کی دُعاء

وَ زَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۸۹﴾

اورزکریا کاواقعہ (یادکرو) جب پکارااس نے رب اپنے کو اے میرے رب! مت چھوڑ مجھے اکیلا اور آپ بہتر ہیں سب وارثوں سے (۸۹)

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۚ وَ وَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَ اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ

پس سنی ہم نے دعا اس کی اور عطا کردیا ہم نے اسے یحییٰ اور ٹھیک کردیا ہم نے لئے اسکے بیوی اسکی کو تحقیق وہ

كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ؕ وَكَانُوْا

تھے دوڑتے میں نیک کاموں اور پکارتے تھے ہمیں امید کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے اور تھے وہ

لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا

ہمارے آگے عاجزی کرنے والے (۹۰) اور اس عورت کا ذکر کرو جس نے حفاظت کی شرمگاہ اپنی کی پس پھونک ماری ہم نے میں اس سے روح اپنی

وَ جَعَلْنٰهَا وَ ابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً

اور کردیا ہم نے اسے اور بیٹے اس کے کو نشانی واسطے جہان والوں کے (۹۱) تحقیق یہ ہے امت تمہاری امت

وَّاحِدَةً ۖ وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ وَ تَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ؕ

ایک اور میں ہوں رب تمہارا عبادت کرو میری (۹۲) اور ٹکڑے کرلیا انہوں نے کام اپنا آپس میں

كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع ۱۸/۶

سب طرف ہماری لوٹنے والے ہیں (۹۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اورزکریا کو یاد کرو! جب اس نے اپنے رب کو پکارا اے میرے رب! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور آپ سب سے بہتر وارث ہیں۔ (۸۹) پھر ہم نے اس کی دعا سن لی اور اس کو یحییٰ بیٹا بخشا اور درست کردیا ہم نے، اس کے لئے اس کی بیوی کو یہ لوگ بھلائیوں کی طرف دوڑتے تھے، اور ہم کو پکارتے تھے امید

کر کے اور ڈر سے اور ہمارے آگے عاجزی کرتے تھے۔ (۹۰) اور اس خاتون کا ذکر کرو! جس نے اپنی عزت کی حفاظت کی، پھر اس میں ہم نے اپنی روح پھونک دی اور اس کو اور اس کے بیٹے کو جہان والوں کے لئے نشانی بنایا۔ (۹۱) یہ لوگ تمہارے دین کے ہیں سب ایک دین پر (یہاں دین سے مراد اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات وصفات میں ایک ماننا اور اپنے وقت کے پیغمبر کو برحق ماننا اور اس پر ایمان لانا اور آخرت کو اور جنت ودوزخ کو برحق ماننا، ان کو اصول دین کہا جاتا ہے، اور یہ سب پیغمبروں کی تعلیم میں ایک تھا) اور میں تمہارا رب ہوں،! میری عبادت کرو۔ (۹۲) اور لوگوں نے اپنا کام آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کرلیا، سب ہمارے پاس پھر آئیں گے۔ (۹۳)

تفسیر

یہاں پھر حضرت زکریا علیہ السلام کا حال یاد دلایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے رب کو پکارا، اور عرض کیا کہ یوں تو میں جانتا ہوں کہ آپ ہر انسان کے بہترین وارث ہیں اور جو کچھ اس کا ہے وہ سب آپ ہی کا ہے، لیکن میں چاہتا ہوں کہ میرے بعد بھی میرے خاندان میں آپ کا نام لینے والا باقی رہے، مجھے تنہا مت چھوڑ، اور ایک بیٹا عطا فرما، ارشاد ہے کہ: ہم نے اس کی دعا قبول کی، ان کی بیوی کو درست کردیا یعنی بچے کی پیدائش کے قابل کردیا، اور اسے یحییٰ نامی بیٹا بخشا، یہ تینوں رحمت کے حقدار تھے؛ اس لئے کہ نیک کام جھپٹ کر کرتے تھے، اور ہماری رحمت کے امیدوار اور ہمارے غضب سے خوفزدہ رہتے تھے، اور ہمارے سامنے عاجزی کے ساتھ جھکتے تھے۔

پیغمبروں میں ایک عالیشان پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تھے، ان کی والدہ ایک پاکدامن خاتون تھیں، حضرت مریم علیہا السلام سے متعلق فرمایا: ہم نے اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دی، حقیقت یوں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریم کے گریبان میں پھونک ماری تھی، جس سے آپ کو حمل ٹھہر گیا، اور اس کام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا کہ ہم نے روح پھونک دی، حمل ٹھہرنے کے چند ہی گھنٹوں کے بعد دردِ زِہ شروع ہوا اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔

حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں کو دنیا والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانی بنایا، تاکہ لوگ اس کی قدرت کا کرشمہ دیکھ کر اسے پہچان لیں، اور اس پر ایمان لے آئیں۔

پیغمبروں کے واقعات سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟

پہلے حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر ہوا، پھر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام اور ذوالکفل کا، اللہ تعالیٰ نے ان سب کو علم و حکمت سے نوازا تھا، ان پر مصیبتیں بھی آئیں، جنہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے برداشت کیا، یہ سب بعد میں آنے والوں کے لئے نمونہ تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو بطور مثال پیش کیا کہ دیکھو! ان لوگوں نے تکلیف کے دوران کس قدر صبر سے کام لیا، لہٰذا تمہیں بھی ان کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے، جس طرح ان لوگوں نے ضرورت کے وقت اللہ کے حضور دعاء پیش کی، اسی طرح تمہیں بھی کرنی چاہئے، تمہارا کام دعا کرنا ہے، اور مصیبتوں کو دور کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے وہ قادر ہے، جب چاہے جس کو چاہے مصیبت میں ڈال دے، اور جب چاہے جس کی چاہے اس کی تکلیف دور کر دے، اس کے سوا نہ کوئی تکلیف دے سکتا ہے اور نہ اسے ہٹا سکتا ہے، غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے پیغمبروں کا ذکر کر کے ان کو باقی لوگوں کے لئے نمونے کے طور پر پیش کیا ہے۔

فرمایا: "وَذَاالنُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا" اس آیت میں "ذاالنون" یعنی: مچھلی والے پیغمبر، یعنی: حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر ہے، نون مچھلی کو کہتے ہیں، چونکہ حضرت یونس علیہ السلام کئی روز تک مچھلی کے پیٹ میں رہے؛ اس لئے آپ کو "ذوالنون" یعنی مچھلی والا کہا گیا، آپ کو "صاحبِ حوت" بھی کہا گیا ہے، "حوت" بھی مچھلی کو کہتے ہیں۔

قرآن مجید کے مطابق آپ کا نام یونس ہے، آپ بنی اسرائیل کے پیغمبروں میں سے ہیں، اور عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً سات آٹھ سو سال پہلے گزرے ہیں، آپ کے زمانے میں فلسطین و شام پر جزقیل نامی بادشاہ تھا اور وہ پیغمبروں کو ماننے والا تھا، اس زمانے میں اللہ تعالیٰ کے پانچ پیغمبر ایک ہی وقت میں موجود تھے، جن میں یونس علیہ السلام بھی شامل تھے، اس زمانے میں عراق کے صوبہ موصل کی بستی نینوا میں بعض شرپسندوں نے بڑی زیادتی کی، وہاں پر قتل و غارت کی، اور بہت سے لوگوں کو غلام بھی بنالیا، اس وقت بڑے پیغمبر حضرت شعیاء علیہ السلام تھے، جن کی

دعا سے اللہ تعالیٰ نے پانچ پیغمبروں میں سے حضرت یونس علیہ السلام کو نینوا کی طرف بھیجا، تاکہ ان ظالم لوگوں کو سمجھایا جائے کہ وہ باز آجائیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو تنگ نہ کریں، نیز ان کو کفر وشرک سے منع کر کے توحید کا درس دیں۔

حضرت یونس علیہ السلام کا اپنی قوم کو وحی کا انتظار کئے بغیر چھوڑ کر چلے جانا

آپ کافی عرصے تک لوگوں کو توحید کی تبلیغ کرتے رہے، مگر کسی نے آپ کی بات نہ مانی، بالآخر انہوں نے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا، اور وحی کا انتظار کئے بغیر بستی سے چلے گئے، اور یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آئی، اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو امتحان میں ڈال دیا، جس کا ذکر اس جگہ پر کیا گیا ہے۔

یہ تنگی حضرت یونس علیہ السلام پر اجتہادی خطا سے آئی تھی، نہ کہ کسی گناہ کی وجہ سے، کیونکہ پیغمبر حقیقی گناہ اور حقیقی سزا دونوں سے پاک ہوتے ہیں، پیغمبروں کو جو تنگی اور تکلیف پہنچتی ہے، وہ صرف جسمانی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ان کی روح اور دل ودماغ کو بالکل محفوظ رکھتے ہیں، مثلاً: کوئی بیماری آگئی، کوئی حادثہ پیش آگیا، مگر حقیقی سزا پیغمبروں کو نہیں ملتی، بعض پیغمبروں پر اس لئے بھی سختی آتی ہے کہ ان کا امتحان مقصود ہوتا تھا۔

”اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ“ کے معنیٰ کے بارے

میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی گفتگو

ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کے علم وفضل سے واقف تھے، کہنے لگے کہ حضرت! مجھے ایک اشکال پیدا ہوا ہے، میں نے رات قرآن پاک کی تلاوت کی، تو قرآن کی موجیں اس زور شور سے اٹھیں کہ میں ان کے تھپیڑے برداشت نہ کرسکا، اور سمندر میں ڈوب گیا، اب آپ ہی مجھے ان موجوں سے باہر نکال سکتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بات کی وضاحت چاہی، تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ جب میں نے یہ آیت تلاوت کی ”اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ“ تو مجھے سخت پریشانی ہوئی کہ کیا کوئی پیغمبر بھی یہ خیال کرسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز پر قادر نہ ہوں؟ حضرت! یہ بات

میری سمجھ میں نہیں آئی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فوراً فرمایا کہ نقدر کا مادہ قدر سے ہے، نہ کہ قدرت سے، اور قدر کا معنی تنگ کرنا بھی ہے، اور یہاں یہی معنی مراد ہے، یعنی: اللہ کے پیغمبر نے گمان کیا کہ ہم اس پر تنگی نہیں ڈالیں گے، اس کی مثال دوسری جگہ بھی موجود ہے، "سورۂ سبا" میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ یَقْدِرُ لَهٗ" (سورۃ سباء: آیت:۳۹) بے شک میرا رب جس کا رزق چاہتا ہے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، الغرض! اس آیت کا مطلب یہی ہے کہ یونس علیہ السلام نے گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ ان پر تنگی نہیں ڈالے گا، لہٰذا وہ وحی کا انتظار کئے بغیر بستی سے چلے گئے۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یونس علیہ السلام کے بستی سے جانے کے بعد ان کی قوم نے عذاب کی علامتوں کو دیکھا تو انہوں نے اپنے شرک وکفر سے توبہ کی، اور بستی کے سب مرد وعورت اور بچے جنگل کی طرف نکل گئے، اور اپنے مویشی جانوروں اور ان کے بچوں کو بھی ساتھ لے گئے، اور بچوں کو ان کی ماؤں سے الگ کر دیا، اور سب نے چیخنا چلانا شروع کر دیا، اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگی، جانوروں کے بچوں نے جن کو ان کی ماؤں سے الگ کر دیا گیا تھا، الگ شور وشرابہ کیا، حق تعالیٰ نے ان کی سچی توبہ قبول کر لی اور ان پر سے عذاب کو ٹال دیا۔

حضرت یونس علیہ السلام کی دعا کے فائدے

اللہ تعالیٰ نے اس دعا: "لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ" کی برکت سے حضرت یونس علیہ السلام کو غم سے نجات دی، اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ: ہم اسی طرح مؤمنوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔

مطلب یہ کہ یہ دعا صرف یونس علیہ السلام کے ساتھ ہی مخصوص نہیں، بلکہ جو مؤمن پریشانی کی حالت میں ان الفاظ کے ساتھ دعا کرے گا، ہم ان کو مصیبت اور غموں سے نجات دیں گے۔ "ترمذی شریف" کی روایت میں آتا ہے کہ سخت پریشانی میں مبتلا شخص کی دعا بھی وہی ہے، جو حضرت یونس علیہ السلام کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تو سب کا ایک ہی دین بنایا تھا، مگر لوگ اس پر متفق نہ رہے، اللہ تعالیٰ نے یہاں شکوہ کیا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے معاملے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، بعد میں آنے والوں نے دین کو بگاڑ کر اس میں فرقہ بندی

پیدا کر دی، دیکھ لیں! یہودیوں کے کئی فرقے بنے اور وہ کفر اور شرک میں مبتلا ہو گئے، عیسائیوں نے تین خدا مان
کر توحید کو بگاڑ دیا اور شرک کو اختیار کر لیا، وہ بھی بہت سے فرقوں میں بٹ گئے۔

عملوں کا بدلہ

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ
پس جو کوئی　کرے　سے　نیک کاموں　اور　ہو وہ　مؤمن　پس نہیں　ناقدری ہوگی، واسطے کوشش اسکی کے

وَ اِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾ وَ حَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا
اور تحقیق ہم اسے　لکھنے والے ہیں (۹۴)　اور　لازم ہو چکا　اس بستی کے لئے　کہ ہلاک کر دیا ہم نے جسے کہ　وہ　نہیں

يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَ مَاْجُوْجُ وَ هُمْ مِّنْ
لوٹیں گے (۹۵)　یہاں تک کہ جب　کھول دیئے جائیں گے　یاجوج　اور　ماجوج　اور　وہ　سے

كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَ اقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ
ہر　ٹیلے　اترتے چلے آئیں گے (۹۶)　اور　قریب آجائے گا　وعدہ　سچا　پس اچانک　پھٹی رہ جائیں گی

اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا
آنکھیں　ان لوگوں کی جو　کافر ہوئے،　ہائے! خرابی ہماری　تحقیق　تھے ہم　میں　غفلت　سے　اس

بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۷﴾
بلکہ　تھے ہم　ظلم کرنے والے (۹۷)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ سو! جو کوئی کچھ نیک کام کرے اور وہ ایمان والا ہو، سو! اس کی کوشش ضائع نہیں جائے گی اور ہم اسے لکھ لیتے ہیں۔ (۹۴) اور ہر وہ بستی جسے ہم نے ہلاک کر دیا لازم ہے کہ وہ لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ (۹۵) یہاں تک جب یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر ٹیلے سے پھسلتے چلے آئیں گے۔ (۹۶) اور سچا وعدہ نزدیک آجائے گا (یعنی: قیامت قریب آجائے گی) تو اس دن منکروں کی آنکھیں اوپر لگی رہ جائیں گی،

کافر لوگ کہیں گے، ہائے کمبختی! ہماری ہم اس سے بے خبر رہے، نہیں بلکہ ہم قصوروار تھے۔(۹۷)

تفسیر

اس سے پہلی آیت میں کہا گیا ہے کہ لوگوں نے اپنی خودغرضیوں میں پھنس کر دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر لئے، حالانکہ سب انسانوں کے لئے ایک ہی دین مقرر ہے، اور سارے پیغمبر اسی کو واضح کرنے کے لئے دنیا میں آئے، اور جب اسے پورے طور پر آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آخری کتاب قرآن مجید کے ذریعے بالکل واضح کر دیا، اور کسی تبدیلی کی ضرورت نہ رہی، تو پیغمبروں کا سلسلہ ختم ہو گیا، اب جو اختلافات کر کے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے، وہ سب کے سب ہمارے پاس آئیں گے۔

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: ہمارے ہاں بدلہ دینے کا قاعدہ یہ ہے کہ جس شخص نے کوئی نیک کام کیا ہوگا، اور وہ ایمان بھی رکھتا ہوگا، تو اس کی کوشش رایگاں نہ جائے گی، اور وہ بستیاں جن کے رہنے والے کفر و شرک کی وجہ سے اور پیغمبروں کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے، اب ان کو مہلت نہیں دی جائے گی، اور لازم ہے کہ وہ لوٹ کر دنیا میں نہیں آئیں گے۔

"یاجوج ماجوج" کون ہیں؟

"یاجوج ماجوج" دراصل حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے یافث کی اولاد میں سے ہیں، مفسرین کرام لکھتے ہیں اس مخلوق کی عمریں بڑی لمبی ہوتی ہیں، اس بات کا اندازہ اس چیز سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی آدمی اس وقت تک نہیں مرتا جب تک اپنی اولاد میں سے ایک ہزار کی تعداد کو نہیں دیکھ لیتا، باقی تمام انسانوں اور "یاجوج ماجوج" کی آبادی کی نسبت ۱:۹۹۹ ہے، یعنی: ہر ایک انسان کے مقابلے میں "یاجوج ماجوج" ۱:۹۹۹ ہیں، البتہ انکی اکثریت کفر و شرک میں مبتلا ہوگی اور یہ سب دوزخ میں جائیں گے، حدیث میں آتا ہے کہ یہ لوگ دنیا میں بڑا فساد مچائیں گے، بعض کہتے ہیں کہ یہ اپنے مردوں کو کھا جاتے ہیں، "بحیرہ طبریہ" کے بارے میں آتا ہے کہ اس کا سارا پانی پی جائیں گے حتی کہ ان کے پیچھے آنے والے پوچھیں گے کیا اس خشک ندی میں کبھی پانی بہتا تھا، اس قوم

کی زیادتیوں کی وجہ سے لوگ سخت پریشانیوں میں پڑ جائیں گے، پھر ان سب کی گردنوں میں ایک پھوڑا نکلے گا جس سے ان سب کی موت ایک دم واقع ہو جائے گی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایسے جانور بھیجے گا جو ان کی لاشیں اٹھا اٹھا کر زمین کے نشیبی علاقوں میں لے جائیں گے، پھر خوب بارش ہوگی، جو زمین کو دھو ڈالے گی، حدیث میں آتا ہے کہ "یاجوج ماجوج" کے مکمل خاتمہ کے بعد بھی انسان دنیا پر آباد رہیں گے، اور وہ بیت اللہ کا حج بھی کریں گے، البتہ اس کے بعد قیامت برپا ہو جائے گی۔

قیامت کے دن یہ فسادی لوگ دنیا بھر میں پھیل جائیں گے، پہلے ذکر ہوا، کہ بدکار لوگ جو اپنے عملوں کی وجہ سے تباہ ہو چکے، وہ قیامت سے پہلے دوبارہ نہ آئیں گے، اس آیت میں ارشاد ہے کہ جب دیکھو کہ دنیا میں فسادی لوگ پھیل گئے اور ہر طرف سے چلے آ رہے ہیں تو سمجھ لو اب قیامت قریب ہے، قیامت ایسی ہولناک گھڑی ہے کہ اس کو دیکھ کر منکروں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، ہر طرف تباہی ہی تباہی نظر آئے گی، وہ بے ساختہ چلا اٹھیں گے کہ اب ہماری شامت آئی، افسوس ہے کہ! ہم اس کی طرف سے غفلت میں رہے اور خالی غفلت ہی نہیں بلکہ جان بوجھ کر پیغمبروں کو جھٹلایا، ایسے کام کیے جن سے تباہی کا آنا لازم ہو گیا۔

بُت اور ان کے پجاری

اِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا

بیشک تم اور جن کو تم پوجتے ہو سوا اللہ کے ایندھن ہے دوزخ کا تم میں اس

وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ لَوْ كَانَ هٰۤؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَ كُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾

پہنچنے والے ہو (۹۸) اگر ہوتے یہ (بت) خدا نہ پہنچتے اس میں اور سارے میں اس سدا رہیں گے (۹۹)

لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ هُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ

لئے انکے ہے میں اس چیخ و پکار اور وہ میں اس کچھ نہ سنیں گے (۱۰۰) تحقیق وہ لوگ کہ پہلے ہی ٹھہر چکی

لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ

واسطے انکے ہے طرف ہماری بھلائی وہ لوگ سے اس دور رکھے جائیں گے اتنا (۱۰۱) کہ نہ سنیں گے

حَسِيْسَهَا ۚ وَ هُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٢﴾ لَا

آہٹ اس کی اور وہ میں اس جو چاہیں گے جی ان کے ہمیشہ رہیں گے (١٠٢) نہ

يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوْمُكُمُ

غمگین کرے گی انہیں گھبراہٹ بڑی اور لینے آئیں گے انہیں فرشتے یہ ہے دن تمہارا

الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿١٠٣﴾

جس کا تھے تم وعدہ کئے گئے (١٠٣)

بامحاورہ ترجمہ: تم اور جسے تم اللہ کے سوا پوجتے ہو دوزخ کا ایندھن ہیں تم اس پر پہنچ کر رہو گے۔ (٩٨) اگر یہ بت خدا ہوتے تو دوزخ میں نہ پہنچتے اور سارے اس میں پڑے رہیں گے۔ (٩٩) ان کی دوزخ میں چیخ وپکار ہوگی اور وہ ایک دوسرے کی نہیں سنیں گے۔ (١٠٠) جن کے لئے ہماری طرف سے پہلے ہی نیکی ٹھہر چکی وہ اس سے دور رہیں گے۔ (١٠١) وہ اس کی آہٹ تک نہیں سنیں گے ہمیشہ اپنی من پسند چیزوں میں رہیں گے۔ (١٠٢) اس بڑی گھبراہٹ میں ان کو غم نہ ہوگا، اور قبروں سے اٹھتے ہی فرشتے ان کو لینے آئیں گے، اور ان سے کہیں گے آج تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے دنیا میں وعدہ کیا جاتا تھا۔ (١٠٣)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: اس پچھتاوے سے بچنے کی صورت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو پوجنا چھوڑ دو اور سوچو بلکہ حقیقت یہی ہے کہ یہ بت اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی چیز ہی نہیں، اگر تم ان کے پوجنے سے باز نہ آئے تو دوزخ میں جاؤ گے، اور یہ بے جان بت بھی سارے کے سارے دوزخ میں جھونک دیئے جائیں گے، صرف اس لئے کہ ان بتوں کی ذلت اور بے بسی کا حال تم پر خوب واضح ہو جائے اور تمہاری ندامت اور بڑھ جائے، گو اس وقت کا چیخنا، چلانا اور پچھتانا کچھ کام نہ آئے گا، لیکن تم اس حسرت بھری آواز سے چلاؤ گے اور عذاب کے دکھ کی وجہ سے اس قدر زور سے چلاؤ گے کہ کان پڑی آواز نہ سنائی دے گی، پھر اس عذاب سے

نہ تمہاری جان چھوٹے گی، اور نہ یہ تمہاری مدد کرسکیں گے، دونوں (یعنی بت اور ان کے پجاری) ایک ہی آگ کا ایندھن بنے ہوں گے، لیکن پجاریوں کیلئے حسرت اور دکھ دونوں تکلیف کا باعث ہوں گے اور بتوں کو گو خود دکھ نہ ہو، لیکن ان کی ذلت پجاریوں کے لئے الگ سے ایک عذاب ہوگی۔

بعض لوگ جو فرشتوں یا اپنے پیغمبروں یا بزرگوں کو پوجنے لگ گئے، تو یہ فرشتے، پیغمبر یا بزرگ تو اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں میں سے ہیں اور وہ اپنے پوجنے والوں سے نفرت کرتے تھے، انہوں نے کبھی نہیں کہا کہ ہمیں پوجو، بلکہ اس سے سختی کے ساتھ منع کیا اور صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کو کہا، ارشاد ہے، کہ یہ لوگ پہلے ہی ہمارے نزدیک بھلائی کے مستحق ٹھہر چکے ہیں، یہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے، یہاں تک کہ پل صراط سے گزرتے وقت انہیں اسکی آہٹ بھی سنائی نہ دے گی، وہ اپنی من پسند لذتوں اور خوشیوں میں ہمیشہ رہیں گے، انہیں قیامت کے دن کی پریشانی جو چاروں طرف پھیلی ہوئی ہوگی، انہیں ذرا غمگین نہ کریگی، فرشتے ہر جگہ ان کا استقبال کررہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے کہ آج کا دن تمہارے لئے وہی دن ہے جس کا وعدہ تم سے دنیا میں کیا گیا تھا۔

گُر کی بات

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۚ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ

جس دن ہم لپیٹ دیں گے آسمان کو مثل لپیٹنے کاغذ کے لکھے ہوئے جیسے ابتداء کی ہم نے پہلے

خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۚ وَعْدًا عَلَيْنَا ۚ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿١٠٤﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي

پیدا کرنے کی ہم اسے لوٹائیں گے وعدہ ہے یہ پر ہم تحقیق ہم ہیں اسے پورا کرنیوالے (۱۰۴) اور البتہ تحقیق لکھا ہم نے میں

الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿١٠٥﴾

زبور سے بعد ذکر کہ زمین وارث ہوں گے اسکے بندے میرے نیک (۱۰۵)

اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿١٠٦﴾ ۭ

تحقیق میں اس بات کو پہنچانا ہے قوم عبادت گزار کو (۱۰۶)

بامحاورہ ترجمہ: جس دن ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے کاغذ کا بنڈل لپیٹنے کی طرح جیسے ہم نے پہلی بار سرے سے بنایا تھا، پھر اسی طرح دوبارہ لوٹائیں گے، یہ وعدہ ضروری ہے ہم پر، یہ تو ہم کو پورا کرنا ہے۔ (۱۰۴)
اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا کہ آخر زمین کے مالک میرے نیک بندے ہوں گے۔ (۱۰۵)
بے شک اس میں مطلب تک پہنچنے کی بات ہے، واسطے ان لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ (۱۰۶)

تفسیر

ان آیتوں میں قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ آسمان کو اس طرح لپیٹ دیا جائے گا، جس طرح پھیلے ہوئے کاغذات کو اکٹھا کر کے لپیٹ دیا جاتا ہے، مراد یہ کہ ساری چیزیں ختم ہو جائیں گی، اس کے بعد پھر نئے سرے سے جہان کو بنایا جائے گا۔

پیغمبر ﷺ نے اپنے خطبے میں فرمایا تھا کہ: تم قیامت کے دن ننگے بدن، ننگے پاؤں، بغیر ختنہ کئے اٹھائے جاؤ گے۔

فرمایا کہ: جس طرح ہم نے سب کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا، اسی طرح ہم دوبارہ بھی لوٹائیں گے، یہ ہمارا وعدہ ہے، اور بیشک ہم ایسا کرنے پر قادر ہیں، یہ ضرور ہو کر رہے گا جب عمل کے بدلہ دینے کا وقت آئے گا تو انسانوں کو دوبارہ اٹھایا جائے گا، اور اپنے عملوں کا حساب دیں گے۔

ارشاد ہے: کہ یہ ہمارا وعدہ ہے، ہم اسے پورا کر کے رہیں گے، اس کے بعد ارشاد ہے کہ ان کو زمین کی حکومت دی جائے گی، جو اپنے آپ کو اس کا مستحق اور اہل ثابت کر دیں گے، نااہلوں کے پاس سے حکومت چھین کر ان کو دے دی جائے گی، جو ان سے زیادہ ان کے اہل ہوں گے، یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہے گا، یہاں تک کہ جب خالص نااہل اور نالائق لوگ رہ جائیں گے تو دنیا کو ختم کر دیا جائے گا۔

اس کے بعد ارشاد ہے کہ: بیشک اس میں مطلب تک پہنچنے کی بات ہے، ان لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے ہیں۔

اَلْاَرْض: اس جگہ "ارض" سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک "ارض جنت" ہے، ابن جریر نے ابن عباس

رضی اللہ عنہ سے یہ تفسیر نقل کی ہے، اور یہی تفسیر مجاہد، ابن جبیر، عکرمہ، سدی اور ابو العالیہ سے بھی منقول ہے، امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قرآن کی دوسری آیت اس کی تائید کرتی ہے، جس میں فرمایا ہے: "وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ" اور آیت میں جو یہ فرمایا کہ: اس "ارض" کے وارث صالحین (نیک لوگ) ہوں گے، یہ بھی اسی کی دلیل ہے کہ "ارض" سے "ارض جنت" مراد ہو، دنیا کی زمین کے وارث تو مؤمن، کافر سب ہی ہوجاتے ہیں، نیز: یہ کہ یہاں صالحین کا زمین کا وارث ہونا قیامت کے ذکر کے بعد آیا ہے، اور قیامت کے بعد جنت کی زمین کے سوا کوئی دوسری زمین نہیں، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس "ارض" سے مراد عام زمین ہے، دنیا کی زمین بھی اور جنت کی زمین بھی، جنت کی زمین کے تو تنہاء وارث صالحین ہونگے یہ ظاہر ہے، دنیا کی پوری زمین کے وارث ہونا بھی ایک وقت میں مؤمنین صالحین کے ساتھ وعدہ ہے، جس کی خبر قرآن کریم کی کئی آیتوں میں دی گئی ہے، ایک آیت میں ہے: "اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ"۔ (سورۃ الاعراف۔ آیت: ۱۲۸)، ایک دوسری آیت میں ہے: "وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ"، (سورۃ النور: آیت: ۵۵)، تیسری ایک آیت میں ہے: "اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ"، (سورۃ غافر: آیت: ۵۱)، مؤمنین صالحین کا دنیا کے بڑے حصے پر قابض اور وارث ہونا ایک مرتبہ دنیا پہلے دیکھ چکی ہے، اور لمبے عرصے یہ صورت قائم رہی، اور پھر امام مہدی کے زمانے میں ہونے والی ہے۔

دعوت نامہ

وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ

اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر رحمت بنا کر لئے واسطے جہاں والوں کے (۱۰۷) آپ کہیں بات صرف یہ ہے کہ وحی کی جاتی ہے طرف

اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾

میری کہ بس معبود تمہارا معبود ہے ایک، پس کیا تم ماننے والو ہو (۱۰۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور آپ کو جو ہم نے بھیجا، سو! جہان کے لوگوں پر مہربان کر کے۔ (۱۰۷) آپ کہدیں کہ! میرے پاس تو یہی حکم آیا ہے کہ تمہارا معبود ایک ہے، پھر کیا تم ماننے والے ہو؟ (۱۰۸)

تفسیر

پہلے ارشاد ہوا کہ حکمرانی کا دارومدار حکومت کرنے کی اہلیت وقابلیت پر ہے، اس سے مسلمانوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ ان کے لئے اپنے آپ کو دنیا میں حکومت کرنے کے قابل بنانے کا موقع قرآن مجید نے مہیا کر دیا ہے، اس کے اوپر چلیں گے تو ہمیشہ حکمرانی کریں گے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ: "عالَمِين" جمع ہے عالم کی، اس میں ساری مخلوقات، انسان، جن، حیوانات، نباتات، جمادات سب ہی داخل ہیں، پیغمبر ﷺ کا ان سب چیزوں کے لئے رحمت ہونا اس طرح ہے کہ تمام کائنات کی حقیقی روح اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی عبادت ہے، یہی وجہ ہے کہ جس وقت زمین سے یہ روح نکل جائے گی، اور زمین پر کوئی اللہ، اللہ کہنے والا نہ رہے گا تو ان سب چیزوں کی موت، یعنی: قیامت آئے گی، اور جب اللہ تعالیٰ کا ذکر اور عبادت کا ان سب چیزوں کی روح ہونا معلوم ہو گیا تو پیغمبر ﷺ کا ان سب چیزوں کے لئے رحمت ہونا خود بخود ظاہر ہو گیا، کیونکہ اس دنیا میں قیامت تک اللہ تعالیٰ کا ذکر اور عبادت آپ ﷺ ہی کی تعلیمات سے قائم ہے؛ اسی لئے پیغمبر ﷺ نے فرمایا: "أنا رحمة مهداة" میں اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی رحمت ہوں، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا: "أنا رحمة مهداة برفع قوم وخفض آخرين" یعنی: میں اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی رحمت ہوں، تاکہ (اللہ تعالیٰ کے حکم ماننے والی) ایک قوم کو سر بلند کر دوں، اور دوسری قوم (جو اللہ کا حکم ماننے والی نہیں، ان) کو پست کر دوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ کفر وشرک کو مٹانے کے لئے کافروں کو نیچا دکھانا اور ان کے مقابلے میں جہاد کرنا بھی عین رحمت ہے، جس کے ذریعے متکبر کافروں اور مشرکوں کو ہوش میں لا کر ایمان اور نیک عملوں کا پابند ہو جانے کی اُمید کی جاسکتی ہے۔

اختیار سب اللہ تعالیٰ کا ہے

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَ اِنْ اَدْرِيْٓ اَ قَرِيْبٌ
پس اگر منہ پھیرلیں وہ پس کہہ دے کہ خبر دیدی میں نے تمہیں پر برابری کے اور نہیں جانتا میں کیا نزدیک ہے

اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَ يَعْلَمُ
یا دور جو تم وعدہ کئے جاتے ہو (۱۰۹) تحقیق وہ جانتا ہے پکار کر بات کہی ہوئی، اور جانتا ہے،

مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَ اِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَ مَتَاعٌ اِلٰى
جو تم چھپاتے ہو (۱۱۰) اور نہیں جانتا میں شاید وہ آزمائش ہو تمہاری اور فائدہ پہنچانا ہو تک

حِيْنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَ رَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ
ایک وقت (۱۱۱) کہا اے رب میرے! فیصلہ کر ٹھیک ٹھیک اور رب ہمارا رحمٰن ہے جس سے مدد مانگی جاتی ہے،

عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع ۱۹ النصف
پر اس جو تم کہتے ہو (۱۱۲)

بامحاورہ ترجمہ: پھر اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دیں میں نے تم کو دونوں طرف کی برابر خبر کر دی، اور میں نہیں جانتا کہ جو تم سے وعدہ ہوا وہ قریب ہے یا دور ہے۔ (۱۰۹) جو بات پکار کر کرو اس کو بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور وہ بھی جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو۔ (۱۱۰) اور میں نہیں جانتا کہ تاخیر میں تمہاری آزمائش ہے اور ایک وقت تک فائدہ پہنچانا ہے۔ (۱۱۱) (یعنی: اس تاخیر کرنے میں تمہیں ایک خاص وقت تک مزید فائدہ پہنچانا مقصود ہے،) اور ہمارا رب رحمٰن ہے، اور میں اس سے ان باتوں پر مدد مانگتا ہوں جو تم کہتے ہو۔ (۱۱۲)

لفظی تحقیق: عَلٰى سَوَآءٍ: (دونوں طرف کی برابر یا سب کو یکساں) مراد یہ ہے کہ تمہیں بھلائی، برائی اور ایمان و کفر دونوں کا نتیجہ برابر سمجھا دیا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ان سے کہدیں کہ ہر عمل کا بدلہ مل کر رہے گا، دیر سویر کا مجھے علم نہیں، اگر تمہاری گستاخیاں حد سے بڑھ گئیں تو تمہیں دنیا میں سزا بھی دی جاسکتی ہے، اور نیک بندوں کو ان کے صبر کا کچھ پھل یہاں بھی مل سکتا ہے، اللہ تعالیٰ تمہاری وہ باتیں بھی جانتا ہے، جو تم پکار پکار کر کھلم کھلا کہتے پھرتے ہو اور وہ ان باتوں کو بھی خوب جانتا ہے، جو تم چھپا کر کرتے ہو، ان سے کہدو کہ یہ جو تمہیں مہلت مل رہی ہے، میں نہیں جانتا کیوں مل رہی ہے؟ شاید اس میں تمہاری آزمائش منظور ہو کہ دیکھیں یہ اب بھی سمجھتے ہیں یا نہیں؟

یہ سارا پیغام پہنچا کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی جناب میں عرض کیا کہ اے رب! ہمارے اور ان سرکش کافروں کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ فرمادے، پھر کافروں سے کہہ دیا کہ سمجھو یا نہ سمجھو، ہمارا رب بڑا مہربان ہے، ہم اس کے آگے فریاد کرتے ہیں، اور جو تم ڈینگیں مارتے پھرتے ہو اور دھمکیاں دیتے ہو، ان کے مقابلے کے لئے ہم اسی سے مدد مانگتے ہیں۔

سورۃ الحج کا تعارف

ترتیب کے لحاظ سے یہ سورت قرآن مجید کی بائیسویں سورت ہے، چونکہ اس میں حج کا ذکر ہے؛ اس لئے اس کا نام "سورۃ الحج" ہے، اس کا زیادہ حصہ مکہ میں اترا اور کچھ حصہ مدینہ میں اترا، اس سے پہلی سورت "سورۃ الانبیاء" کے آخری رکوع میں قیامت کا بیان تھا کہ یہ دنیا فنا ہو جائے گی، اور تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کر کے کافروں کو ان کے کفر و شرک کی سزا دی جائے گی اور نیک بندوں کو راحت و آرام نصیب ہوگا۔

اس سورت کے شروع میں قیامت کی ہولناکی کا ایسے دہشت ناک الفاظ میں ذکر کیا گیا کہ سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، انسان سے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا نہ رہے، ورنہ انجام بہت برا ہوگا، اس کے بعد مر کر دوبارہ جینے کا ثبوت زبردست دلیل کے ذریعے تفصیل کے ساتھ دیا ہے، برے عملوں کی سزا دوزخ کی آگ بتلائی ہے، اور نیک لوگوں کو جنت کی خوشخبری دی ہے، آدمی کو اللہ تعالیٰ کی عبادت دنیا

کے نفع کے لئے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے کرنی چاہیے۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خانہ کعبہ تعمیر کرنے کا بیان ہے اور لوگوں کو اس کے حج کے حکم دینے کا بیان ہے پھر قربانی کا ذکر ہے، کافروں اور مشرکوں سے لڑنے کی اجازت دی گئی ہے، انسان کو بتایا گیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو پیغام اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں پہنچائیں، اس میں شک نہ کریں وہ سراسر حق ہے شیطان اس میں دخل اندازی نہیں کرسکتا، اللہ تعالیٰ کے واسطے ہجرت کرنے والوں کی تعریف کی گئی ہے اور ان کی مدد کا وعدہ کیا گیا ہے اسلام کے مخالفوں کو سمجھایا گیا ہے کی دین میں حالات اور وقت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے خاص خاص طریقے مقرر کئے جاتے ہیں اس لئے قرآن مجید نے جو طریقے مقرر کئے ہیں ان کے بارے میں جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں، قیامت کے دن سب خود دیکھ لیں گے کہ قرآن مجید کے حکم ہی برحق ہیں، آخر میں بتوں کی بے بسی کو واضح دلیل کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کی اللہ تعالیٰ کو ٹھیک طور پر پہچانو، اور اس کی اطاعت اور فرمانبرداری میں کوشش کرو، اسلام تمہیں یہی طریقہ سکھاتا ہے۔

اٰیاتھا — ۷۸ | سُوْرَۃُ الْحَجِّ مَدَنِیَّۃٌ | رکوعاتھا — ۱۰

سُوْرَۃُ الْحَجِّ مدنی ہے، اس میں اٹہتر آیتیں اور دس رکوع ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرو

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِيْمٌ ①

اے | لوگو! | ڈرو | رب اپنے سے | تحقیق | زلزلہ | قیامت کا | چیز ہے | بڑی (۱)

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ
جس دن تم دیکھو گے اسے بھول جائے گی ہر دودھ پلانے والی جسے دودھ پلارہی ہے، اور گرادے گی ہر والی
حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ
حمل حمل اپنا اور دیکھے گا تو لوگوں کو نشہ میں حالانکہ نہیں وہ نشہ میں اور لیکن
عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝۲ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ
عذاب اللہ کا سخت ہے (۲) اور میں سے آدمیوں وہ بھی ہیں جو جھگڑا ڈالتے ہیں میں بات اللہ کی بے
عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝۳ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ
جانے بوجھے اور پیروی کرتے ہیں ہر شیطان سرکش کی (۳) لکھ دیا گیا ہے اس پر بیشک وہ جو ساتھی ہوا اس کا
فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝۴
تو وہ گمراہ کردے اسے اور راہ دکھائے اسے طرف عذاب جلانے والے کے (۴)

بامحاورہ ترجمہ: لوگو! اپنے رب سے ڈرو، بے شک قیامت کا بھونچال ایک بڑی چیز ہے۔(۱) جس دن اسے دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی، اور ہر حمل والی اپنا حمل گرادے گی، اور تو لوگوں کو نشے میں دیکھے گا، حالانکہ وہ نشے میں نہ ہوں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے۔(۲) اور بعض آدمی ایسے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بات میں جھگڑتے ہیں بے خبری سے اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔ (۳) جس کے حق میں لکھ دیا گیا ہے کہ جو کوئی اس کا رفیق ہو، وہ اسے بہکائے گا، اور دوزخ کے عذاب کا رستہ دکھائے گا۔(۴)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اے لوگو! اللہ سے ڈرو، جو تمہارا رب ہے، تم سب اسی کے سہارے سے جیتے ہو، اگر وہ (نعوذ باللہ) ناراض ہو جائے تو تمہارا کوئی ٹھکانہ نہیں، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو، قیامت کا بھونچال بہت سخت ہے،

دودھ پلانے والیاں اس میں اپنے دودھ پیتے بچوں کو بھول جائیں گی، حمل والیوں کے حمل گر جائیں گے، اگر یہ زلزلہ اسی دنیا میں قیامت سے پہلے ہے تو ایسا واقعہ پیش آنے میں کوئی شبہ نہیں، اور اگر حشر ونشر قیامت کے بعد ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو عورت دنیا میں حمل کی حالت میں مری ہے، قیامت کے روز اسی حالت میں اس کا حشر ہوگا اور جو دودھ پلانے کے زمانے میں مرگئی ہے، وہ اسی طرح بچے کے ساتھ اٹھائی جائے گی۔

آدمی کی حالت ایسے ہوگی، جیسے نشے میں چور لوگوں کی ہوتی ہے، لیکن یہ شراب کا نشہ نہ ہوگا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دیکھ کر لوگوں کے ہوش اُڑے ہوئے ہوں گے، واقعی اللہ تعالیٰ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے، اللہ تعالیٰ ہی بچائے تو بچائے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بعض کاموں کے کرنے کا حکم دیا اور بعض سے روک دیا، انسان کو یہ یقین کرلینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے، وہ انسان کے لئے دنیا وآخرت دونوں میں فائدہ مند ہیں، اور جن کاموں سے منع کیا ہے، وہ اس کے حق میں دونوں جہان میں نقصان دہ ہیں۔

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: بعض لوگ نادانی سے اس کے حکموں میں جھگڑا پیدا کرتے ہیں، یعنی: بعض لوگ ایسے ہیں جو پیغمبروں کے ساتھ عملوں کے بارے میں بحث کرتے ہیں، جس کی بنیاد محض رسم ورواج اور بیہودہ ذہنیت ہوتی ہے، اور ان سے منہ موڑ کر شریر، ضدی اور اکڑ باز لوگوں کے کہنے پر چلتے ہیں، یہ نہیں جانتے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہے، اور ان کی بابت یہ بات یقینی ہے کہ جو ان کا کہنا مانے گا اور ان کا دوست بن جائے گا، وہ اسے سیدھے راستے سے بھٹکا کر چھوڑے گا، اور ایسے راستے میں ڈال دے گا، جو انہیں سیدھا دوزخ کی طرف لیجائے گا اور وہ اس میں جلا کریں گے۔ بعض لوگ واقعی کچھ ایسی ہی ٹیڑھی طبیعت رکھتے ہیں کہ سیدھی بات ان کی سمجھ میں آتی ہی نہیں اور ہمیشہ ٹیڑھے ہی چلتے ہیں، یہ لوگ شیطان کے چیلے ہیں اور جو ان کے ہتھے چڑھ گیا وہ اسے برباد کر کے چھوڑیں گے۔

شک وشبہ کا علاج

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ

اے لوگو! اگر ہوتم میں شک وشبہ بابت جی اٹھنے پس ہم نے بنایا تمہیں

مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ

سے مٹی پھر سے قطرہ پھر سے خون جمے ہوئے پھر سے بوٹی گوشت کی سے صورت دار

وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ وَ نُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى

اور غیر صورت دار تاکہ بیان کردیں ہم واسطے تمہارے اور ٹھہراتے ہیں ہم میں بچہ دانیوں جو چاہیں تک

اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ۚ وَ مِنْكُمْ

ایک مدت جو مقرر ہے پھر نکالتے ہیں تمہیں بچہ پھر تاکہ پہنچو تم جوانی کے زوروں تک اور سے تم

مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ

میں کہ اٹھالیا جاتا ہے اور تم میں سے ہے جو پہنچایا جاتا ہے تک نکمی عمر تاکہ نہ جانے وہ

مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ وَ تَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا

بعد علم کے کچھ اور دیکھتا ہے تو زمین کو مرجھائی ہوئی پس جب اتارتے ہیں ہم پر اس

الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَ اَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيْجٍ۝۵ ذٰلِكَ

پانی لہرانے لگتی ہے اور اُبھرتی ہے اور اُگاتی ہے سے ہر قسم جوڑے رونق دار (۵) یہ

بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌۙ۝۶

ہوا اس لئے کہ اللہ وہی حق ہے اور وہ زندہ کرتا ہے مُردوں کو اور بیشک وہ پر ہر چیز قادر ہے (۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے لوگو! اگر تمہیں دوبارہ جی اٹھنے میں شک ہے تو ہم نے تم کو مٹی سے بنایا پھر نطفہ سے، پھر جمے ہوئے خون سے، پھر گوشت کی بوٹی نقش والی سے اور بے نقش والی سے، تا کہ تمہیں کھول کر سنا دیں،

پھر ہم جنہیں چاہیں ان کو بچہ دانیوں میں رکھتے ہیں ایک مقررہ وقت تک، پھر تمہیں نکالتے ہیں بچہ بنا کر، پھر جب تک کہ پہنچو اپنی جوانی کی طاقت کو پھر تم میں سے بعض مرجاتے ہیں اور بعض کو پہنچا دیا جاتا ہے نکمی (یعنی بڑھاپے کی) عمر تک تاکہ سمجھنے کے بعد کچھ نہ سمجھے، اور تو زمین کو بنجر خشک دیکھتا ہے، پھر جہاں ہم نے اس پر پانی برسایا تر و تازہ ہوگئی اور اُبھری اور ہر قسم کی رونق دار چیزیں اُگائیں۔(۵) یہ سب اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہی برحق ہے اور وہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔(٦)

تفسیر

اللہ تعالیٰ کے حکموں کو نا ماننے والے طرح طرح کی غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں، وہ نادان یہ سمجھتے ہیں کہ ہم سب کچھ جانتے ہیں اور اپنے فائدے کی باتوں کو خوب سمجھتے ہیں، لیکن وہ درحقیقت کچھ نہیں سمجھتے، جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے حکموں ہی کو نہ سمجھا، وہ دراصل زندگی اور اس کے مقصد کو ہی نہ سمجھا، اور ان دونوں کے سمجھے بغیر دوسری چیزوں کا سمجھنا بے فائدہ ہے، ایسے لوگ شیطان کے چیلے ہیں، اور وہ انہیں اپنے ساتھ دوزخ میں داخل کرے گا۔

اس آیت میں لوگوں کو سمجھایا گیا ہے کہ انسان جب تک دوبارہ جی اٹھنے پر ایمان نہ لائے گا، وہ اصلی معنوں میں انسان نہ بن سکے گا، اسے سمجھنا چاہئے کہ انسان کی پیدائش مٹی سے شروع ہوتی ہے، اس کے مختلف جزوں کے مجموعہ سے نطفہ بنتا ہے، پھر وہ جمے ہوئے خون کی شکل میں تبدیل ہوجاتا ہے، پھر یہ خون گوشت کا ایک لوتھڑا بن جاتا ہے، جس کی شروع میں کوئی شکل نہیں ہوتی، پھر اس کی شکل بننی شروع ہوتی ہے۔

آگے ارشاد ہے کہ: اس بیان کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کھول کر سمجھادی جائے، اس کے بدن کے جزء سب مٹی سے حاصل ہوتے ہیں، اور پھر ان کے مجموعہ کے حالات بدلتے بدلتے آخر انسان کا ڈھانچہ تیار ہوجاتا ہے، اور یہ تبدیلی درجہ بدرجہ ہوتی ہے۔

ارشاد ہے کہ: جب گوشت کے لوتھڑے کی شکل بن جاتی ہے، تو ہم ماں کے پیٹ میں جسے چاہتے ہیں، ٹھہراتے ہیں، اور جسے ٹھہرانا نہیں چاہتے وہ حمل گرجاتا ہے، اس کی مدت مقرر ہے، جو کم سے کم چھ مہینے اور زیادہ

سے زیادہ دو سال ہے، ماں کے پیٹ میں نطفہ کی تربیت ہوتی رہتی ہے، اور اسے اس کی ضروری غذا پہنچتی رہتی ہے، یہاں تک کہ ایک جیتا جاگتا بچہ بن جاتا ہے، تب اسے اس مکمل شکل میں ماں کے پیٹ سے باہر نکالا جاتا ہے، پھر اس کی تربیت اور ترقی جاری رہتی ہے، یہاں تک کہ اس کی اندرونی اور بیرونی قوتیں پورے کمال کو پہنچ جاتی ہیں، پھر بعض بچپن یا جوانی ہی میں مر جاتے ہیں اور بعض بڑھاپے تک زندہ رہتے ہیں، بعض یہاں تک زندہ رہتے ہیں کہ ان کی قوتیں دوبارہ کمزور ہونے لگتی ہیں تو لوگ عمر کے سب سے نچلے درجے تک پہنچ جاتے ہیں، یعنی: سمجھ اور حافظہ کمزور ہو جاتا ہے، اور جو کچھ سیکھا تھا وہ بھول جاتے ہیں۔

عرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے پیدا کرنے سے لیکر آخری عمر تک کے حالات بیان فرما کر یہ یقین دلایا ہے کہ جو اللہ انسان کو ان حالات سے گزارتا ہے، وہ تمہارے مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔

زمین کی پیداوار

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر دوسری دلیل یہ ذکر فرمائی ہے کہ تو دیکھتا ہے زمین کو دبی ہوئی، بجھی ہوئی، یعنی: بنجر، جس میں کوئی پیداوار نہیں ہوتی، پھر ہم جب اس پر بارش برساتے ہیں تو وہ ہلتی ہے، اور ابھرتی ہے، یعنی اس میں اگانے کی قوت آجاتی ہے، اور وہ ہر قسم کے پررونق جوڑے اُگاتی ہے، جب زمین کو پانی مل جاتا ہے تو وہ نرم ہو کر کھیتی باڑی کے قابل بن جاتی ہے، کسان اس میں ہل چلاتا ہے، اس میں بیج ڈالتا ہے، تو پھر وہ غلہ سبزیاں، چارہ اور دوسرے نباتات پیدا کرتی ہے، اس میں درخت اور پھل پیدا ہوتے ہیں، طرح طرح کے پھول نکلتے ہیں، جو انسانوں اور حیوانوں کے کام آتے ہیں، فرمایا: یہ سب کچھ روزانہ تمہارے دیکھنے میں آتا ہے کہ جو زمین بالکل بنجر ہو جاتی ہے اور کوئی چیز بھی اُگانے کے قابل نہیں ہوتی، وہ موسم کے مطابق پانی ملنے پر پھر تر و تازہ ہو جاتی ہے، اور ہر قسم کی بارونق چیزیں اُگانے لگتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ انسان کو ان کی موت کے بعد دوبارہ زندہ کر دے گا اور پھر حساب و کتاب کی منزل آئے گی۔

شبہ فضول ہے

وَّ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي
اور یہ کہ وہ گھڑی آنے والی ہے نہیں شک میں اس اور یہ کہ اللہ اٹھائے گا ان کو جو میں ہیں
الْقُبُوْرِ ⑦ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ لَا
قبروں (۷) اور میں سے آدمیوں جو جھگڑتا ہے میں اللہ کی بات بغیر علم کے اور بغیر
هُدًى وَّ لَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۙ ⑧
دلیل کے اور بغیر کتاب روشن کے (۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور یہ کہ قیامت آنی ہے اس میں ذرا شبہ نہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ قبروں میں پڑے ہوؤں کو اٹھائے گا۔(۷) اور کوئی آدمی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ کی بات میں جھگڑتا ہے بغیر علم بغیر دلیل اور بغیر روشن کتاب کے۔(۸)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: انہی باتوں پر غور کرنے سے یہ بھی سمجھ میں آجائے گا کہ قیامت کا آنا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ مرنے والوں کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا، کیونکہ دنیا کی زندگی میں انسان اپنے سارے ارمان پورے نہیں کر سکتا، اور نہ یہاں نیک لوگوں کو ان کی نیکی کا پورا بدلہ دیا جا سکتا ہے اور نہ بدکار کو ان کے کفر اور بے دینی کی پوری سزا مل سکتی ہے، اور چیزوں کی صلاحیت تو دنیا میں ظاہر ہوتی رہتی ہے لیکن انسان کی صلاحیت اور پوشیدہ قوتیں یہاں کی محدود زندگی میں ظاہر نہیں ہوتیں، اسی لئے ضروری ہے کہ ان کے مکمل ظاہر ہونے کے لئے اس کی زندگی کو مرنے کے بعد بھی جاری رکھا جائے، اس کی ترقی کا سلسلہ آگے بھی جاری رہے اور اس کے پورے طور پر پھولنے اور پھلنے کے لئے اس کی قوتوں کو آخری حد تک پہنچنے کا موقع دیا جائے، اس کے لئے دوبارہ جی اٹھنا

اور قیامت کا ہونا یقیناً ضروری ہے۔

خوف و دہشت

خوف و دہشت کے واقعات اکثر اس دنیا میں بھی پیش آتے رہتے ہیں، کوئی وباء پھیل جائے یا آگ لگ جائے، کسی درندے سے سامنا ہو جائے یا قتل و غارت کا بازار گرم ہو جائے تو انسان یقیناً خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔

بہر حال! اللہ تعالیٰ نے پچھلی آیتوں میں قیامت کی ہولناکی اور اس کی دہشت کا ذکر کیا ہے کہ اس وقت لوگوں کی کیا حالت ہوگی۔

بیوی اور خاوند کے ملاپ سے مرد کا نطفہ عورت کی بچہ دانی میں گرتا ہے، اس سے عورت کو حمل ٹھہر جاتا ہے، چالیس دن گزرنے کے بعد منی کا وہ قطرہ جمے ہوئے خون کے لوتھڑے میں تبدیل ہو جاتا ہے، پھر مزید چالیس دن گزرنے کے بعد خون کا وہ لوتھڑا گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے، اور وہ بھی ایسا کہ بعض پر انسان شکل و صورت کا نقش بن جاتا ہے اور بعض پر نہیں بنتا، مطلب یہ کہ گوشت کے جس ٹکڑے پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے انسانی نقش بن جاتا ہے تو وہ حمل مدت پوری کر کے بچہ کی صورت میں باہر آ جاتا ہے، اور جس پر نقش نہیں بن پاتا، وہ حمل کی مدت سے پہلے ہی ضائع ہو جاتا ہے، "مُخَلَّقَةٍ" اور "غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ" سے پورا اور ادھورا بھی مراد لیا جا سکتا ہے، اور اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ بعض بچے تو مکمل اعضاء اور شکل و صورت کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں، اور بعض کے اعضاء و جوارح نامکمل رہ جاتے ہیں اور وہ معذور حالت میں پیدا ہوتے ہیں۔

بدکاروں کا انجام

ثَانِيَ عِطْفِهِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّ

موڑتے ہوئے کندھے اپنے تاکہ گمراہ کرے سے راہ اللہ کی واسطے اسکے میں دنیا رسوائی ہے اور

نُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝٩ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ

چکھائیں گے ہم اسے دن قیامت کے عذاب جلتی آگ کا (۹) یہ بوجہ اس کے جو بھیجا دونوں ہاتھوں تیرے نے

ع ۸

وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۰﴾

اور یہ کہ اللہ نہیں ظلم کرنے والا بندوں پر (۱۰)

بامحاورہ ترجمہ: غرور وتکبر سے وہ موڑنے والے ہوتے ہیں اپنے کندھے کو، تاکہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے بہکائے اس کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور قیامت میں اسے ہم جلنے کا عذاب چکھائیں گے۔(۹) یہ اس کی وجہ سے ہے جو تیرے دونوں ہاتھ آگے بھیج چکے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔(۱۰)

تفسیر

ان آیتوں میں ایسے آدمی کا ذکر ہورہا ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں دیکھے اور اس پر ایمان نہ لائے نہ اس کے حکم بجالائے اور نہ اس کے پیغمبروں اور کتابوں کو مانے، ارشاد ہے کہ: وہ قرآن مجید کی آیتیں سن کر تکبر سے منہ موڑ لیتا ہے، اور دوسری طرف کندھا موڑ کر لوگوں سے کہتا ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا، یہ لوگ کیا کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو مانو، اس کے کہنے پر چلو، جس سے وہ منع کرے اس سے رُک جاؤ، قرآن مجید کی آیتیں غور سے سنو! آخر ان باتوں میں کیا دھرا ہے؟ اس خود پرست ٹیڑھی عقل والے سے کہہ دو کہ اس کی زندگی دنیا میں بھی ذلت ورسوائی سے گزرے گی اور قیامت کے دن بھی جب وہ دوبارہ زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوگا تو اسے فیصلہ سنا دیا جائے گا کہ اسے دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دو، تاکہ اپنے کئے کا پھل پائے اسے اچھی طرح سے سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی باتوں سے منہ موڑ کے اپنے حق میں کانٹے بو رہا ہے، اس کے کرتوت رنگ لائیں گے، دوزخ میں جائیں گے، ہرگز نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے پر زیادتی کرے اور اس کو ناحق سزا دے جو دکھ یا آرام اسے پہنچے گا، وہ اس کے اپنے عمل کا نتیجہ ہوگا اللہ تعالیٰ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔

کمزور یقین

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ

اور میں سے آدمیوں وہ بھی ہے جو بندگی کرتا ہے اللہ کی پر کنارے پس اگر پہنچی اسے بھلائی

اِطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ِۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚۛ خَسِرَ الدُّنْيَا

تو مطمئن ہو جاتا ہے سے اس اور اگر پہنچی اسے کوئی آفت پھر جاتا ہے پر منہ اپنے کے گنوائی اس نے دنیا

وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ⑪ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور آخرت یہی وہ ہے نقصان کھلا (۱۱) پکارتا ہے سوا اللہ کے

مَا لَا يَضُرُّهٗ وَ مَا لَا يَنْفَعُهٗ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۚ⑫ يَدْعُوْا

جو نہ نقصان دے اسے اور جو نہ نفع دے اسے یہ وہی گمراہی ہے دور کی حق سے (۱۲) پکارتا ہے

لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَ لَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ⑬

اس کا ضرر جس کا قریب تر ہے سے نفع اس کے سے بیشک برا ہے یہ دوست اور بیشک برا ہے یہ رفیق (۱۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور کوئی شخص ایسا ہوتا کہ اللہ کی بندگی کنارے پر کرتا ہے، پھر اگر اسے بھلائی پہنچی تو اس کی عبادت پر قائم ہو گیا اور اگر مصیبت پہنچی تو منہ پھیر کر چل دیا، اس نے دنیا اور آخرت گنوائی، یہی وہ کھلا نقصان ہے۔ (۱۱) وہ اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی چیز کو پکارتا ہے، جو نہ اس کا نقصان کرے اور نہ اس کا فائدہ کرے، یہی ہے گمراہ ہو کر دور جا پڑنا۔ (۱۲) اسی کو پکارتا ہے جس کا ضرر اس کے نفع سے پہلے پہنچے، بے شک برا دوست ہے اور برا رفیق ہے۔ (۱۳)

تفسیر

اس آیت میں اس طریقے کی برائی بیان کی گئی ہے کہ مسلمان کو نہیں چاہئے کہ تھوڑے سے دنیا کے عارضی فائدے کے خیال سے اپنے عقیدے کو خراب کر لے، ایسے آدمی کی پرزور الفاظ میں مذمت کی گئی ہے، جو اسلام میں جبھی تک ہے، جب تک اسے دنیاوی فائدے حاصل ہو رہے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کے ماننے سے اسے مال و دولت، عزت، مرتبہ وغیرہ مل رہے ہوں تو وہ اطمینان کا سانس لیتا ہے اور اس کا نماز روزہ وغیرہ چلتا رہتا ہے، لیکن اگر اسے تنگی ترشی سے زندگی بسر کرنی پڑی تو وہ جھٹ دین سے جاتا ہے اور منہ موڑ کر چل دیتا ہے، مدینہ کے

ارد گرد اس قسم کے لوگ موجود تھے، جو ایمان لے آتے پھر دیکھتے، اگر خیر و برکت حاصل ہوتی یعنی مال و دولت اور اولاد میں اضافہ ہوتا تو کہتے کہ اسلام بالکل سچا دین ہے اور اگر کوئی تکلیف پہنچ جاتی یا کوئی نقصان ہوجاتا تو دین چھوڑ کر مرتد ہوجائے، ایسے لوگ دنیا میں بھی ذلیل ہوتے ہیں اور آخرت میں خوار ہوں گے، یہ سب سے بڑا نقصان ہے۔

جو شخص دین کو اپنی خواہش کے تابع کردیتا ہے، وہ اپنی آخرت تو کیا سنوارتا ہے، خود دنیا ہی میں آخرکار ذلیل وخوار ہوکر رہتا ہے، اللہ تعالیٰ کو تو اس نے چھوڑ ہی دیا، اب وہ ضرورت کے وقت اپنی مدد کے لئے کسی اور کو پکارے گا، یہ تو اس کی فطرت کا تقاضہ ہے، کہ کسی نہ کسی کا آڑے وقت میں سہارا ڈھونڈے، کسی کو اپنا ساتھی، رفیق اور مددگار بنائے اور اس کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دے اور جب اس پر برا وقت آپڑے تو اسی کو پکارے، عقل تو ہی ہے کہ کسی برے وقت کا ساتھی وہی ہوسکتا ہے، جو اس کے حال سے واقف ہو اور ہر طرح کی مدد پہنچانے کی طاقت رکھتا ہو، ایسا تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی نہیں۔

ارشاد ہے کہ: وہ اس کے سوا جسے بھی پکارے گا، وہ کمزور ضعیف اور ناتواں ہی ہوگا، جس میں نہ نفع پہنچانے کی طاقت ہوگی اور نہ ضرر پہچانے کا بل بوتا ہوگا، ذرا سوچنا چاہئے کہ! یہ کتنی گمراہی ہے اور اس کا یہ احمقانہ فعل اسے سچائی اور حقیقت سے کتنی دور لے جا پھینکے گا۔

جو لوگ بت بنا کر پوجتے ہیں یا خواہشوں کے غلام بن جاتے ہیں، جس کا مطلب سوا اس کے کچھ نہیں کہ شیطان کے چیلے ہوکر رہیں، ان سے انہیں نفع پہنچنا تو صرف خیالی یا وہمی ہے، لیکن ضرر بالکل حقیقی اور اصلی ہے، اللہ کے سوا جس کو بھی ساتھی یا رفیق بناؤ گے، وہ بہت ہی برا ساتھی اور رفیق ہوگا۔

پکا وعدہ

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

تحقیق اللہ داخل کرے گا ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور کئے انہوں نے نیک کام ایسے باغوں میں کہ بہتی ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ ﴿۱۴﴾ مَنْ كَانَ یَظُنُّ

سے نیچے انکے نہریں بیشک اللہ کرتا ہے جو ارادہ کرے (۱۴) جو ہو گمان کرتا

اَنْ لَّنْ یَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ فَلْیَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَی

کہ ہرگز نہ مدد کرے گا اس کی اللہ میں دنیا اور آخرت پس چاہئے کہ بڑھادے ایک رسی تک

السَّمَآءِ ثُمَّ لْیَقْطَعْ فَلْیَنْظُرْ هَلْ یُذْهِبَنَّ كَیْدُهٗ مَا یَغِیْظُ ﴿۱۵﴾

آسمان پھر کاٹ ڈالے پھر دیکھے کیا دور کردیا تدبیر اس کی نے اس بات کو جو غصہ دلا رہی ہے (۱۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جو لوگ ایمان لائے اور پھر انہوں نے نیک عمل کئے، انہیں اللہ تعالیٰ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے۔ (۱۴) جس کو یہ خیال ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کی ہرگز مدد نہ کرے گا، دنیا اور آخرت میں تو کھینچے اپنے آپکو ایک رسّی کے ذریعے آسمان تک پھر اسے کاٹ دے، یعنی: خود پھانسی لیکر مرجائے اب دیکھے اس کی تدبیر سے کچھ اس کا غصہ جاتا رہا۔ (۱۵)

تفسیر

جو لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ بیٹھے، اس کے حکموں سے منہ موڑ لیا اور اپنے ہی من گھڑت خداؤں کو پوجنے لگے، ان کو اصلی چین اور آرام نہ دنیا میں ملے گا نہ آخرت میں، ان لوگوں کی بابت یہ فیصلہ پہلی آیتوں میں سنایا جاچکا ہے، ایسے ہی ایک اور قسم کے لوگوں کی بابت بھی ارشاد ہو چکا ہے کہ ان کے ہلے بھی سوا دونوں جہان کے نقصان کے اور کچھ نہ پڑے گا، یہ لوگ وہ ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے سامنے جبھی تک جھکتے ہیں، جب تک ان کو من بھاتی چیزیں ملتی رہیں۔

ارشاد ہے کہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اچھے کاموں میں لگے رہے انہیں مرنے کے بعد آرام کے باغ رہنے کے لئے ملیں گے، جن میں ہر طرف نہریں بہتی ہوں گی، ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے آرام وراحت کے سارے سامان مہیا کر رکھے ہیں، یہ بات اس کے لئے کچھ مشکل نہیں کہ بروں کو سزا دے

اور فرمانبرداری کا اچھا بدلہ دے، وہ ایسا کرنے کا ارادہ کر چکا ہے اور جو وہ اردہ کرے کوئی اسے روکنے والا نہیں۔

ایسے لوگوں سے ارشاد ہے کہ: نادانو! یہ تو سمجھو کہ امید توڑنے سے اور مایوس ہو کر پڑ جانے سے کیا کچھ کام بنتا ہے، یہ تو ویسی ہی بات ہوئی کہ ایک شخص نے چھت پر پہنچنے کے لئے مضبوط رسی باندھی، اب اگر پہلی کوشش میں اس کے سہارے چھت پر نہ پہنچ سکا تو کیا جھنجلا کر اسے یہ رسی کاٹ ڈالنی چاہئے، یہ تو غلط کام ہوگا، رسی لگی رہی تو کبھی نہ کبھی تو چڑھ ہی جائے گا، اگر کاٹ ڈالی تو کیا ہاتھ آئے گا، یہی نا کہ جتنا سہارا تھا وہ بھی گیا، ایسے احمق لوگ بعض دفعہ ناکام رہنے پر خودکشی کر بیٹھتے ہیں، اگر صبر سے کام لیتے اور کوشش کرتے تو کبھی نہ کبھی کامیاب ہو ہی جاتے، آدمی کے لئے اللہ تعالیٰ قادر و توانا سے رشتہ جوڑ کر اسے کاٹ ڈالنا نادانی ہے، ایسے شخص سوا سر پکڑ کر رونے کے اور کچھ نہیں کر سکتا۔

فیصلہ کا دن

وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ۝١٦

اور اسی طرح اتارا ہم نے اسکو نشانیاں کھلیں اور حقیقت یہ ہیکہ اللہ راہ سمجھاتا ہے جسے چاہے (۱۶)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الصّٰبِـِٕيْنَ وَ النَّصٰرٰى وَ

تحقیق وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ لوگ جو یہودی ہوئے اور صابی اور نصاریٰ اور

الْمَجُوْسَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

مجوسی اور وہ لوگ جو مشرک ہوئے تحقیق اللہ فیصلہ کر دیگا درمیان انکے دن قیامت کے

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝١٧ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ

تحقیق اللہ اوپر ہر چیز کے دیکھنے والا ہے (۱۷) کیا نہیں دیکھا آپ نے کہ اللہ سجدہ کرتے ہیں اسکے آگے جو کوئی

فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ وَ النُّجُوْمُ وَ

میں آسمانوں اور جو کوئی میں زمین اور سورج اور چاند اور تارے اور

الْجِبَالُ وَ الشَّجَرُ وَ الدَّوَآبُّ وَ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَ كَثِيْرٌ حَقَّ

پہاڑ اور درخت اور چلنے والے اور بہت سے میں سے آدمیوں اور بہت سے ٹھہر چکا ہے

عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَ مَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

پر ان عذاب اور جسے ذلیل کرے اللہ پس نہیں اسکو کوئی عزت دینے والا تحقیق اللہ

يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ؕ۩ ﴿١٨﴾

کرتا ہے جو چاہے (۱۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اسی طرح ہم نے اس کتاب کو واضح نشانی بنا کر اتارا، اور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے سمجھا دے۔(۱۶) اس میں شک نہیں کہ ایمان والوں اور یہودیوں اور صابیوں اور عیسائیوں اور مجوسی اور مشرک ان سب کے درمیان اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فیصلہ کر دینگے، بے شک ہر چیز اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے۔(۱۷) کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا ہے، جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے آدمی اور بہت سے ہیں کہ ان پر عذاب ثابت ہو چکا، وہ اور جسے اللہ تعالیٰ ذلیل کرے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے۔(۱۸)

تفسیر

چاند سورج ستارے پہاڑ درخت اور جانوروں کے سجدہ کرنے کی حقیقت و کیفیت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، سورج کے سجدہ کا ذکر حدیث شریف میں بھی آتا ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: تم دیکھ رہے ہو کہ سورج اب کہاں ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ وہ غروب ہونے کے قریب ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ہر روز یہی کیفیت ہوتی ہے کہ سورج عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے، پھر وہ اللہ تعالیٰ سے اجازت مانگتا ہے تا کہ اپنا سفر کو جاری رکھ سکے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملتی ہے تو وہ اپنی منزل کی

طرف پھر سے روانا ہوجاتا ہے، پھر ایک دن ایسا آئیگا کہ اللہ تعالیٰ سخت ناراضگی کی حالت میں ہوں گے، جب سورج سجدہ کرنے کے بعد اجازت مانگے گا تو حکم ہوگا کہ اپنی چال کو پلٹ دو یعنی مغرب کی بجائے مشرق کی طرف چل دو تو اس دن سورج مغرب کی طرف سے نکلے گا۔

ارشاد ہے کہ: ہم نے قرآن مجید کو اسی طرح اتارا ہے، جس طرح کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو، اس میں انسان کو اس کے کام کی باتیں صاف صاف کھول کر بتادی گئی ہیں، مگر باوجود اس کے سمجھتے وہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے سمجھ دی ہے، اور جو اس سے کام بھی لیتے ہیں، لوگ اگر اس پر بھی نہ سمجھیں اور اپنے الگ الگ جتھے بنا کر بیٹھ جائیں تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ کردینگے ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کے مذہب والوں کے نام لے کر فرمایا ہے کہ وہاں ان کے درمیان قیامت والے دن فیصلہ کردے گا کہ ان میں سے کونسا سچا دین ہے اور کونسا جھوٹا، ارشاد ہوتا ہے بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ایک مانا، اس کے پیغمبروں، کتابوں، فرشتوں، قیامت اور اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لائے، یہ گروہ ایمان والوں کا ہے۔

اور جو یہودی بن گئے، کہنے کو تو یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور کتاب "تورات" کے ماننے والے ہیں، مگر انہوں نے "تورات" کو بدل دیا، بہت سی اچھی باتیں اسمیں سے نکال لیں اپنی مرضی کی غلط باتیں شامل کردیں اور اس طرح انہوں نے اصل دین کو بگاڑ کر رکھ دیا۔

اللہ تعالیٰ نے تیسرے مذہب کے متعلق فرمایا "وَالصّٰبِئِیْنَ" اور جو صابی ہوئے بعض حضرات تو عیسائیوں کو بھی صابیوں کا ہی ایک گروہ مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ یحییٰ علیہ السلام کو ماننے والے لوگ ہیں، البتہ بعض لوگ صابی ان کو مانتے ہیں، جو ستاروں کو مانتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے صابی دور تھا، بعض اسے نوح علیہ السلام سے بھی پہلے کا دور مانتے ہیں، اور اس دور میں حضرت شیث علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام کو شامل کرتے ہیں، تاہم یہ بات یقینی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے پہلے صابی دور تھا، ان میں کچھ ستاروں کے پجاری بن گئے، کوئی انسانوں کی پوجا کرنے لگے، اور طرح طرح کی شرکیہ باتوں میں لگ گئے، چنانچہ پرانی

تہذیبوں میں سے بابل، آشوریوں اور کلدانیوں کی تہذیبوں کا تعلق بھی صابیوں سے ہے، قدیم مصر کی تہذیب اور چین کی پرانی تہذیب کا تعلق بھی صابی دور سے تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام تک صابی دور رہا، پھر حنیفیت کا دور شروع ہوگیا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ساڑھے چار سو سال پہلے تک عرب کے لوگ دین حنیف پر ہی تھے، پھر قصی بن کلاب کے زمانے سے شرک کی ابتداء ہوئی تو اس پورے دور میں سے عیسائیوں اور عربوں نے اپنے اپنے دین کو بگاڑ لیا اور اب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کے بعد صرف ایمان والے دین حنیف پر قائم ہیں، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نویں دسویں صدی ہجری کے حافظ الحدیث ہیں، جنہوں نے پانچ سو سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں، آپ اپنی کتاب "حسن المحاضرة فی احوال المصروالقاھرہ "میں لکھتے ہیں کہ اپنے وقت میں صابی مذہب ہی اصل دین تھا اور اس میں توحید طہارت، صلوۃ اور چاروں اصول پائے جاتے تھے، مگر بعد میں انہوں نے خود اپنے دین کو بگاڑ لیا اور شرک میں مبتلا ہو گئے۔

چوتھا مذہب عیسائیوں کا ہے، جو اپنے آپ کو عیسیٰ علیہ السلام کا ماننے والا سمجھتے ہیں، ان میں سے بھی بعض نے تین خداؤں کا عقیدہ اپنا لیا اور بعض نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہہ دیا اور اس طرح شرک میں مبتلا ہو گئے، پانچواں مذہب مجوسیوں کا ہے یہ لوگ آگ کی پوجا کرتے اور اسے ہمیشہ جلائے رکھتے ہیں، بجھنے نہیں دیتے، یہ لوگ دو خدا مانتے ہیں، ایک اہرمن برائی کا اور دوسرا یزدان، نیکی والا۔

اور چھٹا دین مشرکوں کا ہے، یعنی عرب کے بت پرستوں کا ہے انہوں نے خانہ کعبہ کے اردگرد بھی بت رکھے ہوئے تھے، ہندو بھی بتوں کے پجاری ہیں۔

فرمایا: یہ سب ایسے مذہب ہیں کہ ان کے درمیان اللہ تعالیٰ ہی قیامت کے دن عملی فیصلہ کریگا، یعنی: ایمان والوں کو جنت میں اور غلط مذہب والوں کو دوزخ میں داخل کریگا۔

قرآن مجید انسان کو بار بار ادھر متوجہ کرتا ہے کہ دنیا ایک اٹل قانون کے تابع ہے، کوئی چیز ہو، بے جان یا جان دار، اس قانون کی خلاف ورزی نہیں کرسکتی، یہ قانون اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادے، قدرت اور اپنی حکمت

کی بناء پر مقرر کیا ہے، اس آیت میں پھر اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ کیا انسان کو سوجھتا نہیں کہ آسمان اور زمین میں جتنی بھی مخلوق ہیں، سب اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہیں اور بہت سے انسان بھی اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں، بہت سے لوگ ہیں، جو محض ضد کی وجہ سے اس کی نافرمانی کرتے ہیں، وہ عذاب کے حقدار ہو چکے ہیں، انسان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ جسے ذلیل کرے، اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا، اور اس حقیقت کو بھی دل میں بٹھالینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے، کسی کی مجال نہیں کہ اس کے فیصلہ کو رد کر سکے، اس لیے انسان کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے اختیار اور ارادے سے جھکے۔

پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پائے جانے والے مختلف مذہب والوں مثلاً: یہودی، صابی، نصاریٰ، مجوسی، مشرک اور ایمان والوں کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ان میں سے صرف ایمان ولے ہی کامیاب ہوں گے، جب کہ باقی سارے گروہ گمراہ ہیں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کے درمیان آخری اور قطعی فیصلہ کریگا، تمام گمراہ فرقوں کو اس دن اپنی غلطی کا احساس ہوگا، جب کہ ان کے عقیدے اور عمل کا بدلہ ان کے سامنے آئے گا، اس دن سب کو پتہ چل جائے گا کہ دنیا میں ایمان والے ہی حق پر تھے، جو اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کو مانتے تھے، اسی کی عبادت کرتے تھے، اسی کے سامنے سجدہ ریز ہوتے تھے۔

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے علاوہ زمین و آسمان کی بعض دوسری چیزوں کا ذکر کیا ہے، جو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرتی ہیں اور اس کے حکم کی پابند ہیں۔

دو (۲) دعویٰ کرنے والے

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۡ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ

یہ دو فریق مخالف ہیں جو جھگڑے بارے میں رب اپنے کے پس جنہوں نے کفر کیا کاٹے جائیں گے لئے ان کے

ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ۝١٩ يُصْهَرُ بِهٖ

کپڑے سے آگ ڈالا جائے گا سے اوپر سروں ان کے کے کھولتا ہوا پانی (۱۹) پگھل کر بہہ جائے گا سے اس

مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَ الْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾ وَ لَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿۲۱﴾ كُلَّمَآ

جو میں پیٹوں ان کے ہے اور کھالیں (۲۰) اور واسطے ان کے ہتھوڑے سے لوہے (۲۱) جب کبھی

اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۚ وَ ذُوْقُوْا

ارادہ کریں گے کہ نکل بھاگیں سے اس مارے گھٹن کے لوٹا دیئے جائیں گے میں اس اور چکھتے رہو

عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۲۲﴾ ع ۲/۱۲ ۹

عذاب جلنے کا (۲۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یہ دو(۲) مدعی ہیں کہ جھگڑے اپنے رب کے بارے میں پس جو منکر ہوئے ان کے لئے آگ کے کپڑے کاٹے جائیں گے، ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔(۱۹) پگھل کر نکل جائے گا اس سے جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہے اور انکی کھالیں بھی ساتھ جلائی جائیں گی۔(۲۰) انکو مارنے کے لئے لوہے کے ہتھوڑے ہیں۔(۲۱) جب کبھی اس سے گھٹن کے مارے نکلنا چاہیں گے، اسی میں دوبارہ دھکیل دیئے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ جلنے کا عذاب چکھتے رہو۔(۲۲)

تفسیر

پہلے بیان کیا گیا انسان آپس میں بٹ کر بہت سے فرقے بن گئے، اور ہر فرقہ نے اپنا نام الگ رکھ لیا، اس آیت میں ارشاد ہے کہ: دراصل دو ہی فرقے ہیں، جو ایک دوسرے کے مقابلے میں دنیا کے اندر ڈٹے ہوئے ہیں، ایک اللہ تعالیٰ کے یعنی اپنے رب کے ماننے والے، دوسرے اس کا انکار کرنے والے، ماننے والے مؤمن ہیں اور انکار کرنے والے کافر، ان آیتوں میں ان دونوں کے انجام کا ذکر کو کھول کر بیان کر دیا ہے، پہلے کافروں کا ذکر ہے کہ ان کے لیے قیامت کے دن فیصلے کے بعد آگ کو یا کسی جلدی آگ پکڑنے والی چیز کو ان کے بدن کے انداز کے مطابق کاٹ کاٹ کر لباس تیار کیا جائے گا، جو ان پر بالکل ٹھیک فٹ ہو جائے گا، اور چاروں طرف سے انہیں ڈھانپ لے گا، ان کے سر پر جلتا ہوا اور کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا، یہ پانی ان کے چمڑے پگھلا کر بہا دے گا

اور پیٹ کے اندر پہنچ کر ساری آنتیں وغیرہ گلا کر باہر نکال دے گا، سزا کے بیان کرنے میں اس سے زیادہ صاف الفاظ اور کیا ہو سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے عذاب سے بچائے۔ آمین!

اس آیت میں ارشاد ہے: ان کے سر اور ہڈی پسلیاں لوہے کے گرزوں، ہتھوڑوں اور موگریوں سے مار مار کر ریزہ ریزہ کر دی جائیں گی اور پھر درست ہوں گی اور پھر کوٹ کر رکھ دی جائیں گی اسی طرح ان کا بدن جلتا اور کنتا رہے گا اور روح ان سب کا صدمہ سہتی رہے گی اور اگر گھبرا کر دوزخ سے نکلنا چاہیں گے تو پھر گھیر گھار کر اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے اور کہہ دیا جائے گا کہ جلانے والے عذاب کا مزا چکھتے رہو۔

ایمان والوں کا انعام

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي

تحقیق اللہ داخل کرے گا انہیں جو ایمان لائے اور کام کئے نیک ایسے باغوں میں بہتی ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ۖ

سے نیچے جن کے نہریں زیور پہنائے جائیں گے وہ میں اس سے کنگنوں سے سونے اور موتی

وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿٢٣﴾ وَهُدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَ

اور لباس ان کا میں اس ریشم (۲۳) اور راہ دکھائے جائیں وہ طرف پاکیزگی سے بات اور

هُدُوا إِلَىٰ صِرَاطِ الْحَمِيدِ ﴿٢٤﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ

راہ دکھائے جائیں وہ طرف راستے خوبیوں والے کے (۲۴) تحقیق جنہوں نے کفر کیا اور روکتے ہیں سے

سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً

راستے اللہ کے اور مسجد حرام سے جسے بنایا ہم نے لئے لوگوں کے برابر

الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ ۚ وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ

رہنے والا میں اس اور باہر سے آنیوالا اور جو ارادہ کرے میں اس ٹیڑھ پن کا شرارت سے چکھائیں گے ہم اسے

ع ۳ ۱۰

مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾

سے عذاب دردناک (۲۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے داخل کریں گے ایسے باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان کو وہاں سونے کے کنگن اور موتی کا زیور پہنائیں گے اور ان کا لباس وہاں ریشم کا ہے۔ (۲۳) اور انہیں صاف ستھری بات کی رہنمائی کی گئی اور انہیں خوبیوں والے راستے کی طرف رہنمائی کی گئی، جو اسلام ہے۔ (۲۴) جو لوگ منکر ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی راہ اور مسجد حرام سے روکتے ہیں جو ہم نے سب لوگوں کے لئے برابر بنائی ہے، اس میں رہنے والا اور باہر سے آنے والا سب برابر ہیں اور جو کوئی اس میں زرا ظلم اور ٹیڑھ پن تلاش کرنے کا ارادہ کرے تو ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے، (اس میں یہاں کا رہنے والا اور باہر سے آنے والا دونوں برابر ہیں)۔ (۲۵)

تفسیر

کافروں کی سزا بیان کر کے اللہ تعالیٰ کے ماننے والوں کی جزا کا بیان ہے، ان کو ایسے باغ ملیں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور اس میں ان کا لباس ریشمی ہوگا، امام نسائی اور بزار اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہم نے جید سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جنت والوں کا ریشمی لباس جنت کے پھلوں میں سے نکلے گا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے جنت میں ایک درخت ایسا ہوگا جس سے ریشم پیدا ہوگا، جنتیوں کا لباس اُسی سے تیار ہوگا۔

یہ وہ لوگ ہیں، جنہیں دنیا میں صاف ستھری پاکیزہ باتوں (یعنی: کلمہ طیبہ) کا راستہ مل گیا اور ان کو اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف رہنمائی مل گئی۔

اللہ تعالیٰ سے منکر ہو جانے والے چین سے نہیں بیٹھتے، وہ اللہ تعالیٰ کے ماننے والوں سے جھگڑا کرتے رہتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو مان لیا، وہ منکر کی نہیں سنتا اور اس سے منکروں کو اپنا سکہ جمانے

میں بڑی رکاوٹ پیش آتی ہے، منکر چاہتے ہیں کہ سب ہمارے فرمانبردار ہو کر رہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار کسی اور کا فرمانبردار نہیں ہوسکتا، اسی وجہ سے مکہ کے کافر مسلمانوں کے دشمن ہو گئے اور مسجد حرام میں آنے سے روکتے تھے، (یہاں مسجد حرام سے مراد صرف وہ مسجد یں نہیں جو خانہ کعبہ کے گرد ہیں، بلکہ پورا حرم مراد ہے، جسکی حد حدیبیہ کے مقام سے شروع ہوتی ہے، حدیبیہ کا کچھ حصہ حرم میں داخل ہے اور کچھ باہر ہے) مسجد حرام میں کسی عبادت گذار کے آنے کی پابندی نہیں ہونی چاہئے، ارشاد ہے کہ یہی اللہ تعالیٰ کے منکر جو مسلمانوں کو مسجد حرام میں آنے سے روکتے ہیں، جسے ہم نے تمام لوگوں کے لیے برابر قرار دیا ہے، یعنی اس سرزمین پر تمام ایمان والوں کے حقوق برابر ہیں، اس لحاظ سے اس خطے کو وقف کی حیثیت حاصل ہے، جو شخص اس سیدھے قاعدے کو توڑ کر ٹیڑھی چال چلے گا اور اس بارے میں کسی کی حق تلفی کریگا، اسے ہم ایسا دکھ بھرا عذاب دیں گے، وہ اپنی ساری اکڑفوں بھول جائے گا۔

خانہ کعبہ کی تعمیر

وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّ

اور جب ٹھیک کردی ہم نے ابراہیم کے لئے جگہ خانہ کعبہ کی کہ نہ کر تو شریک ساتھ میرے کسی چیز کو اور

طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآىِٕفِيْنَ وَ الْقَآىِٕمِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾ وَ اَذِّنْ

پاک رکھ گھر میرا طواف کرنے والوں کیلئے اور قیام کرنیوالوں اور رکوع کرنیوالوں سجدہ کرنیوالوں کیلئے (۲۶) اور اعلان کردیں

فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ

میں لوگوں حج کا چلے آئیں گے تیرے پاس پیدل اور اوپر ہر دبلی اونٹنی کے جو آئیں سے

كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ

ہر وادی کشادہ سے دور دراز (۲۷) تا کہ حاضر ہوں وہ نفع کی جگہوں پر جو ان کے لئے ہیں اور لیں نام اللہ کا

فِیْٓ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا

میں دنوں مقرر کے اوپر انکے جو دیئے انہیں اللہ نے میں سے مویشیوں پس کھاؤ

مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِیْرَ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ لْیَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَ لْیُوْفُوْا

سے ان اور کھلاؤ برے حال والے محتاج کو (۲۸) پھر چاہیئے کہ دور کردیں میل کچیل اپنے کو اور چاہیئے کہ پوری کریں

نُذُوْرَهُمْ وَ لْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ ﴿۲۹﴾

منتیں اپنی اور چاہیئے کہ طواف کریں گھر قدیم کا (۲۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب ہم نے ابراہیم کے لئے اس گھر کی جگہ ٹھیک کردی تو فرمایا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا (اس سے مراد عام لوگوں کو سنانا ہے، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شرک کرنے کا کوئی احتمال ہی نہیں) اور پاک رکھ میرا گھر طواف کرنے اور کھڑے ہونے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے۔ (۲۶) اور لوگوں میں حج کا اعلان کردیں کہ تیری طرف آئیں، پیدل اور دبلے دبلے اونٹوں پر سوار ہوکر دور کی راہوں سے (دور دراز کا بھوکے پیاسے مسلسل سفر کرنے کی وجہ سے اونٹنیاں دبلی پتلی ہوجائیں گی، لیکن پھر بھی حاجیوں کو لیکر حج کے لئے پہنچیں گی)۔ (۲۷) تاکہ اپنے فائدوں کی جگہ پر پہنچیں اور چند مقررہ دنوں میں اللہ تعالیٰ کا نام لیں ان جانوروں کو ذبح کرتے وقت جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دیئے، سو کھاؤ ان میں سے اور کھلاؤ برے حال والے محتاج کو۔ (۲۸) پھر اپنی میل کچیل دور کریں (کیونکہ محرم احرام کی حالت میں صابن استعمال نہیں کرسکتا، بالوں میں تیل اور کنگھی نہیں کرسکتا، ناخن نہیں کٹوا سکتا بدن پر میل کچیل جم جاتا ہے اس لئے فرمایا: کہ نہادھو کر میل کچیل دور کردو) اور اپنی منتیں پوری کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں (اس طواف سے مراد طواف زیارت ہے جو رمی اور قربانی کے بعد کیا جاتا ہے)۔ (۲۹)

تفسیر

اس آیت میں خانہ کعبہ کی تعمیر کا ذکر ہے کہ خانہ کعبہ کو ابراہیم علیہ السلام نے بنایا اور ہم نے اس کی ٹھیک جگہ اسے

بتائی، اصل مقام کو واضح کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک بادل بھیجا، جس نے بیت اللہ شریف کی اصل جگہ پر سایہ کر دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ہوا کو بھیجا، جس نے اس جگہ کو صاف کر دیا، اب ابراہیم علیہ السلام کو اصل بنیادیں نظر آ گئی، جن پر آدم علیہ السلام اور آپ سے پہلے فرشتوں نے عمارت بنائی تھی، کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کے زمانے تک بیت اللہ شریف کی پچھلی عمارت سیلاب کی وجہ سے ختم ہو چکی تھی اور اس وقت تک اس کے نشان تک مٹ چکے تھے، البتہ اس جگہ کا احترام باقی تھا اور لوگ وہاں آ کر دعائیں مانگا کرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا اور میرے گھر کو پاک صاف رکھنا، تا کہ یہاں میرے سامنے قیام کرنے والوں کیلئے (قیام سے مراد نماز کیلئے قیام بھی ہوسکتا ہے اعتکاف بھی مراد ہوسکتا ہے اور بیرونی علاقوں کے رہنے والوں کا ٹھہرنا بھی مراد ہوسکتا ہے) اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لئے اور آپ لوگوں میں حج کا اعلان کر دیں ابراہیم علیہ السلام نے جبل ابوقبیس پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آواز روئے زمین کے سارے انسانوں تک پہنچا دی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: وہ آپ کے پاس پیدل اور دبلی پتلی اونٹنیوں پر سوار ہو کر دور دراز جگہوں سے آئیں گے۔

حج کے اجتماعی فائدے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابراہیم! لوگ تیرے پاس آئیں گے تا کہ وہ اپنے فائدوں کی جگہ پر حاضر ہو جائیں، حج کے سفر میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لئے دینی اور دنیاوی دونوں قسم کے فائدے رکھے ہیں، چونکہ حج اسلام کے فریضوں میں سے ایک اہم فریضہ ہے اس لئے اس کی ادائیگی میں اجر و ثواب، ایمان، اخلاص، بخشش، مغفرت اور اللہ تعالیٰ کی رضا جیسے روحانی فائدے حاصل ہوتے ہیں، اسکے علاوہ دنیاوی طور پر بھی اس عظیم اجتماع میں بہت سے فائدے ہیں، اس اجتماع میں دنیا بھر کے مسلمان ایک دوسرے سے ملتے ہیں، اپنے دینی اور دنیاوی مسلوں پر بات کرتے ہیں، مختلف باتوں کا ایک دوسرے سے تبادلہ خیال کرتے ہیں اور اس طرح ایک دوسرے کے تجربوں سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو مویشی عطا فرمائے ہیں ان کو اس کے نام پر قربان کیا جاتا ہے اور حج تمتع اور

قِران کرنے والے حج میں ان جانوروں کی قربانی کرتے ہیں مناسب ہے ان کا گوشت خود کھائیں اور حاجت مندوں کو کھلائیں جب حج ختم ہو جائے احرام کھول دیں اور خانہ کعبہ کا طواف کریں۔

اللہ تعالیٰ کی بات کی اہمیت

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۗ وَاُحِلَّتْ

یہ تو ہوا اور جو تعظیم کرے محترم باتوں اللہ تعالیٰ کی پس یہ تعظیم بہتر ہے واسطے اسکے نزدیک رب اسکے اور حلال کر دیے گئے

لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ

واسطے تمہارے مویشی مگر وہ جو پڑھ دیے گئے پر تم پس پرہیز کرو گندگی سے بتوں

وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝۳۰ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۗ وَمَنْ

اور بچو بات جھوٹی سے (۳۰) ایک طرف ہو کر کیلئے اللہ تعالیٰ بغیر شرک کئے ساتھ اسکے اور جو

يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ

شریک کرے ساتھ اللہ تعالیٰ کے پس گویا کہ وہ گرا سے آسمان پس اُچک لیں گے اسے پرندے یا لے جاؤ اڑا

بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝۳۱ ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ

اسے تیز ہوا نے میں کسی جگہ دور کی (۳۱) یہ اور جو کوئی تعظیم کرے گا نشانیوں اللہ کی

فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝۳۲ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى

تو یہ تعظیم سے پرہیز گاری دلوں کی (۳۲) لئے تمہارے میں اس کے فائدے ہیں تک ایک وقت مقرر

ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝۳۳ ع ۴ ۸ ۱۱

پھر پہنچنا ہے انہیں انکے حلال ہونے کی جگہ طرف گھر قدیم کے (۳۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یہ تو ہوئی بات اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی محترم چیزوں کی تعظیم کرے، تو وہ اس کے رب

کے نزدیک اس کے لئے بہتر ہے اور چوپائے تمہارے لئے حلال ہیں مگر وہ جو تمہیں پڑھ کر سنا دیئے گئے وہ حلال نہیں ہیں پس بچتے رہو بتوں کی گندگی سے اور بچتے رہو جھوٹی بات سے۔ (۳۰) متوجہ ہو جاؤ! ایک اللہ تعالیٰ کی طرف ہو کر نہ کہ اس کا شریک بنا کر، اور جس نے اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا، پس وہ ایسا ہے جیسے آسمان سے گر پڑا، پھر اس کو مردار خور پرندے اچک لیں یا اس کو تیز ہوا کسی دور مقام میں لے جا ڈالے۔ (۳۱) یہ سن چکے اور جو تعظیم کرے اللہ تعالیٰ کے نام کی چیزوں کی، سو وہ دل کی پرہیز گاری کی بات ہے۔ (۳۲) چوپایوں میں تمہارے لئے فائدے ہیں ایک وقت مقرر تک، پھر انہیں پہنچنا ہے انکے حلال ہونے کی جگہ اللہ تعالیٰ کے قدیم گھر تک۔ (۳۳)

تفسیر

اس سے مراد مسجد حرام، منیٰ، مزدلفہ، عرفات، صفا مروہ اور بعض دوسری عبادت کی جگہیں ہیں جو شخص ان کا احترام کریگا، وہ ایسا کام ہے، جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے حق میں بہتر ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا تم پر انعام ہے کہ چند چوپایوں کو مستثنیٰ کر کے جن کا ذکر کر دیا گیا ہے، سارے مویشی تمہارے لئے حلال کر دیئے ہیں، اس نعمت کا شکر ادا کرو اور وہ یہ ہے کہ فقط اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور اسی کے نام پر ذبح کرو، کسی اور کو اس کے ساتھ شریک مت کرو، بتوں کی پوجا کی گندگی سے بچو، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نام پر جانور ذبح کرنا حرام ہے۔

اور جھوٹی بات سے بچو، جھوٹی بات سے کوئی بھی جھوٹی بات مراد ہو سکتی ہے اور اس میں جھوٹی گواہی کو خصوصی حیثیت حاصل ہے، کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے، جھوٹی گواہی دینا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر ہے اور اسی میں شمار کیا گیا ہے، جھوٹا وعدہ بھی اسی میں آتا ہے۔

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ: اللہ کے لئے "حنیف" بن جاؤ، یعنی ہر ایک سے ہٹ کر صرف ایک اللہ کے ہو جاؤ، جو شخص اللہ تعالیٰ کو ایک جانتا اور ایک مانتا ہے، قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کرتا ہے، ختنہ کرتا ہے، بیت اللہ کا حج کرتا ہے اور شرک نہیں کرتا، وہ "حنیف" ہے، ابراہیم علیہ السلام سب سے پہلے "حنیف" تھے، "حنیفیت" کا دور آپ ہی سے شروع ہوا، اسی بات کے لئے ابراہیم علیہ السلام نے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں اور قوم کو چھوڑا، آپ ہمیشہ شرک سے بچنے

کی تلقین کرتے تھے۔ فرمایا: اللہ کے لئے "حنیف" ہو جاؤ، اس حال میں کہ اس کے ساتھ کسی طرح بھی شرک کرنے والے نہ ہو اس لئے کہ شرک نا قابل معافی گناہ ہے۔

شَعَآئِرَ اللّٰهِ: اس سے اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی عبادت کے طریقے اور چیزیں مراد ہے، کعبہ، طواف، سعی صفا و مروہ، قربانی کے لئے الگ کیا ہوا جانور جسے "ھدی" کہتے ہیں، مسجدیں سب "شعائر اللہ" میں داخل ہیں، ارشاد ہے کہ: جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شریک ٹھہرایا وہ ایسا ہے جیسے کوئی بلندی سے گرے اور اسے مردار خور پرندے اُچک لیں، یا ہوا کا تیز جھونکا اڑا کر کسی دور دراز مقام پر جا پھینکے، معلوم ہوا جس نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑا اور کسی اور سے دھیان لگایا، اب یا تو اسے پریشانیاں چاروں طرف سے گھیر لیں گی یا اس کی خواہشیں اسے ملیامیٹ کر کے چھوڑیں گی، اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں کو اپنی عبادت کی نشانی بنایا ہے، ان کا احترام ضروری ہے، جس نے ان کا احترام کیا وہ اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار اطاعت گذار بندہ ہے، مثلاً: جانوروں سے تم فائدہ اٹھاتے ہو، لیکن اگر تم نے اسے اللہ کے لئے نامزد کر دیا اور ہدی بنایا تو پھر وہ "شعائر اللہ" میں داخل ہو گیا اب اس کو حرم کعبہ میں ہی جا کر ذبح ہونا چاہئے وہی اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا قدیم عبادت خانہ ہے۔

احکام و مسائل

مسئلہ (۱):..... ایام معلومات، یعنی: قربانی کے مقررہ دن صرف تین ہیں، دس، گیارہ اور بارہ ذی الحج، "صحیح بخاری اور صحیح مسلم" کی حدیث میں ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کوئی شخص قربانی کا گوشت جب تک چاہے رکھ سکتا ہے، مگر قربانی تین دن ہی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا گیا ہے کہ قربانی یوم النحر، یعنی: دس ذی الحج اور دو دن بعد تک ہے، یعنی: گیارہویں اور بارہویں، البتہ ایام تشریق چار دن، یعنی: تیرہویں تاریخ تک ہیں، قربانی کے تین ایام پر تینوں آئمہ کرام متفق ہیں، البتہ امام شافعی چوتھے دن بھی قربانی کو جائز قرار دیتے ہیں، حالانکہ کسی صحیح حدیث میں چوتھے دن کی قربانی کا ذکر نہیں ہے، صرف "دار قطنی" کی ایک ضعیف روایت کا سہارا لیا جاتا ہے، جب کہ "صحاح ستہ" میں تین دن کی قربانی کا ہی ذکر ہے۔

مسئلہ (۲):.... قربانی کے بعد گوشت کے تین حصے کرلینا افضل اور بہتر ہے، ایک حصہ اپنے گھر والوں کے لئے، ایک حصہ غریبوں مسکینوں کیلئے اور ایک حصہ دوستوں اور ہمسایوں کیلئے اور نذر کا گوشت اور دم کے طور پر دی گئی قربانی دینے والا خود نہیں کھا سکتا۔

مسئلہ (۳):.... دسویں ذی الحج کو قربانی کرنے کے بعد حاجی احرام کھول دیتے ہیں، اور نہا دھو کر عام کپڑے پہن لیتے ہیں، قربانی کرنے کے بعد حجامت بنواؤ، ایام احرام میں حاجی صابن استعمال نہیں کرسکتا، بالوں میں تیل اور کنگھی نہیں کرسکتا، ناخن نہیں کٹوا سکتا، میل کچیل جم جاتا ہے، اس لیے فرمایا کہ اب تم فارغ ہو چکے ہو، نہا دھو کر میل کچیل صاف کرو، بالوں میں تیل لگا سکتے ہو، کنگھی کر کے نئے کپڑے پہن سکتے ہو۔

مسئلہ (۴):.... بعض لوگ منت مان لیتے ہیں کہ حج کے ارکان کے پورے ہونے پر نفل پڑھا کرینگے، یا روزے رکھیں گے یا کوئی اور نیکی کا کام کرینگے، فرمایا: اگر کوئی صحیح منت مان رکھی ہے تو اس کو پورا کرو۔

مسئلہ (۵):.... طواف زیارت دسویں تاریخ کو کیا جاتا ہے، کوئی مجبوری ہو تو گیارہویں اور بارہویں تاریخ کو بھی کیا جاسکتا ہے، اگر بارہویں تاریخ کے بعد کیا تو دم واجب ہوگا۔

اگر ان دنوں میں، یعنی: دس، گیارہ، بارہ کو عورت ماہواری کی وجہ سے طواف زیارت نہ کرسکی تو پاک ہونے پر طواف زیارت کریگی عورت پر دم واجب نہیں ہوگا۔

مسئلہ (۶):.... اَلْاَنْعَامُ: سے مراد اونٹ، گائے، بکرا، مینڈھا، دنبہ وغیرہ ہیں کہ یہ جانور حالت احرام میں بھی حلال ہیں۔

مسئلہ (۷):.... فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ: "رِجْسَ" کے معنی ناپاکی اور گندگی کے ہیں اور "وثان" وثن کی جمع ہے، بت کے معنی میں، بتوں کو نجاست اس لئے قرار دیا کہ وہ انسان کو شرک کی نجاست سے بھر دیتے ہیں)۔

مسئلہ (۸):.... وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ: "شعائر" شعیرہ کی جمع ہے، جس کے معنی علامت کے ہیں، جو چیزیں کسی خاص مذہب یا جماعت کی علامات خاص سمجھی جاتی ہوں، وہ اس کے شعائر کہلاتے ہیں،

شعائرِ اسلام ان خاص احکام کا نام ہے، جو عرف میں مسلمان ہونے کی علامت سمجھے جاتے ہیں، حج کے اکثر احکام ایسے ہی ہیں۔

مسئلہ (۹):.... مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ: یعنی: شعائر اللہ کی تعظیم دل کے تقویٰ کی علامت ہے، ان کی تعظیم وہی کرتا ہے، جس کے دل میں تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کا خوف ہو، اس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ کا تعلق اصل میں انسان کے دل سے ہے، جس کے دل میں تقویٰ یعنی اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا ہے تو اسکا اثر سب عملوں اور کاموں میں دیکھا جاتا ہے۔

مسئلہ (۱۰):.... لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلَى اَجَلٍ: یعنی چوپائے جانوروں سے، جب تک ان کو حرم مکہ میں ذبح کرنے کے لئے نامزد کر کے ہدی نہ بنالیا ہو، ہدی انہی جانوروں کو کہتے ہیں جو حج یا عمرہ کرنے والا نامزد اور مقرر کردے تو پھر اس سے کسی قسم کا نفع اٹھانا بغیر کسی خاص مجبوری کے جائز نہیں، جیسے: اونٹ کو ہدی بنا کر ساتھ لیا اور خود پیدل چل رہا ہے، سواری کے لئے کوئی دوسرا جانور موجود نہیں، پیدل چلنا اسکے لئے مشکل ہو جائے تو مجبوری اور ضرورت کی وجہ سے اس پر اسوقت سوار ہونے کی اجازت ہے۔

مسئلہ (۱۱):.... ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ: یہاں بیت عتیق سے مراد پورا حرم شریف ہے جیسے پچھلی آیت میں مسجد حرام کے لفظ سے پورا حرم مراد لیا گیا، یہاں بیت عتیق کے لفظ سے بھی پورا حرم مراد ہے اور "مَحِلُّهَآ" میں "محل" سے مراد ذبح کرنے کی جگہ ہے، یعنی: ھدی کے جانوروں کے ذبح کرنے کا مقام بیت عتیق کے پاس ہے اور مراد پورا حرم ہے، کہ وہ بیت عتیق ہی کے حکم میں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ہدی کا ذبح کرنا حرم کے اندر ضروری ہے، حرم سے باہر جائز نہیں اور پھر حرم عام ہے، خواہ منیٰ ہو یا مکہ مکرمہ کی کوئی اور جگہ ہو۔

قربانی

وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ

اور واسطے ہر امت کے مقرر کی ہم نے قربانی تاکہ لیں وہ نام اللہ کا پر اس جو اللہ نے دیئے انہیں

مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ وَ بَشِّرِ

سے چوپائے مویشی پس معبود تمہارا معبود ایک ہے پس اسکی فرمانبرداری کرو اور خوشخبری دے

الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ

عاجزی کرنے والوں کو(۳۴) وہ کہ جب نام لیا جائے اللہ کا ڈر جائیں دل ان کے اور خوشخبری دے صبر کرنیوالوں کو

عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَ الْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

پر اس جو پہنچے انہیں اور خوشخبری دے جو قائم رکھتے ہیں نماز کو اور میں سے اس جو ہم نے دیا ان کو خرچ کرتے ہیں(۳۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے ہر امت کے لئے قربانی مقرر کی کہ اللہ تعالیٰ کے نام کا (یعنی: ان کو ذبح کرتے وقت "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَر" پڑھیں) ان چوپائے مویشی پر جو انہیں اللہ تعالیٰ نے دیئے، سو! معبود تمہارا ایک اللہ ہے، پس اسی کے حکم میں رہو، اور عاجزی کرنے والوں کو بشارت دیں۔(۳۴) انکساری کرنے والے وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جو مصیبت ان پر پڑے اس پر صبر کرنے والے ہیں، اور نماز قائم کرنے والے ہیں، اور جو کچھ ہم نے دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔(۳۵)

تفسیر

ہم نے ہر امت کے لئے قربانی کی عبادت مقرر کردی ہے، اور وہ قربانی کے لئے جانور ذبح کرتے ہیں، اس سے اصل مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمیوں کو جو ان کے کام کے مویشی عطا کئے ہیں، ان کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا کریں۔

اے مسلمانو! تم یاد رکھو کہ تمہارا معبود فقط ایک اللہ ہے، اس کے سوا کسی کے نام کی قربانی مت کرو، کسی کے نام کی نذر و نیاز مت مانو، کسی کے نام پر بھینسا، بکرا وغیرہ ذبح نہ کرو، قربانی فقط اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، اور اسی کی عبادت کی ایک شکل ہے، اور عبادتوں کی طرح یہ بھی کسی اور کی نہ ہونی چاہئے؛ اس لئے فقط اللہ تعالیٰ ہی کی فرمانبرداری کرو، جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی سے سر جھکاتے ہیں، انہیں خوشخبری سنادو کہ وہی

کامیاب ہوں گے۔

اس کے بعد پیغمبر ﷺ کو حکم ہوا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کے ساتھ جھکتے ہیں، انہیں خوشخبری سنادو، اس آیت میں ان لوگوں کی نشانیاں بتلائی ہیں۔

ارشاد ہے کہ: یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر سنتے ہیں اور پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں، اور ان کے دل اس کی عظمت سے کانپ اٹھتے ہیں۔

یہ اس کے سارے حکم بجالاتے ہیں، مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں، اور نماز کو پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں، اس میں ذرا سستی نہیں کرتے، اور جو کچھ مال و دولت ہم انہیں عطا کرتے ہیں، اس میں سے ہماری رضامندی حاصل کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور یہ خرچ اسی طریقے سے ہوتا ہے، جو ہماری ہدایتوں کے مطابق ہمارے پیغمبر ﷺ نے ان کے لئے مقرر کردیا ہے، یعنی: صدقہ کرتے ہیں، قربانی کرتے ہیں، حج ادا کرتے ہیں، اور جہاں تک ہوسکتا ہے ضرورت مندوں کی مالی مدد کرتے ہیں۔

اونٹ کی قربانی

وَ الْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ

اور بڑے بڑے اونٹ، ہم نے مقرر کئے واسطے تمہارے سے نشانیاں اللہ کی واسطے تمہارے میں اس کے بہتری ہے،

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا

پس لو تم نام اللہ کا پر ان کھڑے ہوکر پس جب گر پڑے پہلوان کے پس کھاؤ تم

مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ

سے ان اور کھلاؤ نہ مانگنے والے اور مانگنے والے اسی طرح تابع کیا ہم نے انکو واسطے تمہارے

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٣٦﴾ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ

تاکہ تم شکر کرو (٣٦) نہیں پہنچتا اللہ کے پاس گوشت ان کا اور نہ خون ان کا، اور

لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۭ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا

لیکن پہنچتا ہے پاس اسکے تقویٰ تمہارا اسی طرح تابع کیا انہیں تمہارے تاکہ تکبیر کہو

اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۭ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٣٧﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ

اللہ کی پر جس طرح رہنمائی کی تمہاری اور خوش خبری ہے اچھے کام کرنے والوں کو (۳۷) تحقیق اللہ دفع کردے گا دشمنوں کو

عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿٣٨﴾ ع ۵ ۱۲

سے ان لوگوں جو ایمان لائے بیشک اللہ کو نہیں پسند آتا کوئی دغاباز ناشکرا (۳۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے بنایا، تمہارے واسطے ان میں بھلائی ہے، پس اللہ کا نام لیکر انہیں نحر (ذبح) کرو، پھر جب وہ پہلو کے بل گر پڑیں تو ان میں سے خود بھی کھاؤ اور نہ مانگنے والے اور مانگنے والوں کو کھلاؤ، اسی طرح ہم نے ان جانوروں کو تمہارے بس میں کردیا کہ تم احسان مانو۔(۳۶) اللہ کے پاس نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون، لیکن ان کے پاس تمہارے دلوں کا خلوص پہنچتا ہے، اسی طرح ان کو تمہارے بس میں کردیا کہ اللہ تعالیٰ کی اس بات پر تکبیر پڑھو کہ تمہیں راہ سمجھائی اور نیکی کرنے والوں کو خوشخبری دے۔(۳۷) اللہ دشمنوں کو ایمان والوں سے ہٹادے گا، اللہ کو کوئی دغاباز ناشکرا پسند نہیں آتا۔(۳۸)

تفسیر

اونٹ کی قربانی کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو لٹا کر ذبح نہیں کرتے، بلکہ قبلہ رخ کھڑا کر کے نحر کرتے ہیں، اور بایاں ہاتھ زمین سے اٹھا کر گھٹنے سے ملا کر باندھ دیتے ہیں، اور بہت سے ہوں تو انہیں قطار میں کھڑا کردیتے ہیں، اور "بسم اللہ اللہ اکبر" کہہ کر نیزہ ایک ایک اونٹ کے سینے سے ذرا اوپر مارتے ہیں، جب خون نکل جاتا ہے تو وہ کسی کروٹ گر پڑتا ہے، اس وقت اس کا گوشت کھال سے الگ کرتے ہیں، یہ اونٹ کی قربانی کا طریقہ ہے۔

ارشاد ہے کہ: اونٹوں میں تمہارے لئے دنیا کے فائدے بھی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی یاد کا ذریعہ

بھی بنایا ہے، ان کو اللہ کا نام لیکر "نحر" کرو، اور پھر جب گر پڑے، تو گوشت کھال سے الگ کرو، اور خود بھی کھاؤ اور حاجت مندوں کو بھی کھلاؤ، خواہ وہ قناعت کئے بیٹھے ہوں یا بے قراری کا اظہار کر رہے ہو، منہ سے مانگیں یا نہ مانگیں، مگر مطلب یہی ہوا کہ کوئی کچھ دے، عرب میں اکثر اونٹ کی قربانی ہوتی تھی، اس کا بہتر طریقہ یہاں بتا دیا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کر کے بھی دکھا دیا، اب اونٹ میں سنت یہی ہے، باقی جانور لٹا کر ذبح کیے جاتے ہیں۔

قربانی کا اصل مقصد یہ نہیں کہ تم جانور کو ذبح کر کے خون بہاؤ، اور گوشت کھاؤ، اللہ تعالیٰ کے پاس ان میں سے کوئی چیز نہیں پہنچتی، اس کے پاس تمہارا اخلاص اور اس کی فرمانبرداری کا دلی جذبہ پہنچتا ہے، جانوروں کو تمہارا تابع بنایا، اس کے بدلے میں تمہیں چاہئے کہ تم اللہ کے فرمانبردار بنو اور اس کے حکم سے "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُمَّ لَكَ وَمِنْكَ" کہہ کر انہیں ذبح کرو، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرتا ہوں وہی سب سے بڑا ہے اے اللہ! یہ تیرے لئے ہے اور تو نے ہی دیا ہے، جو لوگ اخلاص سے اور سچے دل سے قربانی کرتے ہیں، ان کو خوشخبری ہو کہ ان کا بیڑا پار ہے۔

جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینے کی حکمت

ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرنے سے مراد یہ ہے کہ قربانی صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اس کی نیاز کے طور پر کی جائے، اگر کوئی جانور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی رضامندی اور نیاز کے لئے نامزد کر دیا گیا تو وہ حرام ہو جائے گا، اللہ کے سوا کے نام پر ذبح کئے جانے والے جانور میں نجاست پیدا ہو جاتی ہے؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے جہاں مردار جانور، خنزیر کے گوشت کے حرام ہونے کا ذکر کیا ہے، وہاں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نام کے چڑھاوے کے جانور کو بھی حرام قرار دیا گیا۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: کافروں کے مقابلے میں بیشک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دفاع کرے گا، ان کے ظلم وستم ہمیشہ نہیں رہیں گے، بلکہ اللہ تعالیٰ کافروں کے غرور کے بت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا، لہٰذا مسلمانوں کو نا امید نہیں ہونا چاہئے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد آنے پر ایمان رکھنا چاہئے، اور وہ ضرور ان کی مدد

کرے گا، ان کو غلبہ عطا کرے گا اور کافروں میں ایمان والوں کو روکنے کی طاقت وقوت باقی نہیں رہے گی۔

مشرکوں نے آپ کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو جو عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ کے قریب حدیبیہ کے مقام پر پہنچ چکے تھے، حرم شریف اور مسجد حرام میں جانے اور عمرہ ادا کرنے سے روک دیا تھا، اس آیت میں مسلمانوں کو اس وعدہ کے ساتھ تسلی دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ عنقریب ان مشرکوں کی اس قوت کو توڑ دے گا، جس کے ذریعے وہ مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں، یہ واقعہ ۶ھ میں پیش آیا، اس کے بعد روز بروز کافروں اور مشرکوں کی طاقت کمزور اور ہمت کم ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ ۸ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہو گیا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دفاع کا وعدہ پورا ہو گیا۔

لڑائی کی اجازت

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ

اجازت دی گئی لئے ان لوگوں کے جن سے لڑائی کی جاتی ہے، اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور تحقیق اللہ پر مدد ان کی

لَقَدِيْرُ ۙ﴿۳۹﴾ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا

بے شک قدرت رکھتا ہے (۳۹) وہ جو نکالے گئے سے گھروں اپنے ناحق مگر یہ کہ کہتے ہیں وہ رب ہمارا

اللّٰهُ ۭ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ

اللہ ہے، اور اگر نہ دفع کرتا اللہ لوگوں کو ایک کو دوسرے سے توڑھا دیئے جاتے عیسائیوں کے عبادت خانے

وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ

اور یہودیوں کے عبادت خانے اور عبادت خانے اور مسجدیں، کہ ذکر ہوتا ہے میں جن نام اللہ کا بہت

وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۴۰﴾

اور ضرور مدد کرے گا اللہ اس کی جو مدد کرے گا اس کی تحقیق اللہ البتہ قوت والا ہے زبردست (۴۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں، جہاد کی اجازت مل گئی، اس واسطے کہ ان پر ظلم کیا

گیا تھا اور اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔(۳۹) یہ وہ لوگ ہیں جن کو بغیر کسی جرم کے اپنے گھروں سے نکالا گیا، ان کا جرم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے سے ہٹایا نہ کرتا تو ڈھا دیئے جاتے، عیسائیوں کے عبادت خانے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور دوسرے عبادت خانے اور مسجدیں، جن میں اللہ تعالیٰ کا نام بہت لیا جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ضرور مدد کرے گا، اس کی جو مدد کرے گا اس کی (یعنی: جو دین کی اور اس کے پیغمبر کی مدد کرے گا) بے شک اللہ تعالیٰ زبردست قوت اور غلبے والا ہے۔(۴۰)

تفسیر

پیغمبری کے پہلے تیرہ سال جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ میں گزارے، وہ مسلمانوں پر بڑے سخت گزرے، مکہ کے سرپھرے کافروں نے انہیں دل کھول کر ہر طرح ستایا، مارنا پیٹنا تو معمولی بات تھی، گرم تپتے ہوئے پتھروں اور ریت پر ننگے بدن لٹانا اور اوپر سے سینے پر گرم پتھر رکھ دینا، کھانے پینے کی چیزیں روک لینا، میل جول چھوڑ دینا، سننے میں تو آسان ہے، مگر جن پر یہ مصیبتیں سچ مچ گزری ہوں، وہ جانتے ہیں کہ گرمی کے دنوں میں مسجد کے صحن کے تپتے ہوئے پتھروں کے فرش پر دو قدم چلنے ہی سے تلوے جھلس جاتے ہیں، کسی کو اس پر کُرتا اتار کر چت لٹا دیا جائے، تو اس کا کیا حال ہوگا؟ ایمان والوں نے یہ سب کچھ سہا، مگر اُف نہ کیا، حکم تھا کہ کافر جو اذیت پہنچائیں، وہ سب سہو، لیکن ان سے لڑو مت۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے جب گھر چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کی تو کچھ دم میں دم آیا، اس وقت حکم ہوا کہ ان ظالموں سے لڑو، تعداد میں تھوڑے ہونے کی پروا مت کرو، ہم تمہاری مدد کی قدرت رکھتے ہیں، انہوں نے تمہیں گھروں سے نکالا، تم نے ان کا کیا بگاڑا تھا؟ صرف اتنا ہی تو کیا تھا کہ اللہ کو اپنا رب مانا تھا، اور بتوں کو پوجنے سے انکار کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی مدد کرتا ہے، اور ان سے کہتا ہے کہ میں ان شریروں، فسادیوں کے مقابلے

میں اپنے نیک بندوں کی ضرور مدد کرے گا، جو اس کا دین پھیلا کر دنیا میں امن وامان قائم کرنا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ بڑی قوت اور قدرت والا ہے، اس کے آگے کچھ مشکل نہیں کہ نیکوں کی چھوٹی سی جماعت کو اتنی قوت دے دے کہ کافروں کے بڑے لشکروں کو مار بھگائیں۔

لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ: جتنے دین ومذہب دنیا میں ایسے ہوئے ہیں کہ کسی زمانے میں ان کی اصل بنیاد اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے قائم ہوئی تھی، پھر وہ منسوخ ہو گئے، اور پھر وہ مذہب بعد کے زمانوں میں تبدیل ہو کر کفر وشرک میں تبدیل ہو گئے، مگر اپنے اپنے وقت میں وہ حق تھے، ان سب کی عبادتگاہوں کا اس آیت میں ذکر فرمایا ہے، کیونکہ اپنے اپنے وقت میں ان کی عبادت گاہوں کا احترام اور حفاظت فرض تھی، ان مذہبوں کے عبادت خانوں کا ذکر نہیں فرمایا، جن کی بنیاد کسی وقت بھی نبوت اور وحی کے ذریعے نہیں ہوئی تھی، جیسے آگ کے پجاری، مجوس یا بتوں کی پجاری ہندو، کیونکہ ان کے عبادت خانے کسی وقت بھی قابلِ احترام نہ تھے۔

مسلمانوں کا کام

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ

وہ جنہیں اگر اقتدار دے دیں میں ملک تو قائم کریں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ اور

اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾

کہیں کرنے کو اچھے کام، اور روکیں سے برے کام اور لئے اللہ کے ہی انجام تمام کاموں کا (۴۱)

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ عَادٌ وَّ ثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾

اور اگر جھوٹا کہیں تجھے تو جھوٹا کہا پہلے ان سے قوم نوح اور عاد اور ثمود نے (۴۲)

وَ قَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَ قَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّ اَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَ كُذِّبَ

اور قوم ابراہیم کی نے اور قوم لوط کی نے (۴۳) اور والوں مدین نے اور جھوٹا کہا گیا

مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾

موسیٰ کو پس ڈھیل دی میں نے کافروں کو پھر پکڑ لیا میں نے ان کو پس کیسی تھی پکڑ میری (۴۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ وہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں ملک میں تو وہ نماز قائم رکھیں اور زکوۃ دیں اور اچھے کام کا حکم کریں، اور برے کام سے منع کریں، اور ہر کام کا انجام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ (۴۱) اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو ان مکہ والوں سے پہلے جھٹلا چکی ہے نوح کی قوم اور عاد وثمود کی قوم۔ (۴۲) اور ابراہیم کی قوم اور لوط کی قوم۔ (۴۳) اور مدین کے لوگ پیغمبروں کو جھٹلا چکے ہیں، اور موسیٰ کو جھٹلایا گیا پھر میں نے منکروں کو ڈھیل دی، پھر ان کو پکڑ لیا، تو کیسی رہی میری پکڑ۔ (۴۴)

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اگر ہم ایمان والوں کو زمین پر حکومت دیں تو وہ پہلا کام یہ کریں گے کہ نماز قائم کریں گے، خود بھی نماز ادا کریں گے اور دوسروں کو بھی اس کا پابند بنائیں گے، یہ ایسی عبادت ہے کہ ہر عاقل، بالغ، مرد اور عورت پر دن میں پانچ مرتبہ ادا کرنا فرض ہے، اور یہ حقوق اللہ میں داخل ہے۔

دوسرا کام یہ ہوگا کہ وہ زکوۃ ادا کریں گے، زکوۃ کی ادائیگی حقوق العباد میں شامل ہے اور اس کے ذریعے غریبوں اور محتاجوں کی مدد کی جاتی ہے، اس نظام کی برکتوں سے کوئی شخص بھوکا، ننگا نہیں رہ سکتا، نظامِ زکوۃ حکومت کے مالیاتی نظام کا ایک اہم حصہ ہے، لہذا یہ لوگ خود بھی زکوٰۃ ادا کریں گے اور دوسروں کو بھی اس کا پابند بنائیں گے، نیز: زکوٰۃ کا وصول کرنا اور خرچ کرنا ایک باقاعدہ اسکیم کے تحت عمل میں لائیں، یہ حکومت کے فرائض میں داخل ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حکمرانوں کے کرنے کا تیسرا کام یہ ہوگا: " وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ " کہ وہ نیکی کا حکم کریں گے، اور برائی سے روکیں گے، ظاہر ہے کہ وہ خود تو اس اصول کی پابندی کریں گے ہی مگر دوسروں سے پابندی کروانا بھی ان کی ذمہ داری میں داخل ہوگا، معروف کہہ کر سب اچھے اور نیک کام

مراد ہیں، اور منکر سے تمام برے کام مراد ہیں، برائی خواہ اس کا تعلق اعتقاد سے ہو، اخلاق یا عملوں سے ہو، اسے روکنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: مکہ والے اپنی نادانی سے آپ کی بات نہ مانیں اور آپ کو جھٹلائیں تو اس سے بددل نہ ہونا، ہر زمانے میں کافروں کی ضد اور ہٹ دھرمی پیغمبروں کی مخالفت پر ان کو آمادہ کرتی رہی ہے، لیکن مخالفوں کا انجام ہمیشہ برا ہوا ہے، پہلی قوموں کا حال ہم آپ کو سنا چکے ہیں، وہ آپ ان کو بھی سنا دیں، اور صاف صاف کہدیں کہ اللہ تعالیٰ نیکی پر بدی کو غالب نہ ہونے دے گا، اگر انہوں نے نہ مانا، تو یہ بھی اسی طرح تباہ ہوں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے "ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم" وغیرہ نے روایت کیا ہے، اور "ترمذی" نے اس کو حسن فرمایا ہے، روایت یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: یہ پہلی آیت ہے جو کافروں سے لڑنے کے معاملے میں اتری، جبکہ اس سے پہلے ستر سے زیادہ آیتوں میں جہاد سے منع کیا گیا تھا۔

اندھا پن

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا

سو کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ہلاک کیا ہم نے انہیں اور وہ ظلم کر رہی تھیں، پس وہ گری پڑی ہیں، پر چھتوں اپنی

وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿٤٥﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ

اور بہت سے کنویں بیکار پڑے ہیں اور بہت سے محل چونے گچ کے (٤٥) کیا پس نہیں سیر کی میں زمین تاکہ ہو جائیں

لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى

لئے ان کے دل ایسے کہ سمجھنے لگیں وہ سے ان یا کان ایسے کہ سننے لگیں سے ان کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ نہیں اندھی ہوتی

الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴿٤٦﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ

آنکھیں اور لیکن اندھے ہو جاتے ہیں دل جو میں ہیں سینوں (٤٦) اور جلدی مانگتے ہیں آپ سے

بِالْعَذَابِ وَ لَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَ اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ
عذاب اور ہرگز نہ خلاف کرے گا اللہ وعدہ اپنا، اور تحقیق ایک دن پاس رب آپکے کے مانند ہزار

سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾ وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَ هِيَ ظَالِمَةٌ
سال کے ہے سے اس جو تم گنتے ہو (۴۷) اور کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ڈھیل دی میں نے ان کو اور وہ ظالم تھیں

ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۴۸﴾ ع ٦ ١٣
پھر پکڑلیا میں نے انکو اور میری ہی طرف لوٹنا ہے (۴۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر کتنی ہی ایسی بستیاں ہیں جو ہم نے ہلاک کر ڈالیں، اور وہ ظالم تھیں، اب وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور کتنے ہی کنویں نکمے پڑیں ہیں اور کتنے محل چونا گچ والے ویران پڑے ہیں۔ (۴۵) کیا (مکہ والے) زمین میں نہیں چلے پھرے، کہ ان کے دل سمجھنے کے قابل ہوتے اور کان سننے کے اہل ہوتے، سو! کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، پر دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہوجاتے ہیں۔ (۴۶) (اللہ تعالیٰ نے پرانی قوموں کا انجام بیان کر کے خبردار کیا ہے کہ اگر تم بھی پچھلی قوموں کی طرح اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو جھٹلاؤ گے تو تم بھی برباد کر دیے جاؤ گے۔) اور آپ سے جلدی عذاب مانگتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ ہرگز نہ ٹالے گا، اور آپ کے رب کے ہاں ایک دن (یعنی قیامت والا دن) ہزار سال کے برابر ہوگا، تمہاری گنتی کے مطابق۔ (۴۷) اور کتنی ہی بستیاں ہیں کہ میں نے ان کو ڈھیل دی حالانکہ وہ ظالم تھیں، پھر میں نے ان کو پکڑا اور میری ہی طرف پھر کر آنا ہے۔ (۴۸)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: بہت سی بستیاں ایسی ہیں جو اپنے کفر و شرک کی وجہ سے تباہ ہوگئیں، مکانات گر پڑے، کنویں بے کار ہو گئے، بڑی بڑی مضبوط عمارتیں ویران ہو گئیں، دنیا میں چل پھر کر دیکھو! ان کی تباہی کے نشانات تمہیں نظر آئیں گے، انہیں دیکھ کر تمہارے دل کی آنکھیں اور کان کھل جانے چاہئیں، بغیر ان کے کھلے ظاہری

آنکھ اور کان بے کار ہیں، اصل اندھا پن دل کا اندھا پن ہے، ظاہر آنکھوں کے نہ ہونے سے آدمی اندھا نہیں ہوتا، بشرطیکہ اس کے دل کی آنکھیں کھلی رہیں۔

مکہ کے سرکش لوگ اس بات کو نہ مانتے تھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں، اور ان کا کہنا نہ ماننا اللہ تعالیٰ کے ناراض ہو جانے کا باعث ہوگا، وہ کہتے تھے کہ ہمارے باپ دادا تو انہی بتوں کو پوجتے چلے آئیں ہیں، ہمارے لئے زندگی بسر کرنے کا جو طریقہ وہ مقرر کر گئے ہیں، وہی کافی ہے، انہیں سمجھایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر پہلے لوگوں کے پاس بھی آتے رہے ہیں، انہوں نے نافرمانی کی تو ان پر عذاب آیا اور وہ ہلاک ہو گئے۔

اس زمانے میں بھی برائیاں حد سے زیادہ پھیل گئی تھیں، اس لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری پیغمبر بنا کر بھیجا، ان کا کہنا نہ مانو گے، تو عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے، لوگ یہ سن کر ان کی ہنسی اڑانے لگے، اور کہا کہ جاؤ! ابھی ابھی عذاب جلدی لے آؤ، ہم تو نہیں مانتے، (نعوذ باللہ) انہیں اس آیت میں بتلایا جا رہا ہے کہ آخر یہ لوگ آپ سے عذاب جلدی لانے کو کہہ رہے ہیں، ان سے کہدیں کہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا، تم سمجھتے ہو کہ عذاب میں دیر ہو رہی ہے، مگر تمہارے ہزار برس بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک دن کے برابر ہیں، اصل بات سمجھنے کی یہ ہے کہ پیغمبروں کی نافرمانی کرنے سے عذاب آ کر رہے گا، اس میں دیر سویر کا سوال نہیں، شک ہو تو پہلے لوگوں کا حال سن لو، وہ کفر و شرک کرتے رہے، اور ہم ڈھیل دیتے رہے، آخر عذاب آیا اور وہ ہلاک ہوئے، زمانہ ہی کیا ہر چیز میری قدرت میں ہے، تم مجھ سے بچ کر کہاں جاؤ گے؟

کافر، مشرک، نافرمان، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھتے تھے کہ قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا؟ حساب کی منزل کب آئے گی؟ اور کہتے تھے کہ جو عذاب لانے کا وعدہ کر رکھا ہے، اس کو جلدی پورا کر دو، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کا ہرگز خلاف نہیں کرے گا، نافرمانوں کو سزا مل کر رہے گی، اس کا وقت اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، وہ جانتا ہے کہ کس نافرمان قوم کو کس وقت سزا میں مبتلا کرنا ہے، ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ: تم اپنے حساب سے دن، مہینے اور سال شمار کر کے عذاب کا جلدی مطالبہ کر رہے ہو، اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک دن تمہارے ہاں کے ہزار سال کے برابر ہے، "سورۃ المعارج" میں فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک دن تمہارے

یہاں کے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا، اللہ تعالیٰ تمہیں مہلت دے رہا ہے، لہٰذا عذاب مانگنے میں جلدی نہ کرو، وہ اپنے وقت پر آ کر رہے گا۔

مطلب کا خلاصہ

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٤٩﴾ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

کہہ اے لوگو! بات یہی ہے کہ میں واسطے تمہارے ڈرانے والا ہوں کھلم کھلا (۴۹) پس وہ لوگ جو ایمان لائے

وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٥٠﴾ وَ الَّذِيْنَ سَعَوْا

اور کام کئے انہوں نے نیک لئے ان کے بخشش ہے اور روزی باعزت (۵۰) اور جن لوگوں نے کوشش کی

فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿٥١﴾ وَ مَآ اَرْسَلْنَا

میں آیتوں ہماری ہرانے کے لئے وہی لوگ ہیں والے دوزخ (۵۱) اور نہیں بھیجا ہم نے

مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ

سے پہلے آپ کوئی رسول اور نہ نبی مگر جب اس نے بیان کیا ڈال دیا شبہ شیطان نے میں

اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۗ

بیان اس کے پس مٹا دیتا ہے اللہ وہ جو شبہ ڈالا شیطان نے پھر پختہ کر دیتا ہے اللہ آیتیں اپنی

وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٥٢﴾

اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے (۵۲)

بامحاورہ ترجمہ: آپ کہہ دیں اے لوگو! میں تو تمہیں کھول کر ڈر سنانے والا ہوں۔ (۴۹) سو! جو لوگ یقین لائے اور انہوں نے نیک کام کئے، ان کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور ان کے لئے عزت کی روزی ہے۔ (۵۰) اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں میں ہمیں ہرانے کی کوشش کی وہی دوزخ والے ہیں۔ (۵۱) اور ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول اور نبی بھیجا، جب وہ بتانے لگا تو شیطان نے اس کی بات میں شبہ ڈال دیا، پھر

اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہے مٹا دیتا ہے، پھر اپنی باتیں پکی کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔ (۵۲)

تفسیر

ارشاد ہے اے محمد! آپ کہدیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے میرا کام سوا اس کے کچھ بھی نہیں کہ تمہارے عملوں کے نتیجوں سے تمہیں خبردار کردوں، سو ہر شخص اپنے کئے کی سزا بھگتے گا، میں بہت ہی صاف اور کھلے الفاظ میں تم سے کہتا ہوں کہ انسان کی کامیابی کے لئے پہلی شرط ایمان ہے، یعنی: دل سے یقین کرنا کہ یہ ساری کائنات فقط ایک اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے، وہی اس کو پال رہا ہے، وہی قیامت کے دن انسان کے عمل کا حساب لے گا، جو اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو مانے گا اور ان کے بتائے ہوئے نیک عمل کریگا، اس کی خطاؤں سے درگذر کی جائے گی اور اللہ اپنے فضل سے اسے عزت وآبرو کے ساتھ بہت کچھ عطا فرمائے گا، جو شخص اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلائے گا اور ان کو نیچا دکھانے کی کوشش کرے گا، اس کا ٹھکانا دوزخ ہے، جو بڑے دکھ درد کی جگہ ہے۔

ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے اللہ تعالیٰ کا کلام یا اس کا کوئی حکم بیان کیا تو پیغمبر کی بیان کی ہوئی چیز میں شیطان نے وسوسہ ڈال کر گڑبڑ کرنے کی کوشش کی، اور پھر شیطان کی طرف سے ڈالا ہوا وسوسہ بعض لوگوں کے لئے آزمائش کا ذریعہ بن گیا، منافق اور مشرک لوگ تو اس فتنے میں مبتلا ہوجاتے تھے، مگر مؤمنوں کو اللہ تعالیٰ اس فتنے سے بچا لیتا تھا، ارشاد ہوتا ہے: (پھر اللہ تعالیٰ مٹا دیتا ہے اس چیز جو شیطان وسوسہ ڈالتا ہے) (پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو مضبوط بنا دیتا ہے، یعنی: اپنی آیتوں میں شک شبہ نہیں رہنے دیتا) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

شیطان کی دخل اندازی

فرمایا: جب اللہ کا پیغمبر لوگوں کے سامنے کوئی چیز پڑھ لیتا ہے تو شیطان اس میں وسوسہ ڈال کر دخل

اندازی کرتا ہے، اس کی مثال ایسے ہے جیسے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ" (سورۃ البقرہ: آیت: ۱۷۳)، اللہ تعالیٰ نے مردار کو حرام قرار دیا ہے، اس آیت کے متعلق شیطان نے لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ جس جانور کو اللہ تعالیٰ نے موت دی، وہ حرام ہو گیا اور جسے خود ذبح کر کے موت کی گھاٹ اتار دیا وہ ان کے لئے حلال ہو گیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو اس طرح واضح فرمایا "وَ لَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ" (سورۃ الانعام: آیت۔ ۱۲۲)، جس چیز پر بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو، اس کو مت کھاؤ، کیونکہ اس میں روحانی خرابی پیدا ہو گئی ہے، لہذا یہ تمہارے لئے حلال نہیں'' ظاہر ہے کہ جو جانور اپنی موت مر گیا، اس کو نہ تو ذبح کیا اور نہ ہی اس پر اللہ کا نام لیا گیا، لہذا وہ کھانے کے قابل نہیں رہا۔

وسوسہ اندازی کی دوسری مثال یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا: "اِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ" (سورۃ الانبیآء۔ آیت: ۹۸)، تم اور تمہارے وہ معبود جن کی تم عبادت کرتے ہو دوزخ کا ایندھن ہوں گے، اس پر شیطان نے یہ وسوسہ ڈالا کہ غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں کے دوزخ میں جانے کی بات تو سمجھ میں آتی ہے، جب کہ معبودوں میں تو عیسیٰ علیہ السلام اور فرشتے بھی شامل ہیں، جن کی لوگ پوجا کرتے تھے تو پھر یہ لوگ بھی دوزخ میں جائیں گے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں عیسیٰ علیہ السلام اور فرشتوں کے بارے میں فرمایا: وہ دوزخ سے دور رہیں گے، اتنے دور کہ: "لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا"۔ (سورۃ الانبیآء۔ آیت: ۱۰۲)، وہ تو دوزخ کی آہٹ بھی نہیں سن پائیں گے۔

شیطان کی وسوسہ اندازی کی تیسری مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا: "اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ"۔ (سورۃ النسآء: آیت۔ ۱۷۱)، یعنی عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے پیغمبر اور اس کا کلمہ ہیں، جسے مریم علیہا السلام کی طرف ڈالا اور اس کی طرف سے روح ہیں، عیسائی کہنے لگے کہ جب خود اللہ تعالیٰ نے آپ کو "روح اللہ" کہا تو پھر وہ اللہ کے بیٹے ہوئے، مگر اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی حیثیت کی وضاحت فرما دی کہ "وہ تو اللہ کے بندے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا

انعام کیا اور ان کو اپنی نشانی بنایا وہ خدا کے بیٹے تو نہیں ہیں" اللہ نے ان کے عقیدے کی تردید فرمادی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے لئے تسلی کا مضمون یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور ایمان والوں کو ناکام بنانا چاہتے ہیں، آپ ان سے گھبرائے نہیں، کیونکہ یہ ان کی ایک پرانی عادت ہے اور ہر پیغمبر کو ان حالات سے گزرنا پڑا ہے، پہلی قومیں بھی اپنے اپنے پیغمبروں کو اسی طرح جھٹلاتی رہی ہیں، اللہ تعالیٰ نے "سورۃ الانعام" میں فرمایا: "وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ"۔ (سورۃ الانعام: آیت۔ ۱۱۲)، اور اسی طرح ہم نے پیغمبر کے دشمن انسانوں اور جنوں میں سے بنائے ہیں، شیطان انسانوں میں بھی ہوتے ہیں اور جنوں میں بھی۔ جب اللہ کا پیغمبر کچھ بیان کرتا ہے تو وہ اس میں دخل اندازی کرتے ہیں تاکہ پیغمبر کی بات آگے نہ چل سکے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس قسم کی دخل اندازی کوئی نئی بات نہیں ہے، لہذا آپ ایسی رکاوٹوں سے بے پرواہ ہو کر اپنا کام کرتے جائیں۔

انسان کو سیدھی راہ سے روک کر ٹیڑھی راہ پر چلانے والا شیطان ہے اور اس کا سب سے بڑا داؤ یہ ہے کہ پیغمبر جو بات کہتے ہیں اس میں اور جو قرآن کی آیتیں اتری ہوں ان کے اندر شبہے پیدا کر کے اور آیت کا مطلب توڑ موڑ کر کچھ کا کچھ کر دے، بہت سے لوگ اس کے داؤ میں آجاتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ واقعی یہ مطلب بھی تو ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ دوسری آیتوں کے ذریعہ پیغمبر پر الہام کے ذریعہ مطلب کو بالکل واضح کر دیتا ہے اور شیطان کے پیدا کئے ہوئے شبہے ختم کر دیتا ہے۔

شیطان کو وسوسہ ڈالنے کا موقع دینے کی حکمت

لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

تاکہ کرے جو ڈالتا ہے شیطان آزمائش ان لوگوں کی میں دلوں جن کے مرض ہے

وَّ الْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَّ لِيَعْلَمَ

اور سخت ہیں دل ان کے اور تحقیق ظالم البتہ میں مخالفت دور کی (۵۳) اور تاکہ جان لیں

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ
وہ لوگ جنہیں دیا گیا علم کہ یہی ٹھیک بات ہے سے رب تیرے پس ایمان لائیں وہ ساتھ اسکے پس نرم ہوں

لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ
واسطے اسکے دل ان کے اور تحقیق اللہ البتہ ہدایت کرنیوالا ہے انہیں جو ایمان لائے طرف راستے

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى
سیدھے (۵۴) اور ہمیشہ رہیں گے وہ جنہوں نے کفر کیا میں شک سے طرف اسکے یہاں تک کہ

تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾
آئے ان پر قیامت اچانک یا آئے ان پر عذاب ایسے دن کا جس میں بچنے کی جگہ نہیں (۵۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔تاکہ اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوے وسوسے کو ان لوگوں کے لئے آزمائش بنادے جن کے دل میں کفر اور شرک کی بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہو گئے اور وہ دور کی مخالفت میں جا پڑے۔(۵۳) پھر اس پر یقین لائیں اور ان کے دل نرم ہو کر اس کے آگے جھکیں اور اللہ تعالیٰ یقین لانے والوں کو سیدھی راہ سمجھانے والا ہے۔(۵۴) اور انکار کرنے والے ہمیشہ قرآن کے بارے میں شیطانی وسوسے میں رہیں گے، یہاں تک کہ ان پر بے خبری میں قیامت آپہنچے یا ان پر ایسے دن کی آفت آپہنچے جس میں خلاصی کی کوئی راہ نہیں۔(۵۵)

تفسیر

اللہ تعالیٰ شیطان کو وسوسہ ڈالنے کا اس لیے موقع دیتے ہیں تاکہ جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے، یعنی: کفر اور شرک کی بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہیں، ان کے لیے شیطان کے وسوسہ کو فتنہ، یعنی: آزمائش بنادے۔

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئیں گے، اللہ تعالیٰ ان کی رہنمائی فرمائیں گے اور انہیں سیدھا راستہ دکھائیں گے، مگر جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لائیں گے، وہ سیدھے راستے کو نہ پاسکیں گے اور

ان کا دل شیطانی وسوسوں میں پھنسا رہے گا اور سچی باتوں میں ہمیشہ شبہ کرتے رہیں گے، جو لوگ ایمان نہیں لائے تو ان کو اس کے سوا کس چیز کا انتظار ہے کہ اچانک قیامت آپڑے یا ایسا مصیبتوں بھرا دن نصیب ہو، جس کی دکھ دینے والی آفتوں سے بچنے کی کوئی صورت ہی نہ ہو اور کوئی شے ان کو شک وشبہ سے نکالنے والی نہیں، لیکن اس وقت شک وشبہ نکلے بھی تو کیا، بات تو جب ہے جب آفت آنے سے پہلے بات سمجھ جائیں۔

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ: یہاں پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ مغفرت یا گناہوں کی معافی تو گنہگاروں کے لئے ہوتی ہے، مگر اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور نیک عمل اختیار کرنے والوں کو بخشش کی خوشخبری سنائی، اس کا جواب یہ ہے ہوسکتا ہے کہ نیک عمل میں کوئی کوتاہی ہوگئی ہو یا کسی شرط کو پورا نہ کیا ہو، اس لئے ہر عمل کی موجودگی میں بھی بخشش ومغفرت کی ضرورت ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے یہاں وعدہ فرمایا ہے۔

باعزت روزی بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، دنیا میں بعض اوقات روزی غلط طریقے سے حاصل کی جاتی ہے، کتنے لوگ ہیں جو جھوٹ، فریب، چوری، ڈاکہ، رشوت وغیرہ کے ذریعے روزی حاصل کرتے ہیں، ایسی روزی باعزت روزی ہرگز نہیں ہوسکتی، بلکہ یہ تو ذلت کی روزی ہوگی، اس کے برخلاف جنتیوں کو جو روزی ملے گی وہ حلال اور پاکیزہ ہوگی اور بغیر مشقت کے نصیب ہوگی، دنیا میں بعض اوقات انسان ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں، مگر جنت میں اللہ تعالیٰ بغیر کسی کے احسان کے اپنی رحمت سے رزق عطا فرمائے گا، اسی کو باعزت روزی کہا گیا ہے۔

نبی اور رسول میں فرق

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ: اس آیت میں نبی اور رسول کے دو الفاظ استعمال ہوئے ہیں، لہذا ضروری ہے کہ ان کے درمیان فرق کو واضح کر دیا جائے، نبی اور رسول دونوں پر وحی اترتی ہے، مگر رسول اس انسان کو کہا جاتا ہے، جس کو مستقل کتاب یا شریعت عطا کی جاتی ہے، البتہ نبی وہ انسان ہے، جس پر وحی اترنے کے باوجود وہ پچھلی کتاب یا شریعت کی پیروی کرتا ہے اور اس کی تبلیغ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حکومت

اَلۡمُلۡكُ يَوۡمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحۡكُمُ بَيۡنَهُمۡ ؕ فَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا
بادشاہت اس روز اللہ کی ہے فیصلہ کریگا ان میں پس وہ جو ایمان لائے اور کام کئے

الصّٰلِحٰتِ فِىۡ جَنّٰتِ النَّعِيۡمِ ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا
نیک میں جنت نعمت والی (۵۶) اور جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا آیتوں ہماری کو

ع ۹ ۱۴ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيۡنَ هَاجَرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ
پس وہ لوگ واسطے انکے عذاب ہے ذلیل کرنے والا (۵۷) اور جن لوگوں نے گھر چھوڑا میں راستے اللہ کے

ثُمَّ قُتِلُوۡۤا اَوۡ مَاتُوۡا لَيَرۡزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزۡقًا حَسَنًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ
پھر قتل کردیئے گئے یا مرگئے البتہ عطا کرے گا انہیں اللہ روزی اچھی اور تحقیق اللہ

لَهُوَ خَيۡرُ الرّٰزِقِيۡنَ ﴿۵۸﴾ لَيُدۡخِلَنَّهُمۡ مُّدۡخَلًا يَّرۡضَوۡنَهٗ ؕ وَاِنَّ
البتہ وہی سب سے اچھی روزی دینے والا ہے (۵۸) البتہ داخل کرے گا وہ انہیں ایسی جگہ کہ جسے وہ پسند کریں گے اسے اور تحقیق

اللّٰهَ لَعَلِيۡمٌ حَلِيۡمٌ ﴿۵۹﴾
اللہ البتہ جاننے والا برداشت والا ہے (۵۹)

بامحاورہ ترجمہ: اس دن بادشاہت اللہ کی ہوگی وہ ان میں فیصلہ کرے گا، جو یقین لائے اور نیک عمل کئے، وہ نعمت کے باغوں میں ہیں۔ (۵۶) اور جو منکر ہوئے ہماری باتیں جھٹلاتے رہے، سو! ان کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔ (۵۷) اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں گھر چھوڑ آئے، پھر راستے میں مارے گئے یا مر گئے اللہ تعالیٰ ضرور انہیں اچھی روزی دے گا اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ (۵۸) ضرور اللہ تعالیٰ انہیں ایسی جگہ پہنچائے گا جسے وہ پسند کریں گے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حوصلے والا ہے۔ (۵۹)

تفسیر

اس آیت میں ہے کہ جب قیامت آجائے گی سب کے اختیار چھین لئے جائیں گے اور بادشاہت صرف اللہ تعالیٰ کی ہوگی، سو! اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں ذرا بھر بھی قدرت اور اختیار نہ رہے گا، اس دن اللہ تعالیٰ ہر ایک کا فیصلہ کردیگا، ایمان لا کر نیک عمل کرنے والے آرام واطمینان کے ساتھ نعمت سے بھرپور باغوں میں رہیں گے، اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کا انکار کر بیٹھے اور اس کی آیتوں کو جھوٹا سمجھا اور ان سے غلط مطلب نکالتے رہے، ان کی بابت فیصلہ ہوگا کہ وہ اس کے باعث جس میں انہوں نے دنیاوی زندگی گذاری، آج ذہنی اور جسمانی بے چینی اور دکھ درد میں مبتلا ہوں گے اور دوزخ کا عذاب ان کو ذلیل وخوار کر کے رکھ دے گا۔

پچھلی آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر نیک کام کرنے والوں کو نعمتوں سے بھری ہوئی جنت ملے گی اور اللہ تعالیٰ کی نہ ماننے والوں کو اور اس کی آیتوں کے جھٹلانے والوں کو ایسی مصیبت پہنچے گی کہ جس سے پناہ نہ مل سکے گی، اس آیت میں ارشاد ہے کہ جو نیک کام کیے جاسکتے ہیں، ان میں ایک کام اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی طلب کرنے لئے گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑا ہونا ہے اور یہ بہت بڑا نیک کام ہے، اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ مسلمان مکہ میں صبر سے مصیبتیں جھیل رہے ہیں، انہیں اس وقت حکم تھا کہ لڑیں نہیں، اس وقت وہ اس حکم پر دل وجان سے عمل کرتے رہے، اس کے بعد انہیں حکم ہوا کہ وطن چھوڑ کر مدینہ چلے جاؤ تو وہ گھر بار چھوڑ چھاڑ کر مدینہ ہجرت کر گئے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا گیا کہ انہیں خوش خبری ہو، ان کی یہ فرمانبرداری اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آئی، انہوں نے ایمان لا کر نیک عمل کی بہترین مثال قائم کی، اس کے بعد خواہ شہید ہوں یا ویسے ہی دنیا سے رخصت ہوں، دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ انہیں بہت اچھی جزا دے گا، وہ ان کی نیت اور عمل دونوں کو خوب جانتا ہے، وہ ان کی خطاؤں سے درگذر کرے گا، کیونکہ وہ بہت برداشت والا ہے اور ان کو ایسی جگہ پہنچادے گا، جو انہیں پسند ہوگی، یہ بھی اسی کے علم میں ہے کہ انہیں کیسی جگہ پسند ہوگی اور اس نے پہلے ہی ہر ایک کے لیے اس کی پسند کی جگہ تیار کر رکھی ہے اور وہ اسے اس جہاں سے سفر کرتے ہی مل جائے گی۔

مدد کا وعدہ

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ

یہ تو ہوا اور جو شخص ستائے اسی قدر جتنا اسے ستایا گیا ہے پھر زیادتی کی پر اس البتہ ضرور مدد کرے گا اسکی

اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۞٦٠ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ

اللہ تحقیق اللہ درگزر کرنے والا بخشنے والا ہے (٦٠) یہ اس لئے ہے کہ اللہ داخل کرتا ہے رات کو میں دن

وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۞٦١ ذٰلِكَ بِاَنَّ

اور داخل کرتا ہے دن کو میں رات اور یہ کہ اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے (٦١) یہ اس لئے ہے کہ

اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ

اللہ ہی حق اور یہ کہ جسے پکارتے ہیں سوا اس کے وہی باطل ہے اور یہ کہ اللہ

هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۞٦٢ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۡ

وہی سب سے برتر بڑا ہے (٦٢) کیا نہیں دیکھا تو نے کہ اللہ نے اتارا سے آسمان پانی

فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۞٦٣ لَهٗ مَا فِي

پس ہو گئی زمین سرسبز تحقیق اللہ گہرے علم والا خبردار ہے (٦٣) اسی کا ہے جو میں

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۞٦٤ ع ٨ ١٥

آسمانوں اور جو میں زمین اور تحقیق اللہ البتہ وہی سب کچھ رکھنے والا خوبیوں والا ہے (٦٤)

با محاورہ ترجمہ: ۔ سن لیا! اور جس نے ویسا ہی بدلہ لیا جیسا اسے دکھ دیا گیا تھا، پھر اس پر زیادتی ہو گئی تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا، معاف کرنے والا ہے۔ (٦٠) یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں ڈالتا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ (٦١) یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور جس کو اس کے سوا پکارتے ہیں، وہی باطل ہے اور فقط اللہ تعالیٰ ہی سب سے اوپر اور بڑا

ہے تو نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا، پھر زمین ہری بھری ہوگئی بے شک اللہ تعالیٰ چھپی تدبیریں جانتا ہے خبر دار ہے۔ (۶۳) جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اس کا ہے اور وہی ہے بے پروا سب خوبیوں والا۔ (۶۴)

تفسیر

ایمان کے ساتھ نیک کام کرنے کا بدلہ جنت میں عیش و آرام کی زندگی، کفر کا بدلہ دوزخ کا عذاب، اور اگر اس کے ساتھ دوسروں پر ظلم کئے بھی ہوں تو دنیا میں بھی تباہی، یہ سب کچھ بتانے کے بعد ارشاد ہے کہ: یہ قاعدہ سن لیا، اللہ تعالیٰ درگذر کرنے والا اور خطاؤں کا بخشنے والا ہے۔

لیکن مظلوم کی مدد کرنے کا قاعدہ اس کے ہاں مقرر ہے، یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ دن اور رات گھٹانا اور بڑھانا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اختیار میں ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا ان کے باطل معبودوں کا اس میں ذرہ برابر اختیار نہیں، یہ محض بیکار ہے، وہ سنتا دیکھتا ہے، وہی معبود حقیقی ہے، اس کے سوا لوگوں کے بنائے ہوئے اور معبود سب جھوٹ ہیں، وہی سب سے بلند برتر ہے، اس سے بڑا کوئی نہیں۔

اس آیت کی تفصیل یہ ہے کہ مکہ کے مشرکوں نے ایمان والوں کو مکہ میں تیرہ سال تک سخت تکلیفیں دیں، حتیٰ کہ انہیں ہجرت پر مجبور کر دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے بدر کی جنگ میں انتقام لیا، گویا جس طرح کافروں اور مشرکوں نے مسمانوں کو مکہ میں تنگ کیا، اس کا بدلہ مسلمانوں نے بدر کی جنگ میں لے لیا، اس کے بعد کافروں نے پھر مسلمانوں پر سرکشی کی جیسا کہ اُحد اور خندق کے موقع پر کی، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ مظلوم مسلمانوں کی ضرور مدد کرے گا، چنانچہ ان دونوں موقعوں پر کافروں نے مسلمانوں کو مٹانے کی کوشش کی، مگر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہوئی، ان دونوں موقعوں پر کافر اور مشرک بری طرح ناکام ہو کر واپس لوٹ گئے۔

قدرت کی کچھ اور نشانیاں

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ وَ الْفُلْكَ تَجْرِیْ
کیانہیں دیکھا نے تو کہ اللہ نے کام میں لگا دیا واسطے تمہارے جو میں زمین ہے اور کشتیوں کو جو چلتی ہیں

فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ یُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا
میں سمندر ساتھ حکم اس کے اور تھامتا ہے وہ آسمان کو اس سے کہ گرے پر زمین مگر

بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۶۵﴾ وَ هُوَ الَّذِیْۤ اَحْیَاكُمْ ۫
ساتھ حکم اس کے تحقیق اللہ پر آدمیوں البتہ شفقت کرنے والا مہربان ہے (۶۵) اور وہی ہے جس نے زندہ کیا تمہیں

ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ اُمَّةٍ
پھر مارے گا تمہیں پھر زندہ کرے گا تمہیں تحقیق انسان البتہ ناشکرا ہے (۶۶) واسطے ہر امت

جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا یُنَازِعُنَّكَ فِی الْاَمْرِ وَ ادْعُ اِلٰی
بنایا ہم نے عبادت کا طریقہ کہ وہ چلتے ہیں اس پر پس نہ جھگڑیں تجھ سے میں کام اس اور بلائیں آپ طرف

رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰی هُدًی مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۶۷﴾ وَ اِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ
رب اپنے کے تحقیق آپ ہیں البتہ پر راہ سیدھی (۶۷) اور اگر جھگڑا کریں آپ سے تو کہہ اللہ

اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۸﴾
زیادہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو (۶۸)

بامحاورہ ترجمہ: تو نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ زمین میں ہے تمہارے کام میں کر دیا اور ان کشتیوں کو بھی تمہارے بس میں کر دیا جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے سمندروں میں چلتی ہیں اور اسی نے آسمان کو زمین پر گرنے سے روک رکھا ہے، مگر جب وہ چاہے گا اس کے حکم سے گر پڑے گا، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ نرمی کرنے والا مہربان ہے۔ (۶۵) وہی تو ہے جس نے تمہیں زندگی بخشی پھر تمہارے لئے مقرر وقت پر تمہیں موت

دے گا، پھر زندہ کریگا تم کو، بے شک انسان ناشکرا ہے۔(۶۶) ہر امت کے لئے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ مقرر کر دیا کہ وہ اسی طرح عبادت کرتے ہیں سو چاہئے کہ اس کام میں آپ سے جھگڑا نہ کریں، آپ اپنے رب کی طرف بلاتے جائیں بے شک آپ سیدھی راہ پر ہیں۔(۶۷) اور اگر آپ سے جھگڑنے لگیں تو آپ کہہ دیں اللہ بہتر جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔(۶۸)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اے لوگو! آنکھیں کھول کر دیکھو تو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے تمہیں وہ قوتیں عطا کی ہیں، جن کی بدولت تم دنیا کی ہر چیز پر حکم چلاتے ہو اور ہر چیز کو اپنے قابو میں لے آتے ہو، خشکی اور تری دونوں کی چیزیں تمہارے بس میں کردی ہیں، پھر یہ بھی اس کی مہربانی ہے کہ اپنے حکم سے تمہارے لئے دریاؤں میں کشتیاں چلا دیں اور یہ بھی اس کی مہربانی ہے فضا کے اندر کی ساری چیزیں آسمان، سورج، چاند، ستارے تمہارے سر پر تھام رکھے ہیں، اور وہ بغیر اللہ تعالیٰ کے حکم کے زمین پر گر کر اسے نقصان نہیں پہنچا سکتے، اس سے تمہیں سمجھ لینا چاہئے کہ اسی نے تمہیں زندگی بخشی ہے اور وہی اپنے حکم سے تمہیں موت دے گا اور وہی اپنی قدرت سے تمہیں پھر زندہ کرے گا، لیکن انسان اتنی نشانیاں دیکھ کر بھی اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتا اور اس کا شکر ادا نہیں کرتا وہ یقیناً بڑا ناشکر گزار ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ: جتنی امتیں پہلے گذریں، ان کے لئے ہم نے اپنی عبادت کا ایک طریقہ مقرر کر دیا تھا تاکہ اس پر چل کر ہماری خوشنودی حاصل کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے بھی ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے کہ اس طرح ہماری عبادت کریں اور ہماری ہی رضا مندی کے مستحق ہوں اس لئے ان سے کہہ دو کہ اس میں جھگڑا کرنے کی کیا بات ہے یہ تو ہمیں اختیار ہے کہ اپنی عبادت کا طریقہ اپنے بندوں کو چاہیں جیسے بتلائیں، اور کہیں کہ ہماری عبادت اس طرح کرو، کسی کو حق نہیں کہ اس میں نقطہ چینی کرے انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان لیا تو اب اس کی عبادت اور شکر گزاری اسی طرح کرنی چاہئے جس طرح وہ بتائے، اپنی طرف سے کسی کو

کیا حق ہے کہ عبادت یوں نہیں یوں ہونی چاہئے۔

پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد ہے کہ: یہ نادان ہیں، ان کے اعتراضوں کی پرواہ مت کرو اور اپنے رب کی طرف بلاتے رہو، بے شک آپ سیدھی راہ پر چل رہے ہو، اتنا سمجھا دینے کے بعد بھی اگر یہ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، قربانی پر اعتراض کریں اور اپنی طرف سے ان میں ترمیم کرنی چاہیں تو ان سے کہہ دو کہ تمہاری کرتوتوں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، تمہارے ہتھکنڈے اس کے سامنے نہیں چلیں گے۔

سمندر میں کشتیاں چلنے کے فائدے

وَ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ: اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حکم سے سمندر میں چلنے والی کشتیوں کو بھی تمہارے تابع کر دیا ہے، کشتی کا چلنا بھی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے، اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو کشتیاں بنانے کا علم عطا فرمایا ہے اور پھر انہیں پانی میں چلانے کا طریقہ سکھلایا۔

اللہ تعالیٰ نے آسمان کو تھام رکھا ہے

اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو آسمان کو زمین پر گرنے سے روکتی ہے، اس نے آسمان کو بغیر ستونوں کے کھڑا کیا اور پھر ایسا انتظام بھی کر دیا کہ یہ نیچے نہ گرنے پائے، آسمان کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص مدت تک کے لئے تھام رکھا ہے، پھر جب قیامت کا وقت آجائے گا تو پھر آسمان اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین پر گر پڑیں گے اور زمین کی ہر چیز فنا ہو جائے گی۔

لفظ "مَنْسَك" اور "نَسك" کے معنیٰ

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ: ہم نے ہر امت کے لئے عبادت کا طور طریقہ مقرر کیا ہے کہ وہ اس طریقے سے عبادت کو کرنے والے ہوتے ہیں، جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اپنی عبادت کا حکم کرتا ہے تو

پھر اپنے پیغمبر کے ذریعے اس کا طریقہ بھی بتلاتا ہے، "مَنْسَكْ" کا لفظ عبادت کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور یہ لفظ اس کی راہ میں جانور قربان کرنے پر بھی بولا جاتا ہے، جب کوئی شخص حج یا عمرے کی ادائیگی کے دوران کسی جنایت کا ارتکاب کرتا ہے، تو اسکی تلافی کے طور پر جانور ذبح کیا جاتا ہے، جسے عام طور پر دم کہا جاتا ہے، اسی کو بھی اللہ تعالیٰ نے "نسك" کہا ہے، "سورۃ البقرہ" میں حج اور عمرے میں جہاں سر منڈوانے کا حکم دیا، وہاں فرمایا کہ اگر کوئی شخص بیمار ہو یا سر میں کسی تکلیف کی وجہ سے یہ رکن پورا نہ کر سکے "فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ"۔ (سورۃ البقرۃ: آیت۔۱۹۶)، تو اس کا فدیہ ادا کرے روزوں کی صورت میں، صدقہ کی صورت میں یا "نسك" یعنی: جانور کی قربانی کی صورت میں۔

توحید کی طرف بلاوا

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا آپ سب لوگوں کو اپنے پروردگار کی طرف دعوت دیں، لوگوں کو اس کی توحید اور عبادت کی طرف بلائیں، بیشک آپ سیدھی راہ اور ہدایت پر ہیں اور اس ہدایت کا بنیادی اصول یہ ہے کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے نہ صفات میں اور نہ عبادت میں، آپ اسی بات کی لوگوں کو دعوت دیں اور اگر یہ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں کو خوب جانتا ہے، بھلا تمہاری بدکرداریاں اس سے کیسے چھپ سکتی ہیں، حساب کتاب کی منزل آنے والی ہے، تمہیں اپنی ہر کئے کا حساب دینا ہوگا، آج تم حق کو ٹھکراتے ہو مگر قیامت کے دن سخت عذاب میں مبتلا ہوگے۔

تسخیر کا مطلب

اللہ تعالیٰ کی قدرت میں یہ بھی تھا کہ آسمان اور زمین کی سب چیزوں کو انسان کے تابع بنا دیتے، مگر اس کا نتیجہ خود انسان کے حق میں اچھا نہ نکلتا، کیونکہ انسانوں کی طبیعتیں، خواہشیں اور ضرورتیں مختلف ہوتی ہیں، ایک انسان دریا کو اپنا رُخ دوسری طرف موڑنے کا حکم دیتا اور دوسرا اس کے خلاف کا حکم دیتا تو انجام فساد کے سوا کچھ نہ

ہوتا اللہ تعالیٰ نے ان سب چیزوں کو اپنے حکم کے تابع رکھا، مگر تسخیر کا جو اصل فائدہ تھا وہ انسان کو پہنچا دیا (اس لئے ہم نے آیت میں "سخر" کا معنیٰ "کام میں لگا دیا" کیا ہے۔

فیصلہ کا دن

اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾

اللہ فیصلہ کرے گا درمیان تمہارے دن قیامت کے میں اس چیز کہ تھے تم میں اس اختلاف کرتے (۶۹)

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ

کیا نہیں جانا آپ نے کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ میں آسمان اور زمین تحقیق وہ میں

كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷۰﴾ وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

کتاب تحقیق وہ پر اللہ آسان ہے (۷۰) اور پوجتے ہیں سوا اللہ کے

مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ مَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ مَا

اسے جسکی نہیں اتاری اس نے کوئی سند اور اسے کہ نہیں انکو جس کی کچھ خبر اور نہیں

لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾

لئے ظالموں کے کوئی مددگار (۷۱)

بامحاورہ ترجمہ: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے درمیان اس چیز کا فیصلہ کر دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔ (۶۹) کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے، یہ سب کتاب میں لکھا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ پر یہ آسان ہے۔ (۷۰) اور اللہ تعالیٰ کے سوا اس چیز کو پوجتے ہیں جس کی اس نے کوئی سند نہیں اتاری اور جس کی انہیں خبر نہیں اور بے انصافوں کا کوئی مددگار نہیں۔ (۷۱)

تفسیر

اصل بات انسان کے لئے دنیا میں اللہ تعالیٰ کو اس کی قدرت کی نشانیاں دیکھ کر پہچاننا ہے، جب پہچان لیا تو پھر سوا اس کے اور کیا رہ گیا کہ اس کی عبادت کی جائے، عبادت کے طریقے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر بھیج کر ہر زمانے میں سمجھا دیئے، اس طریق سے اس کی عبادت کرنی چاہئے، ان طریقوں پر اعتراض کرنا بڑے اعلیٰ درجے کی نادانی ہے، اس کے بعد بھی لوگ عبادت کے طریقے پر اعتراض کریں اور اپنے من گھڑت طریقوں سے عبادت کرنی چاہیں تو ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ قیامت کے دن فرما دے گا، اسے انسان کے عملوں اور اس کی نیتوں کی پوری پوری خبر ہے، اگر انسان نے اللہ تعالیٰ کو صحیح طور پر پہچان لیا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ بھی ہے، اس کے ذرہ ذرہ کا حال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے اور لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے ، اس کے علاوہ ہر انسان کا عمل اس کے اعمال نامہ میں لکھ دیا جاتا ہے اور یہی اعمال نامہ قیامت کے دن ہر ایک کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا اور اسی کے مطابق اسے جزا و سزا ملے گی، اللہ تعالیٰ کے نزدیک آسان ہے کہ ہر ایک کا اعمال نامہ تیار رہے اور اس کے ہر عمل کا بدلہ دیا جائے اللہ تعالیٰ کو ایسا کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔

انسان اگر غور کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہاں کی ہر چیز سلیقے سے رکھی ہوئی ہے، ہر چیز کا مقام اور اس کا کام اور اس کا آغاز و انجام بنانے والے کو معلوم ہے، اسی نے ہر چیز کی مدت مقرر کر دی ہے جس کے اندر وہ اپنی بہار دکھا کر آخر وہ چل بستی ہے، انسان کے لئے یہ قانون بھی مقرر ہے اور دنیا کے فنا ہونے کے بعد اس دنیا کے سارے کاموں کی جانچ پڑتال بھی ہوگی، اور جیسا جس کا عمل ہوگا ویسے ہی اسے جزا سزا ملے گی، اور یہ سب باتیں بتا رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی انسان کا معبود برحق ہو سکتا ہے جو سارے جہان کا اصلی مالک اور شہنشاہ ہے۔

خبر نہیں کہ ایسے معبود کو جس کی ہستی پر دنیا کی ہر چیز گواہی دے رہی ہے، چھوڑ کر انسان ایسی چیزوں کو پوجتا ہے جن کے معبود ہونے پر دنیا کی کوئی چیز بھی گواہی نہیں دیتی اور جن کے آگے جھکنا خود انسان کی شان اور اس کی عظمت کے خلاف ہے، انسان کا علم جتنا ترقی کرتا جائے گا اسے معلوم ہوتا جائے گا کہ سوا ایک اللہ تعالیٰ کے اور

کسی کی عبادت کرنا اعلیٰ درجے کی بے انصافی ہے، جو ایسا کر رہا ہے وہ بڑا ظلم کر رہا ہے، اسی طرح یہ بھی بڑا ظلم ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مانتے ہوئے کسی اور کو اس کی ذات یا صفات میں شریک ٹھہرایا جائے، یاد رکھو کہ وقت پڑنے پر یہ بنائے ہوئے سارے شریک کسی کام نہ آئیں گے، ہر انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوگا اور کافر اور مشرک کو کوئی چیز اس کے غضب سے نہ بچا سکے گی۔

غصہ کا جوش

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا

اور جب پڑھی جائیں پر ان آیتیں ہماری صاف واضح پہچانیں گے آپ میں چہرے ان لوگوں کے جو کافر ہوئے

الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ

ناراضگی قریب ہو جاتے ہیں وہ اس کے کہ حملہ کریں ان پر جو پڑھتے ہیں پر ان آیتیں ہماری کہہ دیں

اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ

کیا پس میں بتاؤں تمہیں بدتر سے اس کے وہ آگ ہے وعدہ کیا اس کا اللہ نے ان سے جو کافر ہوئے

وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٧٢﴾ ع ٩ ٨ ١٦

اور برا ہے وہ واپسی کا ٹھکانا (٧٢)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور جب ان کو ہماری صاف آیتیں سنائی جائیں تو آپ کافروں کے چہروں پر ناگواری دیکھیں گے قریب ہے کہ وہ ان لوگوں پر حملہ کر بیٹھیں جو انہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں آپ کہہ دیں میں تم کو اس سے (یعنی: قرآن سے) بھی زیادہ ناگوار چیز بتلاؤں، وہ ہے آگ، اللہ تعالیٰ نے منکروں سے اس کا وعدہ کیا ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ (٧٢)

تفسیر

انسان کے دل میں کوئی بات بیٹھ جائے تو چاہے غلط ہو یا صحیح، وہ اس کے خلاف سننا نہیں چاہتا اور جو اس کے خلاف کہے، اس پر جھنجلاتا ہے اور اس کا ایسا چہرہ بن جاتا ہے کہ جیسے عنقریب مار بیٹھے گا، یہی حال مکہ کے کافروں کا تھا، انہیں یہ ضد تھی کہ ہمارے باپ دادا جو رسمیں اور بتوں کی پوجا پاٹ کے طریقے جاری کر گئے ہیں، ہم انہیں ہرگز نہ چھوڑیں گے، انہیں قرآن کی آیتیں سنائی گئیں تو اس میں توحید کی کھلم کھلا تعلیم اور بتوں کی پوجا پاٹ کی مذمت تھی۔

ارشاد ہے کہ: جب ان کے سامنے قرآن مجید کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کے ماتھے پر بل پڑ جاتے ہیں اور چہرے کا حلیہ بگڑنا شروع ہو جاتا ہے، پھر اگر کوئی ان کے سامنے آیتیں پڑھتا ہی گیا تو غضب کے مارے آگ بگولہ ہو جاتے ہیں، چہرہ غصے کے مارے تمتما جاتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو انہیں وہ آیتیں سنا رہے ہیں ان پر حملہ کرنے ہی والے ہیں، دیکھنے والے کو ان کے چہرے سے غیض وغضب کے آثار صاف نظر آتے ہیں، اور معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اندرونی طور پر بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔

پہلے ارشاد ہوا کہ قرآن کی آیتیں سن کر ان کافروں کا جی جلتا ہے، اور غصے میں دیوانے ہو جاتے ہیں، اس آیت میں ارشاد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہدیں کہ یہ جو قرآن کی آیتیں سننے سے تمہیں ناگواری ہو رہی ہے، اس سے کہیں بڑھ کر ناگواری ایک اور چیز سے ہوگی، سنو! وہ چیز دوزخ کی آگ ہے، اللہ تعالیٰ کا پختہ وعدہ ہے کہ اس آگ میں ان کو داخل کیا جائے گا، جو یہاں قرآن کریم کی سچی باتیں سننا نہیں چاہتے، اور جو کوئی سنائے، اس سے سخت ناراض ہوتے ہیں، اس کے بعد یہ بھی سن لو کہ مرنے کے بعد سب سے برا ٹھکانہ دوزخ ہی ہے، قرآن مجید کے ساتھ تمہاری یہ دشمنی تمہیں اس میں لیجا کر جھونک دے گی۔

ایک مثال

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ

اے لوگو! بیان کی گئی ہے ایک مثال سو! کان لگا کر سنو اسے تحقیق جو لوگ تم پکارتے ہو

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَ اِنْ

سوا اللہ کے ہرگز نہ پیدا کرسکیں گے ایک مکھی اگرچہ جمع ہو جائیں سب اس کام کیلئے اور اگر

يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ

چھین لے جائے ان سے مکھی کوئی چیز نہ چھڑا سکیں وہ اس کو سے اس کمزور ہے چاہنے والا

وَ الْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾

اور چاہا ہوا (۷۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے اسے کان لگا کر سنو، جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے ہو وہ ہرگز ایک مکھی تک نہ بناسکیں گے، اگرچہ اس کے لئے سارے اکٹھے ہو جائیں، اور اگر ان سے مکھی کچھ چھین لے تو وہ اس سے چھڑا نہیں سکتے، کمزور طالب (یعنی: بتوں کا پجاری عقل کا کمزور ہے) اور مطلوب (یعنی: وہ بت جن سے وہ مدد مانگتے ہیں، وہ محض بے جان ہونے کی وجہ سے کمزور ہیں۔)۔(۷۳)

تفسیر

عربوں میں یوں تو بہت سی خوبیاں تھیں، لیکن بتوں کی پوجا کی ایک عادت ایسی پڑ گئی تھی کہ ساری خوبیاں اس کے آگے بیکار ہو گئی تھیں، اتنی بات غنیمت تھی کہ وہ اچھی عادتوں کو اچھا اور بری عادتوں کو برا کہتے تھے، وہ آپس کی ہمدردی، سخاوت، شجاعت، مہمان نوازی، غریبوں کی خبر گیری وغیرہ کی تعریف کرتے تھے، اور جو یہ باتیں

اختیار کرتا تھا اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

قرآن مجید نے بھی اچھے اخلاق کی تعریف کی تو وہ اس سے خوش ہوئے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھے اخلاق والا سمجھتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرتے تھے، لیکن جب ان سے کہا گیا کہ بتوں کی پوجا چھوڑ دو، تو وہ بگڑ گئے اور ایسے بگڑے کہ سدھرنا دشوار ہوگیا، آخر انہیں ان بتوں کی حقیقت سمجھائی گئی کہ یہ تو سوچو کہ ان میں رکھا کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے تو ساری کائنات پیدا کی، اور یہ سارے بت مل کر ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے۔

انسان عقل سے کام لے تو فوراً سمجھ جائے کہ بتوں کی عبادت فضول حرکت ہے، پہلے کہا گیا کہ سوچو تو سہی یہ بت نہ اپنے کام کے اور نہ اوروں کے کام کے، مکھی ایک ذرا سا جانور ہے اسے بھی یہ نہیں بنا سکتے، بناتے تو کیا خاک؟ اگر ان کے چڑھاوؤں میں سے مکھی کچھ اٹھا کر لیجاتی ہے، یا بیٹھ کر مزے سے کھالیتی ہے، تو ان میں اتنی بھی طاقت نہیں کہ جو کچھ وہ اٹھا کر لیجارہی ہے، اس سے واپس لے لیں، ان کی عقل میں یہ نہیں آتا کہ مکھی ایک کمزور جانور ہے، یہ نہ اس کا آنا روک سکتے ہیں اور اپنے آگے سے اٹھائی ہوئی شیرنی چھڑا سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو پہچانا ہی نہیں

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۷۴﴾ اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ

نہیں قدر کی انہوں نے اللہ کی جیسا حق تھا قدر کرنے کا اسکی تحقیق اللہ البتہ قوت والا زبردست ہے(۷۴) اللہ پسند کرتا ہے

مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۷۵﴾ یَعْلَمُ

سے فرشتوں رسول اور سے آدمیوں بیشک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے(۷۵) جانتا ہے

مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾

جو درمیان ہے ہاتھوں ان کے اور جو پیچھے ہے ان کے اور طرف اللہ تعالیٰ لوٹائے جاتے ہیں سارے کام(۷۶)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَ اسْجُدُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَ

اے لوگو! جو ایمان لاچکے رکوع کرو اور سجدہ کرو اور عبادت کرو رب اپنے کی اور

السجدة عند الشافعي رحمه الله و احمد بن حنبل رحمه الله

افْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٧٧﴾

کرو نیک کام تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ (۷۷)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر ایسی نہ کی جیسی کرنی چاہئے تھی، بے شک اللہ تعالیٰ قوت اور غلبے والا ہے۔ (۷۴) اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے اور آدمیوں میں سے رسول چنتا ہے بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ (۷۵) جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف تمام معاملات لوٹائے جائیں گے۔ (۷۶) اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی بندگی کرو اور بھلائی کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔ (۷۷)

تفسیر

ہر ایک کا علم ناقص، قوت ناقص، قدرت ناکافی پورے علم پوری قوت اور مکمل علم والا صرف ایک اللہ تعالیٰ ہے، اس کو اچھی طرح پہچانو اور دل وجان سے اس کی طرف جھکو، اگر بعض لوگ سرکشی پر اتر آئیں تو وہ اپنا ہی کچھ بگاڑیں گے ایمان والوں کا تو یہی کام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے آگے نہ جھکیں، ان کے لئے ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آگے رکوع میں جھکو اسے سجدہ کرو، اور اس کی بندگی کرو، اور اسی کے لئے نیک کام کرو، بری باتوں کے نزدیک نہ پھٹکو، جو دنیا میں یہ طریقہ اختیار کرے گا، وہ یہاں بھی کامیاب ہوگا، اور آخرت میں بھی سرخرو ہوگا، اور دونوں جگہ آرام وراحت کی زندگی بسر کرے گا۔

مسلمانوں کو جہاد کا حکم

وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ

اور جہاد کرو کے لئے اللہ جیسا کہ جہاد کا حق ہے اسی نے چنا تم کو اور نہیں ڈالی پر تم

فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ
میں دین کوئی تنگی دین باپ تمہارے ابراہیم کا اس نے نام رکھا تمہارا

الْمُسْلِمِیْنَ ۙ۬ مِنْ قَبْلُ وَ فِیْ هٰذَا لِیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِیْدًا
مسلمان سے پہلے اور میں اس کے بھی تاکہ ہو پیغمبر نگران

عَلَیْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۖۚ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ
پرتم اور ہوتم نگران پر لوگوں پس قائم کرو نماز اور

اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ
ادا کرو زکوٰۃ اور مضبوط پکڑو اللہ کو وہ کارساز ہے تمہارا پس اچھا کارساز ہے اور

ع ١٠ ٦ ١٧ نِعْمَ النَّصِیْرُ ﴿۷۸﴾
اچھا مددگار (۷۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ کے واسطے جہاد کرو جیسا کہ اس کے جہاد کا حق ہے اس نے تم کو پسند کیا اور دین میں تم پر کچھ مشکل نہیں ڈالی، پیروی کرو اپنے باپ ابراہیم کے دین کی، اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا پہلے سے اور اس قرآن میں بھی، تاکہ پیغمبر تمہیں سکھائے اور تم لوگوں کو سکھانے والے بنو، سو! قائم کرو نماز اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ تعالیٰ کو مضبوط پکڑو، وہ تمہارا مالک ہے اور بہت اچھا مالک ہے اور خوب مددگار ہے۔ (۷۸)

تفسیر

اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کرنے میں اپنی جان اور مال سب کچھ لگادو، اور ساری قوت اسی میں خرچ کردو کہ کسی طرح اسلام کا بول بالا ہو، یہ اللہ کا بہت بڑا کرم ہے کہ اس نے دنیا بھر کے لوگوں میں تمہیں اپنے کام کے لئے چن لیا ہے اور طریقہ جو تمہارے لئے مقرر کیا ہے وہ بالکل آسان ہے، اس میں کوئی ایسا حکم نہیں، جس پر عمل کرنے میں کسی بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑے، ہر کام میں رخصتیں اور رعایتیں ہیں اور سہولت کا لحاظ رکھا گیا ہے، پھر طریقہ

بھی کوئی اجنبی نہیں ہے، وہی طریقہ ہے جو تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہمارے حکم سے دنیا میں جاری کیا، اس طریقے پر چلنے والوں کا نام اس نے ہمارے حکم سے مسلمان رکھا، اور یہی نام قرآن مجید میں بھی تمہارے لئے برقرار رکھا ہے، اس لئے یہی وہ دین ہے، جس پر تمہیں چلنا ہے۔

لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ: یعنی: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محشر میں گواہی دیں گے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے تمام حکم اس امت کو پہنچادیئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت اس کا اقرار کرے گی، مگر دوسرے پیغمبر جب یہ کہیں گے تو ان کی امتیں مکر جائیں گی، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت گواہی دے گی کہ بے شک سب پیغمبروں نے اپنی اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے تمام حکم پہنچادیئے تھے، دوسری امتوں کی طرف سے ان کی گواہی پر یہ اعتراض ہوگا کہ ہمارے زمانے میں تو یہ امت موجود ہی نہ تھی، یہ ہمارے معاملے میں کیسے گواہ بن سکتے ہیں؟ ان کی طرف سے اعتراض کا یہ جواب ہوگا کہ بے شک ہم موجود نہ تھے، مگر ہم نے یہ بات اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے، جن کی سچائی میں کوئی شک وشبہ نہیں؛ اس لئے ہم یہ گواہی دے سکتے ہیں تو ان کی شہادت قبول کی جائے گی، یہ مضمون اس حدیث کا ہے، جس کو "بخاری" وغیرہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

وَ جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ: اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر جہاد کرو، جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اپنی وسعت اور طاقت کے مطابق ظاہری اور باطنی طور پر دین کے دشمن کا مقابلہ کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرو، "ابوداؤد شریف" اور "مسند احمد" کی روایت میں ہے: کافروں اور مشرکوں کے ساتھ اپنے مالوں، جانوں اور زبانوں سے جہاد کرو، غیر مسلموں کے سامنے زبان کے ذریعے حق بات کہنا اور ان کو تبلیغ کرنا بھی جہاد میں داخل ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: ظالم حاکم کے سامنے حق بات کہنا افضل جہاد ہے، گمراہ لوگوں کے اعتراضات کو دور کرنے کے لئے تحریر وتقریر کا استعمال بھی جہاد میں شامل ہے، دینی مسئلے کو واضح کرنے کے لئے کتاب، رسالہ یا مضمون لکھنا قلمی

جہاد ہے، شرط یہ ہے کہ نیت صحیح ہو، اور محض معاوضہ لینا مقصود نہ ہو، پیسے لیکر اخبار میں صحیح غلط ہر قسم کا مضمون یا کالم لکھدیا تو یہ جہاد نہیں ہے، علماء کرام نے حدیث کی کتابیں جمع کی ہیں، قرآن پاک اور حدیث کی شرح بیان کی ہے، اور دوسری دینی کتابیں لکھی ہیں، یہ سب جہاد میں داخل ہے، غرضیکہ اسلام کی طرف دعوت دینا اور اس کے سکھانے کا بندوبست کرنا اور لوگوں کی روحانی تربیت کرنا بھی جہاد ہی کی ایک قسم ہے، بعض نوجوان جان تو دے سکتے ہیں مگر مالی طور پر کمزور ہوتے ہیں، وہ جان کی بازی لگا کر جہاد میں شریک ہوسکتے ہیں، بعض مالدار لوگ جسمانی طور پر ہتھیار لے کر جہاد کے قابل نہیں ہوتے، وہ مالی جہاد کر سکتے ہیں، اور جن کو اللہ تعالیٰ نے زبان وقلم کی صلاحیت عطا فرمائی ہے، وہ اس صلاحیت کو جہاد کا ذریعہ بنا سکتے ہیں۔

امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر "احکام القرآن" میں فرماتے ہیں کہ: کوئی ایمان والا بھی جہاد کے حکم سے الگ نہیں، ہاں معذور لوگ، اندھے، لنگڑے، مالی اور جسمانی طور پر کمزور مسلمان، عملی جہاد کے حکم سے معذور ہیں، جبکہ وہ اللہ اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں خیر خواہ ہوں، اگر وہ خیر خواہ بھی نہیں ہیں اور مجاہدین کے پیچھے ان کی برائی اور مذمت بیان کرکے ہیں، یا غلط پروپیگنڈہ کرتے ہیں، تو وہ مجرم ہوں گے، غرض یہ کہ ہر آدمی کو اپنی طاقت اور صلاحیت کے مطابق جہاد میں حصہ لینے کا حکم ہے، اسی لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے جہاد کرو، جیسا کہ اس کے جہاد کرنے کا حق ہے۔

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ: نماز پڑھتے رہو اور زکوۃ ادا کرتے رہو، یہ دونوں عبادتیں اسلام کا اہم رکن ہیں، نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے تعلق درست ہوتا ہے، اور زکوٰۃ کے ذریعے مخلوق کے ساتھ بھلائی ہوتی ہے، آگے فرمایا: "**وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ**": اور اللہ تعالیٰ کو مضبوطی سے پکڑلو، یعنی: اپنی حاجتوں میں اسی پر اعتماد رکھو، تنگی، بیماری، تندرستی، راحت غرض ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھو، تمہاری مشکلوں کو حل کرنے والی وہی ذات ہے، **هُوَ مَوْلٰكُمْ**۔ وہی تمہارا کارساز ہے، "**فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ**": پس بہترین آقا ہے اور بہترین مددگار ہے، اسی پر بھروسہ رکھو اور اسی کی اطاعت کرتے رہو۔

سورۃ الحج کا پیغام

قیامت برحق ہے، پہلے دنیا کو فنا کیا جائے گا، اس وقت زبردست زلزلہ آئے گا، جس کے جھٹکوں سے لوگوں کے ہوش اڑ جائیں گے، پھر زمین نئے سرے سے پیدا ہوگی، سب آدمی دوبارہ زندہ کئے جائیں گے، ان کے عملوں کا حساب کتاب لیکر جو جس جگہ کے قابل ہوگا، وہاں پہنچا دیا جائے گا، جو لوگ مر کر دوبارے جینے میں شک کرتے ہیں، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کو نہیں پہچانا۔

اگر دنیا کے حالات کی تبدیلی پر غور کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ چیزوں کا بگڑنا اور پھر بن جانا کچھ مشکل نہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ بگڑی ہوئی چیزوں کو دوبارہ درست کر دیتا ہے، اسی طرح وہ آدمی کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دے گا، اس لئے اللہ تعالیٰ کو پہچانو اور یقین کرو کہ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہر چیز ہے، ہر چیز اسی کے آگے جھکتی ہے اور اسی کے حکم کے تابع ہے، پھر انسانوں کو کیا ہوا کہ ان میں سے بعض سرکشی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکموں پر عمل نہیں کرتے، انہیں چاہئے کہ دنیا میں اسی طرح زندگی بسر کریں، جیسے اللہ تعالیٰ نے انہیں بسر کرنے کے لئے فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کی عبادت اسی کے بتائے ہوئے طریقے سے کریں، نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، زکوۃ ادا کرنا، کعبۃ اللہ کا حج کرنا، اس کی راہ میں جان و مال کی قربانی کے لئے تیار رہنا، اس کے نام پر اس کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق جانور ذبح کرنا، یہ سب اس کی عبادت کے طریقے ہیں، جو اس نے انسان کے لئے مقرر کئے ہیں، ان پر اعتراض فضول ہے۔

یہ تو صرف اس بات کی علامتیں ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حکم کا تابع ہے، اللہ تعالیٰ کے ماننے والوں کو چاہئے کہ اپنی طرف سے ردو بدل کئے بغیر اس کے حکم جوں کے توں بجالائیں، اللہ تعالیٰ کا انکار کرنا یا اس کے ساتھ کسی اور کو شریک کرنا انتہائی نادانی ہے، انسانوں کو چاہئے کہ آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی نہ کریں، ورنہ اللہ تعالیٰ ظالم کے مقابلے میں مظلوم کی مدد کرے گا، اور زیادتی کرنے والا منہ کی کھائے گا۔

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے منتخب کر کے ان کے ذمہ یہ کام ڈالا ہے کہ وہ دنیا میں زندگی بسر کرنے کا طریقہ اللہ کے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھیں، اور پھر دنیا بھر کے لوگوں کو وہ طریقہ سکھائیں، ان کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، فقط اسی کا سہارا ڈھونڈیں، وہی ان کے سارے کام بنانے والا ہے، وہ اپنے بندوں کا سب سے اچھا رفیق اور سب سے اچھا مددگار ہے۔

ایاتھا — ۱۱۸ | سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتها — ٦

سورۃ المؤمنون مکی ہے، اس میں ایک سو اٹھارہ آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

ایمان والوں کو خوشخبری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحزب ١٧

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝٢ وَ

تحقیق کامیاب ہوئے ایمان والے (۱) وہی جو میں نماز اپنی خوفزدہ رہتے ہیں (۲) اور

الَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝٣ وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝٤

وہی جو سے بے کار باتوں منہ پھیرنے والے ہیں (۳) اور وہی جو زکوٰۃ دینے کا کام کرتے ہیں (۴)

با محاورہ ترجمہ:۔ کامیاب ہوئے ایمان والے۔(۱) جو اپنی نماز میں جھکنے والے ہیں۔(۲) اور جو نکمی باتوں پر دھیان نہیں کرتے۔(۳) اور جو زکوٰۃ دینے کا کام کرتے ہیں۔(۴)

تفسیر

اس سورۃ میں اسلام کے تین بنیادی اصول بیان کئے گئے ہیں: اللہ تعالیٰ کو ایک ماننے، پیغمبروں کو سچا

ماننے اور ان پر ایمان لانے، اور قیامت کے دن پر ایمان لانے کا ذکر ہے، پیغمبروں کے بارے میں جو لوگ شک وشبہ ظاہر کرتے تھے، اُن کو جواب دیئے گئے ہیں، اللہ کے ایک ہونے پر دلیلیں دی گئی ہیں، اس سورۃ میں بعض پیغمبروں کا ذکر ہے، جن میں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اوران کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام شامل ہیں، اس سورۃ مبارکہ میں اس بات کا ذکر بھی ملے گا کہ تمام پیغمبروں کا مذہب ایک ہے۔نافرمانوں کی گمراہی اورناکامی کے سبب بیان کئے گئے ہیں۔

آج تو کافر اور مشرک اپنی ہٹ دھرمی پر اڑے ہوئے ہیں، مگر قیامت کے دن اُن کی جو (رُسوائی) ہوگی ، اُس کو بھی ذکر کیا گیا ہے، اُس دن یہ لوگ تمنا کریں گے کہ انہیں دنیا میں واپس لوٹا دیا جائے تا کہ وہ نیکی کا کام کرسکیں، مگر اُن کو یہ بات قبول نہیں ہوگی، اس کے ساتھ ایمان والوں کی خوبیاں بیان کرکے انہیں کامیابی کی خوشخبری سنائی گئی ہے، جب کہ سورۃ کے آخر میں کافروں کے متعلق فرمایا گیا ہے وہ کبھی کامیاب نہیں ہوں گے، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ناکام ہوجائیں گے۔

یہ سورت مکہ میں اتری، اس میں ایک سو اٹھارہ آیتیں اور چھ رکوع ہیں، جس وقت یہ سورت اتری مکہ میں مسلمانوں کا بُرا حال تھا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مکہ کے مشرک انکو مار ڈالیں گے، دشمنوں کے شر سے بچنے کے لئے گھر بار چھوڑ کر مدینہ جانے کی تیاری ہو رہی تھی۔ایسی خوفناک حالت کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان کیا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والے ہی آخر کامیاب ہوں گے۔دنیا میں بھی انہیں عزّت ملے گی اور مرنے کے بعد بھی ہمیشہ کا چین نصیب ہوگا۔اس لئے کہ انہوں کام ہی ایسے کئے جن سے دونوں جہان کی کامیابی حاصل ہو، یہ نماز میں عاجزی، انکساری کرتے ہیں۔نکمّی باتوں کے پاس خود بھی نہیں جاتے اور جو نکمے کام کرے اس سے کترا جاتے ہیں۔ضرورت مندوں کی مدد کے لئے باقاعدہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ: کہ وہ زکوٰۃ ادا کرنے والے ہوتے ہیں۔زکوٰۃ سے مراد جو ہر سال نصاب کے مال کا چالیسواں حصّہ ادا کی جاتی ہے اور جو ہر صاحب نصاب مسلمان پر فرض ہے۔

سورۃ المؤمنون کا تعارف

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ: لفظ فلاح قرآن مجید اور حدیث شریف میں بہت زیادہ استعمال ہوا ہے۔ اذان واقامت میں پانچ وقت ہر مسلمان کو فلاح (کامیابی) کی طرف بلایا جاتا ہے۔ فلاح کے معنیٰ یہ ہیں کہ ہر مراد حاصل ہو اور ہر تکلیف دُور ہو۔

اور یہ ظاہر ہے کہ مکمل فلاح کہ ایک مراد بھی ایسی نہ رہے جو پوری نہ ہو اور ایک بھی تکلیف ایسی نہ رہے جو دُور نہ ہو، یہ دُنیا میں کسی بڑے سے بڑے انسان کے بس میں نہیں، چاہے دُنیا کا بادشاہ یا پیغمبر ہو، اس دُنیا میں کسی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ کوئی چیز چاہت کے خلاف پیش نہ آئے اور جو خواہش جس وقت دل میں پیدا ہو فوراً پوری ہوجائے۔ اگر اور بھی کچھ نہیں تو ہر نعمت کے ختم ہونے کا کھٹکا اور ہر تکلیف کے آجانیکا کا خطرہ رہتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مکمل کامیابی تو ایسی چیز ہے جو اس دُنیا میں مل ہی نہیں سکتی، کیونکہ دُنیا تو تکلیفوں کی جگہ اور اس کی کوئی نعمت بھی ہمیشہ باقی رہنے والی نہیں، یہ باقی رہنے والی نعمت ایک دوسرے جہان میں ملتی ہے جسکا نام جنت ہے۔ وہ ہی ایک جگہ ہے جسمیں انسان کی ہر مراد پوری ہوگی۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا کہ: (یعنی ان کو ہر وہ چیز ملے گی جو وہ چاہیں گے، اور وہاں کسی معمولی تکلیف کا گزر نہ ہوگا اور ہر شخص یہ کہتا ہوا وہاں داخل ہوگا۔ کہ شکر ہے اللہ کا جس نے ہم سے غم دُور کردیا اور ہمیں اپنے فضل سے ایک مقام میں پہنچادیا جس کی ہر چیز ہمیشہ رہنے والی ہے) اس آیت میں یہ بھی اشارہ موجود ہے کہ دنیا میں کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جس کو کبھی کوئی رنج وغم نہ پہنچا ہو، اس لئے جنت میں میں قدم رکھتے ہوئے ہر شخص یہ کہے گا کہ اب ہمارا غم دُور ہوا، قرآن کریم نے "سورۃ اعلیٰ" میں جہاں کامیابی حاصل کرنیکا بتلایا کہ اپنے آپ کو گناہوں سے پاک کرے تو اس کے ساتھ ہی یہ بھی اشارہ فرمایا: کہ مکمل کامیابی کی جگہ اصل میں آخرت ہے۔

وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ: کہ وہ لغو یعنی فضول اور بیہودہ چیزوں سے پرہیز کرنے

والے ہیں، لغو میں تمام ناپسندیدہ، بیکار کام، مثلاً: گانا بجانا، کھیل تماشہ، سینما، تھیٹر، بیہودہ مجلس، فحاشی، غیر اخلاقی کتابوں اور رسالوں کا مطالعہ وغیرہ شامل ہیں، غرضیکہ فضول اور بیکار باتیں لغویات میں داخل ہیں، جن کے کرنے سے فائدے کی بجائے نقصان ہوتا ہے، اس کے برخلاف مومنوں کی صفت تو یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کی طرف بڑھتے ہیں اور ایسے کام کرتے ہیں جو اُن کے لئے دنیا و آخرت میں فائدہ مند ہوں۔

مؤمن کی شان

وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝۵ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا

اور وہی جو ہیں واسطے شرمگاہوں اپنی کے حفاظت کرنے والے (۵) مگر پر بیویوں اپنی کے یا جن کے

مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝۶ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ

مالک ہوئے دائیں ہاتھ ان کے پس تحقیق وہ نہیں ملامت زدہ (۶) پس جو تلاش کرے سوا

ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝۷

اسکے پس وہ ہیں وہ حد سے نکل جانے والے (۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ (۵) اپنی بیویوں سے یا اپنی مملوکہ باندیوں کے علاوہ اس میں ان پر کچھ الزام نہیں۔ (۶) پس! جو ڈھونڈے اس کے سواء، پس! وہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔ (۷)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ایمان والے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں اور اپنی خواہش کو صرف اپنی بیویوں اور باندیوں سے پورا کرتے ہیں، اپنی خواہش پوری کرنے کا کوئی اور ذریعہ تلاش نہیں کرتے، ان پر اپنی بیویوں اور باندیوں سے خواہش کے پوری کرنے پر کوئی ملامت نہیں، لیکن جو لوگ ان کے سوا اپنی خواہش پورا

کرنے کا کوئی اور ذریعہ تلاش کرتے ہیں، وہ فاسق فاجر ہیں، اور انسانیت کی حد سے نکل جانے والے ہیں، اپنی خواہش کے بارے میں قرآن مجید کی ہدایت یہی ہے کہ اس کے پورا کرنے کے لئے کسی مناسب عورت سے شادی کرنے میں شریعت کے مقررہ طریقے کی پابندی لازمی ہے، جب یہ آیتیں اتریں تو اس زمانے میں باندیوں کی خرید وفروخت کا عام رواج تھا، اور آج کل باندیاں نہیں ہیں اب صرف بیویوں سے خواہش پوری کی جاسکتی ہے۔

جنت الفردوس کے وارث

وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿٨﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى

اور وہی جو واسطے امانتوں اپنی کے اور وعدوں کا خیال رکھنے والے ہیں (٨) اور وہی جو پر

صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿٩﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿١٠﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ

نمازوں اپنی پابندی کرتے ہیں (٩) یہی وہ جو وارث ہوں گے (١٠) جو وارث ہوں گے

الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿١١﴾

جنت کے وہ میں اس ہمیشہ رہا کریں گے (١١)

وقف لازم

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جو اپنی امانتوں سے اور اپنے اقرار سے خبردار ہیں۔ (٨) اور جو اپنی نمازوں کی خبر رکھتے ہیں۔ (٩) وہی ہیں میراث پانے والے۔ (١٠) جو جنت الفردوس کے وارث ہوں گے وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ (١١)

تفسیر

ایمان والوں کی یہی صفت ہے کہ وہ اپنی امانتوں کا بہت خیال رکھتے ہیں اور اپنے وعدوں کی پابندی کرتے ہیں اور نماز کو مقرر وقتوں پر پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں، یہی لوگ آخر کامیاب ہوں گے، اور مرنے

کے بعد جنت الفردوس کے وارث ہوں گے، اور وہ بھی کچھ تھوڑی مدّت کے لئے نہیں ہے بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کا رہنا سہنا سب اسی میں ہوگا۔

ان آیتوں میں اسلام کا خلاصہ ذکر کر دیا گیا ہے اور اسلام پر چلنے والوں کے لئے کامیابی کا پکا وعدہ کیا ہے، کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ یہ مٹھی بھر آدمی جنہوں نے اسلام کے لئے ہجرت کی مدینہ میں پہنچتے ہی کیا سے کیا ہو جائیں گے، انہوں نے سوا اس کے کچھ نہیں کیا کہ دل وجان سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق چلنا شروع کر دیا۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ: جو اپنی امانتوں اور وعدوں کے پابند ہیں، امانت کے کئے معنیٰ ہیں، غسل، وضو، نماز، وغیرہ بھی امانت میں داخل ہیں، ان کی پابندی کرنا گویا امانت کا حق ادا کرنا ہے، اگر کسی کے کام میں شرکت کی ہے تو یہ بھی امانت ہے، کسی کے پاس وصیت رکھی ہے تو یہ بھی امانت ہے، کوئی راز کی بات ہے تو اسے فاش نہ کرو کہ یہ تمہارے پاس امانت ہے، اگر کسی سے کسی معاملہ میں کوئی وعدہ کیا ہے، تو اس کو پورا کرو، امانت میں خیانت کرنا منافقوں کا کام ہے، فرمایا: کامیابی اُن ایمان والوں کے حصے میں آئیگی جو اپنی امانتوں اور وعدوں کی رعایت کرنے والے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ: وہ مؤمن لوگ کامیاب ہیں جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، نماز کے لئے وقت کی پابندی، شرائط کی پابندی، طہارت کی پابندی، عاجزی انکساری وغیرہ نماز کی حفاظت کرنے والی بات ہے، انسان کی کامیابی کا دارومدار اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنے اور بندوں کا حق ادا کرنے میں ہے، نماز اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق درست کرنے کا ذریعہ ہے۔

جنت کے وارث

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ: جب جنت مانگو تو جنت الفردوس کا سوال کرو کہ یہ سب سے اعلیٰ مقام ہے، اللہ تعالیٰ کا عرش اسی جنت کے اُوپر ہے، اس جنت سے نہریں پھوٹتی ہیں جو دوسری جنتوں کو سیراب کرتی ہیں،

فرمایا: یہ لوگ اسی جنت الفردوس کے مالک ہوں گے، وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے، وہاں سے نہ نکلنے کا کوئی خطرہ، نہ رحمت چھن جانے کا کوئی ڈر ہوگا۔

وعدوں کا پورا کرنا امانت ہے، وعدہ ایک تو وہ ہے جو دو شخص آپس میں طے کریں، جسکو معاہدہ کہتے ہیں، اُسکا پورا کرنا ضروری ہے، اور کسی عذر کے بغیر اس کو پورا نہ کرنا اس کے خلاف کرنا دھوکا ہے، جو حرام ہے، دوسرا وہ جس کو وعدہ کہتے ہیں یعنی ایک شخص کسی سے کسی چیز کے دینے کا یا کسی کام کے کرنے کا وعدہ کر لے، اسکا پورا کرنا بھی لازم ہو جاتا ہے، حدیث میں ہے وعدہ ایک قسم کا قرض ہے، جیسے قرض کی ادائیگی ضروری ہے، ایسے ہی وعدہ کا پورا کرنا بھی ضروری ہے، کسی شرعی وجہ کے بغیر اسکے خلاف کرنا گناہ ہے، فرق دونوں قسموں میں یہ ہے کہ پہلی قسم کے پورا کرنے پر دوسرا آدمی اُسکو عدالت کے ذریعہ مجبور کرسکتا ہے جبکہ وعدہ کو پورا کرنے کے لئے عدالت کے ذریعے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

اللہ پر ایمان

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ

اور البتہ تحقیق پیدا کیا ہم نے انسان کو سے چنی ہوئی مٹی (۱۲) پھر کیا ہم نے اس کو

نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾

پانی کی بوند میں جمے ہوئے ٹھکانے (۱۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے آدمی کو چُنی ہوئی مٹی سے بنایا۔ (۱۲) پھر ہم نے اس کو پانی کی بوند کر کے ایک جمے ہوئے ٹھکانے میں رکھا۔ (۱۳)

لفظی تحقیق: سُلَالَةً: چنی ہوئی منتخب۔ اسم ہے، س۔ل۔ل سے "سَلٌّ" کے معنی کھینچنا، ڈھیر میں سے اپنے مطلب کی چیز چننا، جو چیز چُنی جائے اسے "سُلَالَة" کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آدم کو ساری مٹی میں سے اس کے مناسب اجزاء چُن کر بنایا، اب یہ آدمی کے اندر زمینی غذا سے پیدا ہوتے ہیں اور غذا میں مٹی میں سے آتے ہیں

۔پھر وہ نطفہ کی شکل میں ماں کے رحم میں پرورش پاتے ہیں "قَرَارٍ مَّكِيْنٍ" سے عورت کا رحم مراد ہے۔

تفسیر

اِن آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کی دو بیان فرمائی ہیں، اُس نے پہلے انسان، یعنی: حضرت آدم علیہ السلام کو براہِ راست مٹی سے پیدا کیا، جب کہ باقی نسل کو نطفہ سے پیدا کیا۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو حکم دیا کہ زمین کے ہر قسم کی مٹی سے چھانٹ کر مٹھی بھر مٹی لاؤ، حکم پر عمل کیا گیا تو اسی مٹی سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کا ڈھانچہ تیار کیا، پھر اُس میں روح پھونکی تو وہ جیتا جاگتا انسان بن گیا، زمین کی مٹی مختلف مقامات پر مختلف قسم کی ہے، کہیں ریتلی ہے اور کہیں چکنی، کوئی سفید ہے، کوئی سُرخ اور کوئی سیاہ، کوئی پتھریلی ہے اور کوئی بُھر بُھری، مٹی کی آہنی خصوصیات کی وجہ سے انسانوں میں بھی مختلف خصوصیات پائی جاتی ہیں، مختلف علاقوں میں مختلف رنگوں کے لوگ پائے جاتے ہیں، پھر ان کی طبیعتیں بھی مختلف ہوتی ہیں، کوئی خوش قسمت اور کوئی بدقسمت، کوئی نرم طبیعت اور کوئی سخت طبیعت، کوئی صلح کرنے والا، اور کوئی لڑاکا۔ گویا اس مٹی کا اثر انسانی اخلاق پر بھی پڑتا ہے اور اسی لئے مختلف لوگوں کی طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں، اگر چہ براہِ راست مٹی سے پیدائش صرف آدم علیہ السلام کی ہوئی تھی، لیکن جن غذاؤں کے استعمال سے انسان کی پرورش ہوتی ہے، اور جن سے نطفہ کا سلسلہ چلتا ہے، وہ ساری کی ساری غذائیں مٹی ہی کی پیداوار ہیں؛ اس لئے فرمایا کہ: ہم نے انسان کو چنی ہوئی مٹی سے پیدا کیا، اناج، پھل، سبزیاں وغیرہ جو انسان استعمال کرتے ہیں، وہ مٹی سے ہی اُگتی ہیں، لہذا اس لحاظ سے بھی انسان کی پیدائش مٹی سے ہی ہوتی ہے، گویا مٹی انسان کی اصل ہے، مرنے کے بعد پھر مٹی ہی میں جائے گا، اور قیامت کو دوبارہ اسی مٹی سے انسان کو اٹھایا جائے گا، مٹی میں فطرتی طور پر عاجزی پائی جاتی ہے، لہذا جو شخص نرم مزاج والا ہوگا، وہ دراصل اپنے اصل کی طرف لوٹنے والا ہوگا، جو کہ ایک اچھی صفت ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ: پھر ہم نے اُسے نطفہ کی شکل میں پکے ٹھکانے یعنی ماں کے

پیٹ میں رکھا، نطفہ شفاف پانی کو کہتے ہیں، جس میں کوئی میل کچیل یا کسی دوسری چیز کی ملاوٹ نہ ہو۔

پیدائش کے مرحلے

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا
پھر بنایا ہم نے نطفہ کو جما ہوا خون پھر بنایا ہم نے جمے ہوئے خون کو بوٹی پھر بنایا ہم نے

الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۚ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا
بوٹی کو ہڈیاں پھر پہنایا ہم نے ہڈیوں کو گوشت پھر اٹھا کھڑا کیا اسکو صورت میں

اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾
دوسری سو! بڑی برکت والا ہے اللہ بہترین سارے بنانے والوں سے (۱۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر ہم نے اس بوند سے جما ہوا خون بنایا، پھر اس جمے ہوئے خون سے گوشت کی بوٹی بنائی، پھر اس بوٹی سے ہڈیاں بنائیں، پھر ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر اس کو اٹھا کر کھڑا کیا ایک نئی صورت میں، اللہ تعالیٰ بڑی برکت والا ہے جو سب سے بہترین بنانے والا ہے۔ (۱۴)

تفسیر

نطفہ کے رحم کے اندر پڑنے کے بعد اس کی صورتیں آہستہ آہستہ بدلتی ہیں، اس کے بعد انسان کی پیدائش کا سلسلہ آتا ہے، کہ انسان جو غذائیں کھائے اس سے اسکے اندر نطفہ بنے، پھر وہ نطفہ ماں کے رحم میں جائے اور اس محفوظ مقام میں کچھ دن کے بعد جمے ہوئے خون کی شکل میں تبدیلی ہو، پھر یہ جما ہوا خون گوشت کی بوٹی بن جائے، پھر اس بوٹی سے ہڈیوں کا ڈھانچہ تیار ہو، پھر ان ہڈیوں کے اوپر گوشت چڑھے، اب انسان کا بدن تیار ہو گیا، اس کے بعد جان پڑے تو اس کی اور ہی صورت ہو جائے، پھر رحم سے باہر آئے اور بچپن سے لیکر بڑھاپے تک بدلتا

چلا جائے، یہ سب تبدیلیاں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اسی کے حکم سے ہوتی ہیں، جن میں اور کسی کا دخل نہیں، رحم میں یہ سارے مرحلے کم سے کم چھ مہینے میں اور زیادہ سے زیادہ دو سال میں طے ہو جاتے ہیں، یہ سارے انسانی پیدائش اور زندگی کے مرحلے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم اور اپنی قدرت سے مقرر کئے ہیں اور وہی ان میں سے ہر انسان کو گذارتا ہے؛ اس لئے وہی تعریف کا حقدار ہے، اس کے سوا کوئی نہ ایسے منصوبے تیار کر سکتا ہے اور نہ ایسی کاری گری سے کوئی جاندار چیز بنا سکتا ہے۔

زندگی کے بعد کے مرحلے

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿١٥﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

پھر یہ ہے کہ تم بعد اس کے البتہ مرنے والے ہو (۱۵) پھر یہ ہے کہ تم دن قیامت کے

تُبْعَثُوْنَ ﴿١٦﴾ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَ مَا كُنَّا

اٹھائے جاؤ گے (۱۶) اور البتہ تحقیق پیدا کئے ہم نے اوپر تمہارے سات آسمان اوپر تلے اور نہیں ہیں ہم

عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿١٧﴾

سے مخلوقات بے خبر (۱۷)

بامحاورہ ترجمہ: پھر اس کے بعد تم مرو گے۔ (۱۵) پھر تم زندہ کر کے قیامت کے دن کھڑے کئے جاؤ گے۔ (۱۶) اور ہم نے تمھارے اوپر سات راستے (آسمان) بنا دیئے ہیں اور ہم مخلوق سے بے خبر نہیں۔ (۱۷)

لفظی تحقیق: **طَرَآئِقَ**: راستے۔ طریقہ کی جمع ہے، یہاں طرائق سے مراد آسمان ہیں جو سیاروں کے گھومنے اور فرشتوں کے آنے جانے کے راستے ہیں اور ایک دوسرے کے اوپر تلے ہیں۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جب تمہاری دنیا کی عمر ختم ہو جائے گی، موت سے کوئی انسان بچنے والا نہیں، کبھی نہ کبھی ہر ایک کو مرنا ہے، اس کے بعد کچھ مدت اسی موت کی حالت میں گذرے گی، پھر قیامت کا دن آجائے گا، اور تم سب کے سب پھر زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے اور دنیا میں جو کام کئے تھے ان کا پھل تمھیں ملے گا، اب تم اس پر غور کرو کہ اس دنیا میں تمہاری زندگی کچھ مدّت تک قائم رکھنے کے لئے کیا کیا سامان کئے گئے ہیں، اور پھر اللہ تعالیٰ کو پہچانو، کیونکہ اُس کے سوا یہ سب سامان کوئی اور پیدا نہیں کر سکتا، تمہارے سر کے اوپر سات آسمان اوپر تلے بنائے، یاد رکھو!

اس ساری کائنات کے بنانے والے ہم ہیں، ہم مخلوق کے نظام سے پوری طرح باخبر ہیں۔

وَ مَا کُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِیْنَ: اور ہم اپنی مخلوق سے غافل نہیں ہیں، یہ سب کچھ پیدا کر کے اُسے ویسے ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس کی مسلسل دیکھ بھال بھی کرتے ہیں اور ہر مخلوق کے لئے اُس کے حال کے مناسب سامان بھی مہیا کرتے ہیں، یہ ہمارے علم وحکمت میں ہے کہ کس کو کیا چیز کس وقت میں دینی ہے اور کس سے کیا چیز کب روکنی ہے، جس نے سب کچھ پیدا کیا ہے، وہ اپنی مخلوق سے غافل نہیں ہے۔

بارش کا برسانا اور باغات کا اُگانا

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ ۖ وَ
اور اتارا ہم نے سے آسمان پانی ساتھ اندازہ کے پھر ٹھہرایا ہم نے اسے میں زمین اور

اِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ
تحقیق ہم پر لے جانے اسکے البتہ قدرت رکھتے ہیں (۱۸) پس اُگائے ہم نے لئے تمہارے سے اس باغات

مِّنۡ نَّخِيۡلٍ وَّ اَعۡنَابٍ ۘ

کھجور کے اور انگور کے

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے آسمان سے پانی ناپ کر اُتارا، پھر اس کو زمین پر ٹھہرا دیا، اور ہم اس کے لے جانے پر بھی قادر ہیں۔ (۱۸) پھر اس سے تمہارے واسطے باغ اُگا دیئے کھجور اور انگور کے۔

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بنایا، اس کے لئے زمین بنائی، آسمان بنائے، انسان کی پیدائش تو شروع سے لے کر آخر تک خاص طور پر اس کی قدرت کی نشانیوں سے مالا مال ہے، ان نشانیوں کا ذکر پہلی آیتوں میں ہوا، پھر انسان کو پیدا کر کے اسے بے بسی کی حالت میں نہیں چھوڑ دیا، بلکہ اس کی زندگی اس دُنیا میں جتنی بھی ہو قائم رکھنے کا سامان مہیا کر دیا۔

ارشاد ہے کہ: ہم نے آسمان سے پانی برسایا، تا کہ زمین پانی سے سیراب ہو اور پانی کو ایسے اندازہ سے اتارا کہ زمین کی خشکی دُور کرنے کے لئے کافی ہو، نہ اتنا زیادہ کہ ڈوب جائے اور نہ اس قدر کم کہ دھول اُڑنے لگے، غور کرو کہ! یہ پانی زمین کی سیرابی اور سرسبزی کے لئے کتنی ضروری چیز ہے۔

ارشاد ہے کہ: اگر ہم پانی مناسب اندازہ سے نہ برساتے تو سوچو کہ زمین کا کیا حال ہوتا، زمین پر رہنا مشکل ہو جاتا حیوانات ڈھونڈے نہ ملتے یہ ہم ہی ہیں کہ بارش برسا کر ہر شے کو تر و تازہ کرتے ہیں، دیکھو! یہ پانی ہی کی برکت ہے کہ زمین میں طرح طرح کی سبزیاں، میوے، پھل، ترکاریاں اُگنے لگیں، کھجوروں اور انگوروں کے باغ کے باغ لگ گئے، انسان اور حیوان دونوں کے وارے نیارے ہو گئے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ: ''سَمَآءِ'' سے مراد صرف بادل نہیں جو بارش کا ذریعہ بنتے ہیں، بلکہ اس سے یہ بھی مراد ہے کہ بارش کا حکم اُوپر سے آتا ہے تو بارش برستی ہے ورنہ نہیں، اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یعنی: تمہاری روزی آسمان میں ہے، وہاں سے حکم آتا ہے تو روزی ملتی ہے اسی طرح جب اُوپر سے

اللہ تعالیٰ کا حکم آتا ہے تو بارش بھی ہوتی ہے، تو فرمایا: ہم نے آسمان کی طرف سے پانی اتارا، اور یہ بھی ایک خاص اندازے کے ساتھ اتارنا ہوتا ہے، نہ کہ بے تحاشا جس قدر اللہ تعالیٰ کی مصلحت ہوتی ہے اس کے مطابق بارش ہوجاتی ہے، بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی مصلحت میں ضرورت سے زیادہ بارش ہوتی ہے، جس کی وجہ سے سیلاب آکر نقصان کا باعث بھی بنتے ہیں، بہرحال بارش برسانے کے مقام، وقت اور مقدار اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔

دراصل ہر چیز کے خزانے اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں، جیسے فرمایا: ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم انہیں ایک خاص اندازے کے مطابق اُتارتے ہیں، بارش کا خزانہ بھی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اور وہ اُسے اپنی حکمت کے مطابق بارش برساتے ہیں۔

وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ: اور ہم پانی کو کہیں دور لے جانے پر بھی قادر ہیں، جب اللہ تعالیٰ کو اس پانی کے ذریعے انسان کی مصلحت منظور ہوتی ہے، تو وہ اسے زرخیز زمین پر برساتا ہے، جس سے پھل، پھول، اور اناج، پیدا ہوتے ہیں، پہاڑوں سے چشمے اور ندی نالے جاری ہوتے ہیں جو سارا سال پانی کی ضروریات پوری کرتے رہتے ہیں، اور جب اُسے منظور نہیں ہوتا تو ایسی چٹانوں پر بارش برساتا ہے، کہ کسی کا کچھ فائدہ نہیں ہوتا، وہ زمین کے اندر اتنی دور چلا جاتا ہے، کہ اس کا نکالنا مشکل ہوجاتا ہے۔

فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ: اسکے ذریعے ہم نے تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کئے، جب پانی میسّر آتا ہے، تو سبزہ، درخت اور اناج پیدا ہوتا ہے، یہاں پر اللہ نے باغوں کا ذکر کیا ہے اور اُن میں بھی خاص طور پر کھجور اور انگور کا ذکر کیا، کیونکہ یہ دونوں پھل انسان کیلئے ہی کارآمد ہیں۔ کھجور ایک درخت ہے، جس کا پھل جلدی خراب نہیں ہوتا اور یہ سارا سال بطور غذا استعمال ہوسکتا ہے، صحرائی علاقوں میں غذا کا سب سے بڑا ذریعہ کھجور ہی ہے، اسی طرح انگور بھی بڑی کارآمد چیز ہے، اس کا رس نکال کر پینے کا کام آتا ہے اور خشک کرکے کھانے کے کام آتا ہے، اس کے استعمال سے جسم میں خون پیدا ہوتا ہے، جو انسانی زندگی کا لازمی جزو ہے، انسانی جسم کے لئے شکر بھی نہایت ضروری ہے اور انگور شکر کی بہترین قسم مہیا کرکے انسان

کو تندرست وتوانا رکھتا ہے، گرم ممالک کا انگور زیادہ میٹھا نہیں ہوتا، البتہ سرد علاقوں کا انگور بہت میٹھا ہوتا ہے، ہمارے ہاں! افغانستان، روس اور ایران کا انگور کمال درجے کا میٹھا ہوتا ہے، بہر حال! یہ دونوں پھل نہایت فائدمند ہیں؛ اس لئے یہاں پر خاص طور پر ان دونوں ذکر کیا گیا ہے۔

میوے

لَكُمْ فِيهَا فَوَاكِهُ كَثِيرَةٌ وَّ مِنْهَا تَأْكُلُوْنَ ⑲ وَ شَجَرَةً تَخْرُجُ

لئے تمہارے میں اس میوے ہیں بہت اور اسی میں سے تم کھاتے ہو (۱۹) اور ایک درخت جو نکلتا ہے

مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَ صِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ⑳ وَ اِنَّ

سے پہاڑ سیناء کے اُگتا ہے وہ ساتھ تیل کے اور سالن کے واسطے کھانے والوں کے (۲۰) اور تحقیق

لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ

لئے تمہارے میں چوپایوں البتہ سوچنے کی بات ہے

بامحاورہ ترجمہ: تمہارے واسطے ان میں بہت میوے ہیں اور انہی میں سے تم کھاتے ہو۔ (۱۹) اور وہ درخت جو سیناء پہاڑ سے نکلتا ہے اور اُگتا ہے تیل لئے ہوئے اور کھانے والوں کے لئے سالن لئے ہوئے۔ (۲۰) اور تمہارے لئے چوپایوں میں سوچنے کی بات ہے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: مینہ برسنے سے زمین قسم قسم کے کھیتیوں اور باغوں سے بھر جاتی ہے، اُن کھیتیوں اور باغوں میں تمہارے لئے میوے، بہت زیادہ ہیں، جنہیں تم مزہ لینے کے لئے اور دل خوش کرنے کے لئے کھاتے ہو اور انہی میں غلے بھی ہیں جنہیں تم غذا کے طور پر استعمال کرتے ہو، جن میں زیتون ایک درخت ہے، وہ کوہِ طور میں بہت زیادہ پیدا ہوتا ہے، اس کے اندر تیل بھی ہوتا ہے، اس میں سالن کی طرح روٹی ڈبو کر بھی کھاتے ہیں، اور یہ سر

اور بدن پر ملنے کے لئے روغن کا کام بھی دیتا ہے۔

زیتون کے درخت کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا کہ جس ملک میں یہ پیدا ہوتا ہے وہاں اس سے بہت کام لیتے ہیں اور اس کے فائدے ویسے ہی ہیں جیسے ناریل کے درخت کے ہیں اسی طرح ہر ملک میں کوئی نہ کوئی درخت ایسا ہوتا ہے، جس سے ملک والے مختلف قسم کے فائدے اٹھاتے ہیں، اس کا کچا پھل میوے کے طور پر کھاتے ہیں، ریشوں سے رسیاں بناتے ہیں، پھل سوکھ جائے تو اس کا تیل نکالتے ہیں۔

انسان کو بتایا جارہا ہے کہ زمین سے اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے پھل، پھول، میوے، غلّے، گھاس اور بہت سی چیزیں پیدا کیں، انسان سوچے تو فوراً اللہ کو مان جائے اور اس کا شکرادا کرے۔

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ ان چیزوں کا زمین سے پیدا کرنا سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کے بس کا نہیں، اسی طرح مویشی اور دوسرے جانوروں میں بھی سوچنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی نشانیاں صاف نظر آتی ہیں۔

وَ شَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ: ہم نے پانی کے ذریعے زیتون کا درخت پیدا فرمایا: جو طور سیناء میں بہت زیادہ پیدا ہوتا ہے، یہ اگرچہ دوسرے مقامات پر بھی ملتا ہے مگر اس کا اصل وطن طور سینا، یعنی: شام و فلسطین کی زمین ہے، اس علاقے کی زمین اس درخت کے لئے زیادہ مناسب ہے، اسی لئے یہ درخت وہاں پر پھل بھی زیادہ دیتا ہے، اس درخت کی خصوصیّت ہے کہ اس سے تیل بھی نکلتا ہے، زیتون میں تیل بہت موجود ہوتا ہے، جو کہ دوائی اور غذائی لحاظ سے استعمال کیا جاتا ہے، کئی ایک بیماریوں میں اس تیل کی مالش بہت فائدہ دیتی ہے، اور مشرقِ وسطیٰ کے اکثر ملکوں میں کھانا پکانے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، گویا یہ تیل گھی کا کام بھی دیتا ہے، اس کے علاوہ یہ کھانے والوں کے لئے سالن کا کام بھی دیتا ہے، تاہم جن علاقوں میں زیتون زیادہ ہوتا ہے وہاں لوگ اس میں روٹی ڈبو کر کھاتے ہیں، غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے یہ عجیب وغریب قسم کا درخت پیدا کیا ہے، جس کا پھل بھی کھایا جاتا ہے اور اس کا روغن بھی مختلف طریقوں سے استعمال ہوتا ہے۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً: بیشک تمہارے لئے چوپایوں میں عبرت، یعنی: نصیحت کا سامان

ہے، یہ جانور مختلف طریقوں سے تمہاری خدمت کرتے ہیں، تم نہ صرف ان کے بال، کھال، اُون اور گوشت استعمال کرتے ہو بلکہ بعض سواری اور بوجھ لادنے کے کام بھی آتے ہیں، اور سینگ وغیرہ سب مفید چیزیں ہیں اور انسانوں کے کام آتی ہیں۔

حیوانات

نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّ مِنْهَا

پلاتے ہیں ہم تم کو　سے اس چیز میں جو ان کے پیٹوں میں ہے اور　لئے تمہارے　میں ان　فائدے ہیں　بہت　اور　میں سے ان

ع ٢٢　تَأْكُلُوْنَ ﴿٢١﴾ وَ عَلَيْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿٢٢﴾

تم کھاتے بھی ہو(٢١)　اور　اوپر ان کے　اور　پر　کشتیوں کے　سوار ہوئے پھرتے ہو(٢٢)

بامحاورہ ترجمہ: ہم تمہیں پلاتے ہیں وہ چیز جو ان کے پیٹوں میں بنتی ہے اور تمہارے لئے ان میں بہت فائدے ہیں اور بعض کو کھاتے بھی ہو۔(٢١) اور ان پر اور کشتیوں پر لدے پھرتے ہو۔(٢٢)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جس طرح زمین میں سے تمہارے لئے سبزیاں میوے اُگائے اسی طرح چوپائے جانوروں کو تمہارا فرمانبردار کردیا کہ ان سے تم فائدے اٹھاؤ، زمین کے جانوروں کے لئے گھاس اور چارہ پیدا کردیا کہ وہ پیٹ بھر کر کھائیں، اور پھر ان کی غذا کے ایک حصہ کا ان کے اندر سے دودھ بن کر نکلے، جو تم خوب پیو، یہ ان کے اندر دودھ پیدا کرنے کا انتظام بھی ہم ہی نے کیا ہے، کسی اور کے بس کا ہرگز نہیں کہ جانوروں کی غذا کے ایک حصے کو دودھ میں تبدیل کردے، اور پھر ان کو تمہارا فرمانبردار کردے، تاکہ اس دودھ کو ان تھنوں میں سے نکالو، خود پیو، بچوں کو پلاؤ، مہمانوں کی خاطر تواضع کرو، پھر جانوروں سے صرف دودھ ہی کا فائدہ نہیں، بلکہ بعض جانوروں کو تمہارے لئے حلال بھی کردیا کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کرو اور ان کے گوشت کو

غذا کے طور پر پکا کر کھاؤ۔

اس کے علاوہ جانوروں سے تم اور بھی کام لیتے ہو، خشک زمینی راستوں میں ان پر سوار ہو کر ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہو اور اپنے سامان کو اِدھر سے اُدھر لاد کر لے جاتے ہو، اگر بیچ میں دریا یا سمندر آجائے تو پھر کشتیوں میں چڑھ کر اس کے پار کرنے کا انتظام بھی ہم نے کر دیا جن میں تم اپنا سامان بھی لاد سکتے ہو، اور خود بھی آرام سے بیٹھ کر اِدھر سے اُدھر جا سکتے ہو۔

اس کے بعد پھر جانوروں پر اپنا سامان لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکتے ہو، غرض چوپائے جانور تمہارے ہر طرح کے کام آتے ہیں، ان میں سے جو حلال ہیں ان کا دودھ پیو، ان کا گوشت غذا کے طور پر کھاؤ اور خشکی میں ان سے سواری اور سامان اٹھانے کا کام لو، اسی طرح جیسے دریاؤں میں کشتیوں سے کام لیتے ہو۔

نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا: ہم تمہیں مویشیوں کے پیٹوں سے ایک عمدہ چیز پلاتے ہیں جو گوبر اور خون کے درمیان سے گزرتی ہے اور یہ خالص دودھ ہے جو نہایت خوشگوار ہے، اللہ تعالیٰ نے جانوروں کے پیٹ کے اندر ایسا مِلک پلانٹ لگا دیا ہے، جس کے متعلق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی ہے: یعنی: دودھ کے قائم مقام دنیا میں کوئی چیز نہیں ہے، جو کھانے اور پینے دونوں کے لئے کفایت کرے (ترمذی: ص/ ۵۸۲)، یہ ایسی بے مثال چیز ہے ایک وقت میں دو چیزوں کھانے اور پینے کا کام دیتی ہے، خود جانوروں کے بچے کچھ عرصہ تک اسی دودھ پر گزارہ کرتے ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس شخص کو اللہ تعالیٰ دودھ کی نعمت عطا کرے اسے یوں دُعا کرنا چاہئے: اے اللہ! اس میں ہمارے لئے اضافہ فرما، دوسری نعمتوں کے متعلق حکم ہے کہ اس کا شکر ادا کرو اور ساتھ دُعا کرو کہ اے اللہ! ہمیں اس سے بہتر نعمت عطا فرما، مگر دودھ میں صرف اضافہ کی دُعا ہے، کیونکہ اس سے بہتر کوئی چیز نہیں، جس طرح مصنوعی گھی اصل گھی کا بدل نہیں اسی طرح مصنوعی دودھ بھی خدا کے پیدا کردہ دودھ کا بدل نہیں۔

وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَأْكُلُوْنَ: تمہارے لئے ان جانوروں میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں، اُن کی کھال، اُون، پشم، ہڈیاں، چربی اور سینگ وغیرہ سب فائدہ مند چیزیں ہیں، اور انسانوں کے

کام آتی ہیں، نیز: تم اِن میں سے کھاتے بھی ہو، یعنی: اِن کا گوشت تمہاری خوراک کا حصہ ہے، اور جنہیں انسانی صحت کے ساتھ خصوصی مناسبت ہے۔

وَ عَلَيْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ: اور بعض جانور ایسے ہیں جو سواری کا کام دیتے ہیں، اسی طرح کشتیاں بھی تمہارے لئے سامان لادکر دوسری جگہ جانے کا ذریعہ ہیں، جانوروں میں اونٹ، گھوڑا، خچر، گدھا، بیل وغیرہ ایسے جانور ہیں، جو پرانے زمانے سے سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے لئے استعمال ہو رہے ہیں، اگرچہ سائنسی دور میں اب تیز ترین سواریاں بھی ایجاد ہو چکی ہیں، مگر قرآن پاک کے اترنے کے زمانے میں یہی سواریاں تھیں، جن کا ذکر کیا گیا ہے، بعض دُور دراز علاقوں میں اب بھی یہی سواریاں کام دیتی ہے، اس زمانے میں بادبانی کشتیاں ہوتی تھیں جو سواری کرنے اور سامان لادنے کا کام دیتی تھیں یہ کشتیاں ہوا کے رُخ پر چپوؤں کے ذریعے چلتی تھیں، اِن پر بڑے بڑے بادبان (یعنی: کپڑے) باندھ دیئے جاتے تھے، جن میں ہوا بھرنے اور ٹکرانے سے سامان سے لدی ہوئی کشتیاں چلتی تھیں، مگر اب سمندری سواریوں کے لئے موٹر لانچیں اور بڑے بڑے جہاز ایجاد ہو چکے ہیں جو تیز رفتار بھی ہیں اور لاکھوں ٹن سامان ایک ملک سے دوسرے ملک لے جاتے ہیں، یہ تو اس زمانے کی بات ہے ہوسکتا ہے کہ آئندہ زمانے میں اس سے بھی مفید سواریاں ایجاد ہو جائیں جن سے آج ہم ناواقف ہیں۔

نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا

اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے نوح کو طرف قوم اس کی کے پس کہا اس نے اے قوم میری عبادت کرو اللہ کی نہیں

لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ

لئے تمہارے کوئی معبود سوا اس کے کیا پس نہیں ڈرتے تم (۲۳) پس کہا سرداروں نے جو

كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ

کافر تھے سے قوم اس کی نہیں یہ مگر ایک آدمی تم ہی جیسا چاہتا ہے کہ بڑا بن بیٹھے پر تم

با محاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے نوح کو اس کی قوم کے پاس بھیجا، تو اس نے کہا اے قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، کیا تم ڈرتے نہیں؟ (۲۳) تب وہ سردار جو کافر تھے اس کی قوم میں بولے یہ کیا ہے؟ بس! تمہارے جیسا ایک آدمی ہی تو ہے وہ چاہتا ہے کہ تم پر بڑا بن جائے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ہم نے نوح علیہ السلام کو اس وقت کے انسانوں کی ہدایت کرنے کے لئے اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا، تا کہ اپنی قوم کو سمجھائے، کہ عبادت ایک اللہ تعالیٰ کی کرنی چاہئے، جس نے آسمان وزمین بنائے، انسان کو پیدا کیا اور اس میں نیکی اور بدی کے پہچاننے کی صلاحیت رکھی۔

اس کے سوا کوئی معبود بننے کے قابل نہیں، ان کی قوم خواہشوں اور خود غرضیوں کی دلدل میں پھنسی ہوئی تھی، قوم کے بڑے بڑے لوگوں نے عوام سے کہا کہ نوح علیہ السلام کا کہنا مت مانو، ان بڑے لوگوں کے نزدیک آدمی سوا اس کے کہ اپنے فائدے کی ہی سوچے اور کچھ کر ہی نہیں سکتا تھا، دلوں میں یہی خیال جم کر رہ گیا تھا کہ آدمی فقط خود غرض ہی ہو سکتا ہے؛ اس لئے انہوں نے کہا کہ نوح علیہ السلام یہ نئی بات اس لئے کہتا ہے کہ خود تم سب کا بڑا بن کر بیٹھے۔

اِس کے سوا اُس کا اور کوئی مقصد نہیں ہو سکتا، دیکھتے نہیں کہ یہ تم ہی جیسا آدمی ہے تم جانتے ہو کہ جو آدمی کوئی نئی بات کہتا ہے اپنی غرض کے لئے کہتا ہے، یہ ہمیں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے لئے کہتا ہے تو اس لئے کہ تم سب اسی کی سی کہنے لگو اور یہ تمہارے سروں پر سردار بن کر بیٹھ جائے۔

غلط خیال

وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚۖ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْٓ اٰبَآئِنَا

اور اگر چاہتا اللہ ضرور اتارتا فرشتے نہیں سنی ہم نے یہ بات سے باپ دادوں اپنے

الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۴﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِیْنٍ ﴿۲۵﴾

پہلوں کے (۲۴) نہیں وہ مگر ایک آدمی جس کو جنون ہے پس انتظار کرو ساتھ اس کے کچھ مدت (۲۵)

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾

بولا اے رب! مدد کر میری اس پر کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا (۲۶)

بامحاورہ ترجمہ: اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو فرشتے اتارتا، ہم نے اپنے پہلے باپ دادوں سے یہ کبھی نہیں سنا۔ (۲۴) اور کچھ نہیں یہ ایک مرد ہے جسے جنون ہوا ہے، سو! اس کا ایک وقت تک انتظار کرو۔ (۲۵) نوح علیہ السلام بولے اے میرے رب! میری مدد کر کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا۔ (۲۶)

لفظی تحقیق: جِنَّةٌ: جنون۔ یہ لفظ: ج۔ن۔ن سے بنا ہے۔ اس مادہ کے معنی چھپانے کے ہیں۔ "جِنَّةٌ" جس آدمی کی سمجھ میں کچھ خلل آ گیا ہو، اس کی جو حالت ہو جاتی ہے اس کو "جِنَّةٌ" کہا جاتا ہے۔ یعنی: جنون کی حالت، ایسے شخص کو مجنون کہتے ہیں۔

تفسیر

نوح علیہ السلام کی قوم کے بڑوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کو پیغمبر بھیجنا ہوتا تو کسی فرشتہ کو بھیجتا، آدمی اگر اور آدمیوں کے خلاف کہے تو ضرور وہ پاگل ہے، ہم کیسے مان لیں کہ جو باتیں باپ دادا سے چلی آ رہی ہیں، وہ غلط ہیں اور جو نوح علیہ السلام کہے وہ صحیح ہے، اپنے بڑوں سے ہم نے ایسی بات کبھی نہیں سنی، جو یہ کہتا ہے ضرور اس کی عقل میں خرابی ہے، اسے تھوڑے دن مہلت دو، شاید اس کا دماغ درست ہو جائے، نوح علیہ السلام نے جب یہ سنا تو دعا کی کہ اے

میرے رب! یہ تو مجھے جھوٹا سمجھتے ہیں آپ میری مدد کریں کہ ان سے نجات پاؤں اور یہ مجھے کچھ تکلیف نہ پہنچا سکیں۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ: اور البتہ تحقیق ہم نے نوح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا، آپ نے سب سے پہلے قوم کو توحید کی دعوت دی، کہنے لگے، اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو، اُسی سے اپنی مشکل کشائی اور حاجت روائی کی اُمید رکھو، وہی تمہاری ضرورتوں کو پورا کرنے والا ہے، لہٰذا عبادت بھی اُسی کی کرو، اور اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، عبادت کے لائق صرف وہی ذات ہے، کیا تم ڈرتے نہیں؟ تمہیں خوف نہیں آتا کہ قیامت والے دِن اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دو گے۔

قوم کا جواب

قوم کے سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا کہنے لگے، یہ شخص تمہارے جیسا ہی ایک انسان ہے جو تمہیں ایک خدا کی طرف بلا رہا ہے، اس کی ساری تبلیغ کا مقصد یہ ہے کہ یہ شخص تم پر برتری حاصل کرنا چاہتا ہے، ہم اس پیغمبر کو نہیں مانتے، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو پیغمبر بنانا چاہتا تو اپنے فرشتوں کو بنا کر بھیجتا۔

ان کا اعتراض یہ تھا کہ انسان پیغمبر نہیں ہوسکتا، اور کہنے لگے کہ ہم نے تو اپنے پہلے باپ دادوں سے یہ بات نہیں سنی کہ کوئی انسان بھی خدا کا پیغمبر ہوسکتا ہے، کہنے لگے بات یہ ہے کہ یہ شخص تو مجنون معلوم ہوتا ہے، جو اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھا ہے اور اس قسم کی باتیں کر رہا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام لمبے عرصے تک قوم میں تبلیغ کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے رہے مگر قوم نے آپ کی بات نہ مانی، آخر ساڑھے نو سو سال تک تبلیغ کے بعد اللہ کے نبی اللہ تعالیٰ سے بدعا کی اور کہنے لگے: اے میرے رب! میری مدد فرما اس وجہ سے کہ ان لوگوں نے مجھے جھٹلایا ہے۔

کشتی بنانے کا حکم

فَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَ وَحْیِنَا فَاِذَا

پس وحی کی ہم نے طرف اس کی کہ بنا تو کشتی سامنے آنکھوں ہماری کے اور ہماری وحی کے مطابق پس جب

جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ

آ جائے حکم ہمارا اور ابلنے لگے تنور پس چلا میں اس سے ہر چیز جوڑے

اثْنَیْنِ وَ اَهْلَكَ

دودو اور اپنے گھر کے آدمی

بامحاورہ ترجمہ: پھر ہم نے اسے حکم دیا کہ ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے حکم سے کشتی بنا، پھر جب ہمارا حکم (عذاب کا) پہنچے اور تنور اُبل پڑے تو آپ کشتی میں سوار کر دینا ہر چیز کا جوڑا، اور اپنے گھر کے لوگوں کو بھی۔

تفسیر

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی، سرکش لوگوں کو نیچا دکھانے کا فیصلہ ہو گیا، اللہ تعالیٰ کی قدرت جوش میں آئی۔

ارشاد ہے کہ: ہم نے نوح علیہ السلام کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ کشتی تیار کرو ہم آپ کی نگرانی کر رہے ہیں اور آپ کا کام دیکھ رہے ہیں، موقعہ بہ موقعہ آپ کو وحی کے ذریعے سمجھاتے جائیں گے کہ کشتی کتنی لمبی چوڑی ہو، اور کون سی چیز کہاں کہاں بنائی جائے، عنقریب سخت طوفان آنے والا ہے، اور تنور اُبلنے لگے گا، آسمان سے لگاتار مینہ برسے گا، اس سرزمین پر کوئی جاندار نہ بچے گا، مگر وہی جو تیری بنائی ہوئی کشتی میں سوار ہو جائیں گے، طوفان کے شروع ہونے کی نشانی یہ ہوگی کہ تنور سے پانی جوش مار کر نکلنا شروع ہو جائے گا۔ (تنور اس

بھٹی کو کہتے ہیں جس میں روٹی پکائی جاتی ہے) یہ نشانی دیکھتے ہی ہر جانور کا ایک جوڑا نر اور مادہ کشتی پر چڑھا لینا اور اپنے سارے گھر والوں کو اس میں سوار کر لینا اور جو نہ بیٹھے اسے چھوڑ دینا۔

یہ قصہ قرآن مجید میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے، تاکہ انسانوں کے کانوں میں یہ بات بار بار پڑتی رہے، اور ہر انسان کے دل میں یہ بات اچھی طرح بیٹھ جائے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی مخالفت کرنے والے ہر زمانے میں بری طرح تباہ ہوئے، اگرچہ انہیں مہلت ملتی رہی لیکن انہوں نے ہمارے پیغمبروں کا کہنا نہ مانا۔

ڈوبنے سے نجات

اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَ لَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ
مگر وہ کہ پہلے ہو چکا پر اس حکم میں سے ان اور مت کہنا مجھ سے بارے میں ان کے

ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿٢٧﴾ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَ مَنْ
جنہوں نے ظلم کیا تحقیق وہ ڈوبنے والے ہیں (۲۷) پس جب بیٹھ چکے آپ اور جو

مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰنَا مِنَ
ساتھ ہیں تیرے پر کشتی پس کہہ شکر اللہ کا جس نے نجات دی ہمیں سے

الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٨﴾
قوم ظالم (۲۸)

با محاورہ ترجمہ:۔ پس وہ جس کی قسمت میں پہلے سے غرق ہونا لکھا جا چکا ہے اور مجھ سے ان ظالموں کے واسطے بات مت کرنا، بے شک انہیں ڈوبنا ہے۔ (۲۷) پس! جب تو اور تیرے ساتھی کشتی میں چڑھ جائیں تو کہہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے بچایا۔ (۲۸)

لفظی تحقیق: اِسْتَوَيْتَ: تو چین سے بیٹھ جائے۔ ماضی کا صیغہ "اِسْتَوَاءٌ" سے جو: س۔ و۔ ی سے بنا ہے، "سَوَاءٌ" برابر۔ "اِسْتَوَاءٌ" اطمینان سے بیٹھ جانا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ہم نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا، جب زمین سے پانی اُبلنے لگے تو کشتی میں ہر جانور کا ایک ایک جوڑا اٹھالینا اور اپنے سارے گھر والوں کو بھی سوار کر لینا، مگر کچھ ان میں سے ایسے بھی ہیں جو تیرے کہنے سے کشتی میں نہ بیٹھیں گے اور خیال کریں گے کہ ہم اِدھر اُدھر اونچی جگہوں پر چڑھ کر ڈوبنے سے بچ جائیں گے، لیکن یہ ان کا غلط خیال ہے، ان کی قسمت میں ڈوبنا ہی لکھا ہے، کوئی کشتی میں بیٹھے بغیر ڈوبنے سے نہیں بچ سکتا، جو لوگ ظلم وستم اور بدکاریوں کے عادی رہے ہیں، ان ظالموں کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا ان کی سفارش نہ کرنا، ان کی بابت فیصلہ ہو چکا ہے کہ وہ ڈوب کر رہیں گے۔

جب تو اور تیرا کہنا ماننے والے کشتی میں چین سے بیٹھ جائیں، تو پھر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنا اور اس کا شکر ادا کرنا اور کہنا شکر ہے اللہ نے ظالموں سے ہمیں بچالیا اور غرق ہونے کے عذاب سے محفوظ رکھا۔

وَ لَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا: اور میرے ساتھ ان لوگوں کے متعلق بات نہ کرنا جنھوں نے ظلم کیا ہے، کیونکہ وہ تو لازماً پانی میں ڈبوئے جانے والے ہیں، یہ نافرمان اللہ تعالیٰ کے عذاب میں مبتلا ہو کر رہیں گے، لہٰذا ان کے بارے میں مجھ سے کوئی سفارش نہ کرو۔

جب تم اور تمہارے ساتھی اس کشتی میں سوار ہو جاؤ، ساتھیوں میں تمام اہل ایمان اور گھر والے تھے جن کی تعداد ستر (٧٠) اور اسی (٨٠) کے درمیان بتائی جاتی ہے۔

تو پھر اس طرح کہنا سب تعریفیں اُس اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے ہمیں اس ظالم قوم سے نجات دی، اللہ نے ان سے ایمان والوں کو بچالیا، اس واقعہ کی بہت سی تفصیل "سورۃ اعراف، سورہ ھود، سورہ نوح" اور دوسری سورتوں میں موجود ہیں، تاہم اس مقام پر مختصر بیان ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا

وَ قُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ

اور کہہ اے رب میرے! اتارنا مجھ کو اتارنا برکت والا اور آپ بہترین اتارنے والوں میں (۲۹) تحقیق

فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ وَّ اِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ ﴿۳۰﴾

میں اس البتہ نشانیاں ہیں اور بے شک ہم ہیں آزمائش کرنے والے (۳۰)

بامحاورہ ترجمہ: آپ کہیں اے میرے رب! مجھے برکت والی جگہ پہ اُتارنا اور آپ بہترین اُتارنے والے ہیں۔ (۲۹) بے شک اس میں نشانیاں ہیں اور ہم ہیں آزمائش کرنے والے۔ (۳۰)

لفظی تحقیق: مُنْزَلٌ: اتارنا۔ انزول کا مصدر میمی ہے۔

تفسیر

حضرت نوح علیہ السلام کو ارشاد ہے کہ: کشتی میں آرام سے بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا کہ اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات دی، اس کے بعد یہ دعا کرنا کہ اے اللہ! اس کشتی سے ہمیں خشکی میں عافیت سے اتارنا، آپ سے بہتر ہماری بھلائی کا انتظام کرنے والا کوئی نہیں ہوسکتا، آپ ہی ہمیں کشتی میں جب تک رہنا ہو آرام و آسائش سے رکھنا اور جب اترنے کا وقت آئے تو آپ ہی اس طرح اتارے کہ ہمیں کوئی تکلیف نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ہی نے نوح علیہ السلام کو یہ دعا سکھائی، اور پھر اپنی رحمت سے اسے قبول فرمایا، کشتی والوں کو نہ کشتی میں کوئی تکلیف ہوئی اور نہ اس سے اُترتے وقت کوئی پریشانی۔

پھر ارشاد ہے کہ: اس قصہ میں سننے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں، ہم یہ نشانیاں بیان کر کے اور لوگوں کو بھی آزماتے ہیں کہ کون ان سے نصیحت حاصل کر کے ٹھیک طریقہ اختیار کرتا ہے، اور کون انہیں بھلا دیتا ہے۔

ایک اور قوم

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿٣١﴾ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا

پھر پیدا کیا ہم نے سے بعد ان کے ایک گروہ دوسرا (۳۱) پھر بھیجا ہم نے میں ان ایک پیغمبر

مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٣٢﴾ ع ۲ ۲

میں سے انہی کہ عبادت کرو اللہ کی نہیں لئے تمہارے کوئی معبود سوا اس کے کیا نہیں بچتے تم (برائی سے) (۳۲)

با محاورہ ترجمہ:۔ پھر ہم نے ان کے پیچھے ایک اور امت پیدا کی۔(۳۱) پھر ہم نے ان میں ایک پیغمبر انہی کا بھیجا کہ اللہ کی بندگی کرو اور اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں پھر کیا تم ڈرتے نہیں۔(۳۲)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ان لوگوں کی تباہی کے بعد پھر ایک اور امت پیدا ہوئی اور انہیں بھی بدمستیاں سوجھیں، ہم نے انہی میں ایک آدمی کو اپنا پیغمبر بنا کر ان کے سمجھانے کے لئے بھیجا، اس نے انہیں سمجھایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ کے سوا نہ تمہارا معبود ہے اور نہ ہو سکتا ہے، اس کے غضب سے ڈرو، اس کی نافرمانی کرو گے تو وہ تمہیں ہلاک کر دے گا۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ: یعنی: نوح علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کے بعد ہم نے اور بھی قومیں پیدا کیں۔

اور ان کی طرف انہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا، اس سے مراد حضرت ہود علیہ السلام ہیں، جو کہ اپنی اپنی قوم کے ہی فرد تھے، اور دونوں نے ایک ہی پیغام پہنچایا جو کہ توحید کا پیغام تھا، مگر اُن کی قوموں نے اُن کی دعوت قبول کرنے کی بجائے اُن کے ساتھ سخت بدسلوکی کی ہے، اور اُن کو تکلیفیں پہنچائیں، نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد عاد کی قوم یعنی: حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کو خوشحالی نصیب ہوئی، اور پھر اُس کے بعد حضرت صالح علیہ السلام کی قوم آئی، اگرچہ

دونوں قوموں کے زمانے مختلف ہیں مگر دونوں قومیں ایک جیسے حالات سے گزریں اور انہوں نے اپنے پیغمبروں کے ساتھ بھی تقریباً ایک جیسا سلوک کیا۔

فرمایا: ہم نے اُس قوم کی طرف جو پیغمبر بھیجا اُس نے قوم سے کہا، لوگو! عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی کرو اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، کیا تم ڈرتے نہیں؟ اللہ تعالیٰ کو ایک ماننے کے بجائے اُس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو، کیا تمہیں اللہ تعالیٰ کی پکڑ کا خوف نہیں ہے؟

کافروں کے بہانے

وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ

اور بولے سردار سے قوم اس کی جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا آنے کو آخرت کے

وَ اَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ

اور خوش عیشی دی تھی ہم نے انہیں میں زندگی دنیا کی نہیں یہ مگر ایک آدمی تمہارے جیسا

يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَ يَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿٣٣﴾

کھاتا ہے میں سے انہی چیزوں جو تم کھاتے ہو میں سے جن اور پیتا ہے میں سے جس تم پیتے ہو (٣٣)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اس کی قوم کے کافر سردار بولے جو آخرت کی ملاقات کو جھٹلاتے تھے اور ہم نے ان کو دنیا کی زندگی کا آرام دیا تھا (انہوں نے لوگوں سے کہا) کچھ نہیں یہ تو تم ہی جیسا ایک آدمی ہے یہ بھی انہی چیزوں میں سے کھاتا پیتا ہے جن چیزوں میں سے تم کھاتے پیتے ہو۔ (٣٣)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ثمود اور عاد کی قوم کے بڑے آدمی یہ سن کر بگڑ گئے وہ اپنے سوا کسی کو اختیار والا اور قوت والا نہ مانتے تھے، اللہ کا تعالیٰ انکار کرتے تھے، دنیا کے عیش و آرام ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے آخرت کو نہ مانتے تھے، ہم

نے انہیں دنیا کے ساز وسامان سے مالا مال کردیا تھا، انہوں نے یہ بات پیغمبر سے سنکر اپنے لوگوں سے کہا، کہ یہ جو اپنے آپ کو اللہ کا پیغمبر کہتا ہے، یہ ایک تمہارے ہی جیسا آدمی ہے، وہی چیزیں کھاتا ہے، جو تم کھاتے ہو اور وہی پانی پیتا ہے جو تم پیتے ہو، پھر ہمارا کیا سر پھرا ہے، جو اپنے ہی جیسے آدمی کو اپنا سب سے بڑا سردار اور رہنما بنا کر بیٹھ جائیں اور اپنے پوجا پاٹ اور رہنے سہنے کے سارے طریقے چھوڑ کر اس کے بتائے ہوئے طریقے پر چلیں۔

کہا اِس کے جواب میں آپ کی قوم کے سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا اور آخرت کی ملاقات کو بھی جھٹلایا، یہ ایسے لوگ تھے، جن کو ہم نے دنیا کی زندگی میں خوش حالی دی تھی، کہنے لگے: یہ تمہاری طرح ایک انسان ہی تو ہے، مالدار لوگوں نے عام لوگوں کو پیغمبر سے بدظن کرنے کے لئے یہ پٹی پڑھائی کہ یہ کیسے پیغمبر ہوسکتا ہے، یہ تو تمہارے جیسا عام انسان ہے، اس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ شخص بھی وہی کچھ کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو، اور وہ چیز پیتا ہے جو تم پیتے ہو، اگر یہ اللہ کا پیغمبر ہوتا تو اس کا کھانا، پینا، بیٹھنا، اٹھنا، سونا، جاگنا اور دوسرے کام تم سے بڑھ کر ہوتے، بھلا! ایک آدمی کے پیغمبری کے دعوے کو ہم کیسے مان لیں، کہنے لگے: اس کی بات ہرگز نہ ماننا۔

اپنے جیسے آدمی کی اطاعت

وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿٣٤﴾ اَيَعِدُكُمْ

اور البتہ اگر اطاعت کی تم نے ایک آدمی کی جو تمہارے جیسا ہے ضرور تم اس وقت گھاٹا اٹھاؤ گے (۳۴) کیا کہتا ہے تم سے

اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿٣٥﴾

کہ تم جب مرگئے اور ہوگئے مٹی اور ہڈیاں تو تم پھر زندہ کئے جاؤ گے (۳۵)

هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿٣٦﴾

دور ہے دور ہے وہ بات جو تم سے کہی جاتی ہے (۳۶)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور اگر کہیں تم اپنے جیسے آدمی کے کہنے پر چل پڑے تو تم گھاٹے میں رہو گے۔ (۳۴)

کیا یہ تم کو وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجاؤ گے تم زندہ کر کے نکالے جاؤ گے۔(۳۵)
کہاں ہوسکتا ہے کہاں ہوسکتا ہے جو تم سے وعدہ کیا جارہا ہے۔(۳۶)

لفظی تحقیق: یَعِدُ اور تُوْعَدُوْنَ دونوں مضارع کا صیغہ ہیں۔و۔ع۔د سے وَعْدٌ کے معنی ہیں، آئندہ کسی بات کے ہونے کی خبر دینا، اور کہنا کہ وہ ضرور ہوگی۔ هَيْهَاتَ: دور ہے۔ یہ اسم فعل بمعنی ماضی ہے جس سے کسی چیز کا عقل اور سچائی سے بہت دور ہونا ظاہر کیا جاتا ہے، یعنی: اس وعدہ کی بابت یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ حقیقت سے بہت دُور ہے۔

تفسیر

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو نہ ماننے والوں پر یہ بھوت سوار ہوتا ہے کہ ہم سب کچھ سمجھتے ہیں، پھر اپنے جیسے آدمی کی کیوں مانیں، حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد عاد اور ثمود دو بڑی قومیں ایک دوسرے کے بعد آئیں، ان آیتوں میں انہی کی طرف اشارہ ہے، ان کے بڑے بڑے لوگ اپنی قوم سے کہہ رہے ہیں کہ تم نے اگر اپنے ہی جیسے ایک آدمی کی اطاعت کرلی تو اپنا بیڑا غرق کردیا، کم سے کم وہ اتنا تو ہو کہ کوئی کام کی بات تو کہے، یہ آدمی تو باتیں بھی ایسی کرتا ہے کہ جن کا سر نہ پیر، سُن رہے ہو وہ کیا کہتا ہے کہ مرنے کے بعد جب تمہارا بدن مٹی ہوجائے گا تو تم پھر سے زندہ کئے جاؤ گے، بھلا! یہ کوئی عقل میں آنے کی بات ہے جو یہ کہتا ہے وہ ہرگز ہونے والا نہیں پھر اپنی خواہشیں اس کے کہنے سے مت چھوڑو۔

کافروں کے کلام کا خلاصہ

اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾
نہیں یہ مگر زندگی ہماری دنیا کی مرتے ہیں ہم اور جیتے ہیں ہم اور نہیں ہم پھر اٹھائے جانے والے(۳۷)

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ِۨافْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّ مَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾
نہیں یہ مگر ایک مرد گھڑ لیا ہے اس نے پر اللہ جھوٹ اور نہیں ہم پر اس ایمان لانے والے(۳۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور کچھ نہیں ہمارا یہی دنیا کا جینا ہے، مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں پھر اٹھنا نہیں۔
(۳۷) اور کچھ نہیں یہ ایک مرد ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ لایا ہے اور اسے ہم ماننے والے نہیں۔ (۳۸)

تفسیر

انہوں نے کہا کہ حقیقت صرف یہ ہے کہ جو کچھ ہماری زندگی ہے، وہ یہی اس دنیا کی زندگی ہے، اسی میں جن کو موت آجاتی ہے وہ مرجاتے ہیں اور جن کو جینا ہوتا ہے وہ جیتے رہتے ہیں، مرنے کے بعد دوبارہ جینا، اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا عملوں کا حساب، جزا سزا یہ سب اس آدمی کی گھڑی ہوئی باتیں ہیں، اس میں سے کچھ ہونا ہوانا نہیں، نہ اس دنیا کی زندگی کے بعد کوئی زندگی ہے، اور نہ ہمارے عملوں کی کوئی پوچھ گچھ ہے، نہ عذاب ہے نہ ثواب ہے، یہ سب من گھڑت کہانیاں ہیں، سچائی اس شخص کی بات میں نام کو نہیں، فرصت کے وقت میں بیٹھ کر کچھ خیالی باتیں گھڑلی ہیں اور رعب جمانے کو یہ کہتا پھرتا ہے، کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے، تاکہ لوگ سن کر ڈر جائیں، اور میری سنیں، ذرا سوچو تو سہی، اللہ تعالیٰ کو کس نے دیکھا، ہماری پوچھو تو ہم نے اس کا نام بھی سوا اس کے کسی آدمی سے نہیں سنا، پھر ہم ایمان کیسے لے آئیں کیا فقط اس لئے کہ یہ شخص بن دیکھے اللہ کا نام لے کر اپنی خیالی باتیں ہم سے منوانا چاہتا ہے۔

حق کی جیت

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِیْلٍ لَّیُصْبِحُنَّ
کہا اے رب میرے! مدد کر میری اس لئے جھٹلایا انہوں نے مجھے (۳۹) فرمایا کچھ وقت کے بعد کہ وہ ہو جائیں گے

نٰدِمِیْنَ ﴿۴۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ
پچھتانے والے (۴۰) پس آ پکڑا انہیں چیخ نے سچ مچ پس کر ڈالا ہم نے انہیں کوڑا

فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۱﴾
پس ہلاکت ہو لئے ان لوگوں کے جو ظلم کرنے والے ہیں (۴۱)

بامحاورہ ترجمہ: ۔صالح نے کہا اے میرے رب! میری مدد کر کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا۔(۳۹) فرمایا: اب تھوڑے ہی دن میں پچھتاتے رہ جائیں گے۔(۴۰) پھر ان کو چیخ نے آ پکڑا سچ مچ پر، پس! ہم نے ان کو کوڑا کرکٹ بنادیا، ہلاکت ہے ظالموں کے لئے۔(۴۱)

لفظی تحقیق: بِالْحَقِّ: حق کے ساتھ۔حق کے معنی ٹھیک بات کے ہیں۔جس کا ہونا عدل وانصاف کے رُو سے مناسب ہو۔

تفسیر

ان آیتوں میں سرکش لوگوں سے مراد ثمود کی قوم ہے، جب وہ ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے، تو حضرت صالح علیہ السلام نے جو ان میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے، اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے، اور عرض کیا کہ اے میرے رب! یہ تو سراسر مجھے جھوٹا سمجھتے ہیں، اور میری ذرا نہیں سنتے، میری مدد فرما۔

ارشاد ہوا کہ: انہیں ابھی ابھی معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ کس قدر حماقت میں مبتلا تھے، ان کے ہاتھ سوا پچھتاوے کے اور کچھ نہ آئے گا، آخر وہ وقت آیا کہ اس زور کی کڑک اور گرج پیدا ہوئی کہ ان کے دل پھٹ گئے اور کوڑے کرکٹ کی طرح ہو گئے، غیب سے آواز اٹھی کہ ہلاکت ہو ظالموں کیلئے۔

فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ: پس تباہی اور بربادی ہے ظالم قوم کے لئے، کفر شرک دنیا میں سب سے بڑا ظلم ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کافر ہی ظالم ہیں، اللہ نے ان آیتوں میں پیغمبر کا نام لئے بغیر اس کی قوم کا سلوک بیان کر دیا ہے، دعوت اس پیغمبر کی بھی وہی تھی جو دوسرے پیغمبروں کی تھی کہ لوگو! عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، اسی مضمون کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی پیش کیا۔

پیغمبروں کا سلسلہ

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ

پھر پیدا کیں ہم نے	سے	بعد انکے	اُمتیں	دوسری	(۴۲)	نہ	آگے بڑھتی تھی	کوئی	امت

اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿٤٣﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ

مقررہ وقت اپنے سے اور نہ وہ پیچھے ہٹ سکتے (۴۳) پھر بھیجے ہم نے پیغمبر اپنے لگا تار جب کبھی آتا تھا

اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّ جَعَلْنٰهُمْ

کسی امت میں پیغمبر اس کا جھٹلاتے تھے اسے پس چلتا کیا ہم نے ایک کو دوسرے کے بعد اور کر ڈالا انہیں

اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٤٤﴾

قصے کہانیاں پس ہلاکت ہو لئے ایسی قوم کے جو ایمان نہیں لاتی (۴۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر ان کے پیچھے ہم نے اور جماعتیں پیدا کیں۔(۴۲) کوئی قوم اپنی مقررہ مدت سے نہ آگے جائے گی اور پیچھے رہے گی۔(۴۳) پھر ہم اپنے پیغمبر لگا تار بھیجتے رہے جہاں کسی امت کے پاس ان کا پیغمبر پہنچا انہوں نے اسے جھٹلایا، پھر ہم چلاتے رہے ایک کے پیچھے دوسرے کو اور ان کو قصے کہانیاں بنا ڈالا، ہلاک ہوں وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے۔(۴۴)

لفظی تحقیق: تَتْرٰی: ایک کے پیچھے ایک۔ صفت مؤنث کا صیغہ ہے۔ و۔ت۔ر سے اصل میں "وَتْرٰی" تھا۔"واؤ" کو"ت" سے بدل دیا، جیسے:"تقویٰ" اور"تکلان" میں"وتر" کے معنی ایک کے ہیں،"وترٰی" ایک ایک کرکے، یہ استعمال میں"تترٰی" ہوگیا، مراد ہے یکے بعد دیگرے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جب پہلے بدکار لوگ مرکھپ گئے تو ان کے بعد ہم نے اور امتیں پیدا کیں، جنہوں نے نافرمانی کی اور اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا اور آخر انہیں ان نافرمانیوں کی سزائیں ملیں، اور جب کسی امت کے ہلاک ہونے کے وقت آیا تو وہ اسی وقت ہلاک ہوگئی نہ اپنے وقت سے آگے بڑھ سکی اور نہ پیچھے ہٹ سکی۔

اس کے بعد اور امتیں آتی رہیں اور ہم ان کی ہدایت کے لئے پیغمبر پے در پے بھیجتے رہے لیکن لوگوں کے کان پر جوں تک نہ رینگی، برابر پیغمبروں کی نافرمانی کرتے رہے ہم نے بھی انہیں ایک دوسرے کے پیچھے چلتا کیا،

اب ان کا نام ونشان بھی نہیں فقط قصے اور کہانیاں باقی ہیں۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ: پھر اُن کے بعد ہم نے بعض دوسری قوموں کو اٹھایا یعنی: دنیا میں ترقی دی پھر ان قوموں نے بھی اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو جھٹلایا تو وہ بھی عذاب میں مبتلا ہو کر تباہ و برباد ہوگئیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ہر نافرمان قوم کی سزا کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔

کوئی قوم یا امت اپنے مقرر وقت سے نہ تو آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے بلکہ عین وقتِ مقرر پر تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔

پھر ہم نے لگا تار اپنے پیغمبر بھیجے جب کسی قوم کے پاس اُس کا پیغمبر آیا، انہوں نے اُسے جھٹلا دیا، ہر پیغمبر کی اتباع بہت تھوڑے لوگوں نے کی اور اُن کی اکثریت نے پیغمبروں کی مخالفت ہی کی۔

پھر ہم نے اُن کے بعض کو بعض کے پیچھے لگایا، یعنی: پہلے لوگوں کو اُن کی بدعملیوں کی وجہ سے ہلاک کر کے ان کی جگہ دوسرے کو کھڑا کیا، پھر انہوں نے بھی نافرمانی کی تو اُن کو بھی اس طرح تباہ و برباد کیا کہ انہیں قصہ کہانیاں بنا کر رکھ دیا، ان کا کوئی شخص بھی دنیا میں زندہ نہ رہا اور قوم کا نام ونشان محض قصے کہانیوں کی حد تک رہ گیا، لوگ تاریخ میں پڑھتے ہیں کسی زمانے میں فلاں قوم فلاں جگہ پر آیا آباد تھی، پس ہلاکت، تباہی اور اللہ کی رحمت سے دوری ہے ایسی قوم کے لئے جس کے افراد ایمان نہیں لاتے۔

موسیٰ اور ہارون علیہما السلام

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۴۵ اِلٰى

پھر بھیجا ہم نے موسیٰ کو اور بھائی اس کے ہارون کو ساتھ نشانیوں اپنی کے اور دلیل روشن (۴۵) طرف

فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ۝۴۶

فرعون کی اور سرداروں اس کے کی پس وہ اکڑ گئے اور تھے وہ لوگ بڑے تکبر والے (۴۶)

بامحاورہ ترجمہ: پھر ہم نے بھیجا موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور کھلی دلیل دے کر۔

(٤٥) فرعون اوراس کے سرداروں کے پاس، پس! تکبر کرنے لگے اور وہ تھے ہی مغرور لوگ۔ (٤٦)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: دنیا میں ایک بار پھر ظلم وستم کا دور دورہ ہوا، لوگ سرکشی پر تل گئے طاقتور اپنی طاقت میں مست ہو کر کمزوروں کو دبانے لگے، مصر میں قبطیوں نے سر اٹھایا، بنی اسرائیل کو حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر میں بلا کر بسایا تھا، اس وقت مصر کا انتظام ان کے ہاتھ میں تھا، اس کے بعد زمانے نے پلٹا کھایا، حضرت یوسف علیہ السلام نے وفات پائی اور ملک کا انتظام واپس قبطیوں کے ہاتھ میں چلا گیا، ان کے بادشاہوں کا خاندانی لقب فرعون تھا، انہوں نے بنی اسرائیل کو بری طرح ستانا شروع کیا، یہاں تک کہ ان سب کو غلام بنالیا، جب بنی اسرائیل پر حد سے زیادہ ظلم کیا جانے لگا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو پیغمبری عطا فرمائی اور اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ: پھر ہم نے موسیٰ اور اُن کے بھائی ہارون کو بھیجا اپنی نشانیوں اور کھلی دلیل کے ساتھ، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو لاٹھی اور روشن ہاتھ جیسے واضح معجزے عطا فرمائے جن کا قوم کوئی جواب نہ دے سکی۔

اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۠ئِهٖ: فرعون اور اسکے سرداروں کی طرف، موسیٰ اور ہارون دونوں بھائیوں کو بھیجا، اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبری عطاء کی اور ان کی درخواست پر ہارون علیہ السلام کو بھی پیغمبری عطا کی، اللہ نے ان دونوں کو فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا۔

فَاسْتَكْبَرُوْا: تو انہوں نے تکبر کیا، اللہ کے پیغمبروں کو حقیر جانا اور اُن کی دعوت کا مذاق اڑایا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ بڑے مغرور لوگ تھے، اپنے آپ کو دوسروں سے بلند و برتر سمجھتے تھے۔

غرور کا سر نیچا

فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَ قَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾

پس کہنے لگے ایمان لائیں ہم ان دو بندوں کے کہنے سے جو ہمارے جیسے ہیں اور قوم ان دونوں کی ہماری غلام ہے (۴۷)

فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى

پس جھوٹا ٹھہرایا ان دونوں کو پس ہو گئے سے ہلاک ہونے والوں (۴۸) اور البتہ تحقیق دی ہم نے موسیٰ کو

الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَ جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗٓ اٰيَةً

کتاب تا کہ وہ ہدایت حاصل کریں (۴۹) اور بنایا ہم نے بیٹے مریم کے کو اور ماں اسکی کو ایک نشانی

ع ۳ ۴۸ ۳

وَّ اٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾

اور ٹھکانہ دیا ہم ان دونوں کو ایک ٹیلے پر جو ٹھہرنے کا مقام اور صاف پانی والا تھا (۵۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ کہنے لگے ہم اپنے جیسے ان دو آدمیوں کے کہنے پر ایمان لے آئیں جن کی قوم ہماری غلام ہے۔(۴۷) پس جھوٹا ٹھہرایا ان دونوں کو، پس ہو گئے ہلاک ہونے والوں میں۔(۴۷) فرعون کے لوگوں نے ان دونوں کو جھٹلایا، پھر وہ ہلاک ہونے والوں میں ہو گئے۔(۴۸) اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تا کہ وہ ہدایت پالیں۔(۴۹) اور ہم نے مریم کے بیٹے اور اسکی ماں کو ایک نشانی بنایا اور ان کو ایک ٹیلہ پر ٹھکانہ دیا جہاں ٹھہرنے کی جگہ اور صاف شفاف پانی کا چشمہ تھا۔(۵۰)

لفظی تحقیق: رَبْوَةٍ: ٹیلہ۔ اونچی جگہ کو کہتے ہیں، اس سے مراد وہی جگہ ہے جہاں حضرت مریم علیہا السلام نے وضع حمل (ڈلیوری) کے وقت پناہ لی تھی یا کوئی اور مقام جہاں وہ دشمنوں سے بچنے کے لئے خود اپنے بچے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لے کر چلی گئی تھی۔ مَعِيْنٍ: صاف کھلا چشمہ۔ یہ اسم مفعول ہے: ع۔ی۔ن سے عین مصدر ہے جس کے معنی دیکھنا ہیں۔ معین جو صاف دیکھا جائے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: فرعون اور اس کے سرداروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کہنا نہ مانا اور کہا کہ یہ ہمارے جیسا ایک آدمی ہے، ان کو ہم پر کونسی برتری حاصل ہے، اس کی قوم ہماری غلام ہے، ہم اس کی کیسے مان لیں، غرض! انہوں نے دونوں کو جھوٹا کہا، آخر جب ان کا مقررہ وقت آیا تو وہ بھی اور نافرمانوں کی طرح تباہ ہوئے، بنی اسرائیل کو نجات مل گئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی ہدایت کے لئے "تورات" عطا ہوئی، پھر ہم نے حضرت مریم علیہا السلام کے ذریعہ دنیا کو اپنی قدرت کی نشانی بھی دکھائی اور ان دونوں کو ایسی بلند زمین پر لیجا کر پناہ دی جہاں غلے اور میوہ پیدا ہوتے ہیں اور نہر کی وجہ سے سرسبز تھی، ٹھہرنے کا بہت اچھا ٹھکانہ دیا۔

پیغمبروں کا انسان ہونا ہمیشہ کافروں کے لئے سوال بنا رہا ہے۔

کہتے تھے کہ یہ ہمارے جیسے انسان ہو کر ہمیں کیا سبق پڑھا سکتے ہیں، انہیں ہم پر کون سی فضیلت حاصل ہے؟ یہ بھی ہماری طرح پیدا ہوتے ہیں، مرتے ہیں، زندگی میں کاروبار کرتے، چلتے پھرتے اور سودا سلف خریدتے ہیں، ہم کس بناء پر انہیں پیغمبر مان لیں؟ لوگوں کی بیوقوفی کی وجہ سے یہ چیز ایمان کے راستے میں ہمیشہ رکاوٹ بنی رہی ہے، مگر اُن لوگوں کو سمجھ ہوتی تو وہ پیغمبروں کے آنے کو اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھ کر قبول کرتے، ان کی بات کو سنتے، سمجھتے اور پھر اُس پر عمل کرتے، کیونکہ اُن کی سلامتی کا یہی ایک واحد راستہ تھا، اللہ تعالیٰ نے تو پیغمبر بھیج کر اُن پر خاص مہربانی فرمائی تا کہ وہ حق کو پا کر ہمیشہ کی کامیابی حاصل کر لیں، مگر اللہ کے اس فضل کا لوگوں نے کوئی فائدہ نہ اٹھایا بلکہ پیغمبروں کے انسان ہونے کو قابل اعتراض سمجھا اور ایمان لانے سے محروم رہے۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ: اور موسیٰ کو "تورات" عطا فرمائی، تا کہ لوگ اس پر عمل کریں، انہیں کامیابی حاصل ہو جائے، یہ اس دور کی عظیم الشان کتاب تھی جس کے لئے خود بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے قانون کی کوئی کتاب اتارنے کی درخواست کریں جس پر ہم آزادانہ ماحول میں عمل

کرسکیں، اوراس کتاب کا مقصد یہ تھا، کہ لوگ اس کے ذریعے ہدایت حاصل کرسکیں، اس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ بنی اسرائیل نے اس کتاب پر کسی حد تک عمل بھی کیا مگر بعد میں انہوں نے اس کے حکموں میں ردّ بدل کر کے اس کو بگاڑ دیا، اس کی تفصیل قرآن پاک میں مختلف جگہوں پر موجود ہیں۔

وَ جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗۤ اٰيَةً: ہم نے عیسیٰ اوران کی والدہ، یعنی: حضرت مریم علیہا السلام کو قدرت کی ایک نشانی بنایا، یہ دونوں قدرت کی نشانیاں اس وجہ تھے کہ آپ کی پیدائش اللہ تعالیٰ کے حکم سے بغیر باپ کے ہوئی، اور عورتوں کی عام عادت کے مطابق حمل کو نو ماہ عرصہ بھی نہیں گزرا تھا جونہی فرشتے نے حضرت مریم علیہا السلام کے گریبان یا آستین میں پھونک ماری، آپ کو حمل ٹھہر گیا اور پھر کچھ وقت کے اندر اندر دردِ زہ شروع ہو کر عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

اٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ: ہم نے دونوں کو ایک اونچی جگہ پر ٹھکانہ دیا، اور یہ ایسی جگہ تھی جو برابر ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی، یہ اونچی مگر ہموار جگہ ہے۔ اوراس کے نیچے پانی کا چشمہ بھی تھا۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ: "رَبْوَةٍ" سے مراد آپ کی پیدائش کی جگہ ہے۔

بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے زمانے میں ہیرودوس نامی بادشاہ کو نجومیوں نے بتایا تھا کہ ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے جو بڑا ہو کر تیری بادشاہت چھین لے گا؛ اس لئے اُس نے ایسے بچے کی تلاش کے لئے نگرانی شروع کردی، چنانچہ بچے کی جان کے خوف سے حضرت مریم علیہا السلام عیسیٰ علیہ السلام کو لے کر شام سے مصر چلی گئیں، وہاں انہوں نے ایک اونچی بستی میں قیام کیا، جس کے نیچے شفاف پانی کا چشمہ بھی بہہ رہا تھا، وہاں کے کسی زمیندار نے ان کو دس بارہ سال تک بیٹی بنا کر رکھا، اس دوران ظالم بادشاہ مرگیا، اور عیسیٰ علیہ السلام بھی بچپن سے نکل کر جوانی میں داخل ہو رہے تھے، تو آپ کی والدہ آپ کو لے کر واپس شام آگئیں، اس بستی کا نام بعض مفسرین نے رملہ بتایا ہے، امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے، کہ ایک شخص پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اسے فرمایا کہ تیری موت ربوہ کے مقام پر واقع ہوگی، صحابہ فرماتے ہیں کہ: اس

شخص کو رملہ کے مقام پر موت آئی جو کہ مصر کے علاقے میں ایک اونچی جگہ ہے، اور جس کی آب و ہوا خوشگوار ہے، ایک نہر بھی بہتی ہے، اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رملہ وہی مقام ہے، جس کو قرآنِ پاک اور حدیث میں ربوہ کا نام دیا گیا ہے، بہرحال وہ بیت اللحم تھا یا رملہ کی بستی تھی جس کے متعلق اللہ نے یہاں فرمایا ہے کہ: ہم نے دونوں کو ٹھکانہ دیا جب کہ دشمن اُن کو ہلاک کرنا چاہتا ہے۔

دین ایک ہے

يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

اے پیغمبرو! کھاؤ میں سے صاف ستھری چیزوں اور عمل کرو نیک تحقیق میں اسے جو تم کرتے ہو

عَلِيْمٌ ﴿٥١﴾ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿٥٢﴾

جاننے والا ہوں (۵۱) اور تحقیق یہ امت ہے تمہاری امت ایک اور میں رب ہوں تمہارا ڈرو مجھ سے (۵۲)

با محاورہ ترجمہ: اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو میں جانتا ہوں جو تم کرتے ہو۔ (۵۱)

اور یہ لوگ تمہارے دین کے ہیں سب ایک دین پر اور میں تمہارا رب ہوں، سو! مجھ سے ڈرتے رہو۔ (۵۲)

تفسیر

ان آیتوں میں پیغمبروں کو بتایا گیا ہے، پاکیزہ چیزیں کھاؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا، نیک کام کرو اور اس بات کا خیال ہر وقت رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہمارے سب کاموں سے باخبر ہیں۔

انسانی دین

ارشاد ہے کہ: کھانے پینے کی چیزیں حاصل کرنے کے لئے پاک وصاف طریقے اختیار کرنے چاہئیں تا کہ استعمال کی چیز ہر طرح سے پاک وصاف اور حلال ہو، اگر بُرے طریقے اختیار کرو گے تو ان سے جو چیز

حاصل ہوگی وہ حرام ہوگی، انسان کے لئے پہلی ضرورت کھانے پینے کی چیزوں کی ہے؛ اس لئے ہدایت کی گئی ہے کہ یہ چیز حلال اور پاکیزہ ہونی چاہئے، اور حلال چیز جب ہوگی اس کے حاصل کرنے میں کسی پر کسی قسم کی زیادتی نہ کی گئی ہو، اسی پر اور ضرورت کی چیزوں مال ودولت مکان وغیرہ کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔

معاملوں میں برتاؤ اچھا ہونا چاہئے، کوئی چیز ایسی یا اس طریقہ سے نہ کی جائے جس کی اپنی یا کسی اور کی جان اور مال کو نقصان پہنچے، عدل وانصاف کا ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں خیال رہے نیک عمل وہی ہے جس سے اپنا یا کسی اور کا نقصان نہ ہو۔

لوگوں کو سمجھا دو کہ یہ سب باتیں پورے طور پر جبھی حاصل ہوسکتی ہیں، جب تم اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مانو اور اچھی طرح سمجھ لو کہ وہ تمہارے ہر کام کا پورا پورا علم رکھتا ہے۔

فرقہ بندی

فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾

پس کاٹ ڈالا کام اپنا آپس میں ٹکڑے ٹکڑے ہر فرقہ سے اس جو پاس ہے اس کے خوش ہے (۵۳)

فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۵۴﴾ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ

پس چھوڑ دیجئے ان کو میں غفلت ان کی کچھ وقت تک (۵۴) کیا گمان کرتے ہیں وہ جو کچھ ہم دیے جا رہیں ہے ساتھ اس کے

مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

میں سے مال اور اولاد (۵۵) جلدی کرتے ہیں ہم لئے ان کے میں فائدوں بلکہ نہیں وہ سمجھتے (۵۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پس پھوٹ ڈال کر اپنا کام آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کرلیا، ہر فرقہ اسی پر خوش ہو رہا ہے جو اس کے پاس ہے۔ (۵۳) سو! ان کو ان کی بے ہوشی میں ایک وقت تک چھوڑ دیں۔ (۵۴) کیا وہ خیال کرتے ہیں یہ جو ہم ان کو مال اور اولاد دیئے جا رہے ہیں۔ (۵۵) تو دوڑ دوڑ کر ہم ان کو بھلائیاں پہنچا رہے ہیں

نہیں بلکہ وہ سمجھتے نہیں۔(۵۶)

لفظی تحقیق: اَمْرَهُمْ: دین کے لحاظ سے۔ امر سے یہاں مراد دین ہے۔ زُبُراً: ٹکڑے ٹکڑے۔ زُبْرَۃٌ: کی جمع ہے، کسی چیز کا ٹکڑا۔ غَمْرَۃٌ: گہرا پانی۔ یہاں مراد غفلت یا بے ہوشی جو ہر طرف سے گھیر لے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: انسانوں کا دین ایک تھا مگر اپنی اپنی خود غرضیوں میں پھنس کر لوگوں کے فرقے بن گئے اور ہر ایک نے اپنا اپنا دین الگ بنالیا، اب جو جس نے دین اختیار کیا، اسی پر وہ اتراتا پھر رہا ہے، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ میری اپنی چیز ہے، نادان یہ نہیں سمجھتا ہے کہ محض اپنی ہونے سے کوئی چیز مفید اور درست نہیں ہوجاتی، لیکن وہ غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں، اچھا انہیں کچھ دن کے لئے ان کے حال پر چھوڑ دو، یہ بغیر سخت مصیبت کے یہ غفلت سے بیدار نہ ہوں گے، کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم جو ان کو مال اور اولاد دیئے جارہے ہیں، یہ ان کے ہمیں پسند ہونے کی علامت ہے، یہ ان کا غلط خیال ہے، یہ تو اس لئے ہے کہ ان کی پوری پوری آزمائش ہوجائے اور اگر نہ سنبھلیں تو پھر ان کو اس کی سخت سزا دی جائے گی۔

لفظ "طیّب" کی تشریح

"طیّب" اُس چیز کو کہا جاتا ہے جو حلال بھی ہو اور پاکیزہ بھی، بعض مقامات پر "حَلٰلاً طَیِّباً، (البقرۃ/۱۶۸)" دونوں الفاظ استعمال ہوئے ہیں، اس کی مثال ایسی ہے کہ کھانا عام طور پر حلال بھی ہوتا ہے اور پاکیزہ بھی، اور اگر اس میں بدبو پیدا ہوجائے تو "طیّب" نہیں رہتا، بلکہ مکروہ تحریمی کے حکم میں آجاتا ہے، "طیّب" ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ اُس کے ساتھ کسی کا حق متعلق نہ ہو، مثلاً: اگر ایک چوری شدہ بکری کو شرعی طریقہ سے ذبح کرکے اس کا گوشت پکایا جائے تو اس کا گوشت پاک تو ہے مگر حلال نہیں ہے، انسان کے اخلاق پر سب سے زیادہ اثر اسکی غذا کا ہوتا ہے، اگر خوراک پاک ہوگی تو اخلاق بھی پاک ہوں گے، اور اگر خوراک ناپاک ہوگی تو

انسان کے اخلاق بھی ناپاک ہوں گے؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے تمام لوگوں کو حکم دیا کہ پاک چیزیں کھاؤ جو حلال بھی ہوں اور صاف ستھری بھی۔

اگر کھانے پینے کی چیزوں میں کوئی ناپاک چیز پڑ جائے تو وہ ناپاک ہو جائے گی، یہ تو ظاہری نجاست ہے، اور باطنی نجاست یہ ہے کہ کوئی چیز غیر اللہ کی نیاز کے طور پر دی جائے، وہ بظاہر تو صاف ستھری ہوگی، مگر اس میں روحانی ناپاکی پائی جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کو قطعی حرام دیا ہے۔(۱)۔۔۔۔ خون (۲)۔۔۔۔ مردار (۳)۔۔۔۔ خنزیر کا گوشت (۴)۔۔۔۔ اور اللہ کے غیر کے نام پر نذر دینا۔

وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً: بیشک تمہارا دین اور ملت ایک ہی ہے، اور میں تمہارا پروردگار ہوں، پس مجھ ہی سے ڈرو، میری نافرمانی سے ڈرو، اللہ نے سارے پیغمبروں کو ان کے اپنے اپنے دور میں یہی حکم دیا، مگر بعد میں آنے والے لوگوں کی یہ حالت ہوئی کہ انہوں نے اپنے معاملوں کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، دین کے بنیادی عقیدوں کو بدل دیا، اس میں اپنی خواہشوں کے مطابق حرام اور مشکوک کو داخل کر دیا، اور اس طرح بہت سے گمراہ فرقے بن گئے، فرقہ بندی یہی ہے کہ دین کے بنیادی اصولوں کو چھوڑ دیا جائے یا ان کے غلط معنیٰ بنا دیے جائیں، اچھے عملوں کو چھوڑ کر غلط رسموں کو اختیار کر لینا بھی فرقہ بندی میں شامل ہے، یہ ایک خطرناک چیز ہے جس کی سزا دوزخ ہے، فرمایا اس تمام تر فرقہ بندی کے باوجود ہر گروہ اپنی اپنی بات پر خوش ہے کہ وہ ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں۔

ان فرقہ پرست گمراہ لوگوں کو ایک مقررہ وقت تک ان کی غفلتوں میں چھوڑ دیں، یہ لوگ دنیا میں اپنا وقت گزار لیں۔

کیا یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کی مال اور اولاد کی صورت میں جو مدد کر رہے ہیں۔

تو کیا ہم ان کی ان کے لئے بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں؟ جب نافرمانی کے باجود اللہ تعالیٰ کسی کو مال واولاد میں برکت دیتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہے جبھی تو اتنی نعمتیں مل رہی ہیں۔ فرمایا: یہ اس کا غلط خیال ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک وقت تک ڈھیل ہے، بلکہ ان کو تو شعور ہی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ مہلت

دے رہا ہے اور یہ اپنی بدعملیوں پر خوش ہورہے ہیں، عنقریب یہ پکڑے جائیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا: اسلام میں جو چیزیں حرام کردی گئی ہے نہ وہ پاکیزہ ہیں نہ عقلمندوں کے لئے اچھی اور بہتر؛ اس لئے طیّبات سے مراد صرف حلال چیزیں ہیں جو ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے اچھی اور بہتر ہیں، اس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے وقت میں دو ہدایتیں دی گئی ہیں ایک یہ کہ کھانا حلال اور پاکیزہ کھاؤ، دوسرے یہ کہ نیک عمل کرو، اور جب پیغمبروں کو یہ حکم کیا گیا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے پاک رکھا ہے، تو ان کی امت کے لوگوں کے لئے یہ حکم اور بھی زیادہ ضروری ہے، اور اصل مقصد بھی امتوں ہی کو اس حکم پر چلانا ہے۔

علماء نے فرمایا کہ: ان دونوں حکموں کو ایک ساتھ اس لئے لائے کہ حلال غذا کا نیک عمل میں بڑا دخل ہے، جب غذا حلال ہوتی ہے تو نیک عمل کی توفیق خودبخود ہونے لگتی ہے اور غذا حرام ہو تو نیک کام کا ارادہ کرنے کے باوجود بھی اسمیں مشکل پیش آجاتی ہے، حدیث میں ہے کہ بعض لوگ لمبے لمبے سفر کرتے ہیں اور ان کے بدن پر غبار پڑی ہوتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے دُعا کے لئے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور اے میرے رب! اے میرے رب! پکارتے ہیں جبکہ ان کا کھانا بھی حرام کا ہوتا ہے، پینا بھی، ایسے لوگوں کی دعا کہاں قبول ہوسکتی ہے۔

اس سے معلوم ہو کہ عبادت اور دعا کے قبول ہونے میں حلال کھانے کو بڑا دخل ہے، جب غذا حلال نہ ہو تو عبادت اور دعا بھی قبول نہیں ہوتی جب تک توبہ نہ کرے اور حرام کو نہ چھوڑ دے۔

بھلائی کمانے والے

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ

تحقیق جو لوگ کہ وہ سے خوف رب اپنے کے خوف زدہ رہتے ہیں (٥٧) اور جو لوگ کہ وہ

بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٨﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿٥٩﴾

پر آیتوں رب اپنے کی یقین رکھتے ہیں (٥٨) اور جو لوگ کہ وہ ساتھ اپنے رب کے نہیں شریک مانتے (٥٩)

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ

اور جو دیتے ہیں جو دیا انہوں نے اور دل ان کے خوف زدہ ہیں کہ وہ طرف رب اپنے کی

رٰجِعُوْنَ ﴿٦٠﴾ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿٦١﴾

لوٹنے والے ہیں (٦٠) وہ لوگ جلدی کرتے ہیں میں بھلائیوں اور وہ طرف ان کی سب سے آگے پہنچنے والے ہیں (٦١)

بامحاورہ ترجمہ: ۔البتہ جو لوگ اپنے رب کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں۔(٥٧) اور جو لوگ اپنے رب کی باتوں پر یقین رکھتے ہیں۔(٥٨) اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانتے۔(٥٩) اور وہ لوگ جو کچھ دیتے ہیں اس پر ان کے دل ڈر رہے ہیں کہ ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔(٦٠) وہ لوگ دوڑ دوڑ کر بھلائیاں لیتے ہیں اور وہ ان پر سب سے آگے پہنچنے والے ہیں۔(٦١)

لفظی تحقیق: وَجِلَةٌ: ڈرانے والے۔وَجِلٌ کا مؤنث ہے جو صفت کا صیغہ ہے۔

تفسیر

جو دین میں تفرقے ڈالنے والے فسادی لوگ ہیں یہ اگر خوشحال ہوں تو انہیں یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ یہ مال و دولت اور خوش حالی اللہ تعالیٰ نے انہیں خوش ہو کر دی ہے اس سے تو فقط ان کا امتحان مقصود ہے، اس میں بذات خود کوئی بھلائی نہیں جو لوگ بھلائیاں جلدی جلدی سمیٹ رہے ہیں وہ تو وہ لوگ ہیں، جن میں یہ صفتیں پائی جاتی ہیں:

(۱)....وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے خوف سے لرزتے ہیں۔

(۲)....اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دیکھ کر ان کا ایمان پختہ ہوتا جاتا ہے۔

(۳)....وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانتے۔

(۴)....اللہ تعالیٰ کے راستے میں خیرات کرتے ہیں، صدقہ دیتے ہیں پھر بھی دل میں ڈرتے رہتے

ہیں، کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے، ہمارا عمل کچھ نہیں، اس کی رحمت ہو تو بیڑا پار ہو، یہ لوگ بھلائیاں اور نیکیاں حاصل کرنے میں سب سے آگے آگے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نافرمانوں کے مقابلے میں ایمان والوں کی بعض خوبیاں بیان کی ہیں، ارشاد ہوتا ہے کہ: ایمان اور نیکی والے لوگ وہ ہیں جو اپنے رب کے خوف سے ڈرتے ہیں۔ وہ ہمیشہ محتاط رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کر بیٹھیں جسکی وجہ سے ان کی پکڑ ہو جائے۔ یہ لوگ اپنے رب کے انعاموں کی ناقدری نہیں کرتے بلکہ ہر نعمت پر اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ: کہ وہ اپنے رب کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں بناتے، وہ خالص ایمان اور توحید پر قائم رہتے ہیں، ان میں کسی قسم کا شرک نہیں پایا جاتا اور ان کے عمل میں سچائی اور اخلاص ہوتا ہے، ایسے لوگ نہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی کو شریک بناتے ہیں، نہ صفات میں اور نہ عبادت میں، ان کو یقین ہوتا ہے کہ سارا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اور اختیار میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا: وہ جو کچھ دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے دیتے ہیں، اس حالت میں کہ ان کے دل اس بات سے خوفزدہ ہوتے ہیں کہ بیشک وہ اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، یعنی: یہ لوگ ایسے ہیں کہ نماز، روزہ، صدقہ خیرات وغیرہ کرنے کے باوجود اپنے رب سے ڈرتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ انہیں ایک دن اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہونا ہے اور ہوسکتا ہے کہ کسی خامی کی بناء پر ان کی کوئی نیکی قبول ہی نہ ہو اور وہاں انہیں شرمندگی اٹھانا پڑے۔

اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ: یہ لوگ ہیں جو بھلائی کے کاموں کی طرف دوڑتے ہیں، یعنی: ان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اصل دین آسان ہے

وَ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَ لَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ

اور نہیں کام ڈالتے ہم کسی نفس پر مگر مطابق طاقت اس کی کے اور پاس ہمارے دفتر ہے جو بولتا ہے سچ سچ

وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَ لَهُمْ

اور وہ نہیں ظلم کئے جائیں گے (۶۲) مگر دل ان کے میں غفلت طرف سے اس کی اور لئے ان کے

اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾

عمل سوائے اس کے وہ وہ انہیں کئے جا رہے ہیں (۶۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم کسی پر بوجھ نہیں ڈالتے مگر اس کی گنجائش کے مطابق اور ہمارے پاس کتاب ہے جو سچ سچ بتا دیتی ہے اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ (۶۲) نہیں بلکہ ان کے دل اس سے غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں اور اس کے سوا ان کے اور بھی کام ہیں جو وہ کر رہے ہیں۔ (۶۳)

تفسیر

پچھلی آیتوں میں صاف ظاہر ہو گیا، کہ مال و دولت، اولاد اور دنیا کے عیش و عشرت کا سامان ایسی چیزیں نہیں ہیں، جن پر انسان پھول کر بیٹھ جائے اور سمجھے کہ بس مجھے سب کچھ مل گیا، یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی مہربانی ہے کہ مجھے ساری اچھی اچھی چیزیں دے دیں اور جو میں اب ان کے ذریعے طلب کرتا ہوں، وہ مجھے فوراً دیتا ہے، یہ سب غلط خیالات ہیں، یہ سب کچھ تو اس کی آزمائش کا ایک ذریعہ ہے، اصل قابل تعریف اور مفید اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا کسی کو اس کا شریک نہ کرنا، نیک کام کر کے بھی دل میں اللہ کا خوف رکھنا، کہ دیکھیں اس کے روبرو حاضر ہونے کے بعد کیا ہوگا۔

ارشاد ہے کہ: ہر آدمی یہ خوبیاں آسانی کے ساتھ اپنے اندر پیدا کر سکتا ہے، ہم نے کسی پر ایسا بوجھ نہیں

ڈالا ہے جسے وہ اٹھا نہ سکتا ہو، ہر شخص کے عمل ہمارے ہاں ایک کتاب میں لکھے جاتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کے اعمال نامے محفوظ رکھے ہیں، کسی پر کوئی ظلم نہ ہوگا نیک کاموں کا بدلہ اور برے کاموں کی سزا ٹھیک ملے گی، مگر افسوس کہ! دنیا کے دھندوں میں پھنسے لوگ ان باتوں کی طرف سے غافل ہیں، یہ غفلت ان کا سب سے بڑا گناہ ہے، اسی کی وجہ سے اور بہت سے گناہ ہوتے ہیں جو بجائے خود جرم بن جاتے ہیں، ان سب کی سزا انہیں بھگتنا پڑے گی۔

ایمان والوں کے ذکر کے بعد آگے اللہ نے پھر نافرمانوں کا حال بیان کیا ہے، آخرت سے ان کے دل غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان غافل لوگوں کے عمل ایمان والوں کے عمل سے مختلف ہوتے ہیں وہ نیکی کی بجائے برائی کرتے ہیں بجائے اس کے کہ وہ توحید پر ایمان لاتے وہ کفریہ، شرکیہ کام کرتے ہیں، وہ آخرت کی طرف دھیان ہی نہیں کرتے اور نہ اس کے لئے کوئی تیاری کرتے ہیں، اگر کوئی عمل کرتے ہیں تو دکھاوے کے لئے کرتے ہیں۔

وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ: یعنی: ان کی گمراہی کے لئے تو ایک شرک وکفر ہی کا پردہ غفلت کافی تھا، مگر وہ اسی پر بس نہیں کرتے اس کے ساتھ دوسرے برے اعمال بھی کرتے ہی رہتے ہیں۔

عذاب کے وقت چیخ وپکار

حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ﴿٦٤﴾ لَا
یہاں تک کہ جب پکڑا ہم نے خوشحال لوگوں ان کے کو عذاب میں اچانک وہ چلانے لگیں گے (٦٤) مت

تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ ۣ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿٦٥﴾ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى
چلاؤ تم آج تحقیق تم طرف سے ہماری نہ مدد کیے جاؤ گے (٦٥) بے شک تھیں آیتیں میری پڑھی جاتیں

عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلَىٰٓ اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿٦٦﴾ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ
پرتم | پس تھے تم | پر | ایڑھیوں اپنی | الٹے پاؤں پھرتے (٦٦) | تکبر کرتے | اس کی

سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿٦٧﴾
گفتگو کرتے | اسے برا کہتے (٦٧)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یہاں تک کہ جب ہم نے ان کے خوشحال لوگوں کو عذاب میں پکڑا تبھی وہ چلانے لگا۔ (٦٤) آج مت چلاؤ آج ہماری طرف سے تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ آج تو بدلہ کا دن ہے۔ (٦٥) میری آیتیں تمہیں سنائی جاتی تھیں تم الٹے پاؤں بھاگ جاتے تھے۔ (٦٦) تکبر کرتے ہوئے اسکا مذاق اڑاتے ہوئے اور باتیں بناتے ہوئے۔ (٦٧)

لفظی تحقیق: یَجْئَرُوْنَ: چیختے، چلاتے۔ مضارع ہے ج۔ ء۔ ر سے۔ جار کے معنی دُکھ سے چلّانا۔ سٰمِرًا: قصہ گو۔ اسم فاعل ہے۔ س۔ م۔ ر سے۔ سَمَرٌ کے معنی رات کو من گھڑت قصے سنانا۔ کفار قرآن مجید کی بابت رات کو باتیں کرتے کبھی اسے جادو کا منتر، کبھی شعر و شاعری، کبھی کہانیاں بتاتے۔ تَهْجُرُوْنَ: بُرے الفاظ سے یاد کرتے۔ مضارع کا صیغہ ہے۔ ہ۔ ج۔ ر سے۔ **هجر**: گالی، برے الفاظ۔ قرآن مجید کے خلاف بڑی بری بکواس کرتے تھے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: یہ لوگ غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں، جب ان پر ہمارا عذاب آپڑے گا، تو چیخنے چلانے لگیں، لیکن اس وقت فریاد اور چیخ و پکار سے کچھ نہ ہوگا، کہا جائے گا یہ چیخنا چلانا رہنے دو، آج طرف سے تمہارا کوئی ساتھ نہیں دیا جائے گا، ہمارے پیغمبر تمہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے، تو تم ایڑیوں کے بل اُلٹے پاؤں بھاگتے تھے، اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتے تھے، اس قرآن کے بارے میں بری باتیں بکتے تھے۔

اس جگہ اس قوم کو عذاب میں پکڑنے کا ذکر ہے، جس میں امیر غریب خوشحال بدحال سبھی داخل ہونگے، مگر

خوشحالوں کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا کہ ایسے ہی لوگ دُنیا کے مصیبتوں سے اپنے بچاؤ کا کچھ سامان کر لیا کرتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کا عذاب جب آتا ہے تو سب سے پہلے یہی لوگ بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں، اس آیت میں جس عذاب کے اندر انکے پکڑے جانے کا ذکر ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ عذاب ہے جو بدر کی جنگ میں مسلمانوں کی تلوار سے ان کے سرداروں پر پڑا تھا یعنی کافروں ستر سردار مارے گئے، اور بعض حضرات نے اس عذاب سے مراد قحط کا عذاب لیا ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے مکہ والوں پر سات سال تک پڑا تھا کہ وہ مردار جانور اور ہڈیاں کھانے لگ گئے تھے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کے لئے بددعا بہت کم کی ہے لیکن اس موقع میں مسلمانوں پر ان کی ظلم و زیادتی سے مجبور ہو کر بددعا کی تھی۔

نہ ماننے کی وجہ کیا؟

أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ
کیا پس نہیں غور کیا انہوں نے اس کلام میں یا آئی پاس ان کے جو نہ آئی تھی پر باپ دادوں ان کے
الْأَوَّلِينَ ﴿٦٨﴾ أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنْكِرُونَ ﴿٦٩﴾ أَمْ
جو ان سے پہلے تھے (٦٨) یا نہ پہچانا انہوں نے پیغمبر اپنے کو اس لئے وہ اُسکا انکار کرتے تھے (٦٩) یا
يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ
کہتے تھے اسے جنون ہے۔

با محاورہ ترجمہ:۔ سو! کیا انہوں نے اس کلام میں دھیان نہیں کیا یا ان کے پاس ایسی چیز آئی ہے جو ان کے باپ دادا کے پاس نہ تھی۔ (٦٨) یا انہوں نے اپنے پیغام لانے والوں کو پہچانا نہیں، سو! وہ ان کا انکار کرتے ہیں۔ (٦٩) یا کہتے ہیں کہ اسے جنون ہے۔

تفسیر

ان آیتوں میں کافروں پر تعجب کیا گیا کہ آخر یہ اس قدر غفلت میں کیوں پڑے ہوئے ہیں، اگر وہ اس قرآن مجید کو کان لگا کر سنتے اور اس کے حکموں پر عمل کرتے تو ان کی سمجھ میں آجاتا کہ انسانوں کی کامیابی کے لئے اس طریقہ سے جو قرآن حکیم بتاتا ہے بہتر کوئی اور طریقہ نہیں ہے۔

اس تباہ کن غفلت کی وجہ صرف یہی ہوسکتی ہیں کہ یا تو انہوں نے اس کی آیتوں کو نہ تو توجہ سے سنا، اور نہ اس کے مطلب پر غور کیا، یا پھر نصیحت کو یہ کوئی انوکھی بات سمجھے کہ اس سے پہلے کبھی ہوئی ہی نہیں، حالانکہ یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ انسان صحیح طریقے سے پہلے بھی بھٹکتے رہے، اور ان کے سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر آتے رہے ہیں، اللہ کے حکموں کو بتا کر ان پر عمل کرنے کی ہدایت کرتے رہے ہیں، یا پھر یہ بات ہے کہ انہوں نے اس پیغمبر کو پہچانا نہیں جو انہیں ان کے فائدے کی باتیں سمجھا رہے ہیں، اس لئے اس کا انکار کئے جا رہے ہیں، کیا ان کا واقعی یہ خیال ہے کہ یہ مجنون ہیں اور نعوذ باللہ بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں، حالانکہ وہ ان کی عقلمندی کا ایک بار نہیں کئی بار تجربہ کر چکے ہیں ان کی نیک خصلتوں اور شریفانہ عادتوں کو ان کے بڑے چھوٹے سب مانتے ہیں، یہاں تک کہ وہ ان کو اپنا دنیادی بادشاہ تک بنانے پر کئی بار آمادگی ظاہر کر چکے ہیں۔

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ: کہ انہوں نے اپنے پیغمبر کو نہیں پہچانا، اور یہ اس کو اجنبی سمجھ رہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ انکار کی وجہ یہ بھی نہیں ہے کیونکہ وہ تو اپنے پیغمبر کو اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں، پیغمبر ﷺ کی نبوت سے پہلے چالیس سالہ زندگی بھی ان کے درمیان گزری ہے، انہوں نے کبھی آپ کی سچائی، امانت، دیانت، پاکیزہ، اخلاق، گفتگو پر کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا، یہ لوگ آپکی پوری زندگی سے واقف ہیں، ہر شخص آپ کی دیانت، امانت کی تعریف کرتا رہا ہے اور اب نبوت کے دعوے کے بعد ان کی آنکھیں ہی بدل گئی ہیں اور آپ کو اچھی طرح پہچاننے کے باوجود آپ کی پیغمبری کا انکار کر رہے ہیں۔

نہ تو قرآن نے کوئی نئی بات پیش کی ہے جس کا تم انکار کرتے ہو، اور نہ ہی تم مجھ سے بے خبر ہو، پھر بھلا ہدایت کو کیوں نہیں قبول کرتے؟

کیا تم اس وجہ سے حق کو قبول نہیں کرتے کہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے پیغمبر کو نعوذ باللہ پاگل پن ہے؛ اس لئے پاگلوں جیسی باتیں کرتا ہے۔

حقیقتِ حال

بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَ اَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ۝۷۰ وَ لَوِ اتَّبَعَ

نہیں بلکہ آیا پاس ان کے سچ بات لے کر اور اکثر ان میں سچائی کو ناپسند کرتے (۷۰) اور اگر پیروی کرتا

الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ ؕ

حق تعالیٰ خواہشوں ان کی کی تو بگڑ جاتے آسمان اور زمین اور جو کوئی میں ہے ان

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ۝۷۱ؕ

کوئی نہیں ہم پہنچے ہیں ان کے بھلے کی بات لے کر پس وہ نصیحت سے منہ پھیرتے ہیں (۷۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بلکہ وہ تو ان کے پاس سچی بات لایا ہے اور بہتوں کو سچی بات بری لگتی ہے۔(۷۰) اگر سچا پروردگار ان کی بات مانے تو آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے سب تباہ و برباد ہو جائیں، کوئی نہیں ہم نے انہیں ان کی خیر خواہی کی بات پہنچائی ہے، سو! وہ اپنی خیر خواہی پر دھیان نہیں کرتے۔(۷۱)

تفسیر

اللہ کا پیغمبر ان کے پاس سچی بات لے کر آیا ہے، مگر ان کی اکثریت حق کو پسند نہیں کرتی، الٹا ان کی خواہش تو یہ ہے کہ خود پیغمبر ان کی بات مان لیں، چاہتے تھے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کچھ ڈھیلے پڑ جائیں یعنی وہ بھی ہماری کوئی بات مان لیں، تو ہم بھی ان کی کچھ باتیں مان لیں گے، اس طرح وہ سودے بازی کرنا چاہتے تھے۔

وَ لَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ: اگر دین حق ان کے خیالوں کی پیروی کرتا تو تمام جہان میں کفر و شرک پھیل جاتا اور اسکا اثر یہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کا غضب سب پر اترتا اور سب کچھ تباہ و برباد ہو جاتا، مطلب یہ ہے کہ حق کسی باطل کی پیروی نہیں کر سکتا حق ہمیشہ رہنے والا ہے جب کہ باطل ختم ہونے والی ہے۔

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ: بلکہ ہم تو قرآن کی صورت میں ان کے پاس ایک نصیحت لائے ہیں، مگر وہ لوگ اپنی نصیحت سے منہ پھیرنے والے ہیں، یہ کتنی بدبختی کی بات ہے کہ بنی اسرائیل کی طرح پہلے تو کتاب کا خود مطالبہ کیا، کہتے تھے کہ اہل کتاب کے پاس کتاب موجود ہے ہمارے پاس بھی کوئی نصیحت کی کتاب ہونی چاہئے، مگر اللہ تعالیٰ نے وہ کتاب نازل فرمائی تو صاف انکار کر دیا۔

گمراہی کی وجہ

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّ هُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾

یا طلب کرتے ہیں آپ ان سے خرچ سوا خرچ دیا ہوا رب آپ کے کا بہتر ہے اور وہ بہتر روزی دینے والا ہے (۷۲)

وَ اِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا

اور تحقیق آپ البتہ بلاتے ہیں ان کو طرف راہ سیدھی کے (۷۳) اور تحقیق وہ جو نہیں

يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾

ایمان لاتے پر آخرت سے راستہ البتہ منہ پھیر لیتے ہیں (۷۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یا آپ ان سے کچھ خرچ مانگتے ہیں آپ کے رب کا دیا ہوا بہتر ہے اور وہ بہترین روزی دینے والا ہے۔ (۷۲) اور آپ تو انہیں سیدھی راستے کی طرف بلاتے ہیں۔ (۷۳) اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ سیدھے راستے سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ (۷۴)

لفظی تحقیق: خَرْج اور خَرَاج دونوں کا مادہ: خ۔ ر۔ ج ہے، خروج کے معنی نکلنا ہے، خَرْج جس کو اردو میں خرچ کہتے ہیں، وہ چیز جو دوسرے کو اجرت، محصول کے طور پر اپنے مال میں سے نکال کر دی جائے۔

نٰكِبُوْن: مڑ جانے والے۔ناکب کی جمع ہے۔جون۔ک۔ن۔سے اسم فاعل ہے،نکوب کے معنی راستہ چھوڑ کر کسی اور طرف مڑ جانا سیدھی راہ چھوڑ کر ٹیڑھی راہ پر چلنا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ان کے نہ ماننے کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی تھی کہ حضرت محمد ﷺ ان کو عقیدت مند اس لئے بنانا چاہتے ہیں کہ وہ اپنا خرچ ان سے وصول کریں اور ان کی کمائی میں اپنا حصہ مقرر کریں، جیسے ظالم بادشاہ کیا کرتے ہیں۔

سو! اس کی اے ہمارے پیغمبر! آپ کو ضرورت نہیں، آپکے لئے آپ کے رب کا دیا ہوا سب سے بہتر ہے اور آپکے لئے بالکل کافی ہے تو وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے، اوروں کی طرف دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں، آپ کی ان سے کوئی غرض اٹکی ہوئی نہیں ہے آپ تو انہیں سیدھی راہ کی طرف بلاتے ہے اور یہ واقعہ ہے کہ جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے، جیسے: یہ لوگ نہیں مانتے وہ سیدھی راہ سے بھٹک جاتے ہیں حقیقت میں جو مرنے کے بعد جزا سزا کا ماننے والا نہ ہوا سے سیدھے راستے پر قائم کرنا بڑا مشکل ہے وہ تو ٹیڑھا ہی چلے گا۔

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا: کیا آپ ان سے کوئی فیس یا ٹیکس مانگتے ہیں جس کی وجہ سے یہ لوگ آپ کے پیغمبر ہونے کا انکار کر رہے ہیں، ایسی بات بھی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ان کو تبلیغ کرنے کی ان سے مزدوری یا معاوضہ طلب کرے اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ کے ہر پیغمبر نے تو یہی اعلان کیا ہے کہ میں تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، کیونکہ میرا معاوضہ تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، میں نے تمہارے فائدے کی بات کی ہے اور یہ میری بے لوث خدمت ہے، کاہن، نجومی، شاعر، حکیم وغیرہ بھی اپنی کارکردگی کی فیس وصول کرتے ہیں مگر پیغمبر کہتے ہیں کہ ہماری بات سنو اور قبول کرو، یہی ہمارا معاوضہ ہے۔

فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ: آپ کو اپنے پروردگا سے ملنے والا معاوضہ ہی بہتر ہے، دنیا کے حقیر مال اور چند ٹکٹوں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا معاوضہ بہت ہے، اور وہ بہتر روزی دینے والا ہے چونکہ رزاق

اللہ تعالیٰ ہے؛اس لئے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تم سے کچھ نہیں مانگتے، یہاں پر کوئی خود غرضی یا مالی فائدے کی بات نہیں بلکہ سراسر اخلاص ہے،اب اگر اس دعوت کو قبول نہ کرو تو پھر یہ تمہاری کم بختی کی علامت ہے۔

وَ اِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ :آپ تو ان کو سیدھے راستے کی طرف دعوت دے رہے ہیں،اس میں آپ کی کوئی ذاتی غرض نہیں ہے،ایمان اور نیکی کا راستہ بتلا رہے ہیں،عقیدے،اخلاق اور عمل کی پاکیزگی کی بات بتا رہے ہیں۔

وَ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ :وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ سیدھے راستے سے مڑ جانے والے ہیں،اگر انہیں قیامت اور آخرت کے حساب کا ڈر ہوتا تو یہ ضرور سیدھا راستہ اختیار کر لیتے۔

بے پٹے نہ مانیں گے

وَ لَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَ كَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ
اور اگر ہم رحم کریں ان پر اور کھول دیں جو ہے پر ان سے مصیبت البتہ لگے رہیں میں سرکشی اپنی

يَعْمَهُوْنَ﴿۷۵﴾ وَ لَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ
ادھر اُدھر بھٹکتے (۷۵) اور تحقیق پکڑا ہم نے انہیں عذاب میں پس نہ عاجزی کی انہوں نے آگے رب اپنے کے

وَ مَا يَتَضَرَّعُوْنَ﴿۷۶﴾ حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ
اور نہ گڑگڑائے (۷۶) یہاں تک کہ جب کھول دیں گے ہم پر ان دروازہ والا عذاب

شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ﴿۷۷﴾ ۴ ع ۴ ۴
سخت اچانک وہ میں اس مایوس اور حیران رہ جائیں گے (۷۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور جو انہیں تکلیف پہنچے دور کر دیں تو پھر بھی بھٹکتے ہوئے اپنی شرارت میں لگے رہیں گے۔(۷۵) اور ہم نے انہیں عذاب میں پکڑ لیا تھا پھر انہوں نے اپنے رب کے آگے عاجزی کی اور نہ گڑگڑائے۔(۷۶) یہاں تک کہ جب ہم ان پر ایک سخت عذاب کا دروازہ کھول دینگے تب

ایک دم ان کی امید ٹوٹ جائے گی۔(۷۷)

لفظی تحقیق: لَجُّوْا: ٹوٹ پڑیں۔ ماضی کا صیغہ ہے۔ ل۔ ج۔ ج سے "لَجٌّ" کے معنی سر ہو جانا، کسی کام پر پِل پڑنا، لجاجت اسی سے بنا ہے۔ مُبْلِسُوْنَ: حیران ہو جانا۔ "مُبْلِسٌ" کی جمع ہے جو "اِبْلَاسٌ" سے بنا ہے، اس کا مادہ ب۔ ل۔ س سے ہے، "بَلْس" کے معنی: مایوسی، ابلاس: مایوس ہو کر گم ہو جانا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ان پر کوئی آفت آتی ہے تو گھبرانے لگتے ہیں پھر جب ہم اس آفت کو دور کر دیتے ہیں تو پھر شرارتیں کرنے لگتے ہیں اور اندھوں، باؤلوں کی طرح خراب کاموں میں پوری طرح لگ جاتے ہیں اور بری طرح ان پر پِل پڑتے ہیں ہم نے ان پر دنیا میں قحط وغیرہ کی مصیبتیں اتاریں تاکہ یہ ہماری طرف جھکیں اور سرکشی چھوڑ دیں، لیکن ان کے دل ذرا بھی نرم نہ ہوئے اپنے رب کے سامنے اپنی عاجزی کا اظہار کرتے اور اس کے سامنے روتے گڑگڑاتے، لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئے، آخر ایسی ڈھٹائی کا انجام کیا ہونا تھا، یہی کہ ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھل گیا اور مسلمانوں کے ہاتھ سے لڑائیوں میں مارے گئے قید ہوئے، وطن سے بے وطن کر دیئے گئے، ساری اکڑ نکل گئی، مایوسی نے گھیر لیا، سب سے آس ٹوٹ گئی اور آخرت میں دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔

وَ لَوْ رَحِمْنٰهُمْ: اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور ان کی تکلیف دور کر دیں تو وہ اپنی سرکشی میں سرگرداں ہو جائیں گے، چنانچہ جب مکے والوں سے قحط دُور ہو گیا تو وہ پھر کفر پر اصرار کرنے لگے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت

وَ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا

اور وہی ہے جس نے بنا دیئے لئے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بہت کم

مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٨﴾ وَ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَ اِلَيْهِ
جو شکر کرتے ہو تم (۷۸) اور وہی ہے جس نے پھیلایا تمہیں میں زمین اور طرف اسی کی

تُحْشَرُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَ هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ وَ لَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ
اکٹھے کئے جاؤ گے (۷۹) اور وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور لئے اسی کے ہے آنا جانا رات

وَ النَّهَارِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٨٠﴾
اور دن کا کیا پس نہیں سمجھتے تم (۸۰)

بامحاورہ ترجمہ: اور اسی نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنادیئے تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔ (۷۸) اور اسی نے تمہیں زمین میں پھیلا رکھا ہے اور اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے۔ (۷۹) اور وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کا کام ہے رات اور دن کا بدلنا، سو! کیا تمہیں سمجھ نہیں۔ (۸۰)

تفسیر

قرآن مجید انسان کو دکھانا چاہتا ہے کہ دنیا سے اور دُنیا والوں سے اس کے تعلق جب درست ہوں گے اور اس کے اپنے سارے کام بھی اسی وقت بنیں گے جب وہ اللہ تعالیٰ کو اور اس کی صفتوں کو ٹھیک ٹھیک پہچان لے گا، اس کے بغیر اسے امید نہ رکھنی چاہئے، کہ وہ دنیا میں اصلی کامیابی کی زندگی گزارے گا اور مرنے کے بعد بھی آرام کا حقدار بن سکے گا؟ تعجب ہے کہ انسان سب کچھ کرتا ہے لیکن نہیں پہچانتا تو اللہ کو، اور نہیں مانتا تو مرنے کے بعد کی زندگی کو، اس کو بتایا جارہا ہے کہ آنکھیں ہوتے ہوئے ان سے ٹھیک کام نہ لینا تو اور بات ہے ورنہ صاف دکھائی دے رہا ہے کہ انسان کو سننے، دیکھنے اور سمجھنے کی قوت کس نے دی، اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: اللہ وہی تو ہے، جس نے تمہیں کان، آنکھ اور دل دیا، تاکہ ان سے ٹھیک ٹھیک کام لو، لیکن تم ان سے ٹھیک کام نہیں لیتے ،ان کی قوتوں کو فضول خرچ کرتے ہو، اللہ تعالیٰ کی باتیں سنو، اس کی قدرت کی نشانیاں دیکھو، اس پر ایمان لاؤ، یہی ان تینوں کا ٹھیک استعمال ہے، اللہ تعالیٰ ہی نے تمہیں دنیا میں ہر جگہ پھیلایا، اور پھر تم سب اسی کے

سامنے اکٹھے ہو کر پیش کئے جاؤ گے، وہی مارتا ہے وہی زندہ کرتا ہے، ایک موٹی سی اس کی قدرت کی نشانی یہ ہے کہ زمانہ دن اور رات دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے، زندہ کرنا اور مارنا، دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن کا لانا، یہی اس کی قدرت کی نشانی کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے اسی سے سمجھ لو کہ وہ تمہیں مرنے کے بعد پھر زندہ کر سکتا ہے، اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔

وَ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ: وہی ہے جس نے تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل بنائے، یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، انسان کے کان معلومات حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، اگر کسی کے کان خراب ہو جائیں تو انسان کو بہت سی معلومات حاصل نہیں ہو سکتیں، اگرچہ آنکھوں کے ساتھ دیکھنے سے معلومات حاصل ہو جاتی ہیں، کانوں کے ذریعے ہی وعظ و نصیحت کی باتیں سُنی جاتی ہیں جن پر عمل کیا جاتا ہے اور بُرائی کی باتیں گانے بجانے بھی انہی کانوں کے ذریعے سُنتے ہیں، جن سے بچنے کا حکم ہے، تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کانوں اور آنکھوں کا ذکر بہت سی جگہوں پر کر کے ان کے فائدوں کو ظاہر کیا ہے اور ان کو قدرت کی دلیل کے طور پر بیان کیا ہے، اکثر لوگ نہ تو آنکھوں سے صحیح کام لیتے ہیں اور نہ نیک مقصد کے لئے زبان کو استعمال میں لاتے ہیں، زبان سے جھوٹ بولنا اور گالیاں دینا تو اس کا غلط استعمال ہے اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی ناشکری ہے۔

کان، آنکھ اور دل ہر ایک کے متعلق قیامت کے دن پوچھ گچھ ہوگی کہ میں نے تمہیں یہ عظیم نعمتیں عطا کی تھیں، تم نے ان کو کس طرح استعمال کیا؟

فرمایا: میں نے تمہیں یہ بہت بڑی نعمتیں عطا کی تھیں مگر افسوس تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو، شکر تو یہ تھا کہ ان کے ذریعے اچھائی کی باتیں حاصل کرتے، اللہ تعالیٰ کی پہچان کو اپنے دل میں جگہ دیتے اور برائی سے نفرت کرتے، مگر تم نے ان نعمتوں کا صحیح استعمال نہیں کیا۔

صحیح بات کو سننے کی توفیق نہیں ہوئی، دل کے ساتھ نیکی کی بجائے برائی کا ارادہ کیا، دل میں ایمان، توحید اور نیکی کو جگہ دینے کی بجائے کفر، شرک، بدعت اور منافقت کو جگہ دی، تو پھر یہ اللہ تعالیٰ کے انعاموں کی ناشکری

ہے؛ اسی لئے اللہ نے فرمایا کہ: تم بہت کم ہی شکر ادا کرتے ہو۔

وَ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ: اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا ہے، اور تم اسی کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے انسانی آبادی کو دنیا کے مختلف علاقوں میں بکھیر دیا ہے، ہر خطے کی آب وہوا کا اثر اس کی آبادی پر بھی پڑتا ہے، جس کا اثر رنگ، صحت اور شکل وصورت میں واضح ہوتا ہے، گرم اور سرد علاقوں کی اپنی اپنی ضرورتوں اور اپنے اپنے وسائل ہوتے ہیں، اسی طرح میدانی اور پہاڑی علاقوں کے لوگوں کے اپنے اپنے طور طریقے اور اپنے اپنے رسم ورواج اور اپنی اپنی ضرورتیں ہوتی ہیں، ہر خطے کے لوگوں کو اپنے اپنے علاقے اور وطن سے محبت ہوتی ہے، اور پورے اطمینان کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت ہے کہ ہر قوم اپنے اپنے مقام پر مطمئن ہے، اور پھر یہ ہے کہ کوئی انسان دنیا کے کسی علاقے میں زندگی گزارے، مرنے کے بعد اسے بہر حال اللہ ہی کی طرف جانا ہے، وہ اپنی بارگاہ میں ہر رنگ ونسل اور ہر ملک وقوم کے لوگوں کو اکٹھا کرے گا۔

وَ هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ: خدا تعالیٰ وہ ہے جو زندہ رکھتا ہے اور موت دیتا ہے، جب تک اسے منظور ہوتا ہے، انسان زمین پر زندگی گزراتا ہے اور پھر جب اس کی موت کا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو موت دے دیتا ہے، گویا زندگی اور موت کا پورا نظام اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے، یہ اختیار اس نے کسی دوسری کو نہیں دیا، یہ بھی اس کی قدرت کی ایک دلیل ہے۔

وَ لَهُ اخْتِلَافُ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ: دن رات کا اختلاف بھی اسی کے ہاتھ میں ہے، وہ ایک مقررہ طریقے کے مطابق رات اور دن کو آگے پیچھے لاتا ہے، اس نے دن رات کے ذریعے دنوں کی گنتی کا حساب رکھا ہوا ہے، ایک دن رات چوبیس گھنٹے میں مکمل ہوتا ہے، ہفتہ سات دن میں، مہینہ تیس دن میں اور سال بارہ مہینوں میں، اللہ تعالیٰ نے ایسی نظام مقرر کر رکھا ہے، جس میں ایک سکینڈ کا بھی فرق نہیں پڑتا اور تمام لوگ اسی رات اور دن کے حساب سے معمولات زندگی گزارتے ہیں۔

ان سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ کیا تمہیں اتنا شعور نہیں کہ ان

قدرت دلیل پر غور وفکر کرسکو۔

تھیوچال

بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوْٓا ءَ اِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا

کچھ نہیں یہ کہہ رہے ہیں جیسے وہ کہا تھا پہلوں نے (۸۱) کہہ رہے ہیں کیا جب مر چکے ہونگے ہم اور ہو گئے

تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَ

مٹی اور ہڈیاں تو کیا ہم پھر اٹھائے جائیں گے (۸۲) البتہ تحقیق کہا گیا ہم سے اور

اٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾

باپ دادوں ہمارے سے یہی سے پہلے نہیں یہ مگر کہانیاں پہلوں کی (۸۳)

بامحاورہ ترجمہ: نہیں بلکہ یہ تو وہی کہہ رہے ہیں جو پہلے لوگ کہا کرتے تھے۔(۸۱) کیا جب ہم مرگئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو پھر کیا ہم اٹھائے جائیں گے۔(۸۲) ہم سے یہ وعدہ کیا جارہا ہے اور پہلے ہمارے باپ دادا سے بھی یہی وعدہ کیا گیا تھا اور کچھ بھی نہیں یہ پہلوں کی قصے کہانیاں ہیں۔(۸۳)

لفظی تحقیق: اَسَاطِيْرُ: کہانیاں۔"اُسْطُوْرَةٌ" کی جمع ہے جو: س۔ط۔ر سے بنا ہے۔"اُسْطُوْرَةٌ" قصہ جو پہلے سے چلا آتا ہو۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: یہ جو مرنے کے بعد انسان کے دوبارہ جی اٹھنے کا انکار کر رہے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں ان سے پہلے لوگ بھی یہی کہا کرتے تھے، جب پیغمبروں نے انہیں سمجھایا کہ انسان کو مرکر دوبارہ زندہ کردیا جائے گا تو کہنے لگے کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب جان نکل گئی اور گوشت گل سڑ گیا، صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا اور وہ بھی کچھ دن تک تو پھر آدمی دوبارہ زندہ ہو کر کیسے اٹھ کھڑا ہوگا، ہم سے ایسی باتیں کی جارہی ہیں، جن کا سر نہ پیر، ہم

سے پہلے یہی باتیں ہمارے باپ دادوں سے بھی کی گئی مگر ان کی حقیقت کچھ نہیں ان کو پہلے لوگوں نے گھڑ لیا تھا ،اب قصے کہانیوں کے طور پر انہی کو بار بار دہرایا جا رہا ہے، اگر یہ بات سچی ہوتی تو کبھی تو ہمارے سامنے مٹی کا ڈھیر زندہ آدمی بن کر کھڑا ہو گیا ہوتا۔

سیدھی بات

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴿۸۴﴾ سَيَقُوْلُوْنَ
آپ کہیں کس کی ہے یہ زمین اور جو کوئی میں اس اگر ہو تم جانتے (۸۴) آخر کہیں گے یہ سب کچھ

لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ
اللہ کا ہے کہہ دیجئے کیا پس نہیں تم سوچتے (۸۵) کہہ دیجئے کون ہے رب آسمانوں سات کا اور رب

الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴿۸۷﴾
عرش عظیم کا (۸۶) آخر کہیں گے سب کچھ اللہ کا ہے کہہ دیجئے کیا پس نہیں تم ڈرتے (۸۷)

با محاورہ ترجمہ:۔ان سے پوچھیں یہ زمین اور جو کوئی اس میں ہے یہ سب کچھ کس کا ہے اگر جانتے ہو تو بتاؤ۔(۸۴) ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا ہے، آپ کہیں پھر کیا تم سوچتے نہیں۔(۸۵) ان سے پوچھیں ساتوں آسمانوں کا مالک اور اس بڑے تخت کا مالک کون ہے؟ (۸۶) ضرور کہیں گے یہ اللہ تعالیٰ کا ہے آپ کہیں کیا پھر تم ڈرتے نہیں۔(۸۷)

تفسیر

ان آیتوں میں نہایت عمدہ طریقے سے سمجھایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہوئے موت کے بعد کی زندگی میں شبہ کرنا اس بات کی علامت ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح نہیں پہچانا اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں جیسا غور ہونا چاہئے غور نہیں کیا، یہ نشانیاں ہر جگہ پھیلی ہوئی ہیں۔

ارشاد ہے کہ: اگر تمہیں کچھ خبر ہے تو بتاؤ! یہ زمین کس کی ہے اور اس کا اور اس پر رہنے والوں کا مالک کون ہے؟ ظاہر بات ہے کہ اس کا جواب سوا اس کے اور کچھ نہ دے سکیں گے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہے، اس کے بعد ان سے کہو کہ اتنا جاننے کے بعد کیا یہ تم نہیں سمجھ سکتے کہ جب وہ ساری زمین اور زمین والوں کا مالک ہے تو وہ اس اجزاء سے تمہیں دوبارہ بھی بنا سکتا ہے، جیسے: پہلے بنایا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم نے دماغ سے ٹھیک کام نہیں لیا اور معلومات سے صحیح نتیجہ نہیں نکالا، پھر ان سے پوچھو کہ ساتوں آسمان اور عظیم الشان تخت کا مالک کون ہے؟ اس کا جواب بھی سوا اس کا کچھ نہ بن پڑے گا، ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے پھر ان سے کہہ دیں تعجب ہے کہ تم پھر بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے اس سے ڈرتے نہیں۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهَآ: اے پیغمبر! آپ ان کافروں اور مشرکوں سے پوچھیے کہ زمین اور اس میں موجود ہر چیز کس کی ہے، اس زمین پر مخلوق آباد ہے، اسی میں پیدا ہوتے ہیں، کاروبار کرتے ہیں، چلتے پھرتے ہیں، اس پر مکانات بناتے ہیں، اس میں کھیتی باڑی کر کے اپنے لئے روزی کا سامان مہیا کرتے ہیں مگر یہ تو بتلاؤ کہ اتنی بڑی زمین آخر کس کی ہے، مطلب یہ کہ اس کو پیدا کس نے کیا ہے اور اس کا پورا کنڑول کس کے ہاتھ میں ہے، فرمایا: بتاؤ! اگر تم جانتے ہو تو اس سوال کا جواب دو۔

پھر اللہ نے خود ہی جواب میں فرمایا: کہ ان لوگوں کا جواب یہی ہوگا کہ زمین اور اس کی تمام چیزوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے، فرمایا: ان لوگوں کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں تو پھر ان سے پوچھیں کہ پھر تم نصیحت کیوں نہیں پکڑتے؟ اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کا انکار کیوں کرتے ہو، اور قیامت پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ: بھلا بتاؤ تو! ساتوں آسمان کا بنانے والا کون ہے؟ اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ اس کے جواب میں بھی کافر و مشرک یہی کہیں گے کہ یہ چیزیں بھی اللہ تعالیٰ ہی کی ہیں، وہی ان کا بنانے والا اور وہی مالک ہے، فرمایا: اگر یہ بات ہے تو پھر تم ڈرتے کیوں نہیں؟ جب تم ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ کو مانتے ہو تو پھر اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہوئے تمہیں خوف کیوں نہیں آتا؟ یہ بڑی گستاخی کی بات ہے۔

صاف واقعہ

قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ يُجِيْرُ وَ لَا يُجَارُ عَلَيْهِ

کہہ دیجئے کون ہے ہاتھ میں جس کے حکومت ہے ہر چیز کی اور وہ پناہ دیتا ہے اور نہیں پناہ دی جاتی خلاف اس کے

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾

اگر ہو تم جانتے (۸۸) یہی کہیں گے کہ حکومت اللہ ہی کی ہے کہہ دیجئے پس کیسے پھنس گئے تم جادو میں (۸۹)

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾

نہیں بلکہ پاس ان کے لائے ہیں ہم سچی بات اور تحقیق وہ البتہ جھوٹے ہیں (۹۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر ان سے پوچھیں کہ ہر چیز کی بادشاہت کس کی ہاتھ میں ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اس کے خلاف کسی کو پناہ نہیں دی جا سکتی اگر جانتے ہو۔(۸۸) یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں، آپ کہہ دیجئے! تم جادو میں کہاں پھنسے جا رہے ہو میں۔(۸۹) بلکہ نہیں ہم نے ان کے پاس سچ پہنچایا ہے اور وہ البتہ جھوٹے ہیں۔(۹۰)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: پھر ان سے یہ بھی پوچھیں کہ ہر چیز کی بادشاہت کس کے ہاتھ میں ہے اور ہر چیز اپنے اپنے ڈھنگ پر کس کے حکم سے چل رہی ہے جس کو وہ چاہے اپنی پناہ میں لے سکتا ہے جس کو وہ پناہ دیدے کوئی اسے ستا نہیں سکتا، ادھر جس کو وہ مجرم قرار دے، اسے کوئی اس کے عذاب سے بچا نہیں سکتا، اگر تم یہ بات جانتے ہو تو بتاؤ، اس کے جواب میں بھی وہ سوا اس کے کچھ نہ کہا سکیں گے کہ حکم تو سب پر اللہ ہی کا چلتا ہے کوئی چیز اس راستہ سے جو اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے ذرا بھی نہیں ہٹ سکتی۔

جب اس سوال کا اس کے سوا کوئی جواب نہیں پھر ان سے کہہ دو کہ تمہاری عقل پر پردہ کہاں سے پڑ گیا

ہے کہ اتنا سمجھنے کے بعد پھر ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو کہ مرنے کے بعد جینا نہیں ہوسکتا، اور قیامت کے دن عملوں کا حساب کتاب نہیں ہوگا، جب سب کچھ اللہ ہی کے حکم میں ہے اور ہر چیز اسی کے تابع ہے تو دوبارہ زندہ کرنا اور انسان کو اس کے عملوں کی سزا جزا دینا اس کی لئے کیا مشکل ہے۔

وَ هُوَ يُجِيْرُ وَ لَا يُجَارُ عَلَيْهِ: یعنی: اللہ تعالیٰ جس کو چاہے عذاب اور مصیبت رنج و تکلیف سے پناہ دیدے اور یہ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے مقابلے پر کسی کو پناہ دے کر اس کے عذاب و تکلیف سے بچالے، یہ بات دُنیا کے اعتبار سے بھی صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو کوئی نفع پہنچانا چاہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور جس کو کوئی عذاب دینا چاہے اس سے کوئی بچا نہیں سکتا، اور آخرت کے اعتبار سے بھی یہ مضمون صحیح ہے کہ جس کو وہ عذاب میں مبتلا کریگا اس کو کوئی بچا نہ سکے گا اور جس کو جنت اور راحت دیگا اس کو کوئی روک نہ سکے گا۔

غلط باتیں

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ

نہیں بنایا اللہ نے کسی کو اپنا بیٹا اور نہ ہے ساتھ اس کے کوئی اور خدا ایسا ہوتا تو لے جاتے ہر

اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا

خدا وہ چیز جو اس نے بنائی اور چڑھ دوڑتے ایک ان کا پر دوسرے پاک اللہ سے اس جو

يَصِفُوْنَ ﴿٩١﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٩٢﴾ ع ۱۵ ۵ ۵

وہ بیان کرتے ہیں (۹۱) جاننے والا چھپے اور کھلے کا سو وہ بلند تر ہے سے اس جسے شریک کرتے ہیں وہ (۹۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اللہ نے کسی کو اپنا بیٹا نہیں بنایا اور نہ اس کے ساتھ کوئی معبود ہے (اگر) یوں ہوتا تو ہر خدا اپنی بنائی ہوئی مخلوق لے جاتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتے، اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے جو باتیں وہ بیان کرتے ہیں۔ (۹۱) چھپے اور کھلے کا جاننے والا ہے وہ اس سے بہت بلند ہے جسکو وہ اس کا

شریک سمجھتے ہیں۔(٩٢)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اسے نہ اولاد کی ضرورت ہے اور نہ جہاں کے پیدا کرنے اور اس کا انتظام کرنے میں اس کا کوئی اور شریک ہے۔

اللہ کو مانو تو اس طرح مانو کہ اس کی کوئی اولاد نہیں ہے اور نہ اس کو اس کی ضرورت ہے، اور نہ دوسرا اس کے ساتھ دنیا کی حکومت میں شریک ہے، اگر دنیا کے بنانے اور اس کی حکومت میں اس کے ساتھ اور بھی شریک ہوتے تو سب کا آپس میں کبھی نہ کبھی ضرور ٹکراؤ ہوتا اور ہر ایک اپنی اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو جاتا اور اپنی طاقت اکٹھی کر کے دوسرے پر ہلّہ بول دیتا اور تمام نظام درہم برہم ہو جاتا۔

ان باتوں سے توبہ کرو، اللہ تعالیٰ اولاد سے اور شریک سے پاک ہے، نہ کسی میں اس کی سی قوت ہے اور نہ اس کا سا علم، وہ ڈھکی چھپی سب چیزوں کو جانتا ہے اور جن کو تم اس کی اولاد اور شریک بتاتے ہو وہ ان سے بلند مرتبہ والا ہے۔

عذاب سے پناہ

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿٩٣﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي

کہہ دیجئے اے رب میرے اگر تو مجھے دکھادے جو وعدہ کیا ہے ان سے (٩٣) تو اے رب میرے پس نہ کرنا مجھے میں

الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٩٤﴾ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿٩٥﴾

لوگوں جو ظالم ہیں (٩٤) اور تحقیق ہم اس پر کہ دکھادیں آپ کو جو وعدہ کر رہے ہیں ہم ان سے البتہ قادر ہیں (٩٥)

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿٩٦﴾

دفع کر ایسی بات سے جو بہتر ہے برائی کو ہم خوب جانتے ہیں جو وہ باتیں کرتے ہیں (٩٦)

بامحاورہ ترجمہ: آپ کہیں اے میرے رب! اگر آپ مجھے دکھانے لگیں جو ان سے وعدہ ہوا ہے، یعنی: اگر میری زندگی میں ہی ان پر عذاب آجائے تو اے رب! مجھ کو ان گناہگار لوگوں میں شامل نہ کرنا۔ (۹۴) (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:) اور ہم قدرت رکھتے ہیں اس بات کی کہ جو ان سے وعدہ کیا ہے وہ آپ کو دکھلا دیں۔ (۹۵) بُری بات کے جواب میں وہ بات کہہ جو بہتر ہے ہم خوب جانتے ہیں جو یہ باتیں بناتے ہیں۔ (۹۶)

تفسیر

اس آیت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے ذریعہ آپ کے فرمانبرداروں کو ہدایت کی گئی ہے، کہ ہر ایک اللہ تعالیٰ کے غضب سے پناہ مانگا کرے اور یوں کہے کہ اے رب! اگر میری زندگی ہی میں تیرا عذاب ان نافرمانوں پر آنے والا ہو تو مجھے ان کے ساتھ عذاب میں شریک نہ کرنا اور اپنی رحمت سے تمام مصیبتوں سے محفوظ رکھنا، حدیث شریف میں یہ دعا بھی سکھائی گئی ہے، اے اللہ! جب تو کسی قوم کے ساتھ فتنہ یا آزمائش کا ارادہ کرے تو مجھے ایسی حالت میں اپنی طرف اٹھا لے کہ میں فتنہ میں مبتلا نہ ہوں، یہاں بھی اللہ نے اپنے پیغمبر کو یہی دعا سکھلائی ہے کہ عذاب کے وقت آپ ان ظالموں سے علیحدگی کی درخواست کریں، اے پیغمبر! ہمیں اس بات پر پوری طرح قدرت حاصل ہے کہ ان پر وہی عذاب جس سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے، ابھی ابھی آپ کے سامنے ہی بھیج دیں، لیکن ابھی انہیں مہلت دی جا رہی ہے تاکہ جس کو سیدھا ہونا ہو وہ ہو جائے، اس لئے آپ ان کے ساتھ برائی کے بدلے بھلائی کریں جو یہ کر رہے ہیں۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ ان کے منہ سے جو بے تکی باتیں نکلتی ہیں وہ سب ہمیں خوب معلوم ہیں۔

وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ: اللہ نے فرمایا کہ: ہم یہ سزا آپ کو آپ کی زندگی میں بھی دکھا سکتے ہیں، چنانچہ بعض چیزیں اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی میں ہی دکھا دیں، آپ کی زندگی میں کافروں اور مشرکوں کو ذلّت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا، انہیں شکست ہوئی یہانتک کہ آپ کی زندگی میں ہی پورا عرب مشرکوں سے پاک ہو گیا، قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے اور باقیوں نے اسلام قبول کر لیا۔

مشرک آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے ہیں، اور ذہنی طور پر پریشان کرتے ہیں، مگر ان کی برائی کا جواب برائی سے دینے کی بجائے اس برائی کا دفاع نیکی اور اچھائی کے ساتھ کریں، مشرکوں کی بداخلاقی کے مقابلے میں آپ نرمی اور خوش اخلاقی سے کام لیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بداخلاقی کی اجازت کبھی نہیں دی۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ: ہم ان کی کاموں کو خوب جانتے ہیں، یہ لوگ جس قدر کینہ وبغض رکھتے ہیں، گالیاں دیتے ہیں اور تکلیفیں پہنچاتے ہیں، وہ سب ہمارے علم میں ہیں، ہم خود ان سے نپٹ لیں گے، مگر آپ ان کی ہر برائی کا جواب نیکی کے ساتھ دیں، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ لوگ بھی نرم پڑ جائیں گے، آپ کا کام آسان ہوجائے گا اور پھر کامیابی بھی آپ ہی کے حصے میں آئے گی، پیغمبر ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے کہ جس چیز میں سختی داخل ہوجاتی ہے، وہ اس کو بگاڑ دیتی ہے، اور جس چیز میں نرمی پائی جاتی ہے، وہ اس کو سنوار دیتی ہے۔

اسلام کے ابتدائی دور میں بعض اوقات بعض نومسلم صحابہ کی زبان سے بے ادبی کی باتیں بھی نکل جاتی تھیں مگر پیغمبر ﷺ نے ہمیشہ شفقت اور محبت کا اظہار کیا اور کسی کو سختی سے جواب نہیں دیا، حضرت معاویہ بن حکیم سلمی رضی اللہ عنہ سے بعض ایسی باتیں ہوگئیں تھیں مگر ان کو پیار سے ساری بات سمجھادی، آخر ان کو کہنا پڑا اللہ کی قسم! میں نے ایسا معلم پہلے کبھی نہیں دیکھا، انہوں نے نہ مجھے ڈانٹا اور نہ بُرا بھلا کہا بلکہ میری ہر سخت بات کا جواب نہایت عمدہ طریقے سے دیا؛ اسی لئے فرمایا کہ: آپ برائی کا دفاع اچھائی کے ساتھ کریں، پیغمبر ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ: اے ابوذر! اگر تم سے کوئی بداخلاقی یا برائی کی بات ہوجائے تو اسکو نیکی کے ساتھ مٹاؤ، ہر برائی کے پیچھے نیکی لگادو، اگر ایسا کروگے تو برائیاں خود بخود مٹتی چلی جائینگی، اور اگر برائی کا جواب برائی سے دوگے تو برائی میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

یعنی: آپ برائی کو بھلائی کے ذریعہ، ظلم کو انصاف کے ذریعہ اور بے رحمی کو رحم کے ذریعہ دفع فرمادیں، یہ اچھے اخلاق کی تعلیم ہے، جو پیغمبر ﷺ کو دی گئی ہے۔

خفیہ دشمن سے پناہ

وَ قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۹۷﴾ وَ اَعُوْذُ بِكَ

اور کہہ دیجئے اے رب میرے! پناہ مانگتا ہوں میں آپ کی سے چھیڑ چھاڑ شیطانوں کی (۹۷) اور پناہ مانگتا ہوں میں آپ کی

رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ

اے رب میرے! اس سے کہ آئیں وہ میرے پاس (۹۸) یہاں تک کہ جب آئے گی کسی ایک کی ان میں سے موت تو کہے گا

رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا

اے رب میرے! واپس بھیج دیجئے مجھے (۹۹) تا کہ میں کام کرلوں اچھا اس میں جو چھوڑ آیا ہوں نہیں یہ ہرگز نہ ہوگا

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور آپ کہیں اے میرے رب! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں شیطان کی چھیڑ چھاڑ سے۔(۹۷) اور پناہ چاہتا ہوں آپ کی، اے رب! اس سے کہ وہ میرے پاس آئیں۔(۹۸) یہاں تک کہ جب ان میں کسی کو موت آئے تو کہے گا اے میرے رب! مجھے پھر واپس بھیج دیں۔(۹۹) تا کہ جو میں پیچھے چھوڑ آیا ہوں وہاں جا کر کچھ بھلا کام کرلوں، نہیں یہ ہرگز نہیں ہوگا۔

لفظی تحقیق: هَمَزَاتِ: کچوکے۔ ہمزۃ کی جمع ہے جو: ہ۔م۔ز سے بنا ہے ہمزہ اور هَمْزَةٌ کے معنی کسی نوکدار چیز کو چبھونا۔ یہاں هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ سے مراد شیطانی وسوسے ہیں۔ یَحْضُرُوْنَ اور اِرْجِعُوْنِ اصل میں یَحْضُرُوْنِیْ اور اِرْجِعُوْنِیْ ہے۔ وقف کی وجہ سے ی دونوں میں گر گئی اِرْجِعُوْا: لوٹا مجھے۔ تعظیم کے لئے جمع کی گئی ہے۔

تفسیر

انسان کے لئے دنیا میں ایک آفت نہیں ہے، ایک طرف خود شریر انسانوں سے نمٹنا پڑتا ہے اور ان کی شرارتوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کی ضرورت ہوتی ہے مگر چونکہ وہ ظاہر میں دکھائی دینے والے دشمن ہیں؛ اس

لئے ان سے ہاتھاپائی وغیرہ کر کے بھی انہیں دفع کیا جاسکتا ہے، لیکن اس کے علاوہ ایسے دشمن بھی ہیں جو دکھائی نہیں دیتے اور چھپ کروار کرتے رہتے ہیں بلکہ شریر انسانوں کو بھی شرارت پر وہی اُکساتے ہیں، یہ شیطان ہیں جو جنوں کی قسم سے ہیں ان سے پناہ یوں مانگو کہ اے رب! مجھے ان کی نوک جھونک سے بچالے اور اپنی عنایت سے ایسا کر کہ وہ مجھ تک آنے ہی نہ پائیں، آگے ارشاد ہے کہ شریر اپنی شرارت سے باز نہ آئیں گے ہاں جب ان میں سے کوئی مرنے لگے گا اور عذاب کے آثار دیکھ لے گا تو پچھتائے گا، اور عرض کرے گا کہ ہائے میں نے عمر ضائع کی اور آخرت کا کچھ نہ کیا، اے میرے رب! مجھے پھر دنیا میں جسے میں چھوڑ آیا ہوں واپس بھیج دیجئے مجھے پوری توقع ہے کہ اب کے وہاں جا کر خوب نیک کام کروں گا، لیکن یہ تمنا پوری نہ ہوگی، کیونکہ دنیا میں دوبارہ آنے کا کوئی موقع نہیں۔

وَ قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۙ﴿۹۷﴾ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ: لفظ همز کے معنٰی دھکا دینے اور دبانے کے آتے ہیں، اور پیچھے کی طرف سے آواز دینے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، یہ دعا شیطان کے شر اور مکر سے بچنے کے لئے بہت فائدہ مند ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ دعا سکھائی تا کہ ایسے غصہ اور غیظ وغضب کی حالت میں جبکہ انسان کو اپنے نفس پر قابو نہیں رہتا اور اس میں شیطان کا دخل ہوتا ہے اس سے محفوظ رہیں، اس کے علاوہ شیطانوں اور جنوں کے دوسرے اثر سے بچنے کے لئے بھی یہ دعا فائدہ مند ہے، حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو رات میں نیند نہ آتی تھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ دعا بتائی کہ یہ پڑھ کر لیٹا کریں، انہوں نے پڑھا تو یہ شکایت جاتی رہی وہ دعا یہ ہے۔

"اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَ عِقَابِهٖ وَ مِنْ شَرِّ عِبَادِهٖ وَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ وَ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ".

"صحیح مسلم" میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: شیطان تمہارے ہر کام میں ہر حال میں تمہارے پاس آتا ہے اور ہر کام میں گناہوں اور غلط کاموں کا وسوسہ دل میں ڈالتا رہتا ہے۔

ابن جریر نے براوایت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نقل کیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: موت کے وقت مؤمن جب رحمت کے فرشتے اور رحمت کو سامنے دیکھنے لگتا ہے تو فرشتے اس سے پوچھتے ہیں کہ کیا تم چاہتے ہو کہ پھر تمہیں دنیا میں واپس کر دیا جائے تو وہ کہتا ہے کہ میں اس غموں اور تکلیفوں کے عالم میں جا کر کیا کرونگا مجھے تو اب اللہ کے پاس لے جاؤ اور کافر سے پوچھتے ہیں تو وہ کہتا ہے مجھے دنیا میں لوٹا دو۔

فضول تمنا

اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَ مِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ
تحقیق وہ ایک بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے اور مرنے کے بعد ان کے سامنے ایک آڑ ہے جس دن
يُبْعَثُوْنَ ﴿١٠٠﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ
اٹھائے جائیں (١٠٠) پس جب پھونک ماری جائے گی میں صور تو نہ ہوں گے رشتے ناطے میں ان اس دن
وَّ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿١٠١﴾
اور نہ وہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے (١٠١)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یہ ایک بات ہے جو وہ کہتا ہے اس کے پیچھے پردہ ہے اس دن تک کہ اٹھائے جائیں۔ (١٠٠) پھر جب صور میں پھونک ماریں گے تو نہ اس دن ان میں رشتہ داریاں رہیں گے اور نہ کوئی ایک دوسرے کو پوچھے گا۔ (١٠١)

لفظی تحقیق: بَرْزَخٌ: آڑ، پردہ۔ جو چیزیں دو چیزوں کے بیچ میں آ کر انہیں آپس میں ملنے سے روک دے وہ برزخ ہے، یہاں اس سے مراد وہ جہاں ہے جو دنیا کی زندگی ختم ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور آخرت کی زندگی شروع ہونے پر ختم ہو جائے گا، اس کو قبر کا جہاں بھی کہتے ہیں۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جب موت آگئی تو پھر دوبارہ دنیا میں آنے کا سوال محض ایک بات ہے جو مرنے والے کی زبان سے صرف حسرت اور ندامت کے سبب نکلے گی، اس کا نتیجہ کچھ نہیں، مرنے کے بعد تو یہ لوگ ایک اور ہی جہان میں پہنچ جائیں گے، جو دنیا و آخرت کے بیچ میں ہے، موت پر دنیا ختم ہوتی، اور عالم برزخ شروع ہونا، جس میں آخرت کی تھوڑی بہت جھلک ہوگی، پھر جب صور پھونکا جائے گا، تو عالم برزخ ختم ہو جائے گا، اور قیامت شروع ہوگی، یہاں کے رشتے ناطے سب ختم ہو جائیں گے، سارے آدمی ایک ہی میدان میں جمع کر دیئے جائیں گے کسی کو دوسرے کا ہوش نہ ہوگا، سب اکٹھے ہوں گے لیکن کوئی کسی کو نہ پوچھے گا، نہ کوئی رشتہ دار کسی اپنے رشتہ دار سے بات کرے گا۔

اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا: یہ ایک بات ہے جس کو وہ کہے گا، یہ اس کی تمنا ہی تمنا ہے، محض آرزو ہے جو کبھی پوری نہیں ہوگی، جو ایک دفعہ چلا گیا، اس کی واپسی ناممکن ہوگئی۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ: قیامت کے روز صور دو مرتبہ پھونکا جائے گا، پہلی مرتبہ صور پھونکنے کا یہ اثر ہوگا کہ سارا جہان زمین و آسمان اور جو اسکے درمیان ہے، ختم ہو جائے گا، اور دوسری مرتبہ صور پھونکنے سے پھر سارے مردے زندہ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے، اس آیت میں صور کا نفخہ اولیٰ مراد ہے یا نفخہ ثانیہ، اس میں اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: اس آیت میں پہلی مرتبہ صور پھونکنا مراد ہے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: اس جگہ صور پھونکنے سے دوسری مرتبہ صور پھونکنا مراد ہے، "تفسیر مظہری" اسی کو صحیح کہا ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ قیامت کے روز ایک ایک بندے مرد و عورت کو محشر کے میدان میں لایا جائے گا، پھر پکارا جائے گا، یہ شخص فلاں بن فلاں ہے اگر کسی کا کوئی حق اس کے ذمہ ہے تو سامنے آجائے اس سے اپنا حق وصول کرلے، یہ وقت ہوگا کہ بیٹا اس پر خوش ہوگا کہ میرا حق باپ کے ذمہ

نکل آیا، اور باپ کا کوئی حق بیٹے پر ہو تو باپ خوش ہوگا کہ اس سے وصول کرونگا اسی طرح میاں بیوی اور بھائی بہن جس کا جس پر کوئی حق ہوگا یہ پکار سن کر اس سے وصول کرنے کیلئے خوش ہوگا، یہی وہ وقت ہے جس کے متعلق اس آیت میں آیا ہے، اس وقت خاندانی رشتے اور رشتہ داریاں کچھ کام نہ آئیں گے، کوئی کسی پر رحم نہ کریگا، ہر شخص کو اپنی اپنی فکر لگی ہوگی۔

کامیابی اور ناکامی

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ خَفَّتْ

پس وہ شخص بھاری ہوئے عمل ان کے پس وہ وہی کامیاب ہوں گے (۱۰۲) اور جو لوگ ہلکے ہوئے

مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

عمل ان کے پس وہ وہی ہے جنہوں نے نقصان کیا اپنی جانوں کا میں دوزخ ہمیشہ رہیں گے (۱۰۳)

بامحاورہ ترجمہ: سو! جن کے عمل بھاری ہوا تو انہی لوگوں نے کامیابی پائی۔ (۱۰۲) اور جس کے عمل ہلکے ہوئے۔ سو! وہی لوگ ہیں جو اپنی جان ہار بیٹھے وہ ہمیشہ دوزخ میں رہا کریں گے۔ (یہ حالات ایمان والوں کو پیش نہیں آئیں گے)۔ (۱۰۳)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: انسانوں کے عمل کا وزن کیا جائے گا، جس کے عمل کچھ وزن رکھتے ہوں گے، اس کا کام بن جائے گا، اور وہ ساری پریشانیوں سے چھوٹ جائے گا، خوشی نصیب ہوگی، رنج و غم پاس نہ پھٹکے گا، جو کچھ اس نے اس دنیا میں بویا تھا، وہاں اس کا پھل اسے ملے گا۔

اس کے برخلاف جس کے عمل ہلکے اور بے وزن ثابت ہوں گے، وہ آخرت میں خسارے میں ہوگا۔

دوسری دفعہ پچھتاوا

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَ هُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ۝۱۰۴ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ

جھلس دے گی چہروں ان کے کو آگ اور ان کے میں اس چہرے بگڑ رہے ہوں گے (۱۰۴) کیا نہیں تمہیں آیتیں میری

تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ۝۱۰۵ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا

پڑھی جاتیں پر تم پس تھے تم انہیں جھٹلاتے (۱۰۵) کہیں گے اے رب میرے آ دبوچا ہمیں

شِقْوَتُنَا وَ كُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ۝۱۰۶

بدبختی ہماری نے اور رہے ہم لوگ راہ سے بھٹکنے والے (۱۰۶)

بامحاورہ ترجمہ: آگ ان کے منہ کو جھلس دے گی اور اس میں ان کی شکل بگڑ رہی ہوگی۔ (۱۰۴) (ان سے کہا جائیگا) کیا تم کو ہماری آیتیں سنائی نہ جاتی تھیں، پھر تم ان کو جھٹلاتے تھے؟ (۱۰۵) بولے اے رب! ہمیں ہماری بدبختی نے آدبایا اور ہم لوگ بہکے ہوئے رہے۔ (۱۰۶)

لفظی تحقیق: تَلْفَحُ: جھلس دے گی۔ مضارع مؤنث ہے۔ "لَفْحٌ" کے معنی جھلس دینا۔ كٰلِحُوْنَ: بگڑے ہوئے چہرے والے۔ "كٰلِحٌ" کی جمع ہے "كُلُوْحٌ" کے معنی: چہرہ کا بگڑ جانا۔ ہونٹوں کا بڑھ جانا۔ کھال سکڑ جانا وغیرہ۔

تفسیر

دوزخ کے اندر اللہ تعالیٰ کے نہ ماننے والے داخل ہوں گے، وہاں کی آگ ان کو جلادیگی، بدن سوج جائیگا، چہرہ کی صورت بدل جائیگی، ہونٹ پھول جائیں گے، حلیہ بگڑ جائیگا، اللہ تعالیٰ کے سامنے دکھ درد سے تنگ آکر آہ فریاد کریں گے، ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا دنیا میں قرآن مجید کی آیتیں تم کو سنائی نہ گئی تھیں، ضرور وہ تمہارے سامنے ہر وقت پڑھی جاتی تھیں، مگر تم انہیں سرسری طور سن کر یہی کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام نہیں، یونہی خود گھڑ کر اس

کے نام جھوٹ موٹ لگا دیا ہے، ہمیں اس کی طرف دھیان دینے کی ضرورت نہیں، ان آیتوں میں تمہیں دوزخ سے ڈرادیا گیا تھا اور یہاں کے عذاب کی کیفیت بالکل واضح کردی گئی تھی، یہ تو بتاؤ تم نے انہیں جھوٹ کیوں سمجھا، وہ چلا ئیں گے، اے رب! ہم پر ہماری بدبختی غالب آگئی، اب ہم خوب سمجھ رہے ہیں کہ جوراستہ ہم نے اختیار کیا تھا، سراسر گمراہی کا تھا۔

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ: آگ ان کے چہروں کو جھلس دیگی، اور وہ اس دوزخ میں نہایت ہی بدشکل ہوجائیں گے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ دوزخ کی آگ جب ان کے قریب آئے گی تو آدمی کا اوپر والا ہونٹ نصف پیشانی تک چلا جائے گا اور نیچے والا ہونٹ ناف تک لٹک جائے گا، دانت کھل جائیں گے، اور اس طرح وہ بدشکل بن جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ان مجرموں سے فرمائے گا: کیا میری آیتیں تمہیں پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں۔

پس! تم ان کو جھٹلاتے تھے، تمہیں ایمان کی باتیں سمجھائی جاتی تھیں، اللہ تعالیٰ کے حکم پڑھ کر سنائے جاتے تھے، قدرت کی دلیل دکھائی جاتی تھی، مگر تم مانتے ہی نہ تھے اور کہتے تھے کہ خدا نے کوئی کلام نہیں اتارا، تم پیغمبروں کو جھٹلاتے تھے، قیامت کا انکار کرتے تھے اور اس طرح ہماری آیتوں کو جھٹلاتے رہے، اب دیکھو! تمہارا کیا حشر ہو رہا ہے، اس وقت وہ لوگ گناہوں کا اقرار کریں گے۔

کہیں گے، اے ہمارے پروردگار! ہماری بدبختی ہم پر غالب آگئی، اور ہم یقیناً گمراہ لوگ تھے۔

صاف جواب

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَـُٔوْا

اے رب ہمارے! نکال ہم کو سے اس پس اگر وہی کریں ہم تو بیشک ہم ظالم ہیں (۱۰۷) ارشاد ہوگا دور ہوجاؤ

فِيْهَا وَ لَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ

دوزخ میں اور نہ بولو مجھ سے (۱۰۸) تحقیق بات یہ ہے کہ تھا ایک گروہ میرے بندوں کا جو کہا کرتا تھا

رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾

اے رب ہمارے! ہم ایمان لائے پس بخش دے ہمیں اور رحم کر ہم پر اور تو بہترین رحم کرنے والے ہیں (۱۰۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے ہمارے رب! ہم کو اس میں سے نکال لے اگر ہم پھر وہی کریں تو ہم ظالم ہیں۔(۱۰۷) فرمایا: اسی میں پھٹکارے میں ہوئے پڑے رہو اور نہ مجھ سے بولو۔(۱۰۸) میرے بندوں میں سے ایک گروہ تھا جس کے لوگ کہا کرتے تھے اے ہمارے رب! ہم یقین لائے، سو! ہمیں معاف کردیں اور ہم پر رحم کریں اور آپ سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والے ہیں۔(۱۰۹)

لفظی تحقیق: اِخْسَئُوْا: دور ہو، دفع ہو۔امر کا صیغہ ہے "خَسَاءٌ" کے معنی دور ہوجانا۔ کتے کے دھتکارنے کے لئے "اِخْسَاءٌ" کہتے ہیں۔

تفسیر

دوزخی دوزخ میں دکھ درد کے مارے کرّاہیں گے چیخیں گے، چلائیں گے، عرض کریں گے اے ہمارے رب! ہم نے دنیا میں تیرا کہنا نہ مانا، اے ہمارے رب! ایک دفعہ پھر ہمیں اس دوزخ سے نکال کر دنیا میں بھیج دے اب ہم نیک کام کریں گے، تیرے حکموں پر عمل کریں گے، اگر ہم پھر ویسے ہی ڈھٹائی پر اتر آئیں جیسے پہلے کی، تو پھر ظالم، گنہگار، ستمگر سب کچھ کہلانے کے مستحق ہوں گے، پھر ہمیں جو چاہے سزا دینا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملے گا، دور ہو اور اسی دوزخ میں چپ چاپ پڑے رہو، مجھ سے بات مت کرو، دنیا میں تم نے سرکشی کی حد کردی، امام زہری رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے مفسرین کا قول ہے کہ دوزخیوں کی چیخ و پکار اور اللہ کی طرف سے جواب آنے کے درمیان ایک ہزار سال کا وقفہ ہوگا، ہزار سال تک چیخنے چلانے کے بعد انہیں یہ جواب ملے گا، تم دیکھتے تھے کہ میرے بندوں کا ایک گروہ مجھے پکارتا ہے اور کہتا ہے اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے ہماری خطائیں معاف کر، ہمارے گناہ بخش دے ہم پر رحم کر تو ہی سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں۔

ہم کواس سے نکال دے، پھر اگر ہم لوٹ کر ایسی بات کریں گے تو ہم گنہگار ہوں گے، (اللہ تعالیٰ) فرمائیں گے: تم اسی دوزخ میں ذلیل ہوکر رہو، اور نہ مجھ سے بات کرو، بیشک میرے بندوں میں سے ایک گروہ ایسا تھا جو کہتے تھے، اے ہمارے پروردگا! ہم ایمان لائے ہیں پس بخش دے ہمیں، اور رحم کر ہم پر، اور آپ سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔

وَ لَا تُكَلِّمُوْنِ: حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: دوزخ والوں کا یہ آخری کلام ہوگا جس کے جواب میں حکم ہو جائیگا کہ ہم سے کلام نہ کرو، پھر کسی سے کچھ کلام نہ کر سکیں گے، جانوروں کی طرح ایک دوسرے کی طرف بھونکیں گے، اور بیہقی وغیرہ نے محمد بن کعب سے نقل کیا ہے کہ قرآن میں دوزخ والوں کی درخواستیں نقل کی گئی ہیں ان میں سے چار کا جواب دیا گیا اور پانچویں کے جواب میں حکم ہو گیا، "لَا تُكَلِّمُوْنِ" بس! یہ ان کا آخری کلام ہوگا، اس کے بعد کچھ نہ بول سکیں گے۔

زندگی کے بارے میں سوال

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰۤى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَ كُنْتُمْ مِّنْهُمْ
پس بنالیا تم نے انہیں مذاق یہاں تک کہ بھلا دیا انہوں نے تمہیں میرا ذکر اور تھے تم سے ان

تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْۤا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ
ہنسی کرتے (۱۱۰) تحقیق میں نے بدلہ دیا انہیں آج بدلے اس کے کہ صبر کیا انہوں نے یہ کہ وہی خاص طور پر

الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا
کامیاب ہیں (۱۱۱) فرمایا کتنی دیر ٹھہرے تم میں زمین گنتی سے سالوں کی (۱۱۲) کہنے لگے

لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾
ہم ٹھہرے ایک دن یا کچھ حصہ دن کا پس پوچھ لے گننے والوں سے (۱۱۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر تم ان سے مذاق کرنے لگے یہاں تک کہ ان کے پیچھے میری یاد بھول گئے اور تم ان سے ہنسی کرتے تھے۔(۱۱۰) میں نے آج ان کو ان کے صبر کا بدلہ یہ دیا کہ کامیابی کو پہنچنے والے وہی ہیں۔ (۱۱۱) فرمایا: تم برسوں کی گنتی سے دنیا میں کتنی دیر رہے۔(۱۱۲) بولیں گے ہم ایک دن رہے یا اس سے بھی کم، سو ! گننے والوں سے پوچھ لیں۔(۱۱۳)

لفظی تحقیق: سِخْرِیًّا: وہ جس سے مذاق کیا جائے۔ اسم منسوب ہے۔

تفسیر

میرے ان اطاعت گزار بندوں سے تم نے مذاق شروع کردیا، اور ہر طرح سے ان کے ستانے پر کمر باندھ لی، وہ میرے سامنے ہاتھ باندھ کر چپ چاپ کھڑے ہوتے تھے اور مجھے پکارتے تھے، تم نے ان کا تماشا بنالیا اور لگے ان کی عبادت کے طریقے پر ہنسنے، یہاں تک کہ تمہیں اس کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں رہا کہ ان پر ہنسو ، میری یاد بالکل ہی بھلا دی، یہ بھی بھول گئے کہ میں تمہیں سزا دے سکتا ہوں، آج آنکھیں کھول کر دیکھو کہ وہی میرے بندے جن کی باتوں پر تم دنیا میں ہنستے تھے، میری عبادت اور فرمانبرداری کے بدلے میں کامیاب ہیں، بھلا! یہ تو بتاؤ کہ تم دنیا میں کتنے سال رہے؟ وہ دکھ درد کے مارے کہیں گے: ہم تو ایک دن یا صرف چند گھنٹے ہی رہے ہوں گے، لکھنے والے فرشتے کو گنتی یاد ہوگی ان سے پوچھ لیا جائے گا کہ ہم کتنے دن رہے؟

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا: تم نے انہیں مذاق کا نشانہ بنایا، یہاں تک کہ انہوں نے تم کو میرے یاد سے غافل کردیا، تم مجھے یاد کرنا ہی بھول گئے۔

ایمان والے لوگوں نے ذکر سے کیسے غافل کردیا، مفسرین اس کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ کافر ایمان والوں کیساتھ اس قدر مذاق کرنے لگے کہ انہیں اللہ کی یاد کے لئے وقت ہی نہیں ملتا تھا۔

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ: تم زمین میں کتنے سال تک ٹھہرے؟

ان کا جواب ہوگا کہ ہم دنیا میں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے، اس دنیا کی پچاس، ستر یا سو سالہ زندگی

انہیں ایک دن کے برابر محسوس ہوگی، اس میں برزخ کا عرصہ بھی شامل کرلیں تو بھی وہی تصور رہیگا، کیونکہ آخرت کی ہمیشہ کی زندگی کے مقابلے میں دنیا اور برزخ کی زندگی بالکل قلیل معلوم ہوگی۔

فرمایا: فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ: اگر تمہیں اپنی دنیوی زندگی کا شمار یاد نہیں تو شمار کرنے والے فرشتوں سے پوچھ لو، وہ تو تمہارا پل پل شمار کرتے رہے ہیں، اور تمہارا ہر اچھا کام اور ہر برا کام لکھتے رہے ہیں ان سے پوچھ لو، وہ تمہیں ٹھیک ٹھیک بتادینگے کہ تم دنیا میں کتنا عرصہ رہے۔

زندگی کھیل نہیں

قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اَفَحَسِبْتُمْ

کہا نہیں ٹھہرے تم مگر تھوڑا اگر بے شک تم ہوتے جانتے (۱۱۴) کیا گمان کرتے ہو تم

اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَى

کہ بنایا ہم نے تمہیں فضول اور یہ کہ تم طرف ہماری نہیں لوٹائے جاؤ گے (۱۱۵) پس بلند وبرتر ہے

اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ

اللہ بادشاہ حقیقی

بامحاورہ ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تم بہت نہیں تھوڑے دن ہی رہے ہو اگر تم جانتے ہوتے۔ (۱۱۴) سو! کیا تم خیال رکھتے ہو کہ ہم نے تمہیں فضول بنایا اور تم ہمارے پاس لوٹ کر نہ آؤ گے۔ (۱۱۵) سو! اللہ بہت بلند و برتر سچا بادشاہ ہے۔

تفسیر

جواب میں ارشاد ہوگا کہ: اس میں تو شک نہیں کہ تم رہے تو بہت تھوڑی مدّت، لیکن سمجھتے یہ رہے کہ ابھی تو بہت دن جینا ہے خوب مزے اڑانے چاہئے، یہ تمہارے حق میں بہت بہتر ہوتا کہ دنیا ہی میں اس بات کو سمجھ لیتے

اور آخرت کی زندگی کے لئے جلدی جلدی تیاری کر لیتے، لیکن تمہیں دنیا کی زندگی بہت دلچسپ معلوم ہوئی، اسی میں جی لگ گیا اور لگے عیش کا سامان بٹورنے جیسے ہمیشہ یہی رہنا ہے، اگر دنیا ہی میں سمجھ لیتے کہ دنیا تھوڑے دن کی ہے یا ہمارے پیغمبروں اور کتابوں ہی کے کہنے سے مان جاتے تو آج اس قدر حسرت اور ندامت میں مبتلا نہ ہوتے اور نہ دوزخ کی آگ میں جلتے۔

آگے انسان کو غفلت سے جگانے کے لئے ارشاد ہوتا ہے کہ لوگو! یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ تمہیں ہم نے کھیل کے طور پر بنایا ہے اور تم چاہے جو کرو، تم سے کوئی پوچھ گچھ نہ ہوگی، سنو اور غور کرو کہ تمہیں یقیناً ایک دن ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے اور تمہارے عملوں کا بڑا زبردست نتیجہ نکلے گا، یا تو جنت میں داخل ہوکر آرام کی زندگی گزارو گے اور یا دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ میں ہمیشہ کیلئے جلو گے۔

یہ خیال دل سے نکال دو کہ تم آزاد ہو، سنو! ہم لغو باتوں اور کھیل کود کے پاس تک نہیں جاتے، ہماری شان اس سے بلند ہے کہ ہم کوئی فضول بات کریں ہم حقیقی بادشاہ ہیں، ہمارا کام عدل وانصاف ہے، دنیا میں کاموں کی پوری جزا سزا نہیں ملتی، اس کے لئے قیامت کا دن مقرر ہے۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا: کیا تم گمان کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں فضول پیدا کیا ہے؟ عبث کا معنیٰ باطل، مہمل، بے کار، فضول ہے، بلکہ یہ خیال ہی غلط ہے کہ انسان سے پوچھ گچھ نہ ہو، اس کا مطلب تو یہ ہے کہ انسان کو بالکل کھلا چھوڑ دیا جائے، وہ نہ کسی حلال حرام کا پابند ہو، اور نہ نیکی بدی کا، جب وہ کسی چیز کا پابند نہیں ہوگا، تو پھر اس سے پوچھ گچھ بھی نہیں ہوگی، ایسا نہیں ہے، بلکہ ہر انسان اللہ تعالیٰ کے قانون کا پابند ہے اور پھر اس کا حساب وکتاب بھی ہوگا۔

فرمایا کہ: تم گمان کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں بے کار پیدا کیا ہے، اور یہ کہ تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے؟ ظاہر ہے کہ اگر انسان کی پیدائش بے مقصد ہے تو پھر اس کے حساب وکتاب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ اسے اللہ تعالیٰ کے پاس واپس لوٹائے جانے کی ضرورت ہے یہ غلط خیال ہے، ہر چیز کی پیدائش اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک پروگرام دے کر دنیا میں بھیجا ہے، اس سے اس کی کارکردگی کی

پوچھ گچھ ضروری ہے، اور اس کے لئے اس کا واپس لوٹا جانا بھی ضروری ہے، لہذا وہ سب کو اپنے پاس اکٹھا کریگا، پھر حساب و کتاب کی منزل آئیگی اور جزا و سزا کا فیصلہ ہوگا۔

بیماری سے شفاء

یہ "سورۂ مومنون" کی آخری آیتیں: "اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ" سے آخر تک خاص فضیلت رکھتی ہیں، بغوی اور ثعلبی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان کا گزر ایک ایسے بیمار پر ہوا جو سخت مرض میں مبتلا تھا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کے کان میں "سورۂ مومنون" کی یہ آیتیں: "اَفَحَسِبْتُمْ" سے آخر تک پڑھی وہ اسی وقت اچھا ہوگیا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ آپ نے اس کے کان میں کیا پڑھا، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ آیتیں پڑھی ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: قسم ہے! اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر کوئی آدمی جو یقین رکھنے والا ہو یہ آیتیں پہاڑ پر پڑھ دے تو پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہے۔

خلاصۂ کلام

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا

نہیں کوئی معبود سوا اس کے مالک تخت کا عزت والا (۱۱۶) اور جو پکارے ساتھ اللہ کے معبود

اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ

کوئی اور نہیں کوئی سند اس کے پاس جس کی پس تحقیق حساب اس کا پاس رب اس کے تحقیق وہ نہیں کامیاب ہونے لگے

ع ۶ ۶ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

کافر (۱۱۷) اور کہہ دیجئے اے رب بخش دے اور رحم کر اور آپ بہترین ہیں رحم کرنے والوں میں (۱۱۸)

بامحاورہ ترجمہ: کوئی معبود نہیں اس کے سوا مالک اس عزت کے تخت کا۔ (۱۱۶) اور جو کوئی پکارے

دوسرے معبود اللہ کے ساتھ جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں، سو! اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے، بے شک کافر کامیاب نہیں ہوں گے۔(۱۱۷) اور آپ کہیں اے رب! مجھے معاف فرمادیں اور رحم فرمادیں اور آپ سب رحم کرنے والوں سے بہتر ہے۔(۱۱۸)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بلند و برتر ہے کہ وہ انسان کو اتنی زبردست قوت اور پھر اس کے استعمال کا اختیار دے کر صرف کھلونا بنادے، نہیں تو وہ مرنے کے بعد ہمارے سامنے قیامت کے دن حاضر ہوکر اپنے عملوں کا حساب دے گا، اور جو جس نے کیا ہے وہ بھریگا، یاد رکھو! حقیقی بادشاہ اللہ تعالیٰ ہے، اس کے سوا کوئی اختیار والا اور پالنے والا نہیں، صرف وہی عبادت کے لائق ہے، اور حقیقی معبود صرف وہی ہے، تمام جہان کے عظیم الشان سلطنت کا وہی مالک ہے، جو کوئی اس کے ساتھ دوسرے کے سامنے بھی عبادت کے طور پر جھکے گا اور کسی اور کو بھی اس کے ساتھ معبود سمجھے گا، وہ ہٹ دھرم ہے، اس کے پاس کوئی دلیل اس بات کی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود ہے، وہ اپنے بے بنیاد خیال کی پیروی کررہا ہے، اس کا حقیقی رب اللہ تعالیٰ اس سے اس کے عملوں کا حساب لے گا، جو لوگ دنیا میں اس کا انکار کئے بیٹھے ہیں، یقیناً وہ آخرت میں خالی ہاتھ ہوں گے، ان کو نجات اور کامیابی حاصل نہ ہوگی، وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کی وجہ بیان نہ کرسکیں گے، ان کا مالک، ان کا رب اللہ تعالیٰ ہے، اور آپ یہ کہیں کہ اے رب! ہمارے گناہ بخش دے، ہم پر رحم فرما، آپ کے برابر کوئی رحم کرنے والا نہیں آپ ہی سب سے بہتر رحم کرنے والے ہیں۔

سورۃ المؤمنون پر ایک نظر

اس سورۃ میں علم کے خزانے بھرے ہوئے ہیں، اور ہمیں اس سے کیا سیکھنا چاہئے، سب سے پہلی بات جو اس سورت میں کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ کامیابی ان لوگوں کو نصیب ہوگی جو ایمان لائیں گے، ایمان صرف زبانی دعویٰ کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک دلی کیفیت ہے جس کی وجہ سے چند عادتیں نمایاں ہوتی ہیں: (۱)۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی

عظمت اور ہیبت جس سے نماز میں خاموشی اور عاجزی پیدا ہو۔ (۲)....نکمّی باتوں سے پرہیز، جیسے: فضول کھیل کود، بیکار، بحث ومباحثہ، لڑائی جھگڑے وغیرہ۔ (۳)....زکوٰۃ کی باقاعدہ ادائیگی۔ (۴)....شرمگاہ کی حفاظت تاکہ اس سے کوئی شرم ناک گناہ سرزد نہ ہو۔ (۵)....امانت اور قول وقرار کا پورا خیال رکھا جائے۔ (۶)....نماز پابندی سے پڑھی جائے۔ یہ ہیں ایمان کی علامتیں جن میں یہ باتیں ہوں گی وہ دنیا وآخرت دونوں میں کامیاب ہوں گے۔

پھر بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ماننا سب اچھی عادتوں کی جڑ ہے اور اس کا ماننا کچھ مشکل نہیں، انسان کی پیدائش اس کے کھانے پینے کا انتظام طرح طرح کے غلّوں، میووں اور سبزیوں کا زمین سے اُگنا، جانوروں کا انسان کی خدمت کیلئے اس کا تابع ہونا، یہ سب باتیں سوچنے والوں کو بتاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ برحق ہیں، زمین کی حالت کی موسمی تبدیلیاں پہلے اس کی خشکی اور پھر بارش سے تروتازگی، مرنے کے بعد انسان کی دوبارہ زندگی پر یقین پیدا کرنے کے لئے کافی ہیں، پھر انسانوں کی رہنمائی کے لئے پیغمبر دنیا میں آئے جن کا کام یہ تھا کہ انسان کو پاکیزہ زندگی، نیکوکاری اور اتفاق کا سبق سکھائیں۔

اس کے بعد وضاحت کی گئی ہے، کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ پر اس کے پیغمبر پر اور آخرت پر ایمان لانا، نیک کام کرنا، کسی پر ظلم وستم کرنے سے بچنا، یہی سیدھی راہ ہے، جس پر چل کر انسان دونوں جہان میں کامیاب ہوسکتا ہے، کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک کرنا بدبختی کی نشانی ہے اور سیدھی بات کو توڑ موڑ کر رکھ دینا ہے، دنیا میں انسان کے بدعملیوں سے عذاب آتا ہے، ایمان والوں کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے پناہ مانگتے رہیں۔

منکروں اور مشرکوں کا آخرت میں ٹھکانا دوزخ ہوگا، آخر میں انسان کو بتایا ہے کہ وہ دنیا میں بیکار پیدا نہیں کیا گیا ہے، اسے دنیا میں لوٹ کر آنا نہیں ہے، ابھی جو کچھ کرنا ہے کر لے ورنہ پچھتائے گا، سورت کے ختم میں فیصلہ سنایا گیا ہے کہ کافر ہرگز کامیابی نہ پائیں گے تم اللہ سے اپنی بخشش اور رحمت مانگو۔

سورۃ النور کا خلاصہ

اس سورت میں ۶۴ آیتیں اور اور ۹ رکوع ہیں اور یہ مدینہ میں اتری، اس سورۃ کی تمام آیتیں مدینہ ہی

اتریں، اس میں زیادہ تر گھریلو اور اجتماعی زندگی کے پاک صاف رکھنے کے طریقے بتائے گئے ہیں، ناجائز تعلقات کی سزا مقرر کی گئی ہے، پاکیزہ گھرانوں کی عورتوں کے متعلق وہم وگمان کی بنا پر برے خیالات پھیلانے والوں کی سزا کا قانون بتایا گیا ہے، بیوی پر بدکاری کا الزام لگانے والے خاوند کے مسئلے کو حل کیا گیا ہے، ہجرت کے پانچویں سال بنی عبدالمصطلق کی جنگ کے موقعہ پر کچھ منافق لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بابت غلط اور بے بنیاد بدگمانی شروع کی، شیطانی وسوسوں نے اپنا کام کیا اور کچھ مسلمان بھی اس بارے میں ڈگمگانے لگے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم گہری سوچ میں مبتلا ہوئے اور طبیعت کو بہت زیادہ بے چینی نے گھیرا، عام مسلمان پریشانی میں پھنس گئے، آخر اس سورت کی اسی زمانے میں چند آیتیں اتریں، جن میں بدگمانی پھیلانے والوں کی سزا کا بیان ہے، اور مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندوں کی بابت بدگمانیاں پھیلانے سے بچیں، ورنہ سخت سزا کے حقدار ہوں گے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت، یعنی: پاک دامنی کی شہادت ہمیشہ کے لئے قرآن مجید کی آیتوں میں درج کی گئی، مسلمان مردوں اور عورتوں کو ہدایت کی گئی کہ پاکیزہ زندگی اختیار کریں، اور اس کا طریقہ بتایا گیا بیوہ عورتوں کو دوبارہ شادی کر لینے کی مصلحت سمجھائی گئی، اسلامی معاشرے کو خرابیوں، بدگمانیوں اور بے ہودہ باتوں سے پاک صاف رکھنے کے طریقے اس میں بتلادیئے گئے ہیں۔

پھر ارشاد ہوا کہ: زمین وآسمان کی رونق اللہ تعالیٰ ہی کی روشنی کی بدولت ہے، ورنہ سوا اندھیرے کے اور کیا رکھا ہے، اسی کی تسبیح کرو، اسی کی فرمانبرداری میں دل وجان سے مصروف ہوجاؤ، اس سورت میں مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا کہ انہیں زمین کی بادشاہت دی جائے گی تاکہ اسلام کی خوبیاں اور برکتیں تمام دنیا میں پھیلانے کا موقع مل جائے، پھر آپس میں مل جل کر رہنے کا طریقہ بتایا گیا ہے، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام کی ہدایت کی گئی ہے، اور بتایا گیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمہارا برتاؤ کیسا ہونا چاہئے۔

شانِ نزول

اس سورۃ میں واقعہ افک بیان ہوا ہے، ۶ھ میں یہ واقعہ پیش آیا، قبیلہ بنی مصطلق کے لوگ اکثر اسلام

دشمن کاروائیوں میں ملوث رہتے تھے، جب ان کی سازشیں حد سے بڑھ گئیں تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف جہاد کا اعلان فرمایا، اور خود مجاہدین کی قیادت فرمائی، اس سفر میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ تھیں، واپسی پر ایک ایسا حادثہ پیش آیا کہ قافلے نے ایک مقام پر رات کے وقت قیام کیا، صبح سویرے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا باہر نکلیں تو ان کا ہار گم ہوگیا، اس کی تلاش میں انہیں دیر ہوگئی، قافلے کی روانگی کا وقت ہوا تو چار آدمیوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خالی کجاوا اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا اور چل دیئے، قافلے کے پیچھے دیکھ بھال کے لئے جانے والے ایک صحابی صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیکھ لیا اور آپ کو اپنے اونٹ پر سوار کر کے قافلے تک پہنچایا، اس واقعہ پر منافقوں نے بڑا پروپیگنڈا کیا، حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی، اس سے ایمان والوں کو بڑی تکلیف ہوئی، پھر ایک ماہ بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حق میں اس سورۃ کی سولہ آیتیں اتاریں۔

سورۃ کی اہمیت

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور مشہور تابعی حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث بیان کی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: اپنے مردوں کو "سورۃ مائدہ" سکھاؤ کیونکہ اس میں حلال وحرام اور دوسرے مسئلے بیان ہوئے ہیں جو زیادہ مردوں کے متعلق ہیں، اور اپنی عورتوں کو "سورۃ نور" سکھاؤ اس میں عزت وآبرو کی حفاظت اور بدکاری کو روکنے کے قانون بیان کئے گئے ہیں۔

"صاحبِ روح المعانی" فرماتے ہیں کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ والوں کو اس مضمون کا خط لکھا تھا کہ اپنی عورتوں کو "سورۃ نساء، سورۃ احزاب اور سورۃ نور" سکھاؤ، کیونکہ ان سورتوں میں عورتوں سے متعلق بہت سے مسئلے آئے ہیں۔

سورۃ النور کے مضمون

اس سورۃ میں مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی سے متعلق بہت سی باتیں بیان کی گئی ہیں، اس لحاظ سے یہ سورۃ فحاشی، بے حیائی، بداخلاقی اور بدکاری کے روکنے کا قانون ہے، اس میں عزت وآبرو کی حفاظت کے

قانون بیان کئے گئے ہیں، پردے کا حکم دیا گیا ہے، بدکاری کی حد کے علاوہ اس سورۃ میں تہمت لگانے کی سزا بھی بیان کی گئی ہے، اس کے علاوہ لعان کا قانون بیان کیا گیا ہے کہ اگر مرد اپنی عورت پر بے حیائی کا الزام لگائے تو اس معاملے کو کس طرح نمٹایا جائے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ افک بھی اس سورۃ میں بیان ہوا ہے، کسی کے گھر میں داخلے کے لئے اجازت کا قانون، قرآن کریم کی سچائی کا ذکر بھی ہے، قرآن پاک کی تعلیمات سے فائدہ اٹھانے والے اور محروم رہنے والے لوگوں کا انجام بیان کیا گیا ہے، مسلمانوں کے آپس کے تعلقات، رشتہ داروں سے اچھا سلوک پیغمبر سے بات کرنے کے آداب بھی اس سورۃ میں بیان کئے گئے ہیں، منافقوں کی مذمت بیان ہوئی ہے، غلامی اور مکاتبت کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے، اس کے علاوہ بہت سے حکم، مثالیں، نصیحت کی باتیں، توحید اور تنبیہات بھی اس سورۃ میں بیان کی گئی ہیں، جہاد کا حکم دیا گیا ہے اور پیغمبر کی مخالفت کرنے سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔

آیاتها - ۶۴ سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ رکوعاتها - ۹

سورۃ النور مدنی ہے، اس میں چونسٹھ آیتیں اور نو رکوع ہیں۔

سورۃ کی اہمیت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَ فَرَضْنٰهَا وَ اَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ

ایک سورت جو ہم نے اتاری اور لازم کیا اس کو اور اتاریں میں اس آیتیں واضح اور صاف تاکہ تم

تَذَكَّرُوْنَ ① اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا

یاد رکھو (۱) بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد پس مارو ہر ایک کو میں سے ان دونوں

مِائَةَ جَلْدَةٍ ۠ۖ
سو کوڑے

بامحاورہ ترجمہ:۔ یہ ایک سورۃ ہے جس کو ہم نے اتارا ہے اور اس کے حکموں کو ہم نے ہی فرض قرار دیا ہے، اور اتاری ہیں ہم نے اس میں واضح اور کھلی باتیں تا کہ تم نصیحت پکڑلو۔ (۱) بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد، پس! مارو ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے۔

تفسیر

سورۃ کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے بڑے زوردار طریقے سے اس کی تمہید بیان کی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے: یہ ایک سورۃ ہے جو ہماری طرف سے اتاری گئی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے شاہی فرمان ہیں اور اس کی طرف سے جاری کردہ قوانین ہیں، اور ہم نے ہی ان حکموں کو مقرر کیا ہے، شریعت کے سارے حکم اللہ ہی کی طرف سے مقرر کئے جاتے ہیں۔

مفسرین کرام یہ بنیادی بات بیان کرتے ہیں کہ قانون خواہ کتنا ہی اچھا ہو جب تک اس پر عمل نہیں کیا جائے گا اس کا کچھ فائدہ ظاہر نہیں ہوگا، زنا دو قسم پر ہے، اگر کوئی کنوارہ شخص بدکاری کرے تو اسے اس آیت کے مطابق اس کو سو کوڑے لگائے جائیں گے اور اگر کوئی شادی شدہ شخص بدکاری کرتا ہے تو اس کی سزا سنگساری ہے، "تورات" میں بھی یہی قانون تھا کہ ایسا شخص جان سے مارا جائے گا۔

بدکاری کا ثبوت دو صورتوں میں پیش کیا جاسکتا ہے، پہلی صورت یہ ہے کہ بدکاری پر چار گواہ پیش کئے جائیں جس کا ذکر اگلی آیتوں میں آرہا ہے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ بدکار مرد یا بدکاری عورت خود اقرار کرے کہ اس نے بدکاری کی ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جن مجرموں کو بدکاری کی سزا دی گئی، ان سب نے اس جرم کا خود اقرار کیا تھا۔

جانوروں کے ساتھ بدفعلی کرنا بھی بالاتفاق حرام ہے، تاہم اس جرم پر حد کی بجائے تعزیر لگے گی، اسی

طرح مشت زنی ہینڈ پریکٹس بھی اگرچہ بہت برا کام ہے مگر اس پر بھی تعزیر لگے گی، ایسے شخص پر لعنت بھیجی گئی ہے۔

زنا کی شرعی سزا

اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ: بدکار عورت اور بدکار مرد، ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو، یہ غیر شادی شدہ مرد یا عورت کی سزا ہے، اس کے علاوہ اگر حاکم مناسب سمجھے تو مجرم کو ایک سال کیلئے جیل میں ڈال سکتا ہے، اور اگر مجرم مرد یا عورت شادی شدہ ہیں تو ان کی سزا قرآن نے بیان نہیں کی بلکہ اس کی سزا حدیث میں موجود ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں یہ سزا عملی طور پر نافذ ہو چکی تھی۔

زنا ایک بہت بڑا جرم ہے: اس لئے اسلام میں اس کی سزا بھی سب سے بڑی رکھی گئی ہے

قرآن کریم نے جن جرموں کی سزا مقرر کی ہے انکو حدود کہا جاتا ہے ان کے علاوہ باقی جرموں کی سزا کو اس طرح متعین نہیں کیا گیا بلکہ امیر یا قاضی مجرم کی حالت اور جرم کی حیثیت اور ماحول وغیرہ کے مجموعہ پر نظر کر کے جس قدر سزا دینے کو جرم کے روک تھام کے لئے کافی سمجھے وہ سزا دے سکتا ہے ایسی سزاؤں کو شریعت کی اصطلاح میں تعزیرات کہا جاتا ہے۔

غیر شادی شدہ مرد عورت کی سزا سو کوڑے "سورہ نور" میں ذکر ہے، حضرت ابو ہریرہ اور زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہما کی روایت "صحیح بخاری اور صحیح مسلم" میں ہے کہ ایک غیر شادی شدہ مرد نے جو ایک شادی شدہ عورت کا ملازم تھا اس کیساتھ بدکاری کی، بدکاری لڑکے کا باپ اس کو لیکر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، واقعہ عورت کے اقرار سے ثابت ہو گیا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تم دونوں کے معاملہ کا فیصلہ اللہ کی کتاب کے مطابق کرونگا، پھر یہ حکم فرمایا کہ: بدکار لڑکا جو غیر شادی شدہ تھا اس کو سو کوڑے لگائے جائیں اور عورت جو شادی شدہ تھی اس کو سنگسار کرنے

کے لئے حضرت اُنیس رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا، انہوں نے خود عورت سے بیان لیا اس نے اقرار کر لیا تو اس پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق سنگساری کی سزا جاری ہوئی۔

اس حدیث میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرد کو سو کوڑے لگانے کی عورت کو سنگسار کرنے کی سزا دی اور دونوں سزاؤں کو اللہ تعالیٰ کا حکم قرار دیا، حالانکہ آیت "سورۂ نور" میں صرف کوڑوں کی سزا کا ذکر ہے، سنگساری کی سزا ذکر نہیں، وجہ وہی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو اس آیت کی مکمل تفسیر وتشریح اور تفصیلی حکم وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا تھا وہ سارا کتاب اللہ ہی کے حکم میں ہے، گو "صحیح بخاری ومسلم" وغیرہ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تقریر بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ مذکور ہے "صحیح مسلم" کے الفاظ یہ ہیں۔

"حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جبکہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر پر تشریف رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کیساتھ بھیجا اور آپ پر کتاب اتاری، تو جو کچھ کتاب اللہ میں آپ پر اترا اس میں سنگساری کی آیت بھی تھی جس کو ہم نے پڑھا، یاد کیا اور سمجھا، پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی سنگساری کی سزا دی اور ہم نے بھی آپ کے بعد سنگساری کی سزا دی، اب مجھے یہ خطرہ ہے کہ زمانہ گزرنے پر کوئی یوں نہ کہنے لگے کہ ہم سنگساری کا حکم کتاب اللہ میں نہیں پاتے، تو وہ ایک دینی فریضہ چھوڑ دینے سے گمراہ ہو جائیں جو اللہ نے اتارا ہے، اور سمجھ لو کہ سنگساری کا حکم کتاب اللہ میں حق ہے اس شخص پر جو مردوں اور عورتوں میں سے شادی شدہ جبکہ اس کے بدکاری پر شرعی شہادت قائم ہو جائے۔"

یہ روایت "صحیح بخاری" میں بھی زیادہ تفصیل کیساتھ مذکور ہے (بخاری: ۱۰۰۹ جلد ۲) اور "نسائی" میں اس روایت کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

"بدکاری کی سزا میں ہم شرعی حیثیت سے سنگساری کرنے پر مجبور ہیں، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی سزاؤں میں سے ایک سزا ہے، خوب سمجھ لو کہ! پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود سنگساری کی سزا دی اور ہم نے بھی آپ کے

بعد سنگساری کی سزا دی، اور اگر خطرہ نہ ہوتا کہ کہنے والے کہیں گے کہ عمر نے کتاب اللہ میں اپنی طرف سے کچھ بڑھا دیا ہے تو قرآن کے کسی کنارے پر میں بھی اس کو لکھ دیتا، اور عمر بن خطاب گواہ ہے عبد الرحمن بن عوف گواہ ہیں اور فلاں فلاں صحابہ گواہ ہیں کہ پیغمبر ﷺ نے سنگساری کی سزا دی اور آپ کے بعد ہم نے بھی سنگساری کی سزا دی۔"

مجرم کے ساتھ نرمی نہ کرو

وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

اور نہ　پکڑے تم کو　ان کے بارے میں ترس اور رحم　میں　حکم　اللہ کے　اگر　ہو تم　ایمان لائے　پر اللہ

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ②

اور　دن　آخرت کے　اور چاہئے کہ دیکھیں　سزا ان دونوں کی　کچھ لوگ　سے　ایمان والوں (۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور تم ان پر ترس نہ کھاؤ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں، اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہو اور ان کی سزا دینے کو مسلمانوں کا ایک گروہ دیکھے۔(۲)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: بدکار مرد اور عورت کی سزا، یعنی: ہر ایک کے سو کوڑے لگانا شرعی حد، یعنی: قانونی سزا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے دنیا میں زندگی گذارنے کا جو طریقہ مقرر کیا ہے، اس کی رو سے اس سزا کا ایسے مجرموں کو دیا جانا ضروری ہے، اس لئے جب جرم ثابت ہو جائے، تو پھر سزا دینے میں کوئی بہانہ بازی نہیں چل سکتی سزا جاری کرنے میں مجرم پر ترس نہ کھانا چاہئے، اور نہ اس کی دولت، مرتبہ اور دوسرے تعلقات کی بناء پر اس سے کوئی رعایت کرنی چاہئے، اگر تم اللہ تعالیٰ پر واقعی ایمان لے آئے اور آخرت پر یقین رکھتے ہو تو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی سزائیں دو، یہ بھی نہ ہونا چاہئے کہ سزا چپکے سے سب سے چھپا کر دی جائے، دوسروں کی عزت

کے لئے ضروری ہے کہ ایسے بے حیاء کام کرنے والوں کو سب کے سامنے کوڑے لگائے جائیں تا کہ ان کی سزا اور رسوائی دیکھ کر دوسرے ایسے کاموں سے بچیں۔

وَّ لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ: شرعی سزا نافذ کرتے وقت مجرموں کے متعلق تمہارے دل میں جذبہ، ہمدردی نہیں پیدا ہونا چاہئے بلکہ ان کو پوری پوری سزا دو، اگر تم اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، اللہ تعالیٰ پر ایمان ہوگا تو جان لوگے کہ سزا اسی نے مقرر کی ہے اور اس کے حکم کی تعمیل ضروری ہے اور اگر قیامت پر ایمان ہے تو تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ دنیا کی اس سزا سے آخرت کی سزا سخت ترین ہے، لہٰذا مجرم کی بھلائی بھی اسی میں ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سزا دے دی جائے اور اس سلسلہ میں کسی قسم کی نرمی اختیار نہ کی جائے۔

اور دوسری بات یہ فرمائی کہ اور چاہئے کہ اس سزا کو مؤمنوں کا ایک گروہ دیکھے، مطلب یہ کہ سزا سر عام دی جائے تا کہ لوگوں کو عبرت حاصل ہو۔

اللہ تعالیٰ نے بدکاری اور بعض دوسرے جرموں میں کوڑے مارنے کی سزا مقرر کی ہے جب کہ بعض لوگ اسے وحشیانہ سزا قرار دیتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے ورنہ اسلام کی مقرر کردہ کوڑوں کی سزا ہرگز وحشیانہ نہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جن مجرموں کو زنا کے کوڑے لگوائے تھے، ان کے زائد کپڑے مثلاً: کورٹ، چادر وغیرہ اتروائے تھے، قمیص پاجامہ وغیرہ جسم پر چھوڑ دیئے تھے تا کہ ننگے نہ ہو، کوڑے مارتے وقت یہ بھی خیال رکھا جائے گا کہ ان کی ضرب سر، چہرے اور نازک اعضاء پر نہ پڑے۔

اس کے برخلاف انگریزی قانون کے مطابق جو کوڑے لگائے جاتے ہیں وہ شدید ترین ہوتے ہیں، جسم کے سارے کپڑے اتروالئے جاتے ہیں اور صرف ایک لنگوٹی پہنا کر ایک ماہر آدمی دور سے دوڑتا ہوا آکر شدید ترین ضرب لگاتا ہے جس سے جسم کے اندر گوشت کا قیمہ بن جاتا ہے، ایک بڑے سے بڑا صحت مند آدمی بھی ایسے تیس کوڑے برداشت نہیں کرسکتا، اب آپ خود ہی انصاف کریں کہ اسلامی سزا وحشیانہ ہے یا انگریزی قانون۔

اسلام میں ابتداً تو جرم کی پردہ پوشی کا حکم ہے، لیکن

جب معاملہ شہادت سے ثابت ہو جائے تو مجرموں کی پوری رسوائی بھی عین حکمت قرار دی گئی ہے۔

جس شخص کا جرم شرعی شہادت سے ثابت ہوگیا تو اب اسکی پردہ پوشی دوسرے لوگوں کی جرأت بڑھانے کا سبب ہے؛ اسلئے اب تک جتنا اہتمام پردہ پوشی کا شریعت نے کیا تھا اب اتنا ہی اہتمام اس کی رسوائی کا کیا جاتا ہے؛ اسی لئے بدکاری کی سزا کو صرف منظر عام پر جاری کرنے پر کفایت نہیں فرمائی بلکہ مسلمانوں کی ایک جماعت کو اس میں حاضر اور شریک رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

بے حیائی کی روک تھام

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۫ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ

بدکار مرد نہیں نکاح کرتا مگر بدکار عورت یا مشرکہ سے اور بدکار عورت نہیں نکاح کرتا اس سے

اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۳

مگر بدکار مرد یا مشرک اور حرام کر دیا گیا یہ سب پر ایمان والوں (۳)

با محاورہ ترجمہ: بدکار مرد نکاح نہیں کرتا مگر بدکار یا شرک کرنے والی عورت سے، اور بدکار عورت سے نکاح نہیں کرتا مگر بدکار مرد یا مشرک مرد، اور حرام ہوا ہے یہ (زنا) ایمان والوں پر۔ (۳)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جس مرد کو بدکاری کی بدعادت پڑ گئی ہو، اس سے نکاح کرنا وہی عورت پسند کرے گی جو خود بدکاری کی عادت میں مبتلا ہو، پاک دامن عورت کبھی بدکاری مرد سے شادی کرنے پر راضی نہ ہوگی، اور پاک باز مرد فاحشہ عورت سے شادی کرنا پسند نہیں کرے گا، ہاں! شادی سے پہلے بدکار مرد اور بدکار عورت بدکاری سے توبہ

اور آئندہ اس برے کام سے باز رہنے کا عزم کرلیں تو پھر شادی کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ایمان والوں میں سے ایسا نہ ہونا چاہئے کہ شادی کے بعد مرد یا عورت بدکاری جاری رکھے، شادی ہوتی ہی اس لئے ہے کہ بدکاری سے بچا جائے، غیرت مند مرد کبھی پسند نہ کرے گا کہ اس کی منکوحہ کا کسی غیر مرد سے تعلق ہو اور نہ غیرت مند عورت اس کو گوارا کرے گی کہ اس کا خاوند کسی اور عورت سے ناجائز تعلق رکھتا ہو۔

کوئی خوددار عورت کبھی پسند نہ کرے گی کہ بدکار مرد سے شادی کرے اور اسی طرح کوئی خوددار مرد بھی پسند نہیں کریگا کہ وہ کسی بدکار عورت سے شادی کرے، اگر کسی نے بدکار عورت کیساتھ نکاح کیا تو نکاح ہوجائیگا اور اگر کسی مشرکہ عورت کیساتھ نکاح کیا تو نکاح بھی نہیں ہوگا اور گناہ بھی ہوگا۔

بدکاری کی تہمت لگانے کی سزا

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ

اور　جولوگ　تہمت لگاتے ہیں　پاک دامن عورتوں کو　پھر　نہ　لائے　چار مرد　گواہ

فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَ

پس کوڑے لگاؤ　اسی (۸۰)　کوڑے　اور　نہ　قبول کرو　ان کی　گواہی　کبھی　اور

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۴

یہ لوگ　وہی یقیناً　فاسق ہیں　(۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جو لوگ تہمت لگاتے ہیں پاک دامن عورتوں کو، اور پھر چار مرد گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی (۸۰) کوڑے مارو اور ان کی گواہی کبھی نہ مانو اور وہی نافرمان لوگ ہیں۔ (۴)

تفسیر

اس آیت میں پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے کی سزا کا بیان ہے، اور یہ بھی وہ چیز ہے کہ جس سے

تعلقات خراب ہوتے ہیں اور سوسائٹی بگڑتی ہے، کوئی شخص کسی کی بابت کوئی بری بات منہ سے نکال کر اس کی آبرو ریزی کرے اور پھر اس کو ثابت کرنے کے لئے عدالت میں چار معتبر گواہ پیش نہ کرسکے اور گواہ بھی ایسے جو گواہی کے معیار پر پورے نہ اترتے ہوں تو اسے اسّی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں گے اور آیندہ کسی معاملہ میں اس کی گواہی معتبر نہ ہوگی۔

ایسے لوگ جو نیک بندوں کو بدنام کرنا کھیل سمجھتے ہیں برے آدمی ہیں، وہ شریعت کے قانون کی حد سے باہر نکل جانے والے لوگ ہیں اور فاسق ہیں۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے پاکدامن عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگانے اور ثابت نہ ہونے کی صورت میں تہمت لگانے والے کی سزا کا ذکر کیا ہے، تاکہ خواہ مخواہ ایک دوسرے پر ثبوت کے بغیر بدکاری کی تہمت نہ لگائی جائے، حدیث میں کسی پر ناحق بدکاری کی تہمت لگانے کو بہت بڑا جرم کہا ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا ذکر خاص طور پر ان کی پاکیزگی، اور ان کی لاچاری و مجبوری کی بناء پر کیا ہے، وگرنہ اس لفظ میں عورتوں کے علاوہ پاکدامن مرد بھی شامل ہیں جن پر بلاثبوت بدکاری کا الزام لگایا گیا ہو، مطلب یہ اگر کسی مرد پر بھی زنا کا الزام لگایا جائے، جسے ثابت نہ کیا جاسکے تو الزام لگانے والے پر اسی طرح اسّی (۸۰) کوڑوں کی سزا جاری ہوگی، جس طرح پاکدامن عورت پر الزام لگانے کی صورت میں سزا جاری ہوتی ہے، اسی طرح اگر پاکدامن مرد پر الزام لگانے کی صورت میں بھی سزا جاری ہوگی، اور اگر کوئی مرد کسی مرد پر بدکاری کا الزام لگاتا ہے جسے ثابت نہیں کرسکتا تو اس پر بھی سزا جاری کی جائے گی۔

وَ الَّذِيۡنَ يَرۡمُوۡنَ الۡمُحۡصَنٰتِ: جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، اور پھر وہ چار گواہ پیش نہیں کرتے، ان کو اسّی (۸۰) کوڑے لگاؤ، یہ سزا اس صورت میں ہے جب کہ جس شخص پر تہمت لگائی گئی ہے وہ مسلمان، عاقل، بالغ، پاکدامن اور آزاد ہو، اگر کسی نابالغ، غلام، مجنون، غیر مسلم پر بدکاری کا الزام لگایا جائے تو ایسی صورت میں سزا جاری نہیں ہوگی، بلکہ حاکم اپنی صوابدید پر جتنی سزا مناسب سمجھے دے سکتا ہے۔

بدکاری کے ثبوت کے لئے شریعت نے چار گواہوں کی تعداد مقرر کی ہے، بدکاری کے جرم میں چونکہ سخت سزا ہے؛ اس لئے اس کے ثبوت کو بھی مشکل بنایا گیا ہے، مقصد یہ ہے کہ اتنی سخت سزا کسی بے گناہ کو نہ مل جائے، کسی شخص کے خلاف بدکاری کا جرم اس وقت تک ثابت نہیں ہوتا جب تک چار مسلمان مرد آنکھوں دیکھی گواہی نہ دیں کہ انہوں نے فلاں مرد اور عورت کو بدکاری کرتے ہوئے اس طرح دیکھا ہے جس طرح سرمچو سرمہ دانی میں داخل ہوتی ہے، اگر گواہ اس قدر شہادت دے کہ اس نے فلاں مرد وعورت کو ایک کمرے میں یا ایک چارپائی پر اکٹھے لیٹے ہوئے دیکھا ہے تو یہ گواہی کافی نہیں ہوگی اور نہ ہی وہ شخص (جس پر تہمت لگائی گئی ہے) اس پر سزا جاری ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے یہ قانون مقرر فرما کر بہت سے شریف لوگوں کو رسوائی سے بچا لیا ہے، اگر ایسا نہ ہو تو ہر شخص کسی بھی شریف آدمی پر بدکاری کی تہمت لگا کر اسے بدنام کرسکتا تھا، اب کوئی بھی شخص الزام لگانے سے پہلے اس کی خوب چھان بین کرے گا، اور اگر اس معاملہ میں جلد بازی کرے گا تو ثبوت نہ ہونے کی بناء پر خود پکڑا جائے گا، اور سزا پانے کا حقدار ہوگا۔

شہادت کی عدمِ قبولیت

ثبوت پیش نہ کرنے کی صورت الزام لگانے والے پر اللہ نے ایک سزا تو تجویز کی کہ اسے اسّی (۸۰) کوڑے مارے جائیں، اور دوسری سزا یہ بھی دی کہ ایسے لوگوں کی (دوسرے معاملوں میں بھی) گواہی کبھی قبول نہ کرو۔

جن پر سزا جاری ہو چکی، یہ لوگ فاسق ہیں کہ انہوں نے پاکدامن عورتوں یا مردوں پر الزام لگایا۔

احکام ومسائل

مسئلہ (۱):.... حدِ قذف میں چونکہ بندے کا حق ہے؛ اس لئے یہ حد جبھی جاری کی جائے گی جبکہ جس پر

تہمت لگائی گئی وہ حد جاری کرنے کا مطالبہ کرے ورنہ اس کے مطالبے کے بغیر سزا نہیں دی جائے گی۔

بخلاف بدکاری کی سزا کے کہ وہ خالص اللہ کا حق ہے؛ اس لئے کوئی مطالبہ کرے یا نہ کرے بدکاری کا جرم ثابت ہونے کی صورت میں سزا جاری کی جائے گی۔

بیوی پر تہمت

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

مگر وہ جو توبہ کرلیں بعد اس کے اور سنور جائیں پس تحقیق اللہ بخشنے والا

رَّحِیْمٌ ۝۵ وَ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ

مہربان ہے (۵) اور جو لوگ تہمت لگائیں بیویوں اپنی کو اور نہ ہوں ان کے گواہ

اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ

مگر وہ خود

بامحاورہ ترجمہ: مگر جنہوں نے اس کے بعد توبہ کرلی اور سنور گئے تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

(۵) اور جو لوگ تہمت لگائیں اپنی بیویوں پر اور ان کے پاس سوا اپنے آپ کے کوئی گواہ نہ ہو۔

تفسیر

انسان کو لازم ہے کہ دوسرے کو بدنام نہ کرے ورنہ فساد کھڑے ہونے کا اندیشہ ہے، یہ تو الزام لگانے کی عام صورتوں کی سزا ہوئی، لیکن اگر ایک شخص اپنی بیوی کی بابت ایسی بات کہے، یعنی: اس نے بدکاری کی ہے تو اس صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

عام قانون کے مطابق اسے چار گواہ اپنے دعویٰ کے ثبوت کے لئے پیش کرنے چاہئیں، اگر چار معتبر گواہ پیش کردے تو اس کی بیوی کو سنگساری کی سزا دی جائے گی۔

لعان (الف)

فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑥

پس گواہی ان میں سے ایک کی یہ ہے کہ چار بار گواہی دے اللہ کی قسم کھا کر کہ وہ ہے میں سے سچ بولنے والوں (٦)

وَ الْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ⑦

اور پانچویں یہ کہ لعنت اللہ کی پر اس اگر ہے وہ سے جھوٹ بولنے والوں (٧)

وَ يَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ

اور ٹال دیگا سے عورت سزا یوں کہ گواہی دے چار بار گواہی اللہ کی قسم کھا کر کہ

لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ⑧ وَ الْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَاۤ اِنْ كَانَ

وہ شخص البتہ جھوٹوں میں سے ہے (٨) اور پانچویں دفعہ یہ کہ غضب اللہ کا اس عورت پر اگر ہو وہ شخص

مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑨ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ وَ اَنَّ

میں سے سچوں (٩) اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا پر تم اور رحمت اس کی اور یہ کہ

ع ۷ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ⑩

اللہ معاف کرنے والا حکمت والا (١٠)

بامحاورہ ترجمہ: تو ایسے شخص کی گواہی کی صورت یہ ہے کہ چار بار گواہی اللہ کی قسم کھا کر دے کہ بے شک وہ سچا ہے۔(٦) اور پانچویں بار کہے کہ اللہ کی پھٹکار ہو اس پر اگر وہ جھوٹا ہو۔(٧) اور عورت کی سزا یوں ٹل جائے گی کہ وہ اللہ کی قسم کھا کر چار بار گواہی دے، یعنی: اقرار کرے کہ البتہ وہ شخص جھوٹا ہے۔(٨) اور پانچویں بار کہے کہ اللہ کا غضب آئے اس عورت پر اگر وہ شخص سچا ہے۔(٩) اور اگر تمہارے اوپر اللہ کا فضل نہ ہوتا اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور حکمت والا نہ ہوتا تو کیا کچھ نہ ہوتا۔(١٠)

لفظی تحقیق: يَدْرَؤُا: دور کردے گی، ٹلادے گی۔ مضارع کا صیغہ ہے د۔ر۔ء سے "دَرْءٌ" کے معنی دفع کرنا، دور کرنا، یعنی: عورت کا چار بار گواہی دینا اس پر سے سزا ٹلا دے گا۔

تفسیر

جو مرد اپنی عورت پر بدکاری کا الزام لگائے اور چار گواہوں سے اپنا دعویٰ ثابت کر نہ سکے تو اس مرد سے کہا جائے گا کہ عدالت میں چار مرتبہ صاف صاف کہے کہ: اللہ کی قسم! میں جو کہہ رہا ہوں اس میں، یعنی: اپنی عورت پر بدکاری کا الزام لگانے میں بالکل سچا ہوں، کوئی بناوٹی بات نہیں کر رہا ہوں، اس کا چار بار انہی الفاظ کا دہرانا گویا چار مردوں کے قائم مقام ہوا، اس کے بعد پانچویں دفعہ یہ الفاظ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت، اگر مرد یہ مقررہ الفاظ مقررہ عدد کے مطابق کہنے سے انکار کرے تو اسے قید کیا جائے گا اور وہ اس وقت تک نہ چھوٹے گا، جب تک وہ یہ الفاظ نہ کہے یا اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار نہ کرے، جھوٹا ہونے کا اقرار کرلے گا تو اس پر تہمت کی سزا جاری ہوگی یعنی: اسّی (۸۰) کوڑے لگیں گے۔

مرد کے لعان کے مقررہ الفاظ کہہ دینے کے بعد عورت سے کہا جائے گا کہ اگر اسے بچنا ہے تو چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ البتہ یہ شخص (یعنی: اس کا خاوند) جھوٹا ہے اور پانچویں بار کہے کہ اگر یہ مرد اپنی بات میں سچا ہو تو اس عورت پر اللہ کا غضب اترے ہو، اگر عورت ان الفاظ کے کہنے سے انکار کرے تو اسے قید کیا جائے گا، اور مجبور کیا جائے گا کہ یا تو یہ الفاظ کہے یا مرد کے دعوے کو صاف طور پر سچا کہے، اگر سچا کہہ دیا تو اس عورت پر سنگساری کی سزا جاری ہوگی جس کا بیان پہلے ہو چکا ہے، اور اگر عورت نے بھی قسم کے الفاظ کہہ دیئے، جیسے: مرد نے کہے تھے تو لعان ختم ہوا، اور اب اس مرد اور عورت کا میاں بیوی کی طرح ایک ساتھ رہنا حرام ہوگیا، پھر اگر مرد نے طلاق دے دی تو جھگڑا امٹ جائیگا، ورنہ قاضی (حاکم) دونوں کے درمیان جدائی کا حکم جاری کردے گا اور یہ جدائی کا حکم طلاق بائن شمار ہوگا، اس کے بعد ان دونوں کا کبھی نکاح نہیں ہوسکے گا، ہاں! اگر شوہر اس معاملے

میں اپنے آپ کو جھوٹا کہے تو اس کو اسّی (٨٠) کوڑوں کی سزا لگے گی، اس کے بعد ان کا نکاح ہوسکتا ہے۔

اس کے بعد ارشاد ہے کہ: لعان کا حکم اللہ کا فضل ہے اور اس کی رحمت، ورنہ یا تو شوہر پر سزا جاری ہوتی، کیوں کہ وہ چار گواہ نہیں لا سکا اور خاموش رہتا تو دل میں عمر بھر گھٹتا، اس سبب سے لعان کے قانون کی بدولت دونوں کی جان چھوٹی، ادھر مرد حدِ قذف سے بچ گیا، ادھر عورت کی پردہ پوشی ہوگئی اور حد سے بچ گئی، اب جو ان میں سے واقعی جھوٹا ہے اور گنہگار ہے وہ اللہ سے توبہ کرے، اللہ معاف کرنے والا ہے وہ سب باتوں کی حکمت جانتا ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا: جن لوگوں نے تہمت کی سزا کے بعد توبہ کرلی اور اصلاح کرلی اپنے آپ کو درست کرلیا تو بیشک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے، یعنی: سچی توبہ کرنے سے آخرت کا عذاب معاف ہوجائے گا لیکن پھر بھی گواہی کا قبول نہ ہونا جو دنیاوی سزا تھی وہ باقی رہے گی، کیونکہ وہ حد شرعی کا جز ہے اور جرم ثابت ہونے کے بعد توبہ کرنے سے حد شرعی ختم نہیں ہوتی۔

تہمت کی سزا کے بعد توبہ کرلینے کی صورت میں گواہی کی قبولیت کے مسئلہ پر علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ایسا شخص توبہ کرلینے کے بعد اللہ تعالیٰ کے ہاں فاسق بھی نہیں رہے گا اور اس کی گواہی بھی قبول ہوگی، ان کی دلیل یہ ہے کہ "اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا" کا تعلق پچھلی آیت کے ساتھ ہے، یعنی: ان کی گواہی بھی معتبر ہوگی اور وہ فاسق بھی نہیں رہیں گے، اس کے برخلاف امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور تابعین میں سے قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ، ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ، سعد ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ، امام مکحول رحمۃ اللہ علیہ، عبد الرحمن ابن زید ابن جابر رحمۃ اللہ علیہ، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، محمد ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ اور سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے توبہ کرلینے کے بعد قذف کا سزا یافتہ آدمی فاسق، یعنی: اللہ کے ہاں گنہگار تو نہیں رہے گا، اسے معافی مل جائے گی، البتہ شہادت کی عدمِ قبولیت کا داغ اس کے ماتھے پر ہمیشہ قائم رہے گا، ان اصحاب کی دلیل یہ ہے کہ "اِلَّا الَّذِيْنَ" کا تعلق "فٰسِقُوْنَ" سے ہے، یعنی: وہ اللہ کے ہاں تو اس گناہ سے معاف کردیئے جائیں گے مگر باقی دو سزائیں، یعنی:

اسی (۸۰) کوڑے اور گواہی قبول نہ ہونا برقرار رہے گی، امام صاحب کی دلیل میں اس بات سے مزید وزن پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی سزا جاری کئے جانے سے پہلے توبہ کرلے تو کیا اس سے اسی (۸۰) کوڑوں کی سزا بھی معاف ہوجائیگی؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر گواہی کے قبول نہ ہونے کی سزا بھی قائم رہے گی، اور توبہ سے معاف نہیں ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ عربی کے اصولوں اور نحو کے اصولوں کے لحاظ سے بھی امام صاحب کے مسلک کی تصدیق ہوتی ہے، "فَاجْلِدُوْا" اور "وَلَا تَقْبَلُوْا" والے دونوں جملے انشائیہ ہیں جب کہ "وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ" والا جملہ خبریہ ہے، اور یہ گرامر کا اصول ہے کہ جملہ خبریہ کا اطلاق جملہ انشائیہ پر نہیں ہوتا، لہذا فاسقوں کا اطلاق نہ تو سزا کے کوڑوں پر ہوتا ہے اور نہ گواہی کے قبول نہ ہونے پر، البتہ اس کا اطلاق "وَ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ" پر ہوتا ہے، کہ تہمت لگانے والے لوگ فاسق ہیں، اگر وہ توبہ کرکے اصلاح کرلیں تو فاسق، یعنی: آخرت میں نہیں پکڑے جائیں گے، مگر دنیا میں ان کی گواہی پھر بھی قبول نہیں ہوگی، اس کی معافی نہیں۔

لعنت اور غضب میں فرق

یہاں پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ مرد کی قسم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے لعنت کا ذکر کیا ہے، جب کہ عورت کے بارے میں غضب کا ذکر کیا ہے، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: لعنت کے مقابلے میں غضب زیادہ سخت ہے، لعنت کا معنیٰ اللہ کی رحمت سے دوری ہے، اور غضب سے مراد یہ ہے کہ ایسا شخص نہ صرف رحمت سے محروم ہے بلکہ اس پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی بھی ہے۔

"صحیح بخاری اور صحیح مسلم" کی روایت میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ: تمہاری اکثریت دوزخ میں جائیگی، ایک عورت نے عرض کیا، اے اللہ کے پیغمبر! اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ: تمہاری زبانوں پر لعنت بہت زیادہ ہوتی ہے کہ وہ بات بات پر لعنت بھیجتی ہیں، اور دوسری بات یہ ہے تم اپنے خاوند کی ناشکری کرتی ہو؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے عورت کی زبان سے قسم کے وقت غضب کا لفظ نکلوایا ہے، شاید کہ وہ ڈر جائے اور اگر واقعی گنہگار ہے گناہ کا اقرار کرکے آخرت میں اللہ تعالیٰ کے

غضب سے بچ جائے۔

شانِ نزول

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب قرآن کریم میں حدِ قذف کے حکموں کی آیتیں اتریں، یعنی:

"وَ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً" جس میں کسی عورت پر بدکاری کا الزام لگانے والے مرد پر لازم کیا گیا ہے کہ یا تو اس الزام پر چار گواہ پیش کرکے جن میں ایک یہ خود ہوگا اور جو ایسا نہ کرسکے تو اسکو جھوٹا قرار دیکر اس پر اسی (۸۰) کوڑوں کی حد اور ہمیشہ کے لئے مردود الشہادت ہونے کی سزا جاری کی جائے گی، یہ آیتیں سن کر مدینہ کے انصار سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا، اے اللہ کے پیغمبر! کیا یہ آیات اسی طرح اتریں ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سعد بن عبادہ کی زبان سے ایسی بات سن کر بڑا تعجب ہوا آپ نے حضرات انصار کو خطاب کرکے فرمایا کہ: آپ سن رہے ہیں کہ آپ کے سردار کیا بات کہہ رہے ہیں، لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے پیغمبر! آپ ان کو ملامت نہ فرمائیں، ان کے اس کلام کی وجہ ان کی شدت غیرت ہے، پھر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے خود عرض کیا اے اللہ کے پیغمبر! میرے ماں باپ آپ پر قربان، میں پوری طرح جانتا ہوں یہ آیتیں حق ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتری ہیں، لیکن مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ اگر میں بے حیاء بیوی کو اس حال میں دیکھوں کہ غیر مرد اس پر چڑھا ہوا ہے تو کیا میرے لئے یہ جائز نہیں ہوگا کہ میں اس کو وہاں ڈانٹوں اور وہاں سے ہٹادوں بلکہ میرے لئے یہ ضروری ہوگا کہ میں چار آدمیوں کو لاکر یہ حالت دکھلاؤں اور اس پر گواہ بناؤں اور جب تک میں گواہوں کو جمع کروں وہ اپنا کام کرکے بھاگ جائے (حضرت سعد کے الفاظ اس جگہ مختلف ہیں، خلاصہ سب کا ایک ہی ہے)۔

ان آیتوں کے اترنے اور سعد بن عبادہ کے اس کلام پر تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ بلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کو یہ واقعہ پیش آیا کہ وہ عشاء کے وقت اپنی زمین سے واپس ہوئے تو اپنی بیوی کیساتھ ایک مرد کو اپنی آنکھوں سے خود دیکھا اور ان کی باتیں اپنے کانوں سے سنیں مگر کوئی اقدام نہیں کیا یہاں تک کہ صبح ہوگئی تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں

یہ واقعہ عرض کیا، پیغمبر ﷺ کا یہ واقعہ سن کر دل براہوا اور بڑا بھاری محسوس کیا، ادھر حضرات انصار جمع ہو گئے اور آپس میں تذکرہ کرنے لگے کہ جو بات ہمارے سردار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہی تھی ہم اسی میں مبتلا ہو گئے اب قانون شرعی کیمطابق پیغمبر ﷺ ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کو اسّی (۸۰) کوڑے حد قذف کے لگائیں گے اور لوگوں میں انکو ہمیشہ کے لئے مردود الشہادت قرار دیں گے، مگر ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خدا کی قسم! مجھے پوری امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس مصیبت سے نکالیں گے، اور "صحیح بخاری" کی روایت میں یہ بھی ہے کہ پیغمبر ﷺ نے ہلال کا معاملہ سنکر قرآنی حکم کیمطابق ہلال سے فرما بھی دیا کہ یا تو اپنے اس دعوے پر چار گواہ لاؤ ورنہ تمہاری پیٹھ پر حدِ قذف جاری ہوگی، ہلال ابن امیہ رضی اللہ عنہ نے پیغمبر ﷺ ہی سے عرض کیا کہ قسم ہے! اس ذات کی جس نے آپ کو حق کیساتھ بھیجا ہے میں اپنے کلام میں سچا ہوں اور ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا حکم اتار دیں گے جو میری پیٹھ کو حدِ قذف کی سزا سے بری کر دیگا، یہ گفتگو جاری ہی تھی کہ جبرائیل امین یہ آیتیں جن میں لعان کا قانون ہے لیکر اترتے ہوئے، وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ الآیۃ۔

ابو یعلی نے یہی روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کی ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ جب یہ آیتیں لعان اتریں تو پیغمبر ﷺ نے ہلال ابن امیہ رضی اللہ عنہ خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری مشکل کا حل اتار دیا، ہلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے اسی کی امید لگائے ہوئے تھا، اب پیغمبر ﷺ نے ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کو بھی بلوالیا اور جب دونوں میاں بیوی جمع ہو گئے تو بیوی سے معاملہ کے متعلق پوچھا گیا، اس نے کہا کہ میرا شوہر ہلال بن امیہ مجھ پر جھوٹا الزام لگاتا ہے، پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم سے کوئی ایک جھوٹا ہے، کیا تم میں کوئی ہے جو (اللہ کے عذاب سے ڈر کر) توبہ کر لے اور سچی بات ظاہر کر دے، اس پر ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں نے بالکل سچ بات کہی ہے اور جو کچھ کہا ہے حق کہا ہے، تب پیغمبر ﷺ نے حکم دیا کہ نازل شدہ آیتوں کیمطابق دونوں میاں بیوی سے لعان کرایا جائے، پہلے حضرت ہلال سے کہا گیا کہ تم چار مرتبہ ان الفاظ سے شہادت دو جو قرآن میں ذکر ہیں، یعنی: میں اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر سمجھ کر کہتا

ہوں کہ میں اپنے الزام میں سچا ہوں، ہلال رضی اللہ عنہ نے اسکے مطابق چار مرتبہ اس کی شہادت دی، جب پانچویں شہادت کا نمبر آیا، جس کے الفاظ یہ ہیں کہ اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو، اس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاکید کے طور پر ہلال بن امیہ سے فرمایا کہ: دیکھو! ہلال خدا سے ڈرو کیونکہ دنیا کی سزا آخرت کے عذاب سے ہلکی ہے اور اللہ تعالیٰ کا عذاب لوگوں کی دی ہوئی سزا سے کہیں زیادہ سخت ہے، اور یہ پانچویں شہادت آخری شہادت ہے اسی پر فیصلہ ہونا ہے مگر ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس شہادت کا عذاب نہیں دیں گے (کیونکہ بالکل سچی شہادت ہے) جیسا کہ اللہ کے رسول مجھے دنیا میں حد قذف کی سزا نہیں دیں گے، اور پھر یہ پانچویں شہادت کے الفاظ ادا کر دیئے، اس کے بعد آپ نے ہلال کی بیوی سے اسی طرح کی چار قسمیں لیں اس نے بھی ہر دفعہ میں قرآنی الفاظ کے مطابق یہ شہادت دی کہ میرا شوہر جھوٹا ہے، جب پانچویں شہادت کا نمبر آیا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ذرا ٹھہرو! پھر اس عورت سے فرمایا کہ: خدا سے ڈرو کہ یہ پانچویں شہادت آخری بات ہے اور خدا کا عذاب لوگوں کے عذاب، یعنی: زنا کی حد شرعی سے کہیں زیادہ سخت ہے یہ سنکر وہ قسم کھانے سے جھجھکنے لگی، کچھ دیر اسی کیفیت میں رہی مگر پھر آخر میں کہا کہ واللہ! میں اپنی قوم کو رسوا نہیں کرونگی اور پانچویں شہادت بھی ان لفظوں کیساتھ ادا کر دی کہ اگر میرا شوہر سچا ہے تو مجھ پر خدا کا غضب ہو، یہ لعان کی کاروائی مکمل ہوگئی تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں میاں بیوی میں تفریق کر دی، یعنی: ان کا نکاح توڑ دیا اور یہ فیصلہ فرمایا کہ: اس حمل سے جو بچہ پیدا ہو وہ اس عورت کا بچہ کہلائے گا اس کے شوہر کا نہیں کہلائے۔

دوسرا واقعہ بھی بخاری و مسلم میں مذکور ہے اور واقعہ کی تفصیل امام بغوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس طرح نقل فرمائی ہے کہ بدکاری کی تہمت لگانے والے پر حد قذف جاری کرنے کا حکم جن آیتوں میں اترا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ممبر پر کھڑے ہو کر یہ آیتیں لوگوں کو سنائیں، مجمع میں عاصم بن عدی انصاری رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے یہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا اے اللہ کے پیغمبر! میری جان آپ پر قربان ہو اگر ہم میں سے کوئی شخص اپنی عورت کو کسی مرد کیساتھ دیکھے تو اگر وہ اپنے دیکھے ہوئے واقعہ کو بیان کرے تو اس کو اسّی (۸۰) کوڑے لگائیں

جاویں گے اور ہمیشہ کے لئے اس کی گواہی قبول نہیں کی جائیگی، اور مسلمان اس کو فاسق کہا کریں گے، ایسی حالت میں ہم گواہ کہاں سے لائیں گے اور اگر گواہوں کی تلاش میں نکلیں گے تو گواہ آنے تک وہ اپنا کام کر کے بھاگ چکا ہوگا، یہ وہی سوال تھا جو پہلے واقعہ میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کیا تھا اس دوسرے واقعہ میں عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔

یہ سوال ایک جمعہ کے دن کیا گیا تھا اسکے بعد یہ قصہ پیش آیا کہ عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کا ایک چچازاد بھائی عویمر تھا جس کا نکاح بھی عاصم بن عدی کی چچازاد بہن خولہ سے ہوا تھا، عویمر رضی اللہ عنہ نے ایک روز دیکھا کہ ان کی بیوی خولہ شریک بن سحاء کیساتھ مبتلا ہے اور یہ شریک بن سحاء بھی عاصم کا چچازاد بھائی تھا، عویمر نے یہ واقعہ آکر عاصم بن عدی سے بیان کیا، عاصم نے ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ پڑھا اور اگلے روز جمعہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پھر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے پیغمبر! پچھلے جمعہ میں میں نے آپ سے جو سوال کیا تھا افسوس ہے کہ! میں خود اس میں مبتلا ہوگیا، کیونکہ میرے ہی گھر والوں میں ایک ایسا واقعہ پیش آ گیا، بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں کو حاضر کرنے اور پھر آپس میں لعان کرانیکا واقعہ بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔

اور ”صحیح بخاری اور صحیح مسلم“ میں اسکا خلاصہ حضرت سہل ؓ بن سعد ساعدی کی روایت سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے پیغمبر! اگر کوئی شخص اپنی بیوی کیساتھ کسی غیر مرد کو دیکھے تو کیا وہ اس کو قتل کر دے جس کے نتیجہ میں لوگ اس کو قتل کریں گے یا پھر وہ کیا کرے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے تمہارے اور تمہاری بیوی کے معاملے میں حکم نازل فرمادیا ہے، جاؤ! بیوی کو لیکر آو، بلکہ اس حدیث کے راوی حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ان دونوں کو بلا کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے اندر لعان کرایا (جس کی صورت پچھلے واقعہ میں بیان ہو چکی ہے) جب دونوں طرف سے پانچوں شہادتیں پوری ہو کر لعان ختم ہوا تو عویمر عجلانی نے کہا اے اللہ کے پیغمبر! اگر میں اب اس کو بیوی بنا کر رکھوں تو گویا میں نے اس پر جھوٹا الزام لگایا ہے؛ اس لئے میں اسے تین طلاق دیتا ہوں۔

احکام و مسائل

جب میاں بیوی کے درمیان حاکم کے سامنے لعان ہوجائے تو یہ عورت اس مرد پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتی ہے، جیسے: حرمت رضاعت ہوتی ہے، حدیث میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لعان کرنے والے میاں بیوی کبھی دوبارہ شادی نہیں کرسکتے، حرمت تو لعان ہونے ہی سے ثابت ہوجاتی ہے، لیکن عورت کو دوسرے شخص سے عدت کے بعد نکاح کرنا امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب جائز ہوگا، جبکہ مرد طلاق دیدے یا زبان سے کہدے کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا، اور اگر مرد ایسا نہ کرے تو حاکم قاضی ان دونوں میں تفریق کا حکم کردیگا اور یہ تفریق ایک طلاق بائن کے حکم میں طلاق ہوجائے گی، پھر تین حیض پورے ہونے کے بعد طلاق کی عدت پوری ہوجائیگی اور دوسرے کسی شخص سے نکاح کرسکے گی۔

مسئلہ (۱):.... جب لعان ہوچکا اس کے بعد اس حمل سے جو بچہ پیدا ہو وہ عورت کے شوہر کا نہیں کہلائے گا، بلکہ اس کی نسبت اس کی ماں کی طرف کی جائیگی، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال بن امیہ اور عویمر عجلانی دونوں کے معاملے میں یہی فیصلہ فرمایا۔

جھوٹ کا طوفان (الف)

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا

تحقیق جو لوگ لائے جھوٹا طوفان ایک گروہ ہیں میں سے تم نہ گمان کرو اسے برا

لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ

لئے اپنے بلکہ وہ بہت اچھا ہے لئے تمہارے ہر ایک آدمی کے لئے میں سے ان وہ ہے جو کمایا اس نے

مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِیْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝۱۱

سے گناہ اور جس نے اٹھایا بڑا حصہ اس کا ان میں سے لئے اس کے عذاب بڑا ہے (۱۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جولوگ یہ طوفان لائے ہیں تم ہی میں سے ایک جماعت ہیں تم اس کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہے ان میں سے ہر آدمی کے لئے وہ گناہ ہے جو اس نے کمایا اور جس نے اس کا بڑا بوجھ اٹھایا اس کے لئے بڑا عذاب ہے۔(١١)

لفظی تحقیق: **اِفْكٌ:** سراسر جھوٹ، بالکل دل سے گھڑی ہوئی بات۔ یہاں اس سے مراد بے بنیاد بات ہے، جو منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی نے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت دشمن تھا منہ سے نکالی۔

تفسیر

ہجرت کے چھٹے سال پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بنی مصطلق کی جنگ سے مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ واپس مدینہ تشریف لا رہے تھے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی ساتھ تھیں، اور آپ ایک تنہا اونٹ پر پردہ دار کجاوے میں الگ سوار ہوتی تھیں، راستہ میں ایک منزل پر پڑاؤ ہوا، کجاوہ اونٹ سے نیچے اتار کر علیحدہ رکھ دیا گیا، بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ: اس سفر کے دوران دو حادثات پیش آئے، سفر پر جاتے وقت یہ واقعہ پیش آیا کہ کسی مقام پر قافلے نے رات کو قیام کیا، اس جگہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا وہ ہار گم ہو گیا جو آپ نے اپنی بہن حضرت اسماء سے مانگ کر لیا تھا، ہار کی تلاش کے لئے بڑی کوشش کی گئی مگر وہ نہ ملا، بالآخر جب قافلے کی وہاں سے روانگی کا وقت آیا اور سواری کے اونٹ کو اٹھایا تو ہار اس کے نیچے سے ملا، نہ اس مقام پر پانی تھا اور نہ قافلے والوں کے پاس پانی تھا، یہاں تک کہ وضو کے لئے بھی پانی میسر نہیں تھا، صحابہ کو بڑی پریشانی ہوئی، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے تیمم کا حکم اتار کر ایمان والوں کے لئے قیامت تک آسانی پیدا فرما دی، لوگوں نے پاک مٹی کے ساتھ تیمم کر کے نمازیں ادا کرنا شروع کر دیں، اس سفر سے واپسی پر "افک" کا واقعہ پیش آیا، مجاہدین کا قافلہ رات کے پچھلے حصہ میں ایک مقام پر تھوڑی دیر کے لئے رُکا، صبح سویرے روانگی کا پروگرام تھا، اتفاق ایسا ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لئے قافلے سے ذرا دور نکل گئیں، ابھی اندھیرا تھا کہ قافلے کی روانگی کا اعلان ہو گیا، آپ کا کجاوا اٹھا کر رکھنے

والے صحابہ نے اونٹ پر رکھدیا، آپ کا جسم ہلکا پھلکا تھا؛ اس لئے ان کو محسوس ہی نہ ہوا کہ آپ کجاوے میں موجود نہیں ہے، قافلہ روانہ ہوگیا، اتنے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فارغ ہوکر واپس آئیں تو قافلہ جاچکا تھا، چنانچہ آپ نے یہی سمجھا کہ اسی مقام پر بیٹھ جائیں تاکہ جب ان کو آپ کے نہ ہونے کا علم ہو تو وہ لوگ آپ کی تلاش کے لئے اسی مقام پر آئیں، وہیں بیٹھے بیٹھے آپ کو نیند بھی آگئیں۔

اس قسم کے قافلوں کا یہ عام دستور تھا کہ کسی شخص کو مقرر کردیتے جو قافلے سے دو تین میل پیچھے پیچھے چلتا تاکہ قافلے کی کوئی گری پڑی چیز مل جائے تو اسے اٹھالے، اس قافلے کی یہ ڈیوٹی صفوان ابن معطل سلمی رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی، جب آپ قافلے کی روانگی کے بعد اس مقام پر پہنچے تو انہوں نے کسی کو لیٹے ہوئے پایا، آپ قبیلہ سلم کے بزرگ صحابی رضی اللہ عنہ تھے، اور آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا کہ بچپن میں کبھی دیکھا تھا، اس پر ان کی زبان سے "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ" کے الفاظ ادا ہوئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی آواز سن کر جاگ گئیں، حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے اونٹ کو بٹھایا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس پر سوار ہوگئیں، آپ نے مہار پکڑی اور آگے آگے چل دیئے، اس دوران دونوں کی آپس میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی، یہاں تک کہ آپ دوپہر کے وقت قافلے سے جاملے۔

عبداللہ بن ابی تو ایسے موقعوں کی تاک میں رہتا تھا، اس بدبخت نے منہ سے ایسی بات نکالی، جس کو سن کر دل لرزتا ہے، بے ہودہ بکواس شروع کردی اور مدینہ میں ایک ماہ تک شہر بھر میں یہی چرچا رہا، کچھ لوگ مسلمان بھی اس سے متاثر ہوگئے، جس میں ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بہن حمنہ رضی اللہ عنہا اور مردوں میں سے شاعر اسلام حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی اور بدری صحابی حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کا ذکر آتا ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا، آپ افواہ سنتے اور خاموش رہتے، دل ہی دل میں گھٹتے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایک ماہ بعد خبر ہوئی کہ ان کے خلاف کیا طوفان اٹھایا گیا ہے، غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، اور بیمار ہوگئیں، رات دن سوا رونے کے کچھ کام نہ تھا، آخر کار یہ مصیبت بھرے دن تمام ہوئے، قرآن مجید میں آیتیں اتریں، جو یہاں سے شروع ہوکر پورے دو رکوع میں ختم ہوتی ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یقین ہوگیا کہ یہ سب باتیں سوا جھوٹ اور

بہتان کے سوا کچھ نہیں۔

ارشاد ہے کہ: جنہوں نے یہ بہتان باندھا ہے، وہ لوگ ہیں جو زبان سے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور اپنے آپ کو مسلمانوں کی ہی جماعت میں شمار کرتے ہیں، انہی میں سے چند لوگوں نے یہ بات گھڑی ہے اور کچھ اور لوگ ان کی چال سے ناواقف ان کی باتوں میں آگئے، مگر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ بہت سے مسلمان ان کو سراسر جھوٹا جانتے ہیں اور ان کے داؤ میں نہیں آئے۔

اس بہتان سے گھر والوں کو اور سچے مسلمانوں کو صدمہ تو بہت پہنچا لیکن یقین رکھنا چاہئے کہ اس سے ان کا کچھ بگڑا نہیں بلکہ آخر کار اس میں ان کے لئے بہتری ہی بہتری ہے، ایسے صدمے کو صبر سے برداشت کرنے کا پھل بہت اچھا ہوتا ہے، سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے گھر والوں کی پاکیزگی اور بے گناہی کی اللہ تعالیٰ نے خود اپنی گواہی ہمیشہ کے لئے قرآن حکیم میں بیان کردی، اب تمہارا ذکرِ خیر ہمیشہ قرآن پڑھنے والوں کی زبان پر جاری رہے گا، جو لوگ اس گناہِ عظیم میں جس حد تک شامل ہیں، اسی حد تک ان کو دنیا کی ذلت اور رسوائی اور آخرت کا عذاب بھگتنا پڑے گا، اور جو اس طوفان کا سرغنہ ہے، اس کے لئے تو بہت ہی بڑا عذاب تیار ہے، اور دنیا میں بھی اس کی خباثت اور بدخصلتی کا ڈنکا بج جائے گا، یہ سرغنہ منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی تھا اس کا نام ہمیشہ نفرت اور حقارت سے لیا جائے گا۔

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ: ان میں سے ہر شخص کے لئے گناہ میں حصہ ہے جس نے یہ برائی کمائی ہے، یعنی: اس سلسلے میں ملوث جس جس شخص نے جس قدر بدگمانی کی اور اس طوفان کو اٹھانے میں جس قدر حصہ لیا، اس قدر اس کے ذمہ گناہ بھی لازم آگیا ہے، اور جو شخص ان میں سے اس بہتان میں بڑے حصے کا مالک بنا، یعنی: جس نے اس معاملے میں بدترین کردار ادا کیا اس کے لئے اللہ کے ہاں بہت بڑا عذاب ہے اس سے مراد رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول ہے جس نے اس واقعہ کو سب سے زیادہ اچھالا۔

ٹھیک طرزِ عمل

لَوْ لَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ

کیوں نہ جب سنا تھا تم نے اسے گمان کیا مسلمان مردوں اور عورتوں نے آپس والوں پر نیک

وَّ قَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾ لَوْ لَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ

اور کہا یہ صاف جھوٹ ہے ظاہر (۱۲) کیوں نہ لائے وہ پر اس چار مرد گواہ

بامحاورہ ترجمہ: ۔کیوں نہیں ہوا ایسا کہ جب تم نے سنا تھا اس کو تو گمان کرتے مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں اپنے لوگوں کے بارے میں بہتری کا اور وہ کہتے کہ یہ کھلا بہتان ہے۔(۱۲) کیوں نہ لائے وہ اس پر چار مرد گواہ۔

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو تنبیہ فرما رہے ہیں کہ ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب مؤمن مرد اور مؤمن عورتوں نے ایسی بات سنی تھی، تو انہوں نے اپنے لوگوں پر نیک کا گمان کیوں نہ کیا، مؤمنوں کو آپس میں بہتر گمان کرتے ہوئے اس قسم کی بہتان بازی پر کان نہیں دھرنا چاہیے تھا، "بخاری شریف" میں اس واقعہ سے متعلق آتا ہے کہ جب لوگوں نے صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ سے اس الزام کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگے، خدا کی قسم! میں نے تو جاہلیت کے زمانہ میں بھی کسی غیر عورت کے منہ سے پردہ نہیں اٹھایا، بھلا! اسلام لانے کے بعد تو میں ایسی بات کا سوچ بھی نہیں سکتا، انہوں نے بعد میں ایک جہاد میں شہادت پائی، بہر حال فرمایا کہ: ایک طرف صفوان رضی اللہ عنہ جیسا کہ نیک آدمی ہے اور دوسری طرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہے جو کہ بذاتِ خود بڑی سمجھدار اور نیک خاتون تھیں، ان کے متعلق تم نے ایسا برا گمان کیوں کیا، تمہیں تو آپس کے معاملات میں بہتر گمان کرنا چاہیے تھا، عام مؤمنوں کے متعلق بھی یہی حکم ہے کہ خواہ مخواہ بدگمانی نہ کیا کرو، بلکہ اچھا گمان رکھا کرو، یہ

پروپیگنڈا سن کر تم نے یوں کیوں نہ کہا کہ یہ تو نرالا بہتان ہے بلکہ جھوٹ کا طوفان ہے۔

ارشاد ہوتا کہ: اگر ان لوگوں کو ایسی ہی بدگمانی تھی تو پھر یہ لوگ اپنے دعوے کے ثبوت میں چار گواہ کیوں نہ لائے، گزشتہ آیات میں گزر چکا ہے کہ بدکاری کے الزام کو ثابت کرنے کے لئے چار عاقل بالغ مسلمان مردوں کی گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے، آنکھوں دیکھی گواہی دیں، ورنہ یہ جرم ثابت نہیں ہوتا اور الزام لگانے والوں پر اسی (۸۰) کوڑے کی سزا جاری ہوتی ہے۔

سراسر جھوٹے

فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿١٣﴾

پس جب نہ لائے وہ گواہ تو وہ لوگ نزدیک اللہ کے وہی جھوٹے ہیں (۱۳)

وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ

اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا پر تم اور رحمت اس کی میں دنیا اور آخرت

لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٤﴾

تو آپڑتی تم پر اس میں کہ زبان کھولی تم نے جس میں عذاب بڑا (۱۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر جب وہ لوگ گواہی نہ لائے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔ (۱۳) اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت دنیا میں (توبہ کی توفیق دینا) اور آخرت میں (توبہ کو قبول کرنا) نہ ہوتی تو ایسا چرچا کرنے میں تم پر کوئی بڑا عذاب آپڑتا۔ (۱۴)

تفسیر

اگر چار گواہ پیش نہیں کرتے تو یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ لوگ جھوٹے ہیں اور ان کا الزام صرف بہتان ہے، مطلب یہ ہے کہ جب بدکاری کے الزام کو ثابت کرنے کے لئے چار گواہ موجود نہ ہوں، ایسی بات

زبان سے نہیں نکالنی چاہئے، اس سے ایک مسلمان کی خواہ مخواہ بے آبروئی ہوتی ہے، حدِ قذف کا قانون بھی اسی لئے جاری کیا گیا ہے کہ کوئی بے گناہ مرد یا عورت بے عزت نہ ہونے پائے۔

بہتان بازی پر تنبیہ!

واقعہ افک کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو مزید تنبیہ فرمائی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی دنیا اور آخرت میں تو ضرور تم کو سخت عذاب پہنچتا اس چیز میں جس کا تم نے چرچا کیا ہے، منافقوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر الزام تراشی کی تھی اور بعض مسلمان بھی اس پروپیگنڈا کا شکار ہو گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اس کے فضل و رحمت کی وجہ سے تم سخت سزا سے بچ گئے، ورنہ یہ بہت بری بات تھی جس سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت میں خلل واقع ہوتا تھا۔

دنیا میں اللہ تعالیٰ کا فضل و رحمت اس طرح ہوا کہ اسلام و ایمان کی توفیق بخشی، پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت عطا فرمائی اور پھر جو گناہ ہو گیا تھا اس سے سچی توبہ کی توفیق بخشی، پھر اس توبہ کو قبول فرمالیا، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کا اثر یہ ہے کہ تم سے مغفرت کا وعدہ فرمالیا۔

عذاب کی وجہ

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَ تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ

جب لیتے تھے تم اس کو ساتھ اپنی زبانوں کے اور کہتے تھے تم ساتھ منہ اپنے وہ جو نہیں تمہیں اس کا

عِلْمٌ وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖۗ وَّ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ وَلَوْلَاۤ اِذْ

علم اور گمان کرتے ہو تم اسے ہلکا اور وہ نزدیک اللہ کے بڑا ہے (۱۵) اور کیوں نہ جب

سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖۗ

سنا تم نے اسے کہا تم نے نہیں ہمارے لئے کہ بولیں ہم ایسی بات

بامحاورہ ترجمہ:۔ جب تم اس کو زبان پر لانے لگے اور منہ سے کہنے لگے وہ بات جس کی تمہیں خبر نہیں اور تم اسے ہلکی بات سمجھتے ہو، اور حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی بات ہے۔ (۱۵) اور کیوں ایسا نہ ہوا کہ جب تم نے اسے سنا تھا کہا ہوتا ہمیں لائق نہیں کہ ایسی بات منہ پر لائیں۔

لفظی تحقیق: تَلَقّی: کا مفہوم یہ ہے کہ ایک دوسرے سے بات پوچھے اور نقل کرے، یہاں بات کو سنکر بے دلیل اور بلاتحقیق آگے چلتی کر دینا مراد ہے۔

تفسیر

ان آیتوں میں خبردار کیا گیا ہے جو الزام تراشی کرتے ہیں کہ ایسی افواہ پھیلانا سخت جرم ہے بغیر تحقیق کے، دوسرے کی بات کا پروپیگنڈا کرنا حد سے باہر نکل جانا ہے، اس کو معمولی بات نہ سمجھنا چاہئے، جس پر جرم ثابت ہوجائے اسے ضرور سزا دو، لیکن وہم وگمان کی بناء پر یا کسی کے کہنے سننے سے کسی پر برائی کی تہمت نہ لگاؤ زبان بند رکھو، کسی کے بدنام کرنے کو تم معمولی بات سمجھتے ہو، لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بہت بڑا جرم ہے۔

”تفسیر قرطبی“ میں نقل کیا ہے کہ یوسف علیہ السلام پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک دودھ پیتے بچے کو بولنے کی قوت دیکر اس کی شہادت سے ان کی بے گناہی کو ظاہر کیا اور حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت سے ان کو بری کیا اور حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی دس (۱۰) آیتیں اتار کر ان کی برأت کا اعلان کیا، جس سے ان کا مقام اور مرتبہ اور بڑھ گیا۔

ایک اور شبہ اور جواب

اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جیسے کسی واقعہ کی سچائی بغیر دلیل کے معلوم نہیں ہوتی؛ اس لئے اس کا زبان سے نکالنا اور چرچا کرنا ناجائز قرار پایا، اسی طرح کسی بات کا جھوٹا ہونا بھی تو بغیر دلیل کے ثابت نہیں ہوتا کہ اس کو بہتان عظیم کہہ دیا جائے۔

جواب: یہ ہے کہ ہر مسلمان کو گناہوں سے پاک وصاف سمجھنا اصل شرعی حکم ہے جو اس دلیل سے ثابت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ایمان والوں کو اچھا گمان کرو، اس کے برخلاف جو بات بغیر دلیل کے کہی جائے اس کو جھوٹا سمجھنے کے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں، صرف اتنا کافی ہے کہ ایک مؤمن مسلمان پر بغیر کسی دلیل کے الزام لگا گیا ہے، لہذا یہ بہتان ہے۔

پھر نہ کرنا

سُبۡحٰنَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنۡ تَعُوۡدُوۡا لِمِثۡلِهٖۤ

پاک ہیں آپ یہ ہے بہتان بڑا (۱۶) نصیحت کرتا ہے تمہیں اللہ کہ پھر دوبارہ نہ کرو اس جیسا کام

اَبَدًا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۷﴾ وَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَـكُمُ الۡاٰيٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ

کبھی اگر ہو تم ایمان والے (۱۷) اور بیان کرتا ہے اللہ لئے تمہارے آیتیں اور اللہ

عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۱۸﴾

جاننے والا حکمت والا ہے (۱۸)

بامحاورہ ترجمہ: اے اللہ! آپ کی ذات پاک ہے یہ تو بڑا بہتان ہے۔ (۱۶) اللہ تعالیٰ تمہیں سمجھاتا ہے کہ پھر ایسا کام کبھی نہ کرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ (۱۷) اور اللہ تعالیٰ تمہارے واسطے پتہ کی باتیں کھولتا ہے اور وہ سب جانتا ہے حکمت والا ہے۔ (۱۸)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اس قدر جھوٹی باتیں بعض لوگوں کی زبان سے نکلتے دیکھ کر تمہیں کہنا چاہئے تھا کہ اے اللہ! تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے، یہ لوگ جو اتنی بے بنیاد بات منہ سے نکال رہے ہیں یہ تو بہت بڑا بہتان ہے اس میں سچائی کی ذرا بھی جھلک نہیں ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ: اے مسلمانو! کان لگا کر سنو، اللہ تعالیٰ تمہیں سمجھائے دیتا ہے کہ پھر ایسی حرکت کبھی نہ کرنا، یہ ایمان والوں کے شایان شان نہیں کہ کسی پر بدگمانی کریں، کسی کی طرف برائی کا خیال بھی دل میں نہ گزرنا چاہئے، یہ تمہیں کیا ہو گیا کہ شریروں اور فسادیوں کی چال میں آ گئے اور ایسے لوگوں کی طرف سے جن کا اخلاق دنیا بھر کے لئے معیار ہے، دل میں برے خیالات لانے لگے، ایمان والوں کو ایسی بدگمانیوں سے کوئی واسطہ نہیں، کسی کی طرف سے جو برا خیال کرے وہ بھی دراصل شیطان کے بہکانے میں آ گیا۔

اللہ تعالیٰ تمہیں امن وامان کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے اصول بتاتا ہے، اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور سب کی حقیقت جانتا ہے، تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ اپنے معاشرے کو اس کے حکم کے مطابق بری باتوں سے پاک رکھو یہاں تک کہ منہ سے بھی بری بات نہ نکالو۔

بری بات مت پھیلاؤ

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ
تحقیق وہ لوگ جو پسند کرتے ہیں کہ پھیلے فحش بات میں ان لوگوں کے جو ایمان لائے ان کے لئے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا
عذاب ہے دردناک میں دنیا اور آخرت اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں

تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ وَ اَنَّ اللّٰهَ
جانتے (۱۹) اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا پر تم اور رحمت اس کی اور یہ کہ اللہ

ع ۱۰ ۲ النصف ۸ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾
شفیق اور مہربان ہے (۲۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں کے بارے میں بے حیائی کی باتیں شہرت پائیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے دنیا اور آخرت میں، اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

(۱۹) اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ کہ اللہ شفیق اور مہربان ہے (تو تم یقیناً مصیبت میں مبتلا ہو جاتے)۔(۲۰)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: بدکاری کا پھیلانا یا فحش باتیں منہ سے نکالنا سوا شریر اور بدکردار لوگوں کے کسی کے کام ہو ہی نہیں سکتا، فحش اور بدکاری کی روک تھام کا ذریعہ یہ ہے کہ دل میں برائی کا خطرہ گزرے تو اس کا ذکر زبان پر نہ لائے اور اگر بے خیالی میں کوئی ایسی ویسی بات منہ سے نکل جائے تو لاحول اور استغفار پڑھے اور اس کا چرچا ہرگز نہ ہونے دے، یہ کام منافقوں کا کام ہے مؤمنوں کا نہیں کہ فحش باتیں منہ سے نکالیں، یا کسی کے سر خواہ مخواہ الزام تھوپیں۔

تمہیں یاد رکھنا چاہئے کہ جو لوگ برائی پھیلاتے ہیں، فحش باتیں منہ سے نکالتے ہیں اور دوسروں کا نام لے کر برائی کا الزام لگاتے ہیں، ان پر دنیا میں بھی آفتیں پڑیں گی اور آخرت میں بھی سخت بے چین کر دینے والا عذاب ہوگا، جو خواہ مخواہ کسی کو بدنام کریگا، اس کو خود ذلت اور رسوائی نصیب ہوگی، کہ اس کو کوڑے لگائے جائیں گے، اس کی گواہی معتبر نہ ہوگی، لوگوں میں رسوا ہوگا اور مرنے کے بعد الگ سزا بھگتے گا، شریر لوگوں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں، تم منافقوں کی فریب کاریوں کو نہیں جانتے تمہیں ان کی باتوں میں نہ آنا چاہئے، یہ فتنہ جو اٹھایا گیا ہے اس کا وبال سب پر پڑتا، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور رحمت سے اسے رفع دفع کر دیا، یہ اس کی شفقت اور مہربانی تھی جس سے تم بچ گئے ورنہ نہ جانے کیا ہوتا۔

شیطان کی چال

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَ مَنْ يَّتَّبِعْ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو مت پیچھے چلو قدموں شیطان کے اور جو پیچھے چلے گا

خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ

قدموں شیطان کے پس تحقیق وہ تو حکم دے گا بے حیائی کا اور بری بات کا

بامحاورہ ترجمہ: ۔اے ایمان والو! شیطان کے قدموں پر مت چلو اور جو کوئی شیطان کے قدموں پر چلے گا، سو! وہ تو بے حیائی اور بری بات ہی بتائے گا۔

تفسیر

"سورۃ البقرۃ" میں کہا گیا ہے کہ شیطان کے قدموں پر مت چلو، "سورۃ الاعراف" میں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے بے حیائی کے کاموں اور برائیوں کو حرام قرار دیا ہے، منافقوں کا ایمان تو دکھاوے کا ہوتا ہی ہے، انہوں نے موقعہ پاکر باوجود منع کرنے کے فحش بات کا الزام بے گناہوں پر لگا دیا، اور پھر اس کا اتنا چرچا کر دیا کہ چند سچے مسلمان بھی ان کے بہکانے میں آگئے؛ اس لئے اس آیت میں دوبارہ ان باتوں کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے۔

ارشاد ہے کہ: شیطان ہمیشہ انسان کو سیدھے اور صحیح راستے سے ہٹانے پر تلا ہوا ہے، اسی طرح جو لوگ اس کے قدموں پر چل رہے ہیں، وہ بھی لوگوں کو اپنے ہی غلط راستے پر چلانا چاہتے ہیں، دیکھو! تم لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لا چکے ہو، تمہیں کبھی شیطان اور اس کی پیروی کرنے والے لوگوں کی چال میں نہ آنا چاہئے، یہ تو بس یہی چاہتے ہیں کہ بے حیائی اور بدی کی طرف لوگوں کو دعوت دیں، اور نیک لوگوں کو بدنام کریں، تمہیں ہرگز ان کی باتوں میں نہ آنا چاہئے اور ان کے اختیار کئے ہوئے راستے سے بچنا چاہئے۔

پاکیزگی

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ

اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا پر تم اور رحمت اس کی نہ پاک صاف میں تم سے کوئی

اَبَدًا ۙ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢١﴾

کبھی اور لیکن اللہ پاک صاف کرتا ہے جسے چاہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے (۲۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کبھی بھی کوئی ایک شخص پاک نہ ہوتا اور لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے پاک کرتا ہے (توبہ کی توفیق دے دیتا ہے) اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا جانتا ہے۔(۲۱)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: انسان کے ساتھ ہی اس کا ایک دشمن شیطان بھی پیدا ہو چکا ہے، جو اس کو خراب خواہشوں کے پھندے میں پھنسا کر اس سیدھے راستے سے جو اس کے لئے مقرر ہے، ہر وقت ہٹانے کی کوشش کرتا رہتا ہے ، ایسے ایسے سبز باغ دکھاتا ہے کہ انسان اچھا خاصا سمجھ دار ہو کر بھی اس کے فریب میں آجاتا ہے، اور دنیا کے عارضی فائدوں ہی کو سب کچھ سمجھنے لگتا ہے۔

اس طوفان بدتمیزی میں اگر انسان کا کوئی ہاتھ پکڑنے والا ہوتا ہے تو وہ اس کا خالق وہ مالک اللہ تعالیٰ ہے، بغیر اس کا دامن پکڑے انسان کسی طرح سنبھل نہیں سکتا، خواہشوں کی تند آندھیاں اسے ڈگمگا دیتی ہیں، جذبات کی سخت موجیں تھپیڑے لگاتی ہیں۔

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قدم قدم پر لڑکھڑاتا ہے ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھاتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت نے اسے سہارا دے رکھا ہے اگر اس کی توجہ نہ ہو تو انسان پاک صاف نہیں رہ سکتا، یہ اسی کی مدد ہے، کہ بہت سے لوگ گناہوں سے بچتے رہتے ہیں وہی گنہگاروں کو توبہ کی توفیق دیتا ہے، ان کے گناہ معاف کر دیتا ہے، ہر فریادی کی آواز سنتا ہے، ہر ایک کے حالات بخوبی جانتا ہے، اگر وہ اپنے فضل سے کسی کو پاک نہ کرے اور اپنی رحمت سے اس کی صفائی ستھرائی نہ کرے تو نہ کوئی پاک ہو سکتا ہے نہ صاف ستھرا رہ سکتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو مختلف مسئلے بیان فرمائے ہیں، پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کے نقش قدم پر چلنے سے منع فرمایا ہے کہ جو کوئی شیطان کے نقشِ قدم پر چلے گا تو وہ بے حیائی اور بری باتوں کا ہی حکم دیگا، شیطان سے اچھی اور نیکی کی بات کی توقع نہیں کی جاسکتی، شیطان کے نقشِ قدم پر چلنے سے یہی مراد ہے، اگر شیطان کی پیروی کروگے تو بے حیائی اور برائی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

معاف کر دینا

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُّؤْتُوٓا أُولِي الْقُرْبٰى

اور نہ قسم کھالیں والے بزرگی میں سے تم اور مالی وسعت والے کہ دیں وہ والوں قرابت کو

وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۗ

اور مسکینوں کو اور ہجرت کرنے والے کو میں راہ اللہ کی اور چاہئے کہ معاف کریں اور درگزر کریں

أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٢﴾

کیا نہیں پسند کرتے تم کہ بخش دے اللہ تمہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے (٢٢)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور تم میں سے بڑے درجے والے اور مالی گنجائش والے اس بات کی قسم نہ کھا بیٹھیں کہ رشتہ داروں اور محتاجوں کو اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں وطن چھوڑنے والوں کو نہیں دیں گے انہیں چاہئے کہ معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کر دے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔(٢٢)

لفظی تحقیق: لَا يَأْتَلِ: قسم نہ کھائیں۔نہی کا صیغہ ہے، "اِيْتِلَاءٌ" سے جس کا مادہ ا۔ل۔ی ہے "اِيلَاءٌ" قسم ہے، "اِيْتِلَاءٌ" قسم کھا بیٹھنا کہ یہ کام نہ کروں گا۔

تفسیر

مسلمانوں کو پچھلی آیتوں میں صاف حکم ہے کہ اس وقت تو تم لوگ شیطان اور اس کے انسانی چیلے چاٹوں کے بہکاوے میں آگئے اور ان کی چال میں پھنس گئے، لیکن آئندہ ہرگز جھوٹی افواہوں کے پھیلانے والوں اور فحش باتوں کے چرچا کرنے والوں کا ساتھ کبھی نہ دینا۔

اس کے بعد اب آپس میں صلح صفائی اور میل جول کرلو اور تم میں سے مال دار لوگ جو غریبوں کی مالی امداد کرتے تھے وہ اس کو بدستور جاری رکھیں، ان میں سے اگر کوئی اس فتنہ میں نادانی سے پھنس گیا تھا تو اسے معاف کردیں اور اس پر آئندہ غصہ نہ کریں، اس کی خطا سے درگزر کریں، اور ان مالداروں میں سے اگر کسی نے ناراض ہو کر قسم کھائی تھی کہ میں آئندہ تہمت میں شامل ہوجاتے والوں کی مالی مدد نہ کروں گا، تو وہ اپنی قسم توڑ ڈالیں اور اس کا کفارہ ادا کردیں، اور غریب کا مالی وظیفہ بدستور جاری کردیں، اللہ غفور رحیم سے تم دعا مانگتے رہو کہ وہ تمہارے گناہ معاف کردے، تمہیں بھی چاہئے کہ تم قصور واروں کا قصور معاف کردو، چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا اور اپنے بھانجے مسطح کا وظیفہ جاری کردیا جو اس بہتان میں شریک ہوگیا تھا، (جس کی وجہ سے آپ نے غصہ میں آکر اس کا وظیفہ بند کردینے کی قسم کھائی تھی)۔

وَ لَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَ السَّعَةِ: حضرت مسطح رضی اللہ عنہ جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار بھی ہیں، مسکین بھی ہیں اور مالی حالت بھی کمزور ہے، اور پھر مہاجر بھی ہیں تو اس آیت میں اللہ نے یہی بات سمجھائی ہے کہ غصے میں آکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کی امداد روک لینے کی قسم نہیں اٹھانی چاہئے بلکہ انہیں معاف کردیں، جب اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کرلی ہے ان کو سزا مل گئی ہے تو اب معاملہ ختم ہوجانا چاہئے۔

کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں کو معاف کردے، تم سے بھی تو غلطیاں ہوتی ہیں، جب تم اپنی کوتاہیوں کی معافی کو پسند کرتے ہو تو جن مؤمنوں نے واقعہ افک میں غلطی کی، ان کی

معافی کو بھی پسند کرو۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ: جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ آیت سنی تو کہا، خدا کی قسم! ہم اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ہماری خطاؤں کو معاف فرمادے، لہذا میں نے مسطح رضی اللہ عنہ کو معاف کر دیا اور اس بات سے درگزر کیا، اس کے بعد آپ نے نہ صرف مالی امداد کو جاری رکھا، بلکہ اسے دُگنا کر دیا۔

وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ: اللہ تعالیٰ نے خطاؤں کاروں پر مہربانی فرمائی اور انہیں معاف کر دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی یہ بات سمجھادی اور یہ آپ پر بھی مہربانی تھی جس کا اثر پھر حضرت مسطح رضی اللہ عنہ پر دوہری امداد کی صورت میں ظاہر ہوا۔

تہمت کا وبال

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي

تحقیق وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں پاکدامن بھولی ایمان والیوں پر لعنت کیے جائیں گے میں

الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۠ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ يَّوْمَ تَشْهَدُ

دنیا اور آخرت اور لیے ان کے عذاب بڑا (۲۳) جس دن گواہی دیں گے

عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾

خلاف ان کے زبانیں ان کی اور ہاتھ ان کے اور پاؤں ان کے اس کی جو تھے وہ کرتے (۲۴)

با محاورہ ترجمہ:۔ جو لوگ پاک دامن بے خبر ایمان والیوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ (۲۳) جس دن گواہی دیں گے ان پر ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ (۲۴)

تفسیر

ان آیتوں میں بہت زوردار طریقے سے نیک خواتین کے بدنام کرنے والوں کو ڈرسنا گیا ہے، ارشاد ہے کہ: جو لوگ پاک دامن عورتوں کو (جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتی ہیں) بدنام کرتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت دونوں میں خدا کی مار پڑے گی۔

جرمانہ لگانے میں اجتماعی زندگی خراب ہوتی ہے؛ اس لئے اس کی سزا یہاں کوڑے لگانا ہے، اور آخرت میں ایسے لوگوں کو بڑا سخت عذاب ملے گا، اس گھمنڈ میں نہ رہیں کہ قیامت کے دن مکر سکتے ہیں، خود ان کی زبان اور ان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے کہ انہوں نے نیک عورتوں پر جھوٹا الزام لگایا اور برے کام کئے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ: "مُحْصَنٰتِ" سے مراد پاکدامن عورتیں ہیں اور غافل اس لحاظ سے کہ ان کو خبر ہی نہیں کہ ان پر الزام تراشی ہو رہی ہے، اور مؤمنات سے مراد ایمان والی عورتیں ہیں، جن کے ایمان میں کوئی شبہ نہیں، یہاں اس سے مراد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں اور عام قانون کے طور پر آئندہ ان صفات والی کوئی بھی عورت ہوسکتی ہے۔

تو فرمایا: ایسی عورتیں پر بدکاری کا الزام لگانے والوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر لعنت کی گئی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

عملوں کی تقسیم

يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ

اس دن | پورا دے گا انہیں | اللہ | بدلہ ان کا | ٹھیک | اور | جان لیں گے | کہ | اللہ | وہی | سچا حاکم

الْمُبِيْنُ ﴿٢٥﴾ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَ الْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَ

اور بات کھولنے والا ہے (٢٥) | گندی عورتیں | گندے مردوں کے لائق | اور | گندے مرد | گندی عورتوں کے لائق | اور

الطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا
پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لائق اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لائق وہ بری ہیں اس سے جو

يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٦﴾
وہ کہتے ہیں لئے ان کے بخشش اور روزی باعزت (٢٦)

ع ٣ ٦ ٩

بامحاورہ ترجمہ:۔ اس دن اللہ تعالیٰ ان کو پورا بدلہ دے گا اور وہ جان لیں گے اور اللہ تعالیٰ ہی سچا اور بات کی حقیقت کو کھولنے والا ہے۔(٢٥) گندی عورتیں گندے مردوں کے لائق اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق، پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لائق اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لائق ہیں، وہ لوگ ان باتوں سے بری ہیں جو یہ (منافق لوگ) کہتے ہیں ان کے واسطے تو بخشش اور عزت کی روزی ہے۔(٢٦)

لفظی تحقیق: **یُوَفِّیْ**: پورا پورا دے گا۔مضارع کا صیغہ ہے، **تَوْفِیَة**: سے جو و۔ف۔ی سے بنا ہے، **وَفَاء**: کے معنی حق پورا ادا کرنا، **تَوْفِیَة**: پورا پورا دینا، **دِیْن**: سزا۔ کے معنیٰ بہت سے ہیں، یہاں اس کے معنی سزا اور عوض کے ہیں۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اس دن اللہ تعالیٰ انہیں پوری سزا دیگا، اور وہ یقین کرلیں گے کہ اللہ تعالیٰ واقعی برحق ہے، اور سارے عملوں کا ٹھیک حساب جانتا ہے، اور ہر عمل کی اس کے بالکل مناسب سزا دیگا، گندی عورتیں گندے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہوتے ہیں، پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لائق ہیں، جن پر منافقوں نے تہمت لگائی ہے وہ اس سے بالکل بری ہیں برا کہنے سے وہ برے نہیں ہو سکتے بلکہ ان کے صبر کے بدلے ان کی ذرا ذرا سی خطائیں معاف کردی جاتی ہیں اور عزت کی روزی، یعنی: جنت ملتی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک پیغمبر کی پاک بیوی کی پاکدامنی کو بیان فرمایا ہے، حدیث میں بھی

آتا ہے کہ نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیویوں میں عقیدے کی خرابی تو تھی مگر کسی پیغمبر کی بیوی پر بدکاری کا الزام نہیں لگایا جاسکتا، تمام پیغمبروں کی بیویاں ہمیشہ پاک رہی ہیں۔

اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ: یہ سب لوگ پاک ہیں ان باتوں سے جو منافق لوگ ان کے بارے میں کہتے ہیں، بلکہ اس قسم کا الزام لگانے والے خود منافق ہیں جنہوں نے نہ توبہ کی نہ معافی مانگی اور نہ غلطی کا اقرار کیا، یہ لوگ سزا کے مستحق ہیں، البتہ جو لوگ اس الزام سے پاک ہیں، یعنی: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان رضی اللہ عنہ۔

ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت کا وعدہ ہے، اللہ نے ان دو رکوع میں منافقوں کی سازش کو بے نقاب کر کے اپنے نیک بندوں کی پاکدامنی واضح کی ہے۔

کسی کے گھر ملنے جانا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو مت داخل ہو گھروں میں سوا اپنے گھروں کے

حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

یہاں تک کہ اجازت لے لو اور سلام کرلو پر گھر والوں یہ بہتر ہے لئے تمہارے

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾

امید ہے کہ تم اسے یاد رکھو گے (۲۷)

بامحاورہ ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا کسی کے گھر میں مت جایا کرو جب تک اجازت نہ لے لو، اور جب تک سلام نہ کرلو ان کے گھر والوں کو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔ (۲۷)

لفظی تحقیق: تَسْتَاْنِسُوْا: اجازت لو لے۔ مضارع کا صیغہ ہے اِسْتِیْنَاس سے جو: ا۔ن۔س سے بنا ہے، اُنْس: کے معنٰی دوسرے سے ملنا، بات چیت کرنا، یہاں اجازت چاہنا مراد ہے۔

تفسیر

انسان کو آپس میں میل جول کے لئے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے جس سے کسی کو تکلیف نہ ہو، اور گندے خیالات پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں، یہ وہ مسئلہ ہے کہ جس میں بہت سے انسان غلطی کر رہے ہیں، قرآن مجید اس طرح رہنا سکھاتا ہے، جس سے فتنہ وفساد نہ پھیلے اور بے حیائی کا دروازہ بھی نہ کھلے۔

پہلی بات جو انسان کے لئے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اپنے گھر کے علاوہ کسی کے گھر میں بغیر اجازت نہ داخل ہو، اور داخل ہونے سے پہلے اجازت طلب کرے، دروازے کے کنارے پر کھڑے ہو کر اجازت مانگنی چاہئے، کیونکہ ممکن ہے کہ دروازہ کھلا ہوا ہو اور بے دھڑک نگاہ ایسی چیزوں پر پڑ جائے جن پر پڑنا مناسب نہ تھا۔

اگر کہا جائے کہ واپس جاؤ تو واپس آ جاؤ

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ

پس اگر نہ پاؤ تم میں اس کسی کو پس نہ داخل ہو اس میں جب تک کہ اجازت دی جائے تم کو

وَ اِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا

اور اگر کہا جائے تم سے کہ واپس جاؤ تو واپس چلے جاؤ یہی زیادہ ستھرا ہے تمہارے لئے اور اللہ جو

تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۟

تم کرتے ہو جاننے والا ہے (۲۸)

با محاورہ ترجمہ:۔ پھر اگر اس گھر میں کسی کو نہ پاؤ تو اس گھر میں داخل نہ ہوں یہاں تک تمہیں اجازت دی جائے اور اگر تم کو جواب ملے کہ کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آ ؤ، یہی تمہارے لئے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ (۲۸)

تفسیر

پہلے ارشاد ہوا کہ: جس گھر میں آدمی رہتے ہیں ان میں وہاں کے رہنے والوں سے اجازت لئے بغیر داخل مت ہو، اور اگر کسی وجہ سے اجازت نہ ملے تو برا ماننے کی بات نہیں واپس آجانا چاہئے۔

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: گھر تو دوسرے ہی کا ہو مگر اس وقت کوئی وہاں نہ ہو تب بھی تمہیں اس میں نہ جانا چاہئے، ہاں! اگر مکان کے مالک سے اجازت ملی ہوئی ہو تو اندر جانے میں کوئی حرج نہیں، یہاں بھی اگر اجازت دینے سے انکار کر دیا جائے تو منہ بنانے کی ضرورت نہیں، سیدھی بات ہے کہ دوسرے کی چیز کو بلا اس کی اجازت ہاتھ نہ لگانا چاہئے اور کسی کے گھر کے اندر خواہ اس میں کوئی موجود ہو یا نہ ہو بغیر مالک کی مرضی کے داخل نہ ہونا چاہئے، اگر کسی کا خیال یہ ہو کہ گھر تو کھلا ہوا ہے اور کوئی دیکھنے والا نہیں ہے اس لئے گھر کے اندر داخل ہونے میں کیا حرج ہے، تو اگر وہ مسلمان ہے تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سب کاموں کو دیکھ رہا ہے اور وہ جانتا ہے کہ تم کیا کر رہے ہو اور کیوں کر رہے ہو، اگر گھر کا مالک موجود نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ تو دیکھ رہا ہے اس نے تمہیں دوسرے کے گھر میں بغیر اجازت جانے سے منع کیا ہے، اور اگر گھر والوں نے لوٹ جانے کو نہیں کہا مگر کوئی بولا بھی نہیں، ایسی حالت میں تین مرتبہ اجازت اس احتیاط پر لی جائے کہ شاید انہوں نے نہ سنا ہو، تین مرتبہ تک جب اگر کوئی جواب نہ آئے تو لوٹ آنا چاہئے جیسا کہ یہ بات حدیث میں صاف موجود ہے۔

احکام ومسائل

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "ادب المفرد" میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص سلام سے پہلے اجازت مانگے اس کو اجازت نہ دو (کیونکہ اس نے سنت طریقہ کو چھوڑ دیا)۔ (روح المعانی)۔

اور "ابوداؤد" کی حدیث میں ہے کہ بنی عامر کے ایک شخص نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح اجازت مانگی کہ باہر سے کہا: أألج؟ کیا میں گھس جاؤں؟ آپ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ: یہ شخص اجازت لینے کا طریقہ نہیں جانتا باہر

جا کر اس کو طریقہ سکھلاؤ کہ یوں کہے "السلام علیکم أأدخل" یعنی: کیا میں داخل ہوسکتا ہوں، ابھی یہ خادم باہر نہیں گیا تھا کہ اس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات سن لئے اور اس طرح کہا "السلام علیکم أأدخل" تو آپ نے اندر آنے کی اجازت دیدی۔

اور "بیہقی" نے "شعب الایمان" میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے رایت کیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص پہلے سلام نہ کرے اس کو اندر آنے کی اجازت نہ دو۔

اس واقعہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: پہلے سلام کرنا چاہئے، دوسرے یہ کہ اس نے "أدخلُ" کے بجائے "ألج" کا لفظ استعمال کیا تھا یہ نامناسب تھا کیونکہ "ألج" ولوج سے مشتق ہے جسکے معنیٰ تنگ جگہ میں گھسنے کے ہیں یہ لفظ تہذیب کے خلاف تھا، بہرحال ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں جو سلام کرنے کا ارشاد ہے یہ سلام اجازت حاصل کرنے کے لئے باہر سے کیا جاتا ہے تاکہ اندر گھر میں داخل ہونے کے وقت دوبارہ سلام کرے۔

مسئلہ (۱):.... پہلے سلام اور پھر داخل ہونے کی اجازت لینے کا جو بیان اور حدیثوں سے ثابت ہوا اس میں بہتر یہ ہے کہ اجازت لینے والا خود اپنا نام لیکر اجازت طلب کرے۔

مسئلہ (۲):.... حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اجازت لینے کا یہ طریقہ بھی جائز ہے کہ دروازہ پر دستک دیدی جائے اور ساتھ ہی اپنا نام بھی بتلا دیا جائے کہ فلاں شخص ملنا چاہتا ہے، لیکن اگر دستک ہو تو درمیانے انداز سے دستک دے نہ تو اتنی زور سے ہو کہ سننے والا گھبرا جائے اور نہ اتنے کم آواز سے ہو کہ سنائی ہی نہ دے۔

ضروری تنبیہ!

جو لوگ اجازت لینا چاہیں اور سنت طریقہ کے مطابق باہر سے پہلے سلام کریں پھر اپنا نام بتلا کر اجازت لیں، ان کے لئے اس زمانے میں بعض دشواریاں یوں بھی پیش آتی ہیں کہ عام طور پر جس سے اجازت لینی ہے، وہ دروازہ سے دور ہے، وہاں سلام کی آواز اور اجازت لینے کے الفاظ پہنچنا مشکل ہیں؛ اس لئے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اصل واجب یہ بات ہے کہ بغیر اجازت کے گھر میں داخل نہ ہو، اجازت لینے کے طریقے ہر زمانے اور ہر ملک

میں مختلف ہوسکتے ہیں، ان میں سے ایک طریقہ دروازہ پر دستک دینے کا تو خود حدیث سے ثابت ہے، اسی طرح جو لوگ اپنے دروازوں پر گھنٹی لگاتے ہیں اس گھنٹی کا بجا دینا بھی اجازت طلب کرنے کے لئے کافی ہے، اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ جو کسی جگہ رائج ہو اس کا استعمال کر لینا بھی جائز ہے، آج کل جو شناختی کارڈ کا رواج چلا ہے، مقصد اس میں بہت اچھی طرح پورا ہو جاتا ہے کہ اجازت دینے والے کو اجازت چاہنے والے کا پورا نام و پتہ اپنی جگہ بیٹھے ہوئے بغیر کسی تکلیف کے معلوم ہو جاتا ہے؛ اس لئے اس کو اختیار کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ (۳):.... اگر کسی شخص نے کسی شخص سے اجازت مانگی اور اس نے جواب میں کہہ دیا کہ اس وقت ملاقات نہیں ہوسکتی لوٹ جایئے تو اس کو برا نہ ماننا چاہئے کیونکہ ہر شخص کے حالات مختلف ہوتے ہیں، بعض وقت وہ مجبور ہوتا ہے باہر نہیں آسکتا نہ آپ کو اندر بلا سکتا ہے تو ایسی حالت میں اس کے عذر کو قبول کرنا چاہئے، آیت میں یہی ہدایت ہے جب آپ سے کہا جائے کہ اس وقت لوٹ جائیں تو آپ کو خوشدلی سے لوٹ آنا چاہئے، اسے برا ماننا یا وہیں جم کر بیٹھ جانا دونوں چیزیں درست نہیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص آپ سے ملاقات کے لئے آئے اس کا بھی آپ پر حق ہے کہ اس کو اپنے پاس بلاؤ یا باہر آ کر اس سے ملو، اس کا اکرام کرو، بات سنو بلا کسی شدید مجبوری اور عذر کے ملاقات سے انکار نہ کرو۔

مقصود پاکیزگی ہے

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا

نہیں　پر تم　کوئی گناہ　کہ　داخل ہو تم　ان گھروں میں　جہاں کوئی　نہیں رہتا　جس کے اندر

لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝٢٩ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

لئے تمہاری　اور　اللہ　جانتا ہے　جو　ظاہر کرتے ہو تم　اور　جو　چھپاتے ہو تم　(۲۹) کہہ دے　ایمان والوں سے

يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ

کہ نیچی رکھی اپنی نگاہیں اور حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی

با محاورہ ترجمہ:۔اس میں تمہیں کوئی گناہ نہیں کہ تم ان گھروں میں جاؤ جہاں کوئی نہیں رہتا،اس میں تمہاری کچھ چیزیں ہوں اور اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔(۲۹)(اے پیغمبر! آپ)ایمان والوں سے کہہ دیں کہ اپنی نظروں کو نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ:جس گھر کا کوئی خاص مالک نہ ہو اور نہ کسی خاص آدمی کے رہنے کے لئے بنایا گیا ہو،اور اس میں داخلہ کی کوئی روک ٹوک نہ ہو،سب کے لئے کھلا ہوا ہو،ایسے گھر میں بلا اجازت جاسکتے ہیں،جیسے مسجد،سرائے ،خانقاہ وغیرہ،وہاں چلے جانے میں کوئی حرج نہیں اس سے تم مناسب فائدہ اٹھا سکتے ہو،لیکن یہ خیال رہے کہ اس کو کسی طرح خراب کرنے یا اس سے بے جا فائدہ اٹھانے کی نیت نہ کرنی چاہئے،وقف چیزیں سب کے استعمال کے لئے ہوتی ہیں،ان پر قبضہ کرنا یا اوروں کو اس سے فائدہ نہ اٹھانے دینا اپنے ہی آپ کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرنا یہ سب باتیں منع ہیں،اس سے تم اتنا ہی فائدہ اٹھا سکتے ہو جتنا فائدہ اور اٹھا سکتے ہیں۔

یاد رکھو!اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہری عمل اور چھپی نیتیں سب کچھ جانتا ہے،اس کے بعد مسلمان مردوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ نگاہیں نیچی رکھو اور خواہشوں کو قابو میں رکھو،اس کا خیال رکھو کہ تمہاری شرم گاہوں سے کوئی غلط کام نہ ہو،اگر بے خیالی میں کسی عورت کے چہرے پر نظر پڑ جائے تو فوراً ہٹا لو اور دوبارہ اس کی طرف نہ دیکھو۔

اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو،اللہ تعالیٰ تمہاری نیت اور ارادے سے بھی واقف ہے،اس نے گھروں میں داخلے کے لئے ہدایات کر دیئے ہیں،اگر ان کی پابندی کرو گے تو فتنہ وفساد پیدا نہیں ہوگا،اور معاشرے میں امن وامان قائم ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے راستہ چلتے وقت کسی غیر محرم سے واسطہ پڑنے پر نگاہوں کو نیچا رکھنے کا حکم دیا ہے، اگر کسی مؤمن مرد کے سامنے غیر محرم عورت آجائے یا مؤمن عورت کے سامنے غیر محرم مرد آجائے تو دونوں کو نظریں نیچی کرنے کا حکم دیا گیا، پہلے کسی غیر محرم پر نگاہ پڑتی ہے پھر برے خیالات پیدا ہوتے ہیں اور پھر برائی کی رغبت پیدا ہوتی ہے، اسی لئے نظر کو آنکھوں کا زنا قرار دیا گیا ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نگاہ کی حفاظت کا سختی سے حکم دیا ہے تاکہ برائی، بدکاری اور زنا کی نوبت ہی نہ آسکے۔

بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مختلف راستوں پر بیٹھا کرتے تھے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ ہم ایسے مقامات پر بلا مقصد نہیں بیٹھتے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اگر آپ کا وہاں بیٹھنا ضروری ہے تو پھر ایسے مقام کا حق بھی ادا کرو، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پوچھنے پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ایسے مقامات پر بیٹھنے کا حق یہ ہے کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچاؤ، اپنی نگاہوں کو نیچا رکھو، کوئی ضرورتمند ہو تو اس کی مدد کرو اور سلام کا جواب دو، مطلب یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر موقع پر اپنی نگاہوں کی حفاظت کا حکم دیا ہے، آیتوں میں دوسرا مسئلہ شرمگاہوں کی حفاظت کا بیان کیا گیا ہے۔

صحیح حدیث میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص مجھے ضمانت دے گا ان چیزوں کی جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان ہے، یعنی: زبان اور جو دو رانوں کے درمیان ہے، یعنی: شرمگاہ، تو میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں، مطلب یہ ہے کہ زبان اور شرمگاہ دو ایسی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے اکثر فتنہ وفساد پیدا ہوتا ہے، جو لوگ اپنی زبان پر کنٹرول نہیں کرتے اور اس کے ذریعے جھوٹ، غیبت، الزام تراشی اور گالی گلوچ کرتے ہیں، وہ اس کی وجہ سے سخت مشکل میں پڑتے ہیں، اس طرح شرمگاہ کی حفاظت ہی پاکدامنی کی علامت ہے، ورنہ انسان زنا فحاشی اور بدکاری میں مبتلا ہو کر جنت سے محروم ہوسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت کا حکم دیا ہے اور یہ حکم مردوں اور عورتوں کے لئے الگ الگ ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ: قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ: اے پیغمبر! آپ ان مؤمن مردوں سے کہہ دیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، یعنی: جب کسی غیر محرم عورت سے آمنا سامنا ہو تو اس کی طرف

بار بار دیکھنے کے بجائے اپنی نظروں کو جھکا لے، "بیہقی" نے "شعب الایمان" میں یہ روایت نقل کی ہے، اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اس مرد پر جو اپنی نظر کسی غیر محرم عورت پر اٹھاتا ہے، اور اگر کوئی عورت اپنی نظر غیر محرم پر اٹھاتی ہے تو اس پر بھی خدا کی پھٹکار ہے، "مسند احمد، ترمذی، ابو داؤد اور دارمی" وغیرہ میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے علی! پہلی نگاہ کے بعد دوسری نگاہ مت اٹھانا، اگر اتفاقاً کسی غیر محرم عورت پر نظر پڑ گئی ہے تو پہلی نظر معاف ہے، دوسری بار نگاہ اٹھاؤ گے تو گنہگار بن جاؤ گے، قصداً پہلی نظر بھی معاف نہیں، حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر کسی غیر محرم پر نظر پڑ جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ کہتے ہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ نگاہ فوراً پھیر لو اور دوبارہ دیکھنے کی کوشش نہ کرو، ورنہ مجرم بن جاؤ گے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب گھر میں داخلے کے لئے اجازت لینے کی آیتیں اتریں، جن میں بغیر اجازت کے کسی مکان میں داخل ہونے سے منع کیا گیا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے پیغمبر! اس منع کرنے کے بعد قریش کے تجارت پیشہ لوگ کیا کرینگے کیونکہ مکہ اور مدینہ سے شام تک انکے تجارتی سفر ہوتے ہیں اور اس راستہ میں جابجا ان کے مسافر خانے بنے ہوتے ہیں جن میں دوران سفر وہ لوگ آرام کرتے ہیں، ان میں کوئی مستقل رہنے والا نہیں ہوتا وہاں اجازت کی کیا صورت ہوگی، اجازت کس سے حاصل کی جائیگی؟ اس پر یہ آیت اتری۔

مراد وہ مکانات اور مقامات ہیں جو کسی خاص فرد یا قوم کے لئے خصوصی طور پر رہائش گاہ نہیں ہوتے بلکہ لوگوں کو عام اجازت وہاں جانے ٹھہرنے اور استعمال کرنے کی ہوتی ہے، جیسے: وہ مسافر خانے جو شہروں اور جنگلوں میں اسی غرض کے لئے بنائے گئے ہوں، جیسے مسجدیں، خانقاہیں، دینی مدارس، ہسپتال، ڈاکخانہ، ریلوے اسٹیشن، ہوائی جہازوں کے اڈے اور قومی تفریحات کے لئے جو مکانات بنائے گئے ہوں، غرض! رفاہِ عام کے سب ادارے اسی حکم میں ہیں کہ وہاں ہر شخص بلا اجازت جاسکتا ہے۔

احکام ومسائل

مسئلہ (۱):.... کسی کے مکان پر ملاقات کے لئے جاؤ اور جازت حاصل کرنے لئے کھڑے ہوتو گھر کے اندر نہ جھانکو، کیونکہ اجازت لینے کا حکم تو اس لئے ہے کہ دوسرا آدمی جو چیز آپ پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا آپ کو اس کی اطلاع نہ ہونی چاہئے اگر پہلے ہی گھر میں جھانک کر دیکھ لیا تو یہ مصلحت فوت ہوجائیگی، حدیث میں اس سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ شریف یہ تھی کہ کسی کے پاس جاتے اور اجازت حاصل کرنے کے لئے کھڑے ہوتے تو دروازے کے سامنے کھڑے ہونے کے بجائے دائیں یا بائیں کھڑے ہوکر اجازت طلب فرماتے تھے دروازہ کے سامنے کھڑے ہونے سے اس لئے اجتناب فرماتے کہ اول تو اس زمانے میں دروازوں پر پردے بہت کم تھے، اور پردہ بھی ہوتو ہوا سے کھل جانیکا احتمال بہر حال ہے۔

مسئلہ (۲):.... جن مکانوں میں داخل ہونا اس آیات میں بغیر اجازت کے ممنوع قرار دیا ہے یہ عام حالات میں ہے، اگر اتفاقاً کوئی حادثہ آگ لگنے یا مکان گرنے کا پیش آجائے تو اجازت لئے بغیر اس میں جاسکتے ہیں اور امداد کے لئے جانا چاہئے۔

مسئلہ (۳):.... جس شخص کو کسی نے بلا کر بھیجا ہے اگر وہ اس کے قاصد کیساتھ ہی آگیا تو اب اس کو اجازت لینے کی ضرورت نہیں قاصد کا آنا ہی اجازت ہے، ہاں! اگر اس وقت نہ آیا کچھ دیر کے بعد پہنچا تو اجازت لینا ضروری ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یعنی: آدمی بلایا جائے اور وہ قاصد کیساتھ ہی آجاوے تو یہی اس کے لئے اندر آنے کی اجازت ہے۔

ایسے لڑکوں کو جن کی ابھی ڈاڑھی نہ آئی ہو ان کی طرف قصداً نظر کرنا بھی اسی حکم میں ہے۔

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بہت سے بزرگانِ دین کسی (ایسے لڑکوں کو جن کی ڈاڑھی نہیں آئی) کی طرف دیکھتے رہنے سے بڑی سختی کے ساتھ منع فرماتے تھے اور بہت سے علماء نے اس کو حرام قرار دیا ہے (غالباً یہ اس صورت میں ہے جبکہ بری نیت اور نفس کی خواہش کے ساتھ نظر کیجائے)۔ واللہ اعلم

پاکیزگی کی دوسری بات

ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ

یہ پاکیزہ تر ہے لئے ان کے تحقیق اللہ جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں (۳۰) اور کہدے ایمان والیوں سے

يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا يُبْدِيْنَ

نیچی رکھیں اپنی نظریں اور حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی اور نہ ظاہر کریں

زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ لْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۪

اپنی زینت مگر جو کھلا رہے اس میں سے اور ڈالے رہیں اپنی اوڑھنیاں پر اپنے گریبانوں

وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ

اور نہ ظاہر کریں اپنی زینت مگر لئے شوہر اپنے یا باپوں اپنے یا اپنے شوہروں کے باپوں

اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ

یا اپنے بیٹوں کے یا بیٹوں اپنے شوہر کے یا بھائیوں اپنے کے یا بیٹوں یا بھائیوں اپنے کے

اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ

یا بیٹوں کے بہنوں کے یا عورتوں اپنی کے یا جن کے مالک ہوئے ان کے داہنے ہاتھ یا خدمت میں مصروف

غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا

نہ والے حاجت سے مردوں میں یا ان لڑکوں کے جو نہیں واقف ہوئے

عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَ لَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا

پر چھپی باتوں عورتوں کی اور نہ ماریں پاؤں اپنے تاکہ جان لیا جائے جو

يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَ تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ

چھپائے ہوئے ہیں وہ سے سنگار اپنے اور توبہ کرو آگے اللہ کے سب اے ایمان والو!

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٣١﴾

تا کہ تم کامیابی پاؤ (۳۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزہ ہے، بے شک اللہ تعالیٰ کو خبر ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ (۳۰) اور (اے پیغمبر! آپ) ایمان والیوں سے کہہ دیں ذرا اپنی آنکھیں نیچی رکھیں اور حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی اور نہ دکھائیں اپنی زینت کو سوا اس چیز کے جو خود بخود ظاہر ہو، اور اپنی اوڑھنی اپنے گریبان پر ڈال رکھیں اور نہ کھولیں زینت سوا اپنے خاوند کے سامنے یا اپنے باپوں کے سامنے یا اپنے خاوندوں کے باپوں کے سامنے یا اپنے بیٹوں کے سامنے یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں کے سامنے یا اپنے بھائیوں کے سامنے یا اپنے بھتیجوں کے سامنے یا اپنے بھانجوں کے سامنے یا اپنی عورتوں کے سامنے یا اپنی لونڈیوں کے سامنے (خواہ وہ کافر ہی ہوں کیونکہ مرد غلام کا حکم امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اجنبی مرد کی طرح ہے اس سے بھی پردہ واجب ہے) یا خدمت گار مردوں کے سامنے جو بوڑھے ہونے کی وجہ سے عورتوں کی خواہش نہیں رکھتے ان کے سامنے یا ان بچوں کے سامنے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف ہیں، اور وہ زمین پر اس طرح زور سے پاؤں مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہو وہ ظاہر ہونے لگے، اور توبہ کرو اللہ کے آگے سب ایمان والو تا کہ تم کامیابی پاؤ۔ (۳۱)

لفظی تحقیق: اَلتَّابِعِيْنَ: پیچھے چلنے والے۔ تابع کی جمع ہے، یہاں تابعین سے مراد وہ لوگ ہیں جو محض بچا کھچا کھانے پینے کے لئے کسی گھر کے ساتھ لگے رہتے ہوں۔ اِرْبَة: (حاجت) یہاں اس سے مراد جنسی خواہش ہے۔ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ: جو عورتوں سے کام نہیں رکھتے۔ عَوْرٰت: چھپی یا چھپانے کے قابل چیز۔ عورت کی جمع ہے، عورتوں کی چھپی راز کی باتیں۔ نِسَآءِ سے یہاں مراد ہر وقت پاس اٹھنے بیٹھنے والی نیک چلن عورتیں ہیں۔

تفسیر

اس سے پہلی آیت میں مردوں کو ہدایت کی گئی تھی کہ نظریں نیچی رکھنے کی عادت ڈالیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں کہ اس سے کوئی گناہ نہ ہو، اسی سلسلہ میں اس آیت کے اندر ارشاد ہے کہ: یہ دونوں باتیں ان کو پاکیزگی اور ستھرائی کی طرف لے جائیں گی اگر ان باتوں کا خیال نہ کیا اور ہر جائز و ناجائز کی طرف بے باکانہ نگاہیں دوڑائیں، اور جو چاہا کیا تو پھر زندگی کے گناہوں کی ناپاکی میں لت پت ہوجانے کا اندیشہ ہے، یاد رکھو! اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے خوب واقف ہے۔

اس کے بعد مسلمان عورتیں کو ہدایت ہے کہ انہیں بھی اپنی آنکھیں نیچی رکھنے کی عادت ڈالنی چاہئے اور چھپے ہوئے اعضاء کی حفاظت کرنی چاہئے، انہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ اپنی پیدائشی خوبصورتی اور لباس وزیور کی ظاہری آرائش کا کسی کو دکھانا ان کے لئے جائز نہیں، لیکن صرف اتنا حصہ جس کا چھپانا دشوار ہے، اور وہ مجبوری یا ضرورت کی وجہ سے عموماً کھلا ہی رکھنا پڑتا ہے، اس کے کھلا رکھنے میں حرج نہیں، اور اسی وجہ سے مردوں اور عورتوں دونوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے، تاکہ ان حصوں پر ان کی نگاہیں نہ پڑے، اور دنیا کے کاروبار میں حرج نہ واقع ہو، ان چیزوں میں جو عموماً اعضاء کھلی رہتے ہیں ان میں چہرہ، ہتھیلیاں اور پاؤں شامل ہیں، ایسی ہی ان کی بیرونی زیبائش انگوٹھی، مہندی وغیرہ۔

زینت سے مراد بدن کی یا اس کے کسی حصے کی پیدائشی خوبصورتی اور نیز وہ جو زیور لباس وغیرہ سے حاصل ہو سب داخل ہیں، شروع میں مرد اور عورت دونوں کو اپنی نظریں نیچی رکھنے کی ہدایت کی گئی اور صاف طور پر کہا گیا کہ اپنے پوشیدہ اعضاء کو کسی کے سامنے نہ کھولیں اس کے بعد عورتوں کو مزید ہدایت کی گئی کہ سوا چہرہ ہتھیلیوں اور قدموں کے اور ان کے سنگار کے اور بدن کے کسی حصے کو یا اس کے سنگار کو سوا ان مردوں کے جن کو یہاں تفصیل سے گنوایا گیا ہے ظاہر نہ کریں، عورتوں کا چہرہ اور ہتھیلیاں، قدم اور زیورات کھلے رکھنے ہی پڑتے ہیں مردوں کو ان سے نظر نیچی رکھنی چاہئے اور یہ حکم عورتوں کے لئے گھر کے اندر اور باہر ہر حالت میں ہے۔

ارشاد ہے کہ: اپنے سینوں کو ہر وقت اوڑھنیوں اور دوپٹوں سے چھپائے رکھیں اس حصہ کو چھپائے رکھنے کی خاص طور پر ہدایت ہے، اس کے بعد عام اعضاء کے لئے ہدایت ہے کہ ان کی بناوٹ اور سنگار کسی پر ظاہر نہ کریں، شوہر، باپ، سسر، بیٹا، سوتیلا بیٹا، بھائی بھتیجا، بھانجا مستثنیٰ ہیں۔

علاوہ ان قریبی رشتہ داروں کے جن کا ذکر پچھلی آیت میں ہوا، عورتیں اپنی زینت ان کے سامنے بھی ظاہر کرسکتی ہیں، ہر وقت ساتھ رہنے والی عورتیں یا اپنی باندیاں یا ایسے خدمت گار مرد جن میں عورتوں کی خواہش نہ ہو چھوٹے بچے جو ابھی ناسمجھ ہوں کہ عورتوں کی خفیہ باتوں کی ان کو خبر نہ ہو اور خدمت گاروں سے جو اپنے کام سے کام رکھتے ہوں، بدنظر نہ ہوں یا جن میں جنسی خواہش نہ ہو، ان سے پردہ ضروری نہیں، جو لڑکے بالغ ہونے کے قریب ہوں ان کے سامنے بھی بے دھڑک آجانا ٹھیک نہیں، بے دھڑک باہر پھرنے والی بدچلن فاحشہ عورتوں کے سامنے بھی اپنی پیدائشی، بدنی خوبیوں اور زیب وزینت کو ظاہر نہ کرنا چاہئے، یہ سب عورتوں کے گھر میں رہنے کے طور طریقے ہیں جو انہیں سکھائے جارہے ہیں، یہ شرم وحیا کی تعلیم ہے۔

عورتوں کو مزید ہدایت ہے کہ زمین پر پاؤں ایسے زور سے نہ رکھو کہ زیور کی آواز سنائی دے اور ڈھکی ہوئی زیب وزینت آواز سے ظاہر ہوجائے اور آس پاس کے لوگوں کی اس طرف توجہ ہو، یہ ہے وہ پاک وصاف زندگی جس پر قرآن پاک ہمیں چلانا چاہتا ہے۔

اس کے بعد ایمان والوں کو ہدایت ہے کہ انسان کے دل میں طرح طرح کے وسوسے گزرتے ہیں برے خیالات کے پیدا ہونے کا موقعہ ہی اپنی طرف سے نہ دینا چاہئے، یہ سب احتیاط کرنے کے بعد بھی بغیر اس کے چارہ نہیں کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان لگایا جائے۔

چنانچہ ایمان والوں کو ارشاد ہے کہ اگر دین ودنیا میں کامیابی چاہتے ہو تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان کرو، توبہ کے یہی معنی ہیں کہ فضول خیالات سے دل ہٹایا جائے اور اگر بھولے چوکے کوئی اعتراض کے قابل کوئی غلط کام ہوجائے تو فوراً توبہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش بھی مانگے۔

اس میں شک نہیں اگر قرآن مجید کی ہدایتوں پر عمل کیا جائے تو دنیا میں ایک ایسا ماحول پیدا ہوسکتا ہے جس

میں آپس کے جھگڑے، فساد، خون خرابہ، بے ہودگی کچھ بھی نہ ہو، مسلمانوں کو یہی کوشش کرنی چاہئے۔

ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ: یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزگی کی بات ہے، "اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ" اللہ تعالیٰ ان کے ہر کام کی خبر رکھتا ہے، وہ ان کی نیت اور ارادے سے بھی واقف ہے، لہٰذا ان حکموں کی پابندی ضروری ہے۔

عورتوں کے لئے پردے کا حکم

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہی حکم عورتوں کو بھی دیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ پردے کے دیگر مسائل بھی بیان فرمائے ہیں، ارشاد ہوتا ہے کہ: اے پیغمبر! آپ ایمان والی عورتوں سے بھی کہہ دیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، مردوں کی طرح عورتوں کو بھی نظریں نیچی کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ برائی کی طرف میلان کی پہلی سیڑھی نگاہ کی خرابی ہے، مرد اور عورت اگر اس پر کنٹرول کرلیں تو بہت حد تک برائی کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔

آگے فرمایا کہ مؤمن عورتوں کو یہ حکم بھی دے دیں، وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اپنی عفت و ناموس پر داغ نہ لگنے دیں، فرمایا: اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس سے کھلی ہے۔

ستر کا مسئلہ

ناف سے لیکر گھٹنوں تک شرعی ستر ہے، لہٰذا کسی مرد کے لئے دوسرے مرد کے اس حصے کو دیکھنا حرام ہے۔

عورت کے لئے بھی یہی حکم ہے، کہ وہ کسی عورت کے ستر کو نہیں دیکھ سکتی، مرد اور عورت کے پردے کا حکم میں کچھ فرق بھی ہے، مثلاً: اگر کسی عورت کی نگاہ مرد کے ستر والے حصے کے علاوہ جسم کے کسی دوسرے حصے پڑ جائے تو کوئی گناہ نہیں، البتہ عورت کا سارا جسم چہرے اور ہاتھوں کے سوا ستر ہے، لہٰذا کسی مرد کی نظر عورت کے کسی حصہ پر نہیں پڑنی چاہئے، سوائے چہرے اور ہاتھوں کے، اگر ایسا کرے گا تو سخت گنہگار ہوگا، بعض فقہاء پاؤں کو بھی ستر میں داخل کرتے ہیں اور بعض نہیں کرتے، اگر چہ عورت کا چہرہ ستر میں داخل نہیں مگر جیسا کہ شامی اور در مختار میں ہے

نو جوان عورت کو اپنا چہرہ بھی ڈھانپ کر رکھنا چاہئے، تاکہ فتنہ سے بچا جا سکے۔

مرد ہو یا عورت مجبوری کی حالت میں جسم کے پوشیدہ حصوں کو دیکھنے کی اجازت ہے، مثلاً: علاج کے غرض سے یا کوئی آپریشن وغیرہ کرنا ہے تو دیکھنے کی اجازت ہے، پھر بھی فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ایسے حالات میں بھی حتی الامکان بچنے کی کوشش کرنی چاہئے، اور بے تکلف ہونے سے ہمیشہ پرہیز کرنا چاہئے۔

استغفار کی تعلیم

وَ تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا: اے ایمان والو! تم سارے کے سارے اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو، انسان خطاء کا پتلا ہے، کوئی نہ کوئی خطاء ہوتی رہتی ہے، اس کا علاج یہ ہے کہ سچے دل سے توبہ کرو، اٹھتے بیٹھتے ہر وقت استغفار کرتے رہو، خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم کی خاطر ایک مجلس میں سو سو دفعہ استغفار کرتے تھے، فرمایا کہ: توبہ کرو تاکہ تمہیں کامیابی نصیب ہو جائے، تم گناہوں سے پاک ہو جاؤ۔

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ: یعنی: وہ جوان عورتوں کے مملوک ہوں، ان الفاظ کے عموم میں تو غلام اور لونڈیاں دونوں داخل ہیں، لیکن اکثر ائمہ فقہاء کے نزدیک اس سے مراد صرف لونڈیاں ہیں، غلام مرد اس میں داخل نہیں، ان سے عام نامحرموں کی طرح پردہ واجب ہے، حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری قول میں فرمایا: یعنی: تم لوگ کہیں "سورۂ نور" کی اس آیت سے مغالطہ میں نہ پڑ جاؤ، کہ "اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ" کے الفاظ عام ہیں، مرد غلاموں کو بھی شامل ہیں لیکن واقعہ ایسا نہیں یہ آیت صرف عورتوں، یعنی: کنیزوں کے حق میں ہے، مرد غلام اس میں داخل نہیں۔

برائی کی روک تھام

وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ ؕ

اور نکاح کرو بے نکاح کا میں سے اپنوں اور نیک لوگوں کا سے میں اپنے غلاموں اور میں سے اپنی لونڈیوں

اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾

اگر ہیں وہ غریب غنی کر دے گا اللہ سے فضل اپنے اور اللہ فراخی والا جاننے والا ہے(۳۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اپنوں میں غیر شادی شدوں کا نکاح کرادیا کرو اور تمہارے لونڈیوں غلاموں سے میں جو نیک ہوں ان کا بھی نکاح کرادیا کرو، اگر وہ غریب ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے غنی کردے گا، اور اللہ تعالیٰ فراخی دینے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ (۳۲)

لفظی تحقیق: اَيَامىٰ: بے نکاح۔ "اَيِّمٌ" کی جمع ہے، وہ عورت یا مرد جس کا نکاح نہ ہوا ہو یا ہونے کے بعد رانڈ یا رنڈوا ہو گیا ہو، مذکر و مونث دونوں کے لئے ایک ہی لفظ ہے۔

تفسیر

معاشرے کو فحش باتوں اور بے حیائی سے محفوظ رکھنے کا ایک طریقہ اس آیت میں بتلا گیا ہے اور اس پر عمل کرنے کو کہا گیا ہے۔

فرمایا: تم اپنے میں سے غیر شادی شدہ مردوں اور عورتوں کے نکاح کرادیا کرو اور تمہارے غلاموں اور باندیوں میں سے بھی اگر نیک ہوں اور نکاح کے بعد مالک سے بغاوت کرنے کا خدشہ نہ ہو بلکہ وہ اسی طرح خدمت کرتے رہیں تو ان کی بھی شادی کرادو۔

قرآن وسنت میں جہاں نکاح کی ترغیب دی گئی ہے وہاں اس کی اہمیت بھی بیان کی گئی ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: نکاح کرنا پیغمبروں کا طریقہ ہے۔

اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ: اگر وہ محتاج ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے غنی کردے گا، جو لوگ نکاح سے پہلے محتاج ہیں، ضروری نہیں کہ وہ نکاح کے بعد بھی محتاج ہی رہیں، اللہ تعالیٰ ان کے فقر کو فراخی میں تبدیل کرنے پر قادر ہے، ہوسکتا ہے کہ اس میں احساس ذمہ داری پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے دن پھیر دے اور وہ خوش حال ہو جائے، لہذا محض محتاجی کی بناء پر نکاح میں دیر نہیں کرنی چاہئے، اس میں

غریب فقیر مسلمانوں کیلئے خوشخبری ہے جو اپنے دین کی حفاظت کے لئے نکاح کرنا چاہتے ہیں مگر مال ان کے پاس نہیں کہ جب وہ اپنے دین کی حفاظت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے کی نیت سے نکاح کریں گے، تو اللہ تعالیٰ مالی مدد بھی عطا فرمادیں گے، اور اس میں ان لوگوں کو بھی ہدایت ہے جن کے پاس ایسے غریب لوگ رشتہ مانگنے کے لئے جائیں کہ وہ محض ان کے غریب ہونے کیوجہ سے رشتہ سے انکار نہ کردیں، مال آنے جانے والی چیز ہے اصل چیز صلاحیت ہے اگر وہ ان میں موجود ہے تو ان کے نکاح سے انکار نہ کریں۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ رزق روزی میں وسعت دینے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے، وہ ہر شخص کے حالات سے واقف ہے، اور اس نے ہر ایک کے لئے تنگی اور فراخی کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے، لہذا نکاح کا پیغام ملنے پر مال ودولت کی طرف نہ دیکھو کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے بلکہ صلاحیت کو دیکھو، اگر صلاحیت ہے تو نکاح کردو، اللہ تعالیٰ وسعت بھی پیدا کردے گا، اگر کوئی صلاحیت سے محروم ہے، جسمانی طور پر معذور ہے، تو اس کو نکاح نہیں کرنا چاہئے کہ اس سے لڑکی اور اس کے خاندان کو بھی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

نکاح کو عام کرو

اگر بدکاری کا خاتمہ کرنا ہے تو پھر نکاح کو عام کرو، نکاح کے راستے میں مشکلات پیدا کرنا اور اس پر پابندیاں لگانا کرنا کسی طرح بھی درست نہیں، ہمارے ملک میں غلط رسموں نے نکاح کو ایک مشکل مسئلہ بنادیا ہے، زیورات کی فرمائش، حق مہر کی زیادتی اور جہیز کی وجہ سے نکاح میں بلاوجہ دیر ہوجاتی ہے، جس کی وجہ سے معاشرتی برائیاں پیدا ہوتی ہے، خاندانی پابندیاں اور رسم رواج بھی نکاح کے راستے میں رکاوٹ بنتے ہیں، جب تک نکاح کی اصل روح کے مطابق اسے عام نہیں کیا جائے گا، معاشرے میں خرابیاں پیدا ہوتی رہیں گی۔

احکام ومسائل

نکاح واجب ہے یا سنت یا مختلف حالات میں حکم مختلف ہے

اس مسئلہ پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ جس شخص کو نکاح نہ کرنے کی صورت میں غالب گمان یہ ہو کہ وہ گناہ

سے نہیں بچ سکے گا، گناہ میں مبتلا ہو جائے گا، اور نکاح کرنے کی اس کو مالی اور جسمانی طاقت بھی ہو تو ایسے شخص پر نکاح کرنا فرض یا واجب ہے، جب تک نکاح نہ کریگا گنہگار رہے گا، ہاں اگر نکاح کے ذرائع موجود نہیں کہ کوئی مناسب عورت میسر نہیں یا اس کے لئے مہر معجّل وغیرہ کی حد تک ضروری خرچ اس کے پاس نہیں تو اسکا حکم اگلی آیت میں یہ آیا ہے کہ اس کو چاہئے کہ مالی وسائل تلاش کرنے کی کوشش کرتا رہے اور جب تک وہ میسر نہ ہوں اپنے آپ کو قابو میں رکھنے اور صبر کرنے کی کوشش کرے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے لئے ارشاد فرمایا ہے کہ: وہ مسلسل روزے رکھے اس سے اس کی خواہش کنٹرول ہو جائے گی۔

اسی طرح اس پر بھی علماء کا اتفاق ہے کہ جس شخص کو گمان ہو کہ وہ نکاح کرنے کی وجہ سے گناہ میں مبتلا ہو جائے گا، مثلاً: بیوی کے حقوق ادا کرنے پر قدرت نہیں اس پر ظلم کا مرتکب ہوگا یا اس کے لئے نکاح کرنے کی صورت میں کوئی دوسرا گناہ یقینی طور پر لازم آجائیگا، ایسے شخص کو نکاح کرنا حرام یا مکروہ ہے۔

اب اس شخص کا حکم باقی رہا جو درمیانی حالت میں ہے کہ نہ تو نکاح نہ کرنے سے گناہ کا خطرہ ہے اور نہ نکاح کی صورت میں کسی گناہ کا اندیشہ غالب ہے، ایسے شخص کے بارے میں علماء کرام فرماتے ہیں کہ: اسکو نکاح کرنا افضل ہے۔

گناہ سے ہر حال میں بچو

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ

اور　بچیں گناہ سے　وہ لوگ　جو نہیں پاتے　نکاح کی طاقت　یہاں تک کہ　غنی کردے انہیں　اللہ　سے

فَضْلِهٖ ؕ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

فضل اپنے　اور　جو　طلب کریں　کتابت　ان میں سے جن کے مالک　داہنے ہاتھ تمہارے

فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ

تو ان کو لکھ دو　اگر　جانو تم　ان کے اندر　بھلائی

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جن کو نکاح کی طاقت نہیں وہ پاکدامنی اختیار کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں غنی کردے اور تمہارے لونڈی غلاموں میں سے جو مکاتبت چاہیں تو اس سے مکاتبت کرلو اگر ان میں نیکی دیکھو۔

لفظی تحقیق: اِسۡتِعۡفَاف: کوشش کرکے گناہ سے بچنا۔ لَايَجِدُوۡنَ نِكَاحاً: نہیں پاتے نکاح کو۔ یعنی: نکاح کی قدرت نہیں رکھتے۔

تفسیر

کسی کو نکاح کے بعد گذارے کا سامان میسر نہ ہونے کا خوف ہو، ایسی صورت میں غریب کو چاہئے کہ گناہ (بدکاری) وغیرہ سے اپنے آپ کو بچاتا رہے، پھر جب اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اسے مالدار کردے تو اس وقت نکاح کرلے، اس کے بعد غلام اور لونڈیوں کے مالکوں کو ارشاد ہے کہ اگر ان کے لونڈی غلاموں میں سے کوئی آزادی چاہتا ہو اور تحریری معاہدہ چاہے کہ میں اتنی مدت میں اپنی قیمت کے برابر روپیہ ادا کردوں تو مجھے آزادی دی جائے تو اگر مالک ان میں بھلائی محسوس کرے تو ان کو ایسا معاہدہ لکھ دے۔

وَ لۡيَسۡتَعۡفِفِ الَّذِيۡنَ لَا يَجِدُوۡنَ نِكَاحًا: اور چاہئے کہ پاکدامن رہیں وہ لوگ جو نکاح کی طاقت نہیں رکھتے، اگر رہنے کے لئے مکان نہیں، مہر کے لئے رقم نہیں پاتا اور بیوی کا خرچہ برداشت کرنے کیلئے مالی طاقت نہیں تو فرمایا نکاح: کے بغیر پاکدامن بن کر رہو اور کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھو، اپنے آپ کو کنٹرول کرو اور بدکاری جیسے گندے کام میں نہ پڑو، ایسے حالات میں شہوت پر قابو پانے کے لئے نفلی روزے رکھنے کا حکم ہے، عبادت میں مصروف رہو تاکہ غلط کام کی طرف تمہاری توجہ ہی نہ ہو، اس کے علاوہ اچھے لوگوں میں اٹھو بیٹھو، تاکہ تمہیں نیکی کی بات حاصل ہو اور برائی سے بچ سکو۔

حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے فضل سے غنی کردے، جب تک حالات درست نہیں صبر کرلو اور جب قدرت حاصل ہوجائے تو پھر نکاح کرلو۔

اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا: پس اگر تم ان میں بھلائی محسوس کرو تو ان کے ساتھ اس قسم کا تحریری معاہدہ کرلو کہ وہ مقررہ رقم ادا کر کے آزاد ہو جائیں، بھلائی محسوس کرنے سے مراد یہ ہے کہ اگر تم ان میں امانت داری اور دیانت داری معلوم ہو کہ وہ جو کمائیں گے اس کو ضائع نہیں کریں گے بلکہ مالک کو ادا کر دیں گے۔

ایک اور برائی کی روک تھام

وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ

اور تم دو انہیں سے مال اللہ کے جو اس نے دیا تمہیں اور نہ مجبور کرو اپنی جوان لونڈیوں کو

عَلَى الْبِغَاۗءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ

پر بدکاری کرانے اگر وہ چاہیں پاک دامن رہنا تاکہ تم کمالو سامان زندگی کا دنیا کی

وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۳

اور جو مجبور کرے انہیں تو تحقیق اللہ بعد ان کے مجبور کئے جانے کے بخشنے والا مہربان ہیں (۳۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ان کو اللہ تعالیٰ کے مال سے دو جو اس نے تمہیں دیا ہے اور اپنی لونڈیوں سے بدکاری کرانے کے لئے زبردستی مت کرو، اگر وہ گناہ سے بچی رہنا چاہیں تاکہ تم دنیا کی زندگانی کا سامان کماؤ اور جو کوئی ان پر زبردستی کرے گا اور وہ بچنا چاہیں گی تو اللہ تعالیٰ ان کی بے بسی کے بعد بخشنے والا مہربان ہے۔ (۳۳)

تفسیر

زمانۂ جاہلیت میں عرب کے بعض لوگ اپنی لونڈیوں کو کہتے کہ بدکاری کر کے ہمیں پیسے کما کر دو، اگر کوئی لونڈی انکار کر دیتی تو اس کو بدکاری پر مجبور کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: جب وہ پاکدامن رہنا چاہتی ہیں تو تم ان کو پیسہ کمانے کے لئے بدکاری پر مجبور نہ کرو۔

اگر وہ بے لوث پاک دامنی کی زندگی بسر کرنی چاہیں تو یہ تو اور بھی زیادہ ستم ہوگا کہ ان سے مار مار کر پیشہ

کرایا جائے اور حرام کاری کرا کرا پنا پیٹ بھرا جائے، اگر ایسا کروگے تو اللہ تعالیٰ ان کو نہیں بلکہ تمہیں پکڑے گا اور اپنے رحم و کرم سے ان کا گناہ جو ان سے زبردستی کرایا گیا بخش دے گا۔

زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ اپنی لونڈیوں سے ناجائز کمائی کرواتے تھے، مدینہ کے منافقوں میں عبداللہ بن ابی نے اپنی چھ سات لونڈیوں کو اسی کام پر لگا رکھا تھا اور ان میں سے بعض ایمان بھی لا چکی تھیں مگر اپنے مالک کے ہاتھوں مجبور تھیں، انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی شکایت کی تو اللہ نے یہ حکم اتارا کہ اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو، اگر وہ پاکدامن رہنا چاہتی ہیں، اور تم چاہتے ہو کہ اس گندے طریقے سے دنیا کا مال حاصل کرلو، فرمایا: یہ تو بہت ہی بری بات ہے کہ تم دنیا کے مال کے لالچ میں لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور کرتے ہو، اور جو کوئی ان کو مجبور کریگا تو اس کا گناہ اس مالک پر ہوگا جو انہیں مجبور کرتا ہے، حالانکہ لونڈیاں ایسا نہیں کرنا چاہتیں، جہاں تک ان کی ذات کا تعلق ہے ان کی مجبوری کی بناء پر اللہ تعالیٰ ان کو بخشش دیگا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا مہربان ہے، چونکہ لونڈیاں اس بدکاری سے بچنا چاہتی ہیں، اس لئے اس بدعملی کا گناہ ان پر نہیں ہوگا۔

قرآن کی نصیحت

وَ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّ مَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا

اور البتہ تحقیق اتاریں ہم نے طرف تمہاری آیتیں کھلی ہوئی اور کچھ مثال کی ان لوگوں جو گذرے

ع ٨ ١٠ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٣٤﴾

سے پہلے تم اور نصیحت کی باتیں ڈرنے والوں کے لئے (٣٤)

با محاورہ ترجمہ: ۔ اور ہم نے تمہاری طرف کھلی ہوئی آیتیں اتاریں اور کچھ حال ان لوگوں کا اتارا جو تم سے پہلے گذر چکے اور کچھ نصیحتیں اتاریں ڈرنے والوں کے لئے۔ (٣٤)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: قرآن مجید کی آیتوں میں جو حکم اتارے گئے ہیں، ان کے سمجھ لینے میں کوئی دشواری نہیں،

اس کے بعد بھی اگر کوئی ان حکموں پر عمل نہ کرے تو اس کا نتیجہ اس کے حق میں برا ہوگا، اس بات کو پچھلے لوگوں کے کچھ حالات سنا کر واضح کر دیا گیا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے حکموں سے منہ موڑنے اور برے کاموں میں پھنسے رہنے کی سزائیں ملیں۔

قرآن مجید کی آیتوں میں یہ سب کچھ موجود ہے، احکام خوب کھول کر بیان کر دیے گئے ہیں، پہلی قوموں کے قصے بیان کر کے ان کے نہ ماننے کے برے نتیجوں سے آگاہ کر دیا گیا ہے، یہ سب کچھ انسان کی بھلائی کے لئے کیا گیا ہے، اس کی آیتوں میں اس کی خیر خواہی پوشیدہ ہے، اور اس کو تباہی اور بربادی سے بچانا مقصود ہے، ان آیتوں میں اس کے لئے نصیحت ہی نصیحت ہے۔

اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کا روشن کرنے والا

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ

اللہ روشنی ہے آسمانوں کی اور زمین کی مثال اسکے روشنی کی جیسے ایک طاق میں اس ایک چراغ

اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ

اور چراغ میں شیشے وہ شیشہ جیسے وہ ایک تارا ہے چمکتا ہوا روشن کیا جاتا ہے وہ

شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّ لَا غَرْبِيَّةٍ ۙ

ایک درخت برکت والے سے جو زیتون ہے نہ مشرق کی طرف اور نہ مغرب کی طرف

بامحاورہ ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں کی اور زمین کی روشنی ہے اس روشنی کی مثال جیسے ایک طاق ہو جس میں ایک چراغ ہو، وہ چراغ رکھا ہوا ہو ایک شیشہ میں، وہ شیشہ ہے چمکدار ستارے کی مانند ہو اس میں ایک برکت والے درخت زیتون کا تیل ہے نہ مشرق کی طرف ہے اور نہ مغرب کی طرف۔

لفظی تحقیق: مِشْكٰوة: طاق۔ زُجَاجَة: شیشہ، قندیل، لیمپ۔ دُرِّيٌّ: موتی کی طرح۔ دُرٌّ: کی طرف منسوب ہے۔ دُرٌّ موتی کو کہتے ہیں۔

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ کو پہچانو، یوں سمجھو کہ وہ آسمانوں اور زمین کی روشنی ہے، ہر طرف اسی کا نور پھیلا ہوا ہے، جو چیز نظر آتی ہے وہ اسی کی روشنی سے نظر آتی ہے ورنہ سوا اندھیرے کے کچھ نہیں، اس کی روشنی کو یوں سمجھو کہ جیسے ایک طاق ہے اس کے اندر ایک چراغ جل رہا ہے جو ایک شیشہ (قندیل) کے اندر سے چراغ کو ایک برکت والے زیتون کے درخت سے برابر تیل پہنچ رہا ہے یہ تیل ختم ہونے کا نام نہیں لیتا اور ہے بھی ایسے زیتون کا جو بالکل مشرق میں ہے نہ بالکل مغرب میں، بلکہ ایسی جگہ ہے جہاں اسے دونوں طرف کے فائدے پہنچ رہے ہیں، صبح وشام کھلی ہوا اور روشنی میں پرورش پا رہا ہے نہ زیادہ گرمی ہے کہ خشک ہو جائے اور نہ زیادہ سردی ہے کہ مرجھا جائے۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر: یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ "اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ" میں نور سے مراد ہادی لیا ہے، اور مطلب یہ نکالا ہے کہ اللہ ہی ہدایت دینے والا ہے آسمانوں اور زمین والوں کو، پھر فرماتے ہیں کہ: اس کے نور کی مثال ایک طاق کی ہے، جس میں چراغ ہو، اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت اور روشنی ہے جو مؤمن کے دل میں ہے، اور اصل بات یہ ہے کہ جب مؤمن بندہ پاکیزگی حاصل کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کی عبادت پابندی سے کرتا ہے تو اس کے اندر یہ نور پیدا ہوتا ہے۔

ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی تفسیر: حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "مشکوٰۃ" سے مراد سینہ ہے اور "مصباح" سے مراد قرآن اور شیشے سے مراد مؤمن کا دل ہے، مطلب یہ کہ مؤمن کا دل شیشے کی طرح شفاف ہے اور اس کے سینے میں قرآن کریم کا چراغ روشن ہے۔

زیتون کی برکتیں

شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ: اس آیت سے زیتون اور اس کے درخت کا مبارک اور مفید ہونا ثابت ہوتا ہے، علماء نے فرمایا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے اس میں بے شمار اور فائدر کھے ہیں، اس کو چراغوں میں روشنی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، اور اس کی روشنی ہر تیل کی روشنی سے زیادہ صاف شفاف ہوتی ہے، اس کو روٹی کے ساتھ سالن کی جگہ بھی استعمال کیا جاتا ہے، اس کے پھل کو میوہ کے طور پر بھی کھایا جاتا ہے، اور یہ ایسا تیل ہے جس کے نکالنے کیلئے کسی مشین یا چرخی وغیرہ کی ضرورت نہیں، خود بخود اس کے پھل سے نکل آتا ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: زیتون کے تیل کو کھاؤ بھی اور بدن پر مالش بھی کرو کیونکہ یہ مبارک درخت ہے۔

شفاف روغن

يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى

قریب ہے تیل اس کا کہ روشن ہو اور اگر چہ نہ چھوا ہوا سے آگ نے روشنی پر روشنی ہدایت کرتا ہے

اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ

اللہ اپنی روشنی کی طرف جسے چاہے اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں واسطے لوگوں کے اور اللہ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۙ﴿۳۵﴾

ہر چیز کو جاننے والا ہے (۳۵)

با محاورہ ترجمہ: ۔ قریب ہے کہ اس کا تیل روشن ہو جائے، گواسے آگ نہ چھوئے، روشنی پر روشنی ہے، (یعنی: ایک روشنی مؤمن کی ایمان اور توحید کی روشنی ہے اور باہر سے آنے والی قرآن وسنت کی روشنی ہے یہ دونوں مل کر نور علیٰ نور ہو جاتا ہے) اللہ تعالیٰ اپنی روشنی تک راہ دیتا ہے جسے چاہے، اور اللہ تعالیٰ مثالیں بیان کرتے ہیں لوگوں کے لئے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔ (۳۵)

تفسیر

اس زیتون کے درخت سے جو روغن حاصل ہوتا ہے وہ روغن ایسا صاف اور شفاف ہے کہ گویا آپ ہی آپ چمک اٹھیگا اور دیا سلائی کی اس کے جلانے کے لئے ضرورت ہی نہ ہوگی، ظاہر ہے کہ ایسے تیل کے چراغ کو جب دیا سلائی دی جائے گی تو وہ تو اور بھی زیادہ روشن ہو جائے گا اور اس کی روشنی پر روشنی بڑھ جائے گی، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا نور سارے جہان میں پھیلا ہوا ہے ہر چیز اس کی روشنی سے روشن ہے لیکن انسان کے دل پر خراب خواہشوں اور گناہوں کے اندھیرے اس قدر چھائے ہوئے کہ اسے یہ روشنی میسر نہیں آتی اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل سے جس کو چاہتا ہے اس روشنی کی طرف جانے کا راستہ سمجھا دیتا ہے وہ ہر ایک کی حالت سے پوری طرح خبردار ہے ہر ایک کی صلاحیت سے واقف ہے، اس نے انسان کو اپنی روشنی کی کیفیت سمجھانے کے لئے قرآن مجید میں مثالیں بیان کر دی ہیں تا کہ جس میں سمجھ ہو وہ سمجھ جائے کہ خود انسان سارے عالم کا نمونہ ہے جس طرح دنیا بھر میں اللہ تعالیٰ کا نور پھیلا ہوا ہے، اسی طرح انسان کے اندر بھی اس کا نور بھرا ہوا ہے۔

ہر ایک انسان کا بدن ایک طاق ہے اور اس کا دل قندیل ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے نور کا چراغ روشن ہے اسی کو اگر قرآن مجید کی تیز روشنی دکھائی دی جائے تو پھر اس کی روشنی کا کیا ٹھکانا ہے اس کو یہ روشنی دکھانے والے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

مسجدوں کا حکم

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ

میں ان گھروں حکم دیا اللہ نے یہ کہ بلند کیا جائے انہیں اور لیا جائے میں ان نام اس کا تسبیح کرتے ہیں اس کی

فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ ﴿٣٦﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ

ان کے اندر صبح کے وقت اور شام (٣٦) وہ لوگ کہ نہیں غافل کرتی ان کو تجارت اور نہ خرید و فروخت

عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ

سے یاد اللہ کی اور قائم کرنے سے نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے سے

بامحاورہ ترجمہ:۔ یہ روشنی ان گھروں میں چمکتی ہے کہ جن کو بلند کرنے کا اور وہاں اپنے نام کے ذکر کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا، وہاں صبح وشام وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں۔(۳۶) کہ جو سودے اور خرید و فروخت میں اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز قائم رکھنے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں ہوتے۔

لفظی تحقیق: تُلْهِي: بھلادیتی ہے۔غافل کردیتی ہے، مضارع کا صیغہ ہے، اِلْهَاءٌ: جو ل۔ہ۔و سے بنا ہے، بُھلادینا غافل کردینا۔ اٰصَالٌ: (شام کے اوقات)۔

تفسیر

یوں تو اللہ تعالیٰ کا نور آسمانوں میں اور زمین میں ہر جگہ پھیلا ہوا ہے، لیکن اس کے ظہور کی خاص جگہ وہ مقامات ہیں جہاں صفائی اور ستھرائی پوری طرح پائی جاتی ہے۔

آیت کے اس حصہ میں ارشاد ہے کہ: اس کی روشنی کے ظہور کے خاص مقامات وہ مسجدیں ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے تعمیر کرنے کی اپنے پیغمبروں اور نیک بندوں کو توفیق دی، اور حکم دیا کہ انہیں بنانے کے بعد احترام کے ساتھ قائم رکھا جائے اور ان کی پوری طرح خبر گیری کی جائے کہ گندگی سے پاک صاف رہیں اور یہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے، چنانچہ ان میں اللہ تعالیٰ کے وہ بندے جو اس کی رضا کے طالب ہیں، اس کی عبادت کے لئے صبح وشام جمع ہوتے ہیں اور اس کی حمد وثناء کرتے ہیں، اللہ کے بندے ان اوقات میں اپنے کاروبار اور شغل چھوڑ چھاڑ کر فرض نمازوں کے لئے وقت نکالتے ہیں اور باقی فرصت کے مطابق نفل نمازیں پڑھتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے زکوٰۃ باقاعدہ ادا کرتے ہیں دنیا کا کوئی کام انہیں اپنے فرضوں کو ادا کرنے سے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نہیں روکتا۔

ارشاد ہوتا ہے کہ: "فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ" وہ روشنی اللہ تعالیٰ کے گھروں میں پائی جاتی ہے، جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان گھروں کو بلند کیا جائے اور ان میں اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کیا جائے، ان گھروں سے مراد اللہ تعالیٰ کی مسجدیں ہیں، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور روشنی زیادہ تر انہی گھروں سے حاصل ہوگی، جن کو بلند کرنے اور ان میں اللہ کا ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ان مسجدوں میں اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں، صبح اور پچھلے پہر، یہی اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کے ان گھروں کا حق ہے، اگلی آیت میں ان لوگوں کی صفات بیان کی گئی ہے جو مسجدوں میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کا اہتمام کرتے ہیں۔

مسجدیں بنانا

اس آیت میں مسجدوں کے بارے میں "تُرْفَعَ" کا لفظ آیا ہے اللہ نے اپنے گھروں کو بلند کرنے حکم دیا ہے، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: اس سے دو چیزیں مراد ہیں ایک مسجد بنانا، اور دوسری ان کی صفائی کرنا، جہاں تک مسجدیں بنانے کا حکم ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے، "سورۂ توبہ" میں اللہ تعالیٰ نے مسجدوں کے بنانے کو ایمان والوں کی ایک علامت کے طور پر بیان کیا ہے اور فرمایا کہ: بیشک مسجدوں کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: جب تم کسی شخص کو مسجد کی دیکھ بھال کرتے دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دو، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کو نئے سرے سے بنایا تو بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا کہ مسجد کو اسی طرح رہنے دیا جاتا، جیسا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تھی، آپ خاموش رہے، پھر جب اصرار بڑھا تو آپ نے فرمایا: تم لوگ مسجد کے بنانے پر اعتراض کرتے ہو حالانکہ میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا ہے، جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر مسجد بنائی، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا، "صحیح بخاری، صحیح مسلم" فرمایا: جہاں تک بنانے پر اخراجات کا تعلق ہے، تو میں کسی سے چندہ نہیں مانگتا بلکہ اپنے حلال مال سے مسجد کی تعمیر کر رہا ہوں۔

مسجدوں کی پاکیزگی

دوسری چیز مسجدوں کی پاکیزگی ہے، جب کوئی مسجد تیار ہوجائے، مسلمان اس میں نماز ادا کرنے لگیں تو پھر اس مسجد کی صفائی بھی ضروری ہے، مسجدوں کو ہر قسم کی گندگی سے پاک صاف رکھنا ضروری ہے حتیٰ کہ بیہودہ باتوں اور بیہودہ کاموں سے بھی مسجد کو محفوظ رکھنا چاہئے، "ابوداؤد شریف" کی روایت میں آتا ہے کہ گھروں میں نماز کے لئے مخصوص جگہ کو بھی پاک صاف رکھنا چاہئے، وہاں کسی قسم کی گندگی نہ پھینکی جائے۔

وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ: مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: پہلے درجے میں یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف ہے کہ ان کے ایمان اتنے پختہ تھے کہ دنیا کا کاروبار ان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں کرتا تھا، بعد والے لوگ تو ان کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے تاہم ایسے نیک لوگ ہمیشہ رہیں گے جن کو کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں کرسکتی اور وہ دنیا کے کاروبار کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے دلی طور پر ذکر میں بھی مصروف رہیں گے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اپنے گھروں میں (بھی) مسجدیں (یعنی: نماز پڑھنے کی مخصوص جگہیں) بنائیں اور ان کو پاک صاف رکھنے کا بندوبست کریں۔

مسجد کی فضیلتیں

"ابوداؤد" نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص اپنے گھر سے وضو کر کے فرض نماز کے لئے مسجد کی طرف نکلا اس کا ثواب اس شخص جیسا ہے جو احرام باندھ کر گھر سے حج کے لئے نکلا ہو اور جو شخص نماز اشراق کے لئے اپنے گھر سے وضو کر کے مسجد کی طرف چلا تو اس کا ثواب عمرہ کرنے والے جیسا ہے، حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو لوگ اندھیرے میں مساجد کو جاتے ہیں ان کو قیامت کے روز مکمل نور کی خوشخبری سنا دیجئے۔

اور "صحیح مسلم" میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مرد کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا، گھر میں یا دکان میں نماز پڑھنے کی نسبت بیس سے زائد درجہ افضل ہے اور یہ اس لئے کہ جب کوئی شخص وضو کرے اور اچھی طرح (سنت کے مطابق) وضو کرے پھر مسجد کو صرف نماز کی نیت سے چلے اور کوئی غرض نہ ہو تو ہر قدم پر اس کا مرتبہ ایک درجہ بلند ہو جاتا ہے، اور ایک گناہ معاف ہو جاتا ہے، یہانتک کہ وہ مسجد میں پہنچ جائے، پھر جب تک جماعت کے انتظار میں بیٹھا رہے گا اس کو نماز ہی کا ثواب ملتا رہے گا، اور فرشتے اس کے لئے یہ دعا کرتے ہیں گے کہ یا اللہ! اس پر رحمت اتار اور اس کی مغفرت فرما، جب تک کہ وہ کسی کو تکلیف نہ پہنچائے اور اس کا وضو نہ ٹوٹے، اور حضرت حکم بن عمیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: دنیا میں مہمانوں کی طرح رہو اور مسجدوں کو اپنا گھر بناؤ اور اپنے دلوں کو رقت کی عادت ڈالو (یعنی: نرم دل بنو) اور (اللہ کی نعمتوں میں) کثرت سے غور کرو اور (اللہ کے خوف سے) رویا کرو، ایسا نہ ہو کہ دنیا کی خواہش تمہیں اس حال سے مختلف کردیں کہ تم گھروں کی فضول تعمیرات میں لگ جاؤ جن میں رہنا بھی نہ ہو اور ضرورت سے زیادہ مال جمع کرنے کی فکر میں لگ جاؤ اور مستقبل کے لئے ایسی فضول تمناؤں میں مبتلا ہو جاؤ، جو پا نہ سکو اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی کہ تمہارا گھر مسجد ہونا چاہئے کیونکہ میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مسجدیں متقی لوگوں کے گھر ہیں جس شخص نے مساجد کو (ذکر کے ذریعہ) اپنا گھر بنالیا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے راحت وسکون اور پل صراط پر آسانی سے گزرنے ذمہ دار ہوگیا۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: آخر زمانے میں ایسے لوگ ہونگے جو مسجدوں میں آکر جگہ جگہ حلقے بنا کر بیٹھ جاویں گے اور وہاں دنیا ہی کی اور اسکی محبت کی باتیں کرینگے، تم ایسے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایسے مسجد میں آنے والوں کی ضرورت نہیں۔

اور حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: جو شخص مسجد میں بیٹھا گویا وہ اپنے رب کی مجلس میں بیٹھا ہے اس لئے اس کے ذمہ ہے کہ زبان سے سوائے کلمہ خیر کے اور کوئی کلمہ نہ نکالے۔

مسجدوں کے پندرہ آداب

علماء نے مسجد کے آداب کے بارے میں پندرہ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔(۱)..... یہ کہ مسجد میں پہنچنے پر اگر لوگوں کو بیٹھا دیکھے تو ان کو سلام کرے اور کوئی نہ ہو تو "السلام علینا و علیٰ عباده الصالحین" کہے، (لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ مسجد کے حاضرین نفلی نماز یا تلاوت و تسبیح وغیرہ میں مشغول نہ ہوں ورنہ ان کو سلام کرنا درست نہیں۔ش)۔(۲).... یہ کہ مسجد میں داخل ہو کر بیٹھنے سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد کی پڑھے (یہ بھی جب ہے کہ اس وقت نماز پڑھنا مکروہ نہ ہو)۔(۳).... یہ کہ مسجد میں چیزیں لا کر خرید و فروخت نہ کرے۔ (۴).... یہ کہ وہاں تیر تلوار نہ نکالے۔(۵).... یہ کہ مسجد میں اپنی گم شدہ چیز تلاش کرنیکا اعلان نہ کرے۔ (۶).... یہ کہ مسجد میں آواز بلند نہ کرے۔(۷).... یہ کہ وہاں دنیا کی باتیں نہ کرے۔(۸).... یہ کہ مسجد میں بیٹھنے کی جگہ میں کسی سے جھگڑا نہ کرے۔(۹).... یہ کہ مسجد جہاں صف میں پوری جگہ نہ ہو وہاں گھس کر لوگوں پر تنگی پیدا نہ کرے۔(۱۰).... یہ کہ کسی نماز پڑھنے والے کے آگے سے نہ گزرے۔(۱۱).... یہ کہ مسجد میں تھوکنے ناک صاف کرنے سے پرہیز کرے۔(۱۲).... اپنی انگلیاں نہ چٹخائے۔(۱۳).... یہ کہ اپنے بدن کے کسی حصہ سے کھیل نہ کرے۔(۱۴).... گندگی سے پاک صاف رہے اور کسی چھوٹے بچے یا مجنون کو ساتھ نہ لیجائے۔(۱۵).... یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہے۔

جو مکانات ذکر اللہ، تعلیم قرآن و تعلیم دین کیلئے

مخصوص ہوں وہ بھی مسجدوں کے حکم میں ہے۔

"تفسیر بحرِ محیط" میں ابوحیان نے فرمایا کہ: "فِيْ بُيُوْتٍ" کا لفظ قرآن میں عام ہے جس طرح مساجد اس میں داخل ہیں، اسی طرح وہ مکانات جو خاص قرآن کی تعلیم، دین کی تعلیم وعظِ نصیحت یا ذکر و عبادت کے لئے بنائے گئے ہوں جیسے: مدرسے اور خانقاہیں، وہ بھی اس حکم میں داخل ہیں ان کا بھی ادب واحترم لازم ہے۔

یُذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ: یہاں اللہ تعالیٰ کا نام کا ذکر کرنے میں ہر قسم کا ذکر شامل ہے، حمد و ثناء وغیرہ، نفلی نماز، تلاوت، وعظ و نصیحت، دینی تعلیم وغیرہ۔

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ: اس میں ان ایمان والوں کی خاص صفات بیان کی گئی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے طالب اور مسجدوں کو آباد رکھنے والے ہیں، اس میں لفظ" رِجَالٌ "لانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ مسجدوں کی حاضری دراصل مردوں کے لئے ہے عورتوں کی نماز ان کے گھروں میں افضل ہے۔

"مسند احمد اور بیہقی" میں حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: عورتوں کی بہترین مسجد ان کے گھروں کے حجریں ہیں۔

ایک اور وصیت

یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ لِیَجْزِیَهُمُ

وہ خوف رکھتے ہیں اس دن کا کہ پلٹ جائیں گے میں جس دل اور آنکھیں (۳۷) تاکہ بدلہ دے گا

اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ یَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ یَرْزُقُ

اللہ ان کے اچھے کاموں کا اور زیادہ دے گا انہیں سے فضل اپنے اور اللہ رزق عطا کرتا ہے

مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

جسے چاہتا ہے بغیر حساب (۳۸)

با محاورہ ترجمہ: ۔وہ ڈرتے ہیں اس دن سے جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔(۳۷) تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے بہتر عملوں کا بدلہ دے اور اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے بے شمار روزی دیتا ہے۔(۳۸)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: وہ اس وقت کو یاد کرتے رہتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوکر اپنے عملوں کا

حساب دینا ہوگا، اس دن لوگوں کے دل اور آنکھیں الٹ پلٹ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے بندے جو اس پر ایمان لا کر اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کے اندر دنیا میں زندگی بسر کرتے تھے، اس روز انکو ان کے اچھے عملوں کا بدلہ دیا جائے گا، اور علاوہ بدلہ کے ان کو اپنے فضل سے اللہ تعالیٰ اور بہت کچھ دے گا، اس کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں ہے، وہ جس کو چاہے بے حساب رزق عطا فرمائے گا اس کے فضل کی کوئی حد اور انتہا نہیں۔

کافروں کا حال

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ

اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا عمل ان کے مانند چمکتی ریت کے ہیں چٹیل میدان گمان کرتا ہے اس کو پیاسا

مَآءًؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ

پانی یہاں تک کہ جب آتا ہے پاس اس کے نہیں پاتا اس کو کوئی چیز اور پائے گا اللہ کو پاس اپنے

فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗؕ وَ اللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۳۹

پس چکا چکا ہوگا اسکو حساب اس کا اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے (۳۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ان کے عمل بیابان میں سراب کی مانند ہیں، گمان کرتا ہے اس کو پیاسا انسان پانی، یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچتا ہے تو کوئی چیز نہیں پاتا، اور وہاں (قیامت کے دن) پائے گا اللہ تعالیٰ کو، پس! اس نے پورا کر دیا ہوگا اس کا حساب، اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب کرنے والا ہے۔ (۳۹)

لفظی تحقیق: قِيْعَةٌ: چٹیل میدان۔ یہ "قَاعٌ" کی جمع ہے، پٹ پڑ رتیلا میدان ایسے میدان میں دھوپ سے ریت چمک کر دور سے پانی کی طرح معلوم ہوتی ہے۔

تفسیر

اس آیت میں ان لوگوں کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کو نہیں مانتے یہ لوگ جو اپنے خیال میں اچھے عمل کرتے ہیں وہ بظاہر تو بہت اچھے کام معلوم ہوتے ہیں اور دور سے خوب چمکتے ہیں لیکن ان کے عمل سراب کی مانند، یعنی: دو پہر کو ریگستان میں چمکتی ریت کی مانند ہیں، جیسے: پیاسا ریگستان میں دور سے دیکھ کر پانی سمجھتا ہے اور اپنی پیاس بجھانے کے لئے اس کی طرف دوڑتا ہے لیکن جب وہاں پہنچتا ہے تو وہاں پیاس بجھانے کو کچھ نہیں ہوتا اور وہ مایوس ہو کر اپنے ہوش کھو بیٹھتا ہے، اللہ تو ہر جگہ موجود ہے وہ اس کے سامنے اس کے اعمال کی جو اس نے نیک سمجھ کر گئے تھے ساری حقیقت کھول دیتا ہے اور پل بھر میں اس کا حساب چکا دیتا ہے کیونکہ اسے حساب کرنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگتی۔

صحیحین کی روایت میں ہے کہ قیامت والا دن یہودیوں سے سوال ہوگا کہ تم دنیا میں کس کی عبادت کرتے تھے، وہ جواب دیں گے کہ خدا کے بیٹے عزیر علیہ السلام کی، ان سے کہا جائے گا کہ تم جھوٹے ہو، خدا کا کوئی بیٹا نہیں، اچھا بتلاؤ! کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے ہم سخت پیاسے ہیں، ہمیں پانی پلوایا جائے، انہیں کہا جائے گا کہ دیکھو تم ادھر کیوں نہیں جاتے، جہاں پانی نظر آرہا ہے، وہ ادھر جائیں گے جہاں انہیں سراب نظر آتا ہوگا، مگر وہ جہنم کی آگ ہوگی جس پر پانی کا دھوکہ ہوتا ہوگا، جب وہ پہنچیں گے تو دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے کافروں، مشرکوں، یہودیوں اور عیسائیوں کی یہ مثال بیان کی ہے کہ یہ لوگ دنیا میں تو کفر وشرک کرتے رہے مگر اپنے غلط خیال کے مطابق یہ سمجھتے رہے کہ انہوں نے بڑے اچھے اچھے کام کئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں انہیں بہت بڑا اجر ملنے والا ہے، مگر جب قیامت والے دن خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے تو وہاں اپنے عملوں میں سے کچھ نہیں پائیں گے، جس طرح پیاسا آدمی تپتی ہوئی ریت کو پانی سمجھ کر اس کی طرف دوڑتا ہے مگر وہاں کچھ نہیں پاتا، اسی طرح کفر کرنے والے قیامت کے دن اپنے عملوں کی طرف جائیں گے مگر وہاں کچھ نہیں پائیں گے، پس! وہ اپنے پاس اللہ تعالیٰ کو پائے گا جو اس کا حساب دنیا میں پورا پورا دے

چکا ہوگا، اور اللہ تعالیٰ جلد حساب کرنے والا ہے۔

آخرت میں عملوں کے بدلے کا دارومدار ایمان پر ہوگا، اگر ایمان موجود ہے تو نیک عمل بھی کارآمد ہوں گے اور اگر کوئی شخص ایمان سے خالی ہے تو اس کے جتنے بھی اچھے کام ہوں، ان کی کچھ حیثیت نہیں ہوگی، اکثر کافر ومشرک، یہودی، عیسائی دنیا میں بڑے بڑے بھلائی کے کام کرتے ہیں، ہندو سکھ بھی ایسا کرتے ہیں، کہیں سرائے بنادی، سکول اور کالج قائم کئے، ہسپتال بنائے، یتیم خانے قائم کئے، حتیٰ کہ بعض لوگ جانوروں اور پرندوں کی خدمت بھی کرتے رہے، چڑیوں کو دانا اور پانی کھلاتے پلاتے رہے، کیڑے مکوڑے کی بلوں پر کھانے پینے کی چیزیں ڈالتے رہے، بظاہر یہ اچھے کام ہیں مگر ایمان کے نہ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ مقبول نہ ہوں گے، اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ نیک عمل مقبول ہوگا جو ایمان کے ساتھ کیا گیا ہوگا، کیونکہ اس کا بار بار اعلان ہے، "جنت ان لوگوں کے لئے ہے جو ایمان لائے اور پھر نیک اعمال انجام دیئے"۔ "سورۃ الانبیاء" میں فرمایا کہ: (آیت ۔ ۹۴) جس شخص نے نیک عمل کیا بشرطیکہ وہ مومن ہو تو اس کی کوشش کی ناقدری نہیں کیجائے گی، مطلب یہ ہے کہ عمل کی قبولیت کا دارومدار ایمان اور اخلاص پر ہے، اگر عقیدہ پاک ہے تو چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی فائدہ دے گا، اور اگر عقیدے میں کفر وشرک کی ملاوٹ ہے یا اس میں منافقت شامل ہے تو عمل کتنے بھی اچھے ہوں، خدا تعالیٰ کے ہاں قبولیت کا درجہ حاصل نہیں کر سکتے، ان کو اچھا سمجھنے والا بالکل اسی طرح ہے جس طرح کوئی تپتی ریت کو پانی سمجھ کر اس سے پیاس بجھانے کی امید باندھ لیتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عبداللہ بن جدعان کے متعلق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ وہ مکے کے سرداروں میں سے بڑا سخی آدمی تھا، غریبوں مسکینوں پر بڑا احسان کرتا تھا، ایک ایک مجلس میں سو سو اونٹ بخش دیتا تھا، تو کیا اس کو ان عملوں کا کچھ فائدہ آخرت میں ہوگا؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہرگز نہیں، وجہ یہ ہے کہ اس نے زندگی بھر ایک دن بھی یوں نہیں کہا کہ پروردگار! میرے گناہ معاف کردے، وہ شخص قیامت کا منکر تھا، لہذا اس کی بڑی سی بڑی نیکی بھی کچھ فائدہ نہیں دے گی، ایسے لوگوں کو ان کے کارناموں کا صلہ دنیا میں ہی مل جاتا ہے، عوام کی بھلائی کے کام کرنے کی وجہ سے ان کی شہرت ہو جاتی ہے، مال و دولت مل جاتا ہے اولاد مل جاتی

ہے مگر آخرت میں ان کے لئے کچھ نہیں ہوتا، صحیح حدیث میں آتا ہے کہ کافروں کے اچھے عملوں کا نتیجہ انہیں دنیا میں ہی مل جاتا ہے، اور آخرت میں ان کے لئے کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

بدکار کافر

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ
یا جسے اندھیرے میں سمندر گہرے پانی کے ڈھانکتی ہے اسے موج سے اوپر اس کے ایک اور موج سے

فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ
اوپر اس کے بادل اندھیرے ہیں ایک ان کا اوپر ایک کے جب نکالے ہاتھ اپنا نہیں

ع ٥ ١١
يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝٤٠
قریب ہے کہ دیکھے اسے اور جو نہیں کیا اللہ واسطے اس نور پس نہیں واسطے اس کوئی نور (٤٠)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یا (اس کی مثال) اندھیرے ہیں گہرے سمندر میں جس کو ڈھانپتی ہے ایک موج جس کے اوپر دوسری موج ہے، اور اوپر اس کے بادل ہیں، یہ اندھیرے ہیں بعض کے اوپر بعض، جب نکالے وہ اپنے ہاتھ کو تو نہیں قریب کہ وہ اس کو دیکھ سکے، اور جس شخص کے لئے اللہ تعالیٰ نے کوئی نور نہیں بنایا، پس اس کے لئے کوئی نور نہیں ہے۔ (٤٠)

لفظی تحقیق: لُجِّيٍّ: گہرے پانی والا عمیق۔

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: جو کافر اچھے اور برے کام میں فرق نہیں کرتے نرے دنیا کے مزوں میں پھنسے رہتے ہیں ان کی حالت بڑی ہولناک ہے ان پر تہ بہ تہ اندھیرے چھائے ہوئے ہیں، جیسے گہرا سمندر جس میں ایک تو پانی کی گہرائی کا اندھیرا پھر موجوں کے طوفان کا اندھیرا جو ایک پر ایک چڑھی چلی آتی ہیں پھر اس میں

اندھیرے بادل کی تہیں چھائی ہوئی ہیں پھر رات کا وقت، غرض! اندھیرے پہ اندھیرا ہر طرف سے چھایا ہوا ہے، ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا، کوئی شخص اپنا ہاتھ اٹھا کر آنکھوں کے سامنے لائے تو اسے اندھیرے میں دکھائی نہ دے کہ ہاتھ کہاں ہے، غرض! اسے کہیں سے روشنی کی ذراسی بھی جھلک نہیں ملتی، سچ ہے روشنی کا سرچشمہ تو اللہ تعالیٰ ہے جو اس کی طرف سے غافل ہو گیا اس کے پاس روشنی کا کیا کام، جب تک آدمی اللہ پر ایمان نہ لائے اور اللہ اسے روشن نہ کرے اسے روشنی نصیب نہیں ہو سکتی۔

اللہ تعالیٰ کی پہچان کا طریقہ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ

کیا آپ نے نہ دیکھا کہ اللہ پاکی بیان کرتے ہیں اسکی جوکوئی میں آسمانوں اور زمین ہیں اور

الطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِيْحَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ

پرندے پر پھیلائے ہوئے ہرایک جانتا ہے نماز اپنی اور تسبیح اپنی اور اللہ جانتا ہے

بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ اِلَى

جو وہ کرتے ہیں (۴۱) اور اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور طرف

اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾

اللہ کے لوٹ کر جانا ہے (۴۲)

بامحاورہ ترجمہ: کیا آپ نہیں دیکھا (اس بات کی طرف) کہ بیشک اللہ تعالیٰ کے لئے تسبیح بیان کرتی ہیں جو چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور پرندے بھی پر کھولے ہوئے، ہر ایک جانتا ہے اپنی نماز اور تسبیح کو، اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔ (۴۱) اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی ، اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف پھر کر جانا ہے۔ (۴۲)

لفظی تحقیق: صَافَّات: پھیلے ہوئے۔ "صَافَّةٌ" کی جمع ہے جو اسم فاعل مؤنث ہے۔ ص۔ف۔ف۔ سے "صَفٌّ" کے معنی ترتیب سے پھیلنا، یہاں اس سے مراد ہے، پر پھیلائے ہوئے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ان لوگوں کو کیا ہو گیا، کیا انہیں سوجھتا نہیں کہ جہان کی ہر چیز اپنی اپنی زبان میں اللہ تعالیٰ کی عظمت ظاہر کر رہی ہے اور اس کی حمد و ثنا میں مشغول ہے پرندے پر پھیلائے اسی کی تسبیح کرتے ہیں، انسان کیوں غافل ہے، اسے سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کے عملوں سے خوب واقف ہے، بچ کر کہاں جائے گا، آسمان اور زمین میں اللہ تعالیٰ ہی کی بادشاہت ہے، آخر ہر ایک کو لوٹ کر اسی کے پاس جانا ہے۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے توحید کی عقلی دلیلیں بیان فرمائی ہیں اور ان میں غور و فکر کرنے کو فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے کہ: کیا تم نے اس بات کی طرف دھیان نہیں کیا کہ بیشک اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے، ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے، اور پر کھولے، یعنی: اڑنے والے پرندے بھی اسی کی تسبیح بیان کرتے ہیں، آسمانوں میں فرشتے ہیں اور بعض دوسری مخلوق بھی ہے جو خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا میں مصروف رہتی ہے، اور زمینی مخلوق کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ انسان، جانور کیڑے مکوڑے، پانی کی مخلوق، پہاڑ اور درخت وغیرہ سب خدا تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں، البتہ انسانوں کی ایک بڑی تعداد ایسی بھی ہے، جو خدا تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی، ایسے لوگ اگرچہ اپنے اختیار اور ارادے سے تو سجدہ نہیں کرتے مگر ان کے سائے صبح و شام اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے رہتے ہیں، تو یہاں بھی فرمایا کہ: آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں اور ان دونوں کے درمیان فضا میں اڑنے والے پرندے بھی اپنے مالک کو یاد کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ

کیا نہ دیکھا آپ نے کہ اللہ چلاتا ہے بادل کو پھر ملا دیتا ہے آپس میں اسکو پھر کرتا ہے اس کو

رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ

تہہ بہ تہہ پھر دیکھتا ہے تو مینہ کو کہ نکلتا ہے سے بیچ ان کے

بامحاورہ ترجمہ: کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ بادلوں کو ہانک لاتا ہے، پھر ان کو ملا دیتا ہے، پھر ان کو تہہ بہ تہہ رکھتا ہے، پھر آپ ان کے بیچ میں سے مینہ نکلتا دیکھتے ہیں۔

لفظی تحقیق: یُزْجِیْ: ہانکتا ہے۔ مضارع کا صیغہ ہے "اِزْجَاءٌ" سے جو۔ ز۔ ج۔ د۔ سے بنا ہے ہانکنا۔
رُکَامٌ: تہہ بہ تہہ۔ وَدْقٌ: مینہ۔ خِلَالٌ: بیچ کی جگہیں "خَلَلٌ" کی جمع ہے۔

تفسیر

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں سے دنیا بھری پڑی ہیں، اس آیت میں ایک نہایت ہی واضح نشانی کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے، مینہ برستا ہر ایک نے دیکھا ہوگا، کبھی یہ خیال بھی کیا کہ اس کے لئے کیا کیا سامان کئے جاتے ہیں، بادلوں کو ہر طرف سے گھیر گھار کر اکٹھا کیا جاتا ہے، پھر ان کو آپس میں ملایا جاتا ہے پھر ان کو تہہ بہ تہہ ایک دوسرے پر جمایا جاتا ہے، اس کے بعد تم دیکھتے ہو کہ اس کے اندر سے مینہ برسنا شروع ہو جاتا ہے، کبھی خیال کیا کہ یہ کیوں ہوتا ہے، اور اسے کون کرتا ہے؟

سنو! یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کارنامے ہیں، اسی کے حکم سے بادل سمٹ کر ایک جگہ جمع ہوتے ہیں، پھر آپس میں مل جاتی ہیں، یہاں تک گہری گھٹا بن جاتی ہے، پھر بوندیں پڑنی شروع ہوتی ہیں، اس کے بعد موسلا دھار مینہ برسنا شروع ہو جاتا ہے۔

کھلی نشانیاں

وَ	يُنَزِّلُ	مِنَ	السَّمَآءِ	مِنْ جِبَالٍ	فِيْهَا	مِنْۢ بَرَدٍ	فَيُصِيْبُ	بِهٖ
اور	اتارتا ہے	سے	آسمان	کچھ پہاڑ	جو اس میں ہے	اولوں کے	پھر گراتا ہے	اسے

مَنْ يَّشَآءُ	وَ	يَصْرِفُهٗ	عَنْ	مَّنْ يَّشَآءُ	يَكَادُ	سَنَا	بَرْقِهٖ	يَذْهَبُ
جس پر چاہے	اور	پھیر دیتا ہے اسے	سے	جس چاہے	قریب ہے کہ	چمک	اس کی بجلی کی	لے جائے

بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً

آنکھوں کو (۴۳) بدلتا ہے اللہ رات کو اور دن کو تحقیق اس کے اندر عبرت ہے

لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾

آنکھوں والوں کے لئے (۴۴)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور آسمان سے، یعنی: ایسے پہاڑوں سے جن میں اولے ہیں، اولے برساتا ہے (یہاں آیت میں سماء سے مراد بڑے بڑے بادل ہیں) پھر جس پر چاہے انہیں گراتا ہے اور جس سے چاہے پھیر دیتا ہے قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھوں کو لے جائے۔(۴۳) اللہ تعالیٰ رات اور دن کو بدلتا ہے اس میں آنکھوں والوں کے لئے دھیان کرنے کا مقام ہے۔(۴۴)

لفظی تحقیق: بَرَدٌ: سے مراد اولے ہیں۔

تفسیر

پہاڑوں سے تہہ بہ تہہ بادلوں میں جب ٹھنڈ بڑھ جائے تو پانی جم کر اولوں کی شکل میں تبدیل ہوجاتا ہے اور جس جگہ یہ بہت زیادہ گریں تو ان سے نقصان بھی پہنچ جاتا ہے بہت سی جگہیں اولوں سے یا ان کے نقصان سے بچ بھی جاتی ہے، اولے والے بادلوں میں بجلی بھی تیزی سے چمکتی ہے اور اس کی چمک سے آنکھیں چندھیا جاتی ہیں یہاں تک کہ بینائی جاتے رہنے کے قریب ہوجاتی ہے۔

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ: خدا تعالیٰ ہی ہے جو رات اور دن کو تبدیل کرتا رہتا ہے، رات گئی دن آیا، دن رخصت ہوا تو رات آگئی، کبھی رات بڑی اور دن چھوٹا اور کبھی دن بڑا اور رات چھوٹی، اور پھر یہ صرف دن رات کا بدلنا ہی نہیں بلکہ موسموں کا بدلنا بھی ہے، کبھی گرمی ہے، کبھی سردی ہے، کبھی بہار ہے اور کبھی خزاں ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہیں، جو انسان ان چیزوں میں غور کریگا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت ضرور سمجھ میں آجائے گا، اور ساتھ یہ بھی فرمادیا:

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ: ان تمام نشانیوں میں سبق ہے مگر ان لوگوں کے لئے جو آنکھیں رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت

وَ اللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِهٖ ۚ

اور اللہ نے پیدا کیا ہر چلنے والے کو سے پانی پس میں سے ان کوئی ہے کہ چلتا ہے پر پیٹ اپنے

وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی رِجْلَیْنِ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰۤی اَرْبَعٍ ؕ

اور میں سے ان کوئی ہے کہ چلتا ہے پر دو پاؤں اور میں سے ان کوئی ہے کہ چلتا ہے پر چار پاؤں

یَخْلُقُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۵﴾

پیدا کرتا ہے اللہ جو چاہے تحقیق اللہ اوپر ہر چیز کے قدرت رکھتا ہے (۴۵)

بامحاورہ ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے ہر چلنے والے کو ایک نطفے سے بنایا، سو! کوئی ہے کہ چلتا ہے اپنے پیٹ پر، اور کوئی ہے کہ چلتا ہے دو پاؤں پر، اور کوئی ہے چلتا ہے چار پاؤں پر، اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کر سکتا ہے۔ (۴۵)

تفسیر

جانوروں میں سے بعض جانور ایسے ہیں جو اپنے پیٹ پر چلتے ہیں یعنی پیٹ کے بل رینگتے ہیں، اگر چہ ان جانوروں کے پاؤں نہیں ہوتے مگر اللہ تعالیٰ نے ان میں اتنی صلاحیت رکھی ہے کہ پیٹ کے بل گھسٹ کر بہت تیزی کے ساتھ بھاگ سکتے ہیں، رینگنے والے جانوروں میں مچھلی پانی میں نہایت تیزی سے حرکت کرتی ہے اور زمین پر چلنے والوں میں سانپ نہایت تیز رفتار کیڑا ہے حتیٰ کہ پاؤں ہونے کے باوجود انسان سانپ کے برابر تیز نہیں دوڑ سکتا، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دلیل ہے کہ اس نے کیسی کیسی عجیب وغریب مخلوق پیدا کی ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت والے دن لوگ سر کے بل دوڑتے ہوئے چلیں گے، کسی نے عرض کیا، حضور! پاؤں پر چلنا تو سمجھ میں آتا ہے، سر کے بل کیسے چلنا ہوگا؟ فرمایا کہ: جس خدا تعالیٰ نے پاؤں پر چلنے کی قوت بخشی ہے وہ سر کے بل چلنے کی طاقت بھی عطا کر دے گا، اس میں حیرت کی کونسی بات ہے۔

اور بعض جاندار ان میں سے ایسے ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں، ان جانداروں میں ایک انسان ہے اور اس کو دو پاؤں عطا کئے گئے، جو اس کو چلنے پھرنے بھاگ دوڑ کا کام دیتے ہیں، اس کے علاوہ تمام پرندے بھی دو پاؤں پر چلتے ہیں، مرغ، بطخ، چڑیا، کوا، کبوتر وغیرہ ہمارے سامنے موجود ہیں، جو دو پاؤں پر چلتے ہیں۔

اور ان میں سے بعض جانور چار پاؤں پر چلتے ہیں، ان میں اونٹ، گھوڑا، بیل، ٹھیو، بکری، گائے وغیرہ ہمارے سامنے موجود ہیں، چوپائیوں میں چیتا ایک سو دس میل اور ٹھیو یا اسّی میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑ سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ان کو چار پاؤں دیئے ہیں، بعض ایسے جاندار، کیڑے مکوڑے بھی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے چار سے زیادہ پاؤں بھی دیئے ہیں، پانی میں رہنے والے کیکڑے کے بہت سے پاؤں ہوتے ہیں، کن کھجورہ کے متعلق مشہور ہے کہ اس کے ایک ہزار پاؤں ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اس کو کچھ بھی مشکل نہیں۔

منافقوں کا روّیہ

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ

البتہ تحقیق اتاریں ہم نے آیتیں واضح اور اللہ ہدایت کرتا ہے جسے چاہے طرف راستے

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٤٦﴾ وَ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالرَّسُوْلِ وَ اَطَعْنَا ثُمَّ

سیدھے (٤٦) اور کہتے ہیں کہ ایمان لائے ہم پر اللہ اور پر رسول اور کہنا مانا ہم نے پھر

يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَ مَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٧﴾

منہ موڑ لیتا ہے فرقہ ان میں کا بعد اس اقرار کے اور نہیں وہ لوگ ایمان والے (٤٧)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ہم نے کھول کھول کر بتانے والی آیتیں اتاریں، اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے سیدھی راہ پر چلائے۔(۴٦) اور لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور حکم بجالائے، پھر اس کے بعد ان میں سے ایک فریق پھر جاتا ہے، اور وہ لوگ ایمان والے نہیں ہیں۔(۴۷)

تفسیر

ہم نے لوگوں کی ہدایت کیلئے واضح دلیلیں اتاریں ہیں اور جس کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے، (اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کو مان کر ان پر عمل کرتا ہے) اور یہ منافق لوگ (زبان سے) دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لے آئے اور (اللہ رسول کا) حکم (دل سے) مانا پھر اس کے بعد (جب عمل کرکے اپنا دعویٰ ثابت کرنیکا وقت آیا تو) ان میں ایک گروہ (جو بہت زیادہ شریر ہے خدا اور رسول کے حکم سے) منہ پھیرتا ہے، یعنی جب ان کے ذمہ کسی کا حق ہوتا ہو اور حق والا اس منافق سے کہتا ہے کہ چلو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقدمہ لے چلیں اس موقع پر یہ منہ موڑتے ہیں کیونکہ جانتے ہیں کہ آپ کے پاس جب حق ثابت ہوجائیگا تو اسی کے موافق آپ فیصلہ کریں گے۔

دوغلہ رویّہ

وَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ

اور جب بلایا جائے انہیں طرف اللہ اور پیغمبر اس کے تاکہ وہ فیصلہ کرے ان میں اچانک ایک گروہ ان کا

مُّعْرِضُوْنَ۝۴۸ وَ اِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ۝۴۹

منہ موڑ لیتا ہے (۴۸) اور اگر ہو ان کے لئے حق تو چلے آئیں طرف اس کے گردن جھکائے (۴۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف سے بلایا جائے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کردے تو اچانک ان کے ایک فریق کے لوگ منہ موڑ لیتے ہیں۔(۴۸) اور اگر ان کو حق ملتا

ہوتو گردن جھکا کر چلے آئیں۔ (۴۹)

تفسیر

پہلی آیات میں ارشاد ہوا کہ بعض لوگ منہ سے تو کہتے رہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں، ہم پیغمبر کی بات مانتے ہیں، لیکن جب کام کا وقت آتا ہے تو اپنی بات کا کوئی خیال نہیں کرتے اور منہ موڑ کر چل دیتے ہیں، ظاہر بات ہے کہ ان کے ایمان اور فرمانبرداری کے لمبے چھوڑے دعوے سب جھوٹے تھے، وہ یوں ہی اپنا کام نکالنے کے لئے وقتی طور پر سب کچھ کہہ دیا کرتے تھے، لیکن ان کے دل میں نہ واقعی ایمان تھا اور نہ ان کا یہ خیال تھا کہ ان کی فرمانبرداری کا امتحان لیا جائے گا، یہ لوگ منافق ہیں اس آیت میں ان کی ایک اور چالبازی کا ذکر ہے، جس کے تفصیل تو سورۃ النساء میں گزر چکی ہے، لیکن یہاں بھی اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے، تا کہ ان کی دھوکے بازیاں پوری طرح سامنے آجائیں اور مسلمان ان کیطرف سے چوکنے ہو جائیں۔

ارشاد ہے کہ: ان لوگوں سے جب کہا جاتا ہے کہ جھگڑوں کا فیصلہ کرانے کے لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چلو، تو ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اس بات پر راضی نہیں ہوتے، کیونکہ ان کو صاف نظر آتا ہے کہ آپ انصاف سے فیصلہ کریں گے اور ہمیں نقصان پہنچے گا، کیونکہ وہ حقیقت میں جھوٹے دعوے کرتے ہیں، ہاں! اگر انہیں اس بات کا یقین ہو جائے کہ فیصلہ ہمارے ہی حق میں ہوگا، سر جھکا کر خوشی خوشی چلے آتے ہیں، انہیں اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ حق حق دار کو پہنچے، بلکہ وہ یہی چاہتے ہیں کہ فیصلہ ہمارے حق میں ہو، خواہ ہمارا دعویٰ جھوٹا ہی ہو۔

وَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ: منافقین کی خواہش ہوتی تھی کہ ان کے ہر معاملے کا فیصلہ ان کی مرضی کے مطابق ہو، وہ کسی معاملہ میں اپنا مؤقف کمزور پاتے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جانے سے کتراتے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ایک ایسے ہی منافق شخص کے درمیان کسی معاملہ میں جھگڑا پیدا ہو گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے کہا کہ چلو اس کا فیصلہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کروالیتے ہیں، مگر چونکہ اس کو من مانی کی توقع نہیں تھی؛ اس لئے اس نے یہودیوں کے عالم کعب بن اشرف کے پاس چلنے کی تجویز پیش کی تا کہ وہاں سے اپنی مرضی کا فیصلہ کرا سکے۔

اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے اسی کردار کے پیش نظر فرمایا ہے کہ: اگر ان کو یقین ہو کہ فیصلہ ان کے حق میں ہوگا، آپ کی طرف دوڑتے ہوئے آتے ہیں، اور اگر فیصلہ خلاف ہونے کا توقع ہو تو پھر آپ کے پاس نہیں آتے۔

منافقوں کے دل کا مرض

اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰهُ

کیا میں دلوں ان کے کوئی مرض ہے یا شک میں پڑے ہیں یا ڈرتے ہیں کہ ظلم کرے گا اللہ

عَلَیْهِمْ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۠ ﴿۵۰﴾ ع ۶ ۱۰ ۱۲ الحاقۃ

پر ان اور رسول اس کا نہیں بلکہ وہ خود ہی ظالم لوگ ہیں (۵۰)

بامحاورہ ترجمہ: کیا ان کے دلوں میں مرض ہے یا دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں یا ڈرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ان کے ساتھ بے انصافی کرینگے یہ بات نہیں بلکہ وہ خود ہی بے انصاف لوگ ہیں۔ (۵۰)

تفسیر

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں ایک بشر نامی منافق اور ایک یہودی کے درمیان زمین کے بارے میں جھگڑا آپڑا تھا، منافق کہتا تھا کہ یہ چیز میری ہے مجھے ہی ملنے چاہئے، یہودی کہتا تھا کہ یہ میرا حق ہے مجھے ملنا چاہئے، یہودی نے کہا کہ محمد کے پاس چلو، وہ فیصلہ کریں گے کہ یہ چیز کسے ملنی چاہئے، اسے یقین تھا کہ آپ انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں گے، منافق کے دل میں کھوٹ تھا، وہ سمجھتا تھا کہ آپ فیصلہ ٹھیک ٹھیک فرمائیں گے، لیکن ٹھیک فیصلہ میں اسے اس چیز سے ہاتھ دھونے پڑتے تھا؛ اس لئے آپ کے پاس فیصلہ کے لئے آتے ہوئے اس کی جان نکلتی تھی، ایسے لوگوں کی بابت ارشاد ہے کہ: ایمان کا دعویٰ اور پیغمبر کے فیصلہ سے کترانا جمع نہیں ہوسکتے، جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ سے کتراتے ہیں یا تو ان کے دل میں مرض ہے، یعنی: وہ حرص کے بلا میں مبتلا ہیں جو دل کی ایک ایسی بیماری ہے، جو آدمی کو انصاف پسند نہیں رہنے دیتی یا پھر وہ اللہ اور پیغمبر پر یقین نہیں رکھتے، شک وشبہ میں

پڑے ہوئے ہیں یا پھر وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ اور پیغمبر اسکے ساتھ بے انصافی کریں گے، اور ظلم سے ان کا واقعی حق چھین کر دوسرے کو دلوا دیں گے، ان میں سے ایک بات بھی ٹھیک نہیں۔۔۔ نہ حرص ٹھیک ہے نہ شک وشبہ کا کوئی موقعہ ہے اور نہ اللہ اور اس کے رسول کسی پر ظلم کرتے ہیں، بات دراصل یہ ہے کہ خود انہوں نے ہی ظلم پر کمر باندھ رکھی ہے وہی دوسروں کا حق دبانا چاہتے ہیں۔

منافقت دل کا مرض ہے

اس آیت میں اللہ نے منافق لوگوں کا حال بیان کیا ہے، یہ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے پر کیوں راضی نہیں ہوتے، اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تین وجہیں ذکر فرمائیں ہیں:

اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ: کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے؟ اللہ نے منافقت کو بیماری کہا ہے، یہ ایسی بیماری ہے جس کا تعلق دل کے ساتھ ہوتا ہے۔

اَمِ ارْتَابُوْٓا: یا انہوں نے پیغمبر کے فیصلے کے بارے میں شک کیا ہے کہ ان کے حق میں ہوگا یا نہیں، اگر ایسا شک کرے گا تو آدمی منافق اور کافر بن جائے گا، پیغمبر کی پیغمبری اور رسالت میں شک کرنا بھی کفر ہے کیونکہ اللہ کا پیغمبر تو سچا ہے اور اس کے ہر حکم پر عمل کرنا ضروری ہے۔

اَمْ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰهُ: یا ان کو اس بات کا خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ان پر کوئی زیادتی کرے گا (العیاذ باللہ)، ایسا آدمی بھی کبھی ایماندار نہیں ہوسکتا، اللہ کے پیغمبر کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے اور اس میں کسی پر ذرہ برابر بھی زیادتی نہیں ہوتی، فرمایا: جو لوگ اس قسم کا نظریہ رکھتے ہیں، بلکہ یہ لوگ خود ہی ظالم ہیں۔

ایمان والوں کا رویّہ

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ

سوا اس کے کچھ نہیں کہ ہے کہنا مؤمنوں کا جب وہ بلائے جائیں طرف اللہ اور اس کے رسول کی طرف

لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَاؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ
تاکہ فیصلہ کرے درمیان ان کے کہ کہیں سنا ہم نے اور اطاعت کی ہم نے اور یہ لوگ وہی ہیں

الْمُفْلِحُوْنَ﴿۵۱﴾ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَخْشَ اللّٰهَ وَ
کامیابی پانے والے (۵۱) اور جو کوئی اطاعت کرے اللہ اور اس کے رسول کی اور ڈرے اللہ اور

يَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴿۵۲﴾
بچے اس کی نافرمانی سے پس وہ لوگ وہی کامیاب ہیں (۵۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ایمان والوں کی بات تو یہی تھی کہ جب انہیں ان کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے اللہ کی طرف بلایا جائے تو کہیں گے ہم نے سنا اور مانا اور یہی لوگ ہیں کامیابی پانے والے۔(۵۱) اور جو اللہ اور اس کے پیغمبر کے حکم پر چلیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں اور اس کی مخالفت سے بچیں وہی مراد کو پہنچنے والے ہیں۔(۵۲)

تفسیر

منافقوں کا طرزِ عمل پچھلی آیتوں میں بیان ہوا اور کہا گیا کہ ایسا وہی کر سکتے ہیں، جن کے دل میں ایمان کا اثر نہیں محض دکھاوے کے لئے زبان سے کہتے رہتے ہیں کہ ہم اسلام کے خادم اور اللہ تعالیٰ کے وفادار اور فرمانبردار بندے ہیں، مگر جب وقت آتا ہے تو اسلام کا ذرا خیال نہیں کرتے، اور وہی کرتے ہیں جو ان کا دل چاہے۔

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: ایمان والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب انہیں اپنے جھگڑوں کا فیصلہ کرانے کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تو وہ فوراً حاضر ہو جائیں اور یقین رکھیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جو فیصلہ فرمائیں گے وہ بالکل ٹھیک ہوگا اور اس سے حقدار کو اس کا حق ملے گا، بس! یہی لوگ کامیابی پائیں گے، کیونکہ قاعدہ مقرر ہو چکا ہے کہ آخرت میں مرادیں انہی کی پوری ہونگی جو دنیا میں اللہ کا اور اس کے پیغمبر کا کہنا مانیں گے، دل میں ہر وقت اس کا خوف رکھیں گے اور اس کی منع کی ہوئی باتوں سے بچ کر چلیں گے، ہمیشہ

کامیابی انہی کیلئے ہے۔

وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ: میں تمام فرض آگئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے سامنے سر جھکا دو، اور "وَ رَسُوْلَهٗ" میں رسول کی تمام سنتیں آگئی ہیں، پھر "وَ یَخْشَ اللّٰهَ" گزری ہوئی عمر کی طرف توجہ دلاتی ہے کہ پچھلے دور میں جس قدر غلطیاں اور کوتاہیاں ہوئی ہیں ان کی وجہ سے انسان کے دل میں خدا کا خوف پیدا ہو جائے اور وہ تمام گناہوں کی معافی طلب کر لے، اور پھر "وَ یَتَّقْهِ" سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی باقی زندگی کی فکر کرے اور گناہوں سے بچ کر رہے، ہر قسم کے کفر، شرک، منافقت اور مشکوک چیزوں سے بچتا رہے۔

جھوٹی قسمیں

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَیَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ

اور قسم کھاتے ہیں اللہ کی زوردار قسمیں البتہ اگر آپ حکم دیں انہیں تو وہ ضرور نکل کھڑے ہوں کہہ دیجئے

لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾

مت قسمیں کھاؤ فرمانبرداری چاہئے جیسے ہوا کرتی ہے تحقیق اللہ خبردار ہے اس سے جو تم کرتے ہو (۵۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ کے نام کی پختہ قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر آپ انہیں حکم دیں کہ (نکل کھڑے ہوں) تو وہ ضرور نکل کھڑے ہوں گے، آپ کہیں قسمیں نہ کھاؤ تمہاری فرمانبرداری دیکھی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر ہے جو تم کرتے ہو۔ (۵۳)

تفسیر

منافق کچھ عجیب ہی لوگ ہوتے ہیں، وہ ظاہر میں تو بچھے جاتے ہیں اور زبان سے بڑے زور سے قول وقرار کرتے ہیں، لیکن جب کام کا وقت آتا ہے تو ٹال مٹول کر جاتے ہیں، یہی حال مدینہ کے بعض منافقوں کا تھا، انہیں دل میں تو یہ یقین تھا کہ یہ لوگ جنہوں نے سچے دل سے اسلام قبول کر لیا ہے، بیوقوف لوگ ہیں اور دھوکہ میں

آ گئے ہیں چند دن کی بات ہے، یہ سارا ختم ہو جائے گا، اور پھر وہی ہم ہونگے، وہی عیش وعشرت، لیکن چالاک اتنے تھے کہ مسلمانوں سے بگاڑنا بھی نہیں چاہتے تھے، کیونکہ ہر جگہ ان کی فتح ہو رہی تھی، اگر چہ اس کو وہ ایک عارضی بات سمجھتے تھے، پھر بھی زمانہ سازی کر کے اپنا مطلب نکالتے تھے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے، تو زور زور کی قسمیں کھاتے کہ حضرت ہم تو آپ کے تابعدار ہیں، ابھی آپ لڑائی کا حکم دیں تو ہم سر کے بل نکل کھڑے ہوں اور دشمنوں کے ہوش اڑا دینگے، ارشاد ہے کہ: ان سے کہہ دو، زور زور کی قسمیں کھانے کی کچھ ضرورت نہیں، ہم تمہاری فرمانبرداری دیکھ چکے ہیں، تم یاد رکھو! تمہارا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے، وہ ہر کام سے اچھی طرح واقف ہے۔

بے غرض نصیحت

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ

کہہ دے اطاعت کرو تم اللہ کی اور اطاعت کرو تم رسول کی پس اگر منہ پھیرو گے تو بس یہی بات ہے کہ اس پر ہے

مَا حُمِّلَ وَ عَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَ مَا

جو بوجھ ڈالا گیا اور تم پر ہے جو بوجھ ڈالا گیا تم پر اور اگر کہنا مانو گے اس کا تو ہدایت پاؤ گے اور نہیں

عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾

پر رسول مگر پہنچا دینا صاف صاف (۵۴)

بامحاورہ ترجمہ: آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو، اگر منہ پھیرو گے تو رسول کے ذمہ وہ بوجھ ہے جو اس پر رکھا گیا اور تمہارے ذمہ وہ بوجھ ہے جو تم پر رکھا گیا اور اگر اس کا کہا مانو گے تو راہ پاؤ گے، اور پیغمبر کے ذمہ صرف کھلم کھلا پہنچا دینا۔ (۵۴)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: بجائے باتیں بنانے کے اور قسمیں کھا کھا کر اپنا اعتبار جمانے کے تم یہ کرو کہ اللہ تعالیٰ کے

حکم کے آگے سر جھکا دو اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کام کے کرنے کو کہیں فوراً اس کیلئے تیار ہو جاؤ، جس وقت کوئی کام نہ ہو، اس وقت باتیں بنانا، فرمانبرداری کی قسمیں کھانا اور کام کے وقت پیٹھ دکھا دینا حد درجہ کا دھوکہ ہے۔

ارشاد ہے کہ: اگر یہ موقعہ پر بھاگ جانا ہی اختیار کریں تو ان سے صاف کہہ دو کہ میرے ذمہ جو کام اللہ تعالیٰ نے ڈالا ہے مجھے اسے پورا کرنا ہے اور وہ اتنا ہی ہے کہ میں اس کا پیغام تم تک ٹھیک پہنچا دوں، آگے اس کام کے تم ذمہ دار ہو جو تمہارے ذمہ ڈالا گیا ہے اور وہ یہ کہ اس پیغام کو سنو، سمجھو اور اس کے مطابق عمل کرو، اتنی بات ضرور ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے رسول کا کہا مانو گے، تو دنیا و آخرت دونوں میں کامیاب ہو گے، کامیابی تمہارے قدم چومے گی، اور سارے مقصد حاصل کرنے کا سیدھا راستہ تمہیں مل جائے گا، پیغمبر کا فرض اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ پیغام صاف صاف پہنچا دے، اس پر عمل کرنا تمہارے ذمہ ہے، نہیں مانو گے تو دنیا اور آخرت میں سزا ملے گی۔

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ: اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے کہہ دیں کہ جھوٹے وعدے اور جھوٹی قسمیں کھانے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اس کے پیغمبر کا حکم مانو، وہ جس کام کا حکم دیں اسے کر گزرو، اور جس کام سے منع کریں، اس سے رُک جاؤ، اس کے بجائے اگر اللہ اور اس کے پیغمبر کے حکم سے منہ موڑو گے تو یاد رکھو! رسول کے ذمے تو وہی کچھ ہے جو اس پر بوجھ ڈالا گیا، پیغمبر کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام تم تک پہنچا دے اور پھر آگے ان کو قبول کرنا تمہارا کام ہے، یہ پیغمبر کی ذمہ داری نہیں ہے، پیغمبر کے لئے یہی حکم ہے، اے پیغمبر! جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر اتارا گیا ہے آپ اسے آگے پہنچا دیں، اور پھر آگے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو حکم دیا، لوگو! تمہیں میری ایک بات بھی معلوم ہو تو اسے اگلے لوگوں تک پہنچاؤ۔

اللہ تعالیٰ کا وعدہ

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ

وعدہ کرلیا اللہ نے ان سے جو ایمان لائے میں سے تم اور کئے کام نیک البتہ خلیفہ بنائے گا ان کو

فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ

میں زمین جیسے خلیفہ بنایا تھا ان کو سے پہلے ان کو اور البتہ قوت دے گا ان کے لئے

دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ

ان کے دین کو جو پسند کیا اس نے ان کے لئے اور البتہ بدل دے گا بعد اس کے ان کے خوف کو امن سے

بامحاورہ ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور نیک کام کیے ہیں وعدہ کرلیا ہے کہ زمین میں ان کو حکومت دیگا، جیسے: ان سے پہلے لوگوں کو دی تھی، اوران کے لئے ان کے دین کو جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پسند کیا جائیگا اوران کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔

لفظی تحقیق: اِسْتَخْلَفَ: حکومت میں جانشین کیا پہلوں کا۔ ماضی کا صیغہ ہے۔ اِسْتِخْلَاف: سے جو: خ۔ل۔ف۔ سے بنا ہے "خَلَفٌ" کے معنیٰ پیچھے آنا۔ اِسْتِخْلَاف: کسی کام میں اس کی جگہ سنبھالنے والا مقرر کرنا۔ لَيَسْتَخْلِفَنَّ: البتہ ضرور حکومت میں قائم مقام بنائیگا۔

تفسیر

پچھلی آیت میں ارشاد ہے کہ پیغمبر کا جو کام تھا، وہ کر چکے اب تمہارا کام ہے، اگر پیغمبر کی پیروی کروگے تو کامیابی پاؤگے اور دنیا وآخرت میں کامیاب ہوگے، اس آیت میں صاف فرمادیا گیا کہ آگے پیغمبر کے فرمانبرداروں کو کیا کچھ دنیا میں ملنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لے آئے ہیں اور پیغمبر کے کہنے کے مطابق نیک کام کررہے ہیں، وعدہ کرلیا ہے کہ آئندہ اس زمین پر انہیں حاکم بنائے گا، اور جیسے ان سے پہلے باری باری مختلف امتیں زمین پر حکمران رہ چکی ہیں، ایسے ہی انہیں دنیا کی حکومت میں ان کا قائم مقام بنائے گا، اوران کا یہ دین جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پسند کیا ہے، خوب مضبوط کردے گا، اوروہ جو خوف کی زندگی بسر کررہے ہیں اس کے بدلے انہیں امن وامان کی زندگی عطا کردیگا، یہ آیت اس زمانے میں اتری جب مسلمان مدینہ میں جانے کے باوجود طرح طرح

کے خطروں میں خوف کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

خلافتِ ارضی کا وعدہ

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے زمینی خلافت کا وعدہ فرمایا ہے، یہ سورۃ مبارکہ ۵ ھ یا ۶ ھ میں غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر اتری، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمینی خلافت کا وعدہ ان لوگوں سے کیا جو اس وقت تک ایمان لا چکے تھے، امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر "احکام القرآن" میں فرماتے ہیں کہ: یہ بات ان چاروں خلفاء پر پوری اترتی ہے، چاروں خلفائے راشدین جو کہ اس آیت کے اترنے کے وقت ایمان لا چکے تھے، جہاں تک پہلے لوگوں کو خلافت عطا کرنے کا سوال ہے تو اس سے عمالقہ کی قوم مراد ہے جس جگہ پر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو زمینی خلافت عطا کی، اور حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو زمینی خلافت عطا کی۔

وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا: کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے خوف کو ضرور امن میں بدل دیگا، شروع میں مسلمانوں کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اس آیت کے اترنے کے وقت بھی مسلمان سخت خوف اور خطرہ کی حالت میں تھے، ساری دنیا مٹھی بھر مسلمانوں کی مخالف تھی۔

قبیلہ بنی مضر کے مشرک خاص طور پر جانی دشمن تھے، ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ وہ ان کی خوف کی حالت کو امن کی حالت میں تبدیل کر دے گا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پیشن گوئی فرمائی تھی کہ مسلمانوں پر ایک ایسا پُر امن دور بھی آئے گا کہ ایک عورت صنعاء سے حضرموت تک اکیلی سفر کرے گی، مگر سوائے خدا کے خوف کے اسے کوئی خوف نہیں ہوگا، حضرت عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم طائی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے آنکھوں سے حضور کی پیشنگوئی کو پورا ہوتے دیکھا کہ زیورات سے سجی ایک تنہا عورت اونٹ پر سفر کر رہی تھی، مگر اسے کسی چور، ڈاکو یا دشمن کا خوف نہیں تھا۔

احکام ومسائل

شانِ نزول

"تفسیر قرطبی" میں ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبری ملنے کے بعد دس سال مکہ مکرمہ میں رہے تو ہر وقت کافروں اور مشرکوں کے خوف میں رہے، پھر ہجرت کا حکم ہوا تو یہاں بھی مشرکوں کے حملوں سے ہر وقت کے خطرہ میں رہے کسی شخص نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ! کبھی ہم پر ایسا وقت بھی آئیگا کہ ہم ہتھیار کھول کر امن واطمینان کے ساتھ رہ سکیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: بہت جلد ایسا وقت آنے والا ہے، اس پر یہ آیتیں اتریں۔

اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری

يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ

عبادت کرینگے میری نہ شریک کریں گے میرا کسی چیز کو اور جو ناشکری کریگا بعد اس کے

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ

پس وہ لوگ وہی نافرمان ہیں (۵۵) اور قائم کرو نماز اور ادا کرو زکوٰۃ اور

اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اطاعت کرو رسول کی تاکہ تم رحم کئے جاؤ (۵۶) مت گمان کرنا ہرگز جنہوں نے کفر کیا

ع ۷ ۱۳ مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَ لَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾

ہرا دینے والے ہیں میں زمین اور ٹھکانا ان کا دوزخ ہے اور البتہ بری ہے وہ لوٹنے کی جگہ (۵۷)

بامحاورہ ترجمہ: وہ میری عبادت کرینگے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے اور جو کوئی اس کے بعد ناشکری کرے گا وہی لوگ نافرمان ہیں۔ (۵۵) اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور رسول کے حکم پر چلتے رہو، تاکہ تم پر رحم ہو۔ (۵۶) آپ مت خیال کریں ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے کفر کیا کہ یہ ہمیں زمین

میں عاجز کردینگے حالانکہ ان کا ٹھکانہ آگ ہے، اور وہ لوٹ کر آنے کی بُری جگہ ہے۔ (۵۷)

تفسیر

ان آیتوں میں ارشاد ہے کہ: ایمان والوں کا رویہ یہ ہوگا، کہ سوا میرے کسی کے آگے سر نہ جھکائیں گے، صرف میری عبادت کریں گے، دوسروں کو کبھی میرے ساتھ شریک نہیں کریں گے، ہمیشہ نماز قائم کرینگے، زکوٰۃ دیتے رہیں گے، پیغمبر کی فرمانبرداری کرتے رہیں گے، ایسا کرتے رہیں گے تو ان پر ہماری رحمت اترتی رہے گی، کافروں کی بابت کہا گیا ہے کہ یہ لوگ دنیا میں ہم سے نہیں بھاگ سکتے، مرنے کے بعد ان کا ٹھکانا دوزخ ہوگا، اور دوزخ ٹھہرنے کی بہت ہی بُری جگہ ہے۔

ایمان والوں کے لئے تسلی

اس سورۃ کے اترتے وقت دنیا میں کافروں کو غلبہ حاصل تھا، اور مسلمان ان کے ظلم وستم برداشت کررہے تھے، اللہ نے ایسے حالات میں تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ: آپ ان کافروں کے متعلق یہ گمان نہ کریں کہ وہ زمین میں عاجز کرنے والے ہیں، یعنی: وہ دینِ اسلام اور اس کے ماننے والوں کو ناکام بنادیں گے، فرمایا: ایسا نہیں ہوگا، ان کا وقتی غلبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل ہے، انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت مل رہی ہے، جب یہ مہلت ختم ہوجائے گی تو یہ لوگ نہ صرف دنیا میں مغلوب ہوجائیں گے بلکہ جب قیامت کے دن ان کو پیش کیا جائے گا تو پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہی ہے، اور یہ لوٹ کر جانے کی بہت ہی بُری جگہ ہے۔

تین وقتوں میں اجازت (الف)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

اے | لوگوں! جو | ایمان لائے ہو | چاہئے کہ اجازت لیں تم سے | وہ جن کے | مالک ہیں | دائیں ہاتھ تمہارے

وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ

اور وہ جو نہیں پہنچے بالغ ہونے کو تم میں سے تین وقت سے پہلے نماز

الْفَجْرِ وَ حِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَ مِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ

فجر کے اور جس وقت اتار کر رکھ دیتے ہو تم کپڑے اپنے دوپہر کو اور پیچھے نماز کے

الْعِشَآءِ ؕ۫ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ

عشاء کی تین بدن کھلنے کے وقت لئے تمہارے نہیں پر تم اور نہ ان پر کوئی گناہ

بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ

بعد ان کے پھرا کرتے ہیں تمہارے پاس بعض تم میں سے پر بعض اسی طرح بیان کرتا ہے

اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾

اللہ تمہارے لئے احکام اور اللہ خوب جاننے ولا حکمت والا ہے (۵۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ایمان والو! تمہارے لونڈی غلام اور جو تم میں سے بالغ نہیں ہوئے تم سے اجازت لے کر آئیں تین وقتوں میں، فجر کی نماز سے پہلے، اور جب دوپہر کو اپنے کپڑے اتار کر رکھ دیتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد، یہ تین وقت تمہارے پردے کے ہیں ان وقتوں کے بعد کوئی تنگی نہیں تم پر نہ ان پر ان کا آنا جانا لگا رہتا ہے تمہارا ابھی ایک دوسرے کے پاس اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کھول کر احکام بیان کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔ (۵۸)

لفظی تحقیق: حُلُم: سمجھ، عقل۔ یہاں اس سے مراد جنسی خواہش کا شعور ہے جو بالغ ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ مَرّٰت: بار بار۔ مَرّۃٌ کی جمع ہے، جس کے معنی ایک بار کے ہیں، یہاں اس سے مراد وقت اور موقعہ ہے، مطلب یہ ہے کہ تین وقت ایسے ہیں جس میں آدمی تنہائی چاہتا ہے۔

تفسیر

انسان کا اپنے رہنے کے لئے ایک علیحدہ گھر اور ٹھکانہ ہونا چاہئے، عموماً اس کے ساتھ اس کی بیوی بچے اور خدمت گزار نوکر، چاکر جس کے اندر پہلے لونڈی بھی شامل ہوتی تھی، سب مل جل کر رہتے تھے، ان آیتوں میں ایک گھر میں رہنے والوں کو رہنے کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ ہر وقت تو ایک گھر میں ملے جلے بغیر رہنا عام لوگوں کے لئے دشوار ہے، مگر تین وقت ایسے ہیں کہ جن میں آدمی تنہائی چاہتا ہے اور ان وقتوں میں آدمی دوسرے کا اپنے پاس آنا پسند نہیں کرتا، فجر کی نماز سے پہلے اور عشاء کی نماز کے بعد اور دوپہر کو جس وقت آدمی زائد کپڑے اتار کر کچھ دیر آرام کرتا ہے، ان وقتوں میں لونڈی غلام، نوکر، چاکر اگر داخل ہونا چاہیں تو پہلے گھر والے سے اجازت لیں، اس وقت میں ان چھوٹے بچوں کو بھی جو بڑے تو ہو گئے ہیں مگر ابھی بالغ نہیں ہوئے، بے ڈھرک آنا منع ہے، انہیں آنا ہو تو پوچھ کر آئیں۔

ارشاد ہے کہ: یہ تین وقت ایسے ہیں جن میں تم اپنے زائد کپڑے اتار کر رکھ دیتے ہو اور تمہارے جسم کی ایسے حالت نہیں ہوتی جس سے تم اوروں کے سامنے آنا پسند کرو، پھر یہ کہ تم عموماً اپنی اپنی بیویوں کے ساتھ بھی بے تکلفانہ انہیں اوقات میں ملنے کی فرصت رکھتے ہو، اس لئے ان اوقات میں تو کسی کو چاہے نابالغ بچہ ہی کیوں نہ ہو بغیر اجازت بے ڈھرک اندر نہ آنا چاہئے، ہاں! تنہائی کے ان وقتوں کے سوا لونڈی، غلام، نوکر چاکر چھوٹے بچے آزادی کے ساتھ بے تکلف اور بے اجازت اندر آ جا سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے احکام تمہیں اسی طرح صاف صاف سمجھا دیتا ہے، اس نے جو قاعدے رہنے سہنے اور آپس میں ملنے جلنے کے تمہارے لئے مقرر کئے ہیں، وہ اپنے علم وحکمت کی بناء پر کئے ہیں وہ خوب جانتا ہے کہ کس وقت کیا ہونا چاہئے۔

احکام و مسائل

گھر کے لوگوں کیلئے اجازت کا حکم

اس سورت کی پچھلی آیتوں میں بیان ہوا کہ کسی سے ملاقات کو جاؤ تو بغیر اجازت لئے اس کے گھر میں داخل نہ ہو، گھر زنانہ ہو یا مردانہ، آنے والا مرد ہو یا عورت، سب کے لئے کسی کے گھر میں جانے سے پہلے اجازت کو واجب قرار دیا گیا ہے، مگر یہ حکم باہر کے لوگوں کے لئے تھے جو باہر سے ملاقات کے لئے آئے ہوں۔

اس آیت میں جس اجازت کا بیان ہے اس سے گھر کے اندر کے لوگ مراد ہیں، جو عموماً ایک گھر میں رہتے اور ہر وقت آتے جاتے رہتے ہیں، اور ان سے عورتوں کا پردہ بھی نہیں، ایسے لوگوں کے لئے بھی اگرچہ گھر میں داخل ہونے کے وقت اس کا حکم ہے کہ اطلاع کر کے یا کم از کم قدموں کی آہٹ کو ذرا تیز کر کے یا کھانس کھنکار کر گھر میں داخل ہوں۔

یہ حکم تو گھر میں داخل ہونے سے پہلے کا تھا لیکن گھر میں داخل ہو کر پھر یہ سب ایک جگہ ایک دوسرے کے سامنے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں ان کے لئے تین خاص وقتوں میں جو انسان کی تنہائی میں رہنے کے وقت ہیں، ایک اور اجازت کا حکم ان آیتوں میں دیا گیا ہے، وہ تین وقت: صبح کی نماز سے پہلے، اور دوپہر کو آرام کرنے کے وقت، اور عشاء کی نماز کے بعد کے ہیں۔ ان میں نامحرموں اور قریبی رشتہ داروں کو یہاں تک کہ نابالغ بچوں اور لونڈیوں کو بھی اس اجازت کا پابند کیا گیا ہے۔

بچہ بالغ ہو جائے تو وہ بھی اجازت لے

وَ اِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ

اور جب پہنچ جائیں | لڑکے | میں سے تم | بلوغ | تو انہیں اجازت لینی چاہئے | جیسے | اجازت لیتے ہیں

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ

وہ جو سے پہلے ان اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ لئے تمہارے اپنی آیتیں اور اللہ

عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾

جاننے والا حکمت والا ہے(۵۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب تم میں سے لڑکے بالغ ہونے کو پہنچ جائیں تو انہیں ویسے ہی اجازت لینی چاہئے جیسے ان سے پہلے بڑے ہونے والے لیتے تھے، یوں اللہ تمہیں اپنی باتیں کھول کر سناتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔(۵۹)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: لڑکے جب تک نابالغ ہیں، ان تنہائی کے وقتوں کے سوا جن کا پہلے بیان ہوا بے اجازت گھر میں ہر جگہ چل پھر سکتے ہیں، لیکن جب وہ بالغ ہوجائیں تو ان کا حکم مردوں کا سا ہے، اور ان کو ان حکموں کی پابندی کرنی چاہئے جو پہلی آیتوں میں نگاہ نیچی رکھنے اور گھروں میں آنے جانے کی بابت بیان ہو چکے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم تمہارے لئے خوب کھول کر واضح طور پر بیان کر دیئے ہیں اور چونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز اور ہر بات کی حقیقت اور مصلحت سے خوب واقف ہے، اس لئے وہ ایسے حکم مقرر کرتا ہے، جس کا پابند ہو کر وہ دنیا میں پاک زندگی بسر کر سکے۔

پردہ کی احتیاط

وَ الْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ

اور بیٹھ رہنے والی میں سے عورتوں جن میں نہیں توقع نکاح کی پس نہیں پر ان

جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ ؕ وَ اَنْ
گناہ کہ اتار رکھیں کپڑے اپنے نہ ظاہر کرتے ہوئے اپنا بناؤ سنگھار اور اگر

يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۶۰
بچیں اس سے زیادہ بہتر ہے لئے ان کے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا ہے جانتا ہے (٦٠)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور جن بوڑھی عورتوں کو نکاح کی توقع نہ رہی ہو ان کے لئے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ اپنے (زائد) کپڑے مثلاً: چادریں نامحرموں کے سامنے اتار کر رکھ دیں بشرطیکہ اپنی زینت کی نمائش نہ کریں اور اس سے بھی بچیں تو ان کے لئے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ باتیں سنتا جانتا ہے۔(٦٠)

لفظی تحقیق: اَلْقَوَاعِدَ: بیٹھ رہنے والیاں۔"قَاعِدَةٌ" کی جمع ہے، جو اسم فاعل مؤنث ہے۔ق۔ع۔د سے قعود کے معنی بیٹھنا، یہاں اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جن کو ماہواری آنا بند ہو گیا ہو،لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا: امید نہیں رکھتیں کہ کوئی ان سے نکاح کرے گا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: بوڑھی عورتیں گھر کے اندر اوپر کے کپڑے اتار رکھیں تو حرج کی بات نہیں اور باہر جاتے وقت بھی زائد برقعہ وغیرہ اتار دیں تو کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ اس کے بدن کی بناوٹ یا اپنا سنگھار دکھانا مقصود نہ ہو، لیکن اگر یہ عورتیں بھی پورا ہی پردہ رکھیں تو ان کے لئے بہتر ہے، اوپر کے زائد کپڑے بھی نہ اتاریں اور بدن کو چھپائے رکھیں تو اس کا انجام ان کے حق میں زیادہ اچھا ہوگا، اس ظاہری پردہ کے ساتھ یہ بھی ہر وقت یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی سب باتیں سنتا اور سب کام دیکھتا ہے، دل کی بھیدوں اور نیتوں تک سے خوب واقف ہے، پردہ کے حکموں پر عمل کرنا تو قانون کی پابندی کرنا ہے لیکن ارادوں، بری باتوں اور گندے خیالات سے بچانا چاہئے، یہاں سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ پردہ کی کتنی اہمیت ہے، جب بوڑھی عورتوں کو اتنی تاکید ہے، تو نوجوان لڑکیوں کو

پردے کا اس سے بھی زیادہ خیال رکھنا چاہئے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ پردے سے مقصد یہ ہے کہ بدن یا زیور دیکھ کر کسی کے دل میں برے خیالات پیدا نہ ہوں۔

کوئی حرج نہیں

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى

نہیں ہے پر اندھے کوئی تنگی اور نہ پر لنگڑے کوئی تنگی اور نہ پر

الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ

بیمار کچھ تنگی اور نہ پر خود تم کہ کھاؤ تم سے گھروں اپنے

اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ

یا گھروں سے باپوں اپنے کے یا گھروں سے ماؤں اپنی کے یا گھروں سے بھائیوں اپنوں کے یا

بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ

گھروں سے بہنوں اپنی کے یا گھروں سے چچاؤں اپنوں کے یا گھروں سے پھوپھیوں اپنیوں کے یا

بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ

گھروں سے ماموؤں اپنوں کے یا گھروں سے خالاؤں اپنیوں کے یا جو جس گھر کے مالک ہو تم کنجیوں ان کے یا

صَدِيْقِكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ۭ

کے ہاں دوستوں اپنوں نہیں پر تم کوئی گناہ کہ کھاؤ تم اکٹھے یا الگ الگ

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ

پس جب داخل ہوا کرو تم گھروں میں تو سلام کرو پر اپنے آپس کے لوگوں دعا سے جانب اللہ کی

ع ٨ ١٤

مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۚ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦١﴾

برکت دی گئی دل پسند اس طرح بیان کرتا ہے اللہ لئے تمہارے آیتیں تاکہ تم سمجھ لو (٦١)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اندھے پر اور لنگڑے پر اور بیمار پر کوئی تنگی نہیں اور نہ خود تمہارے اوپر کچھ تنگی ہے کہ کھاؤ تم اپنے گھر سے یا اپنے باپوں کے گھر سے یا اپنی ماؤں کے گھر سے یا اپنے بھائیوں کے گھر سے یا اپنی بہنوں کے گھر سے یا اپنے چچاؤں کے گھر سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھر سے یا اپنے ماموؤں کے گھر سے یا اپنی خالاؤں کے گھر سے یا جس گھر کی کنجیوں کے تم مالک ہو یا اپنے دوستوں کے گھر سے تم پر کوئی گناہ نہیں کہ آپس میں مل کر کھاؤ یا الگ الگ، پھر جب گھروں میں جایا کرو تو اپنے لوگوں پر سلام کرو کہ یہ ملاقات کی وہ بابرکت دعا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کھول کر بیان کرتا ہے اپنی آیتیں تا کہ تم سمجھ لو۔(٦١)

تفسیر

عرب کے اندر کھانے پینے کے معاملے میں ہر ایک اپنے خیالات پر چلتا تھا، غریب اور اندھے لوگ، مالداروں اور تندرستوں کے ساتھ کھانے میں جھجکتے تھے کہ کہیں ہمارا کھانا یا کھانے کا طریقہ انہیں ناگوار نہ گذرے، بعض تندرست اور مالدار انہیں اپنے ساتھ اس لئے نہ کھلاتے تھے کہ کہیں ان کو اس کی شکایت نہ ہو کہ ہمارے ساتھ مناسب سلوک نہیں ہوا، بعض وقت کسی کے اپنے پاس کھانے کو کچھ نہ ہوا تو اپنے قریب رشتہ داروں کے پاس جانا ٹھیک نہیں سمجھتا تھا یا محتاج کو ان سے کچھ کھانا دلواتے ہچکچاتا تھا کہ کہیں یہ نہ سمجھنے لگیں کہ ہمارے سر خواہ مخواہ کا بوجھ ڈال دیا، پھر بعض قبیلوں میں ہر شخص کے الگ الگ کھانے کا رواج تھا، بعض لوگ اکٹھے ہو کر مل جل کر کھاتے تھے۔

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کا اتنا خیال نہ کرو، جس سے آپس کے بے تکلف میل جول میں خواہ مخواہ کی رکاوٹیں پیدا ہوں، کھانے پینے میں کوئی پابندی نہیں لگانی چاہئے، جس کو جس طرح سہولت ہو، اپنے گھر میں کھائے، کھلائے اگر کوئی ایسا موقع پیش آئے تو وہ بے تکلف باپ، ماں اور بہن وغیرہ

کے گھر سے کھا سکتا ہے، اس میں نہ کھلانے والے کو دل میں تنگی محسوس کرنی چاہیئے اور نہ کھانے والے کو بے جا تکلف کرنا چاہیئے۔

ارشاد ہے کہ: جیسے اپنے ماں، باپ اور بھائی وغیرہ کے گھر میں ضرورت کے وقت یا کھانا سامنے آجانے کے وقت کھا لینے میں کوئی تکلف نہ ہونا چاہیئے، ایسے ہی بہنوں چچاؤں اور پھوپھیوں، ماموؤں اور خالاؤں کے گھر میں بھی کسی تکلف کی ضرورت نہیں، اسی طرح اگر تمہیں کسی نے اپنے گھر کا مختار بنا دیا ہے اور ذخیرے کی کنجیاں تمہیں دے دی ہے تو اس میں بھی ضرورت کے مطابق کھا لینے میں کچھ حرج نہیں، مخلص دوستوں کے ہاں بھی بے تکلف کھانے پینے میں کوئی رکاوٹ نہیں، پھر کھانے میں بھی تمہیں اجازت ہے کہ اکٹھے ہو کر کھاؤ، یا الگ الگ، دستر خوان پر بھی ایک جگہ بیٹھنا ضروری نہیں، الگ الگ ہر شخص کھا سکتا ہے، ان احکام میں اس بات کی رعایت رکھی گئی ہے کہ فضول تکلفات نہیں کرنا چاہیئے، یہ ضرور ہے کہ ہر ایک کو دوسرے کی مرضی اور سہولت کا خیال رکھنا چاہیئے یہ احکام ایک طرفہ نہیں، بلکہ ان میں دونوں طرف کے آرام اور راحت کا خیال رکھا گیا ہے کسی کو اس سے یہ مطلب نہ نکالنا چاہیئے کہ اسے دوسرے کو پریشان کرنے کا حق حاصل ہو گیا ہے اور یہ کہہ کر دوسرے کے گھر ڈیرے ڈال کر بیٹھ جائے کہ تمہارے ہاں سے کھانے کی مجھے اجازت ہے؛ اس لئے لاؤ کھلاؤ، ان حکموں سے مقصود خواہ مخواہ کے تکلفات کو چھڑانا ہے، باقی یہ سب اس اصل قاعدے کے تحت ہیں کہ کوئی کسی کو جان بوجھ کر تکلیف نہ پہنچائے اور دوسرے پر بوجھ نہ بنے۔

مسلمانوں کو آپس میں ہنسی خوشی رہنا اور ایک دوسرے کی خیر خواہی اور ہمدردی میں بسر کرنا چاہیئے اور اپنی باتوں اور اپنے اخلاق سے ایک دوسرے کو ہر وقت خوش رکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے، اس کا خیال رکھنا چاہیئے کہ کسی کو کسی سے کوئی تکلیف نہ پہنچنے پائے، ہر ایک کو دوسرے کی عزت کی حفاظت کرنی ضروری ہے۔

ارشاد ہے کہ: کسی اور کے گھر میں داخل ہو تو پہلے اجازت لو، سلام کرو، پھر نیچی نظریں کئے داخل ہو، اس آیت کے حصے میں ارشاد ہے: کہ خود اپنے رشتہ داروں کے گھروں میں داخل ہو تو پہلی بات جو داخل ہوتے منہ سے نکالو، وہ "السلام علیکم" ہونی چاہیئے۔

یہ اللہ تعالیٰ سے بھیجا ہوا ایک برکت والا اور دوسروں کو خوش کرنے کے لئے بہت پاکیزہ دعا ہے اور اس میں دوسروں کے لئے سلامتی اور امن وامان کی دعا ہے اور یہ اپنی نیک نیتی اور ہمدردی ظاہر کرنے کے لئے بہت پاکیزہ بات ہے، اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے تمہیں اپنی آیتیں کھول کر سناتا ہے تاکہ تم ان کو عقل سے سمجھو۔

اَوْ مَا مَلَکْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ: جن کی کنجیاں تمہاری ملکیت میں ہیں، ان سے مراد غلام یا چوکیدار ہیں، جو کسی کے سفر کے دوران ان کے گھر کی حفاظت کے ذمہ دار ہوں، ایسے لوگ بھی اگر اپنے آقا کے گھر سے کھا پی لیتے ہیں تو انہیں اجازت ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کسی جنگ میں چلنے کا اعلان کرتے تو ہر ایک کی خواہش ہوتی کہ وہ آپ کی ہمسفری کا شرف حاصل کرے، ایسے حالات میں وہ اپنے گھروں کی چابیاں اپنے خاص دوستوں کو دے جاتے تھے اور ساتھ کہہ دیتے تھے کہ حسبِ ضرورت یہاں سے کھا پی لیا کریں، ایسے لوگ بعض اوقات یہ سمجھتے تھے کہ شاید انہوں نے بادلِ نخواستہ کھانے پینے کی اجازت دی ہو، لہذا وہ کسی چیز کے استعمال سے پرہیز کرتے تھے، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم اترا۔

اَوْ صَدِیْقِکُمْ: یعنی: تمہیں اپنے دوستوں کے گھروں سے کھانے پینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے شبہ کو دور فرمادیا۔

لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْکُلُوْا جَمِیْعًا اَوْ اَشْتَاتًا: تمہیں اس بات پر کوئی حرج نہیں ہے کہ تم اکٹھے مل کر کھاؤ یا الگ الگ، عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب یہ آیت اتری، "لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ" (البقرۃ آیت: ۱۸۸)، ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ، تو صحابہ کو خیال پیدا ہوا کہ کھانے پینے کی چیزیں بھی تو مال ہیں، لہذا وہ اس وجہ سے رُک گئے کہ مل جل کر کھانے میں دوسرے سے کچھ زیادہ کھانا زیادتی ناحق میں شمار نہ ہوجائے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار کر وضاحت فرمادی کہ تمہیں اکٹھا کھانا کھانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، کسی نے کم کھالیا اور کسی نے زیادہ تو یہ کوئی پکڑ کی بات نہیں، بعض لوگ اکیلے کھانا پسند نہیں کرتے تھے، اور جب تک کوئی ساتھ نہ ہوتا کھانا نہ کھاتے تھے، بھوکا رہنا پسند کرتے تھے مگر اکیلے

کھانا نہیں کھاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے تنہا کھانے کی بھی رخصت دے دی، اگرچہ مہمان کو کھلانا بڑی اچھی عادت ہے مگر یہ بھی ضروری نہیں کہ اس کے بغیر خود بھی نہ کھایا جائے، تاہم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسروں کے ساتھ مل کر کھانے میں برکت ہے، مسند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم کھاتے تو ہیں مگر پیٹ نہیں بھرتا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شاید تم الگ الگ کھاتے ہوگے، اگر تم ایک جگہ بیٹھ کر اکٹھے کھانا کھاؤ اور اللہ کا نام لے کر کھاؤ تو تمہیں برکت حاصل ہوگی، "ابن ماجہ شریف" کی روایت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی موجود ہے، مل کر کھاؤ کیونکہ مل کر بیٹھنے میں برکت ہے، بہرحال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اکٹھے مل کر کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ: جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں پر سلام کیا کرو، یہاں پر خود اپنے گھروں میں داخلے کے وقت بھی اپنے گھر والوں کو سلام کرنے کے لئے کہا گیا ہے، ابن طاؤس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: تم میں سے جو شخص گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب تم گھروں میں جاؤ تو خدا تعالیٰ کا سکھایا ہوا بابرکت سلام کہو، فرماتے ہیں کہ: میں نے تو آزمایا ہے کہ یہ سراسر برکت ہے۔

اور جب کسی ایسے گھروں میں جاؤ، جہاں کوئی نہ ہو تو یوں کہو "اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ" یعنی: ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو، لہذا گھر میں داخلے کے وقت سلام کرکے داخل ہوا کرو۔

ایمان کی نشانی

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِذَا كَانُوْا مَعَهٗ

بات یہی ہے کہ ایمان والے وہ ہیں جو یقین لائے ہیں پر اللہ اور رسول اس کے پر اور جب ہوتے ہیں ساتھ اس کے

عَلٰٓی اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ

کسی اکٹھا کام کرنے والے کام میں تو نہیں جاتے جب تک کہ اجازت لے لیں اس سے تحقیق جو لوگ

یَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ

آپ سے اجازت لے لیتے ہیں وہی ہیں وہ لوگ جو مانتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو

بامحاورہ ترجمہ:۔ ایمان والے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے پیغمبر پر یقین لائے جب آپ کے ساتھ کسی اجتماعی کام میں ہوتے ہیں تو وہ آپ سے چلے نہیں جاتے یہاں تک کہ آپ سے اجازت لے لیں جو لوگ آپ سے اجازت لیتے ہیں وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو اور اس کے پیغمبر کو مانتے ہیں۔

لفظی تحقیق: اَمْرٍ جَامِعٍ: اجتماعی کام۔ جیسے: مشورے، وعظ وہدایت یا جہاد وغیرہ۔

تفسیر

گھروں کے اندر آنے کے جو آداب ہیں، ان کا بیان ہو چکا تو اب مشوروں اور وعظ نصیحت کی مجلسوں سے ضرورت کے وقت اٹھ کر جانے کا طریقہ بتایا جاتا ہے، ایسی مجلسوں کے لئے جو کسی ضروری کام کے انجام دینے یا کسی مہم کی تیاری کیلئے بلائی جاتی ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی لوگوں کو کسی کے ذریعے بُلا بھیجتے تھے، لوگ اکٹھے ہو جاتے، اس آیت میں ہدایت کی گئی ہے کہ جو لوگ ایمان لانے کا اقرار کر چکے ہیں، ان کے اُوپر اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کا کہنا ماننا فرض ہو چکا، اب اس کا تقاضا یہ ہے کہ جس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو کسی اجتماعی کام کے لئے بلائیں تو وہ فوراً حاضر ہو جائیں اور وہاں سے آپ کی اجازت کے بغیر نہ جائیں، ایمان والے وہی ہیں، جو اجازت لئے بغیر مجلس سے نہیں جاتے، یہ اجازت لینا نشانی ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر پر ایمان لانے کی۔

مرتبہ کا فرق

فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَ

پس جب اجازت چاہیں آپ سے اپنے کسی کام کے لئے پس اجازت دیں جسے آپ چاہیں میں سے ان اور

اسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۲﴾ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ

بخشش مانگیں لئے ان کے اللہ سے تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے (۶۲) مت سمجھو بلانا

الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ

پیغمبر کا اپنے اندر مانند بلانے اپنے کے ایک کے ایک کو

بامحاورہ ترجمہ: پھر جب اپنے کسی کام کے لئے آپ سے اجازت مانگیں تو ان میں سے جس کو چاہیں اجازت دیں اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں، اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۶۲) پیغمبر کا بلانا اپنے اندر ایسا مت سمجھو جیسے تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔

تفسیر

اس آیت میں پہلے بتایا کہ ضروری اجتماع سے اٹھ کر باہر جاؤ تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت لے لیا کرو، اس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہے کہ: اگر کوئی اٹھ کر جانے کی اجازت مانگے تو وہ جس کو مناسب سمجھیں اجازت دے دیں، پھر اس کے لئے مغفرت کی دعا کریں، ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ بخش دے گا، جو کسی مجبوری کی وجہ سے اٹھتے ہیں، اس کے بعد ارشاد ہے کہ: جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بے پروائی کا برتاؤ کر لیتے ہو، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا برتاؤ کبھی مت کرو، ان کا مرتبہ تم سب سے بہت بلند ہے۔

فرمایا: جب کسی کو اجازت مانگنے پر اجازت دے دیں، ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا بھی کریں،

اس میں یہ تنبیہ بھی پائی جاتی ہے کہ اگر اجازت مانگنے میں ذرا بھی بہانہ سازی ہوتی یا اجتماعی معاملہ کسی شخص کی انفرادی ضرورت سے زیادہ اہم ہوا تو پھر ایسے شخص کے لئے اجازت حاصل کرنا کوتاہی ہوگی؛ اسی لئے فرمایا کہ: ایسے شخص کی معمولی لغزش کے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست بھی کریں۔

بے شک اللہ تعالیٰ نہایت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے، جب کوئی شخص غلطی کر کے معافی طلب کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے معاف فرما دیتے ہیں۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کے بلانے کی طرح نہ سمجھو، اسی آیت میں لفظ "دعا" استعمال ہوا ہے، جو کہ تین مختلف معانی میں استعمال ہو سکتا ہے، پہلا معنیٰ تو یہ ہے کہ: جب اللہ کا پیغمبر تمہیں بلائے تو اسے عام آدمی کے بلانے کی طرف نہ سمجھو، بلکہ آپ کے ادب واحترام کا تقاضہ یہ ہے کہ جب بھی اللہ کا پیغمبر بلائے، لبیک کہتے ہوئے فوراً حاضر ہو جاؤ، اور دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کرو، ورنہ ایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔

"دعا" کا دوسرا معنیٰ یہ ہو سکتا ہے کہ: جب تم اللہ کے پیغمبر کو پکارو تو آپ کے ادب واحترام کو پیش نظر رکھو، عام آدمیوں کی طرح نام لے کر اور بلند آواز سے مت پکارو، بلکہ آواز کے ساتھ نام لینے کی بجائے "یا رسول اللہ!" "یا" "یا نبی اللہ!" کہہ کر مناسب آواز سے پکارو۔

اس "دعا" کا تیسرا معنیٰ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی "دعا" کو عام آدمیوں کی "دعا" کی طرح مت سمجھو، آپ کی "دعا" تو قبول ہے، تمہارے کسی قول یا فعل سے پیغمبر کو تکلیف نہیں ہونی چاہئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے منہ سے کوئی ایسی "دعا" نکل جائے جس سے تم ہلاک ہو جاؤ، اسی طرح اگر اللہ کے پیغمبر تم سے خوش ہو کر تمہیں "دعا" دیں تو یہ تمہارے لئے بہت بڑی سعادت ہوگی، بہر حال یہ تینوں معانی ہو سکتے ہیں تاہم پہلا معنیٰ زیادہ راجح ہے۔

آیت کا ایک اور معنیٰ: لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ (الآیة): سے مراد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کا لوگوں کو بلانا ہے، اور معنیٰ آیت کے یہ ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کو بلائیں تو اسکو عام لوگوں کے بلانے کیطرح نہ سمجھو کہ اس میں آنے نہ آنیکا اختیار رہتا ہے، بلکہ اس وقت آنا فرض ہوجاتا ہے، اور بغیر اجازت جانا حرام ہوجاتا ہے۔

منافقوں کو تنبیہ!

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ
تحقیق جانتا ہے اللہ ان کو جو چپکے سے چل دیتے ہیں میں سے تم بچ بچا کر پس! ڈرنا چاہئے

الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ
ان کو جو خلاف کرتے ہیں سے حکم اس کے کہ پہنچے ان کو کوئی آفت یا پہنچے ان کو

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦٣﴾
عذاب دردناک (٦٣)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کو جانتا ہے، جو آنکھ بچا کر کھسک جاتے ہیں سو! وہ لوگ جو اس کے حکم کے خلاف کرتے ہیں اس سے ڈرتے رہیں ان پر کوئی آفت نہ آپڑے یا ان کو دردناک عذاب نہ پہنچے۔ (٦٣)

لفظی تحقیق: يَتَسَلَّلُوْنَ: کھسک جاتے ہیں۔ مضارع کا صیغہ ہے، "تَسَلُّلٌ" سے، جس کا مادہ س۔ ل۔ ل۔ سَلٌّ: کے معنیٰ جلدی سے کھینچ کر نکالنا۔ تَسَلُّلٌ: اس کا لازم ہے، چھپکے سے کھسک جانا۔ لِوَاذًا: ایک دوسرے کے پیچھے چھپ کر۔ باب مفاعلہ کا مصدر ہے۔ ل۔ و۔ ذ۔ سے لَوْذٌ: کے معنیٰ آڑ لینا، پناہ لینا۔ لِوَاذٌ: ایک دوسرے کی آڑ لینا۔

تفسیر

مدینہ میں بھی ایسے لوگ تھے، جو مکہ کے کافروں کے ہم خیال تھے، وہ سمجھتے تھے کہ اسلام محض کچھ دن کا کھیل ہے، یہ پرانے مدتوں کے جمے ہوئے طریق زندگی کو کیا اکھاڑیگا، خود ہی تھوڑے دن میں مٹ جائے گا، یہ لوگ بظاہر مسلمانوں کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے، لیکن دل میں اسلام کی ذرا اہمیت نہ تھی، اذان سن کر نماز کے لئے بادلِ نخواستہ آتے، مسلمانوں کی مجلسوں میں حاضر ہوتے، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سنتے، لیکن تھوڑے دیر میں طبیعت اُکتا جاتی اور کوئی مسلمان باہر جاتا تو اس کی آڑ میں چھپ کر یہ بھی کھسک جاتے، کیونکہ جو بات کسی کے دل کو نہ لگے، وہ اسے کیا خاک پسند آئے گی، اس آیت میں اس طرز عمل کی مذمت کی گئی ہے۔

ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جو لوگ دوسروں کے آڑ لیکر کھسک جاتے ہیں ان کے دل میں سرکشی ہے، یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کا خیال نہیں رکھتے انہیں ڈرنا چاہئے کہ اس مخالف کا وبال ان پر پڑ سکتا ہے، اور ان پر دنیا میں سخت آفت آسکتی ہے اور آخرت میں دردناک عذاب کے اندر پھنس سکتے ہیں۔

سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہے

أَلَآ إِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ قَدْ يَعْلَمُ مَآ أَنْتُمْ

خبردار تحقیق اللہ ہی کا ہے جو کچھ میں ہے آسمانوں اور زمین بیشک وہ جانتا ہے وہ تم ہو

عَلَيْهِ ۖ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۗ وَاللّٰهُ

پر جس اور جس دن لوٹائے جائیں گے طرف اس کی پس بتائے گا انہیں جو کچھ انہوں نے کیا اور اللہ

ع ٩ ٣ ١٥ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٦٤﴾

ہر چیز کا جاننے والا ہے (٦٤)

بامحاورہ ترجمہ:۔خبردار! اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے، اسے معلوم ہے جس حال میں تم ہو، اور جس دن واپس لے جائے جائیں گے اس کی طرف تو انہیں بتائے گا جو کچھ انہوں نے کیا، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔(۶۴)

تمت بالخیر

Islamic Studies Publishers
Karachi-Pakistan

دفتر ریسرچ اینڈ رجسٹریشن آفیسر اوقاف

(حکومتِ سندھ)

جامع مسجد آرام باغ۔ کراچی

فون نمبر: 021-99332012 موبائل: 0300-3311811

نشانِ مجاریہ: ۔آر۔آر۔او (اوقاف) A-64/2017 مورخہ 28/9/2017

MUFTI MUNEER AHMED TARIQ
RESEARCH & REGISTRATION OFFICER
AUQAF DEPARTMENT GOVT. OF SINDH

تصدیق نامہ

میں نے مکتبہ ربانیہ کراچی کے مطبوعہ قرآن پاک مترجم بنام: آسان تفسیر القرآن مکمل (۱۰ جلدیں)، تالیف وترتیب حضرت مولانا مفتی اصغر علی ربانی صاحب مدظلہم کے عربی متن کو بغور پڑھا اور اسکے تمام حروف واعراب (زبر، زیر، پیش وغیرہ) کی پروف ریڈنگ اپنی زیرِ نگرانی کروائی ہے۔

الحمدللہ! بہت معیاری اور صحیح کتابت کرائی گئی ہے۔ تصدیق کی جاتی ہے کہ مذکورہ بالا قرآن پاک (اردو مترجم) آسان تفسیر القرآن (۱۰ جلدیں) تمام اغلاط سے پاک اور مبرا ہے۔ ان شاء اللہ

المصدق

مولانا مفتی منیر احمد طارق

ریسرچ و رجسٹریشن آفیسر اوقاف

حکومت سندھ
مفتی منیر احمد طارق
ریسرچ و رجسٹریشن آفیسر
محکمہ اوقاف سندھ کراچی

مکتبہ ربانیہ کراچی

ISLAMIC STUDIES PUBLISHERS